کتاب عجیب پُرحیرۂ تحقیقات

تصویر عزاء

جس میں عزاداری حضرت امام حسینؑ کے متعلق ایک فاضل اہلحدیث شوہر
اور ذی علم حنفی بیوی کی بہت مہذب محققانہ اور عجیب بحث لکھی گئی ہے

مصنفہ

جناب مولانا السید علی حیدر صاحب قبلہ مدیر رسالہ اصلاح دام برکاتہم

ابن

جناب سید المحققین فخر المتکلمین ظہیر الایمان والمومنین حجۃ الاسلام والمسلمین
آیۃ اللہ فی العالمین مولانا السید علی اظہر صاحب قبلہ اعلی اللہ مقامہ

المتوفی ۱۲ شعبان سنہ ۱۳۵۲ ہجری

پہلی دفعہ

اصلاح مشین پریس کھجوا میں چھپکر شایع ہوئی

مختصر فہرست مضامین کتاب تصویر عزاء

(بقیہ فہرست ٹائٹل صفحہ ۳ پر ملاحظہ ہو)

الحمدللہ

کہ

کتاب ذخیرۂ تحقیقات

مسمےٰ بہ

تصویر عزاء

جس میں حضرت امام حسینؑ علیہ السلام کی عزاداری کے متعلق مخالفین کے بکثرت
اعتراضات اور ان سب کے بہت تشفی بخش مفصل اور محققانہ جوابات
غیر مقلد شوہر اور حنفی زوجہ کے دلچسپ مباحثہ کی صورتیں درج کئے گئے ہیں

مصنفہ
جناب مولانا السید علی حیدر صاحب قبلہ عم فیوضہم

پہلی دفعہ ۱۳۵۱ ہجری

باہتمام
سید محمد جعفر

مطبع اصلاح کجھوا میں چھپکر شایع ہوئی



الحمد للہ رب العالمین والصلوٰۃ والسلام علی سیدنا ومولانا ابی القاسم محمد وآلہ الطاہرین

احقر علی حیدر عفی عنہ ابن حضرت حجۃ الاسلام والمسلمین ظہیر الایمان والمومنین فخر المحققین وصدر المتکلمین مولانا السید علی اظہر صاحب قبلہ دام ظلہم العالی عرض کرتا ہے کہ حضرت سید الشہداء امام حسین علیہ السلام کے (۱) فضائل ومناقب (۲) آپ کے فرزند رسول خدا ہونے (۳) آپ کے بیعت یزید سے انکار کرنے (۴) حضرت کے قتل کیلئے یزید کے حکم دینے (۵) حضرت امام حسینؑ کے تقیہ کرکے بیعت یزید نہ کرنے (۶) اسلام کی حفاظت کیلئے حضرت کے مکہ معظمہ سے کوفہ روانہ ہونے (۷) کربلا معلی میں کمال صبر واستقلال وپابندی حق وجوہر شجاعت دکھانے کے بعد حضرتؑ کے شہید ہونے (۸) شہادت سے حضرت کی نیت اور غرض (۹) حضرت کے سید الشہداء ہونے (۱۰) اہلبیت طاہرینؑ کی اسیری وبے پردگی (۱۱) ابن سعد۔ ابن زیاد اور یزید کے مظالم (۱۲) شہداء کربلا کے درجات (۱۳) حضرتؑ کے قاتلوں کے مذہب کی تحقیق کہ وہ شیعہ تھے یا سنی (۱۴) اُن سزاؤں کے بیان جو حضرت کے قاتلوں کو دنیا میں بھی ملیں (۱۵) ان حضرات پر گریہ وبکا کرنے (۱۱) ا محرم سے ۸ صفر تک سال نو کی خوشی کرنے کے عوض ایام غم منانے (۱۷) ماہ محرم کی حرمت (۱۸) مجالس امام حسینؑ وذکر شہداء کربلا (۱۹) تعزیہ بنانے رکھنے۔ اور اسکے احترام کرنے (۲۰) نوحہ وماتم کرنے سر پر خاک اڑانے۔ دلدل۔ تابوت۔ علم۔ سپر اور دوسری شبیہیں نکالنے (۲۱) عاشورہ کو روزہ نہ رکھنے بلکہ اسکے عوض فاقہ کرنے (۲۲) وقعات

کربلا و کوفہ وشام کے ذکر کرنے اور سننے سے انسانی اخلاق میں ترقی ہونے (۲۳) معجزات وکرامات تعزیہ وعزاداری وغیرہ (۲۴) عزاداری سے دین اسلام کے محفوظ رہنے بلکہ زندہ ہونے (۲۵) امام باڑوں اور کربلاؤں کی تعظیم کرنے (۲۶) روز عاشورا بعض تسبیحوں کے سرخ ہو جانے (۲۷) یزید پر لعنت اور قاتلان شہدائے کربلا سے تبرا کرنے (۲۸) قومی ترقی کیلئے کل مسلمانوں کے ملکر عزاداری میں ترقی دینے (۲۹) واقعہ کربلا اور رسوم عزاداری پر محققین یورپ کے خیالات (۳۰) عزاداری میں غیر مسلم قوموں کی شرکت۔ وغیرہ امور کے متعلق بعض متعصب (اہلحدیث۔ ناصبی اور خارجی) جماعتیں برابر متعدد اعتراضات کرتی اور مختلف کتابیں۔ رسالے۔ اشتہارات اور اخباروں میں مضامین شایع کرکے مخالفت کرتی رہتی ہیں۔ اور اسلام کی اس روح افزا عبادت کے روکنے میں کسی کوشش سے باز نہیں رہتیں۔ بلکہ ان جماعتوں کے وہ حضرات بھی جو یورپ اور ہندوستان میں اعلیٰ درجہ کی مغربی تعلیم حاصل کرکے بی۔ اے۔ ایم۔ اے نیز ڈاکٹری۔ بیرسٹری کی سندیں پاکر بظاہر مذہبی پابندیوں سے دور سمجھے جاتے ہیں عزاداری کی مخالفت اور بنی امیہ کی حمایت میں ویسے ہی مستعد ہو جاتے ہیں جیسے جاہل طبقہ یا متعصب علماء سے ظاہر ہوتی رہتی ہیں۔

اگرچہ حق پسند علمائے اسلام برابر ہر قسم کے شکوک وشبہات کی تحقیق اور جملہ اعتراضات کے جواب میں چھوٹی کتابیں۔ متفرق رسالے اور اخباروں میں مفصل اور تشفی بخش مضامین شایع کرتے رہتے ہیں۔ مثلاً رسالہ اصلاح کھجواہی میں دوسو سے زیادہ مضامین ان امور کے متعلق لکھے گئے جن کے حسب ذیل مضامین بہت تحقیق وجامعیت سے مرتب ہوئے اور اس مسئلہ کے متعلق بہترین معلومات کا نہایت قیمتی ذخیرہ ہیں

سنہ ۱۳۱۶ ہجری میں (۱) محرم الحرام۔
سنہ ۱۳۱۷ ہجری میں (۲) تاریخ عطش بنی ہاشم۔

۱۳۱۹ھ ہجری میں مرزا حیرت دہلوی اڈیٹر کرزن گزٹ دہلی نے یہ جدید تجویز پیش کی کہ ہر محرم میں مسلمانوں کو عید نوروز کرنی چاہیئے (۳) اس کا مفصل جواب
۱۳۲۰ و ۲۱ و ۲۳ھ ہجری میں مضامین (۴) "واقعات کربلا کا اثر اخلاق پر" لکھکر دکھایا گیا کہ ان واقعات کے بیان کرنے اور سننے سے انسان کے اخلاق میں اعلیٰ درجہ کی ترقی ہوتی ہے (۵) مضمون "تقسیم عاشورا" لکھکر دکھایا گیا کہ مسلمانوں سے کون لوگ اور کیوں اس روز غم کرتے اور کون جماعتیں کس وجہ سے اس عبادت سے علحدہ رہتی ہیں (۶) حقیقت تبرا۔
۱۳۲۲ھ ہجری میں (۷) فضائل ماتم و عزاداری (۸) شہادت امام حسینؑ کی نسبت ایک سچی رائے اور اسکی غلطی (۹) اصلاح عزار (۱۰) عزاداری سے فرقہ حقہ شیعہ کی حیرت انگیز ترقی جو ایک فرانسیسی مورخ ڈاکٹر جوزف کی تحقیق کا ترجمہ ہے (۱۱) مضمون اصلاح عزار پر ریمارک۔
۱۳۲۳ھ ہجری میں (۱۲) مضمون فرقہ شیعہ کی حیرت انگیز ترقی اور اسکی شرح (۱۳) محرم الحرام اور رسوم (۱۴) مرزا حیرت نے امام حسینؑ کی شہادت سے انکار کیا تو اسکے جواب میں کئی مضامین (۱۵) محرم کا ماتم (۱۶) صحابہ اہلسنت کا امام برحق یزید (۱۷) فرقہ شیعہ کی حیرت انگیز ترقی یا تنزل۔
۱۳۲۴ھ ہجری میں (۱۸) مضمون "اہلسنت بھی سب تبرائی ہیں" (۱۹) ماتم کرنا (۲۰) مرثیہ خوانی (۲۱) واقعہ کربلا (۲۲) فرقہ شیعہ کی حیرت انگیز ترقی یا تنزل (۲۳) مرزا حیرت کے جواب میں بہت سے مضامین (۲۴) انسائکلوپیڈیا سے جناب امام حسن و امام حسین کے حالات (۲۵) یزیدیوں کا حشر (۲۶) شہادت امام حسینؑ از اخبار اہلحدیث امرتسر۔
۱۳۲۵ھ ہجری میں مضمون (۲۷) یزید بن معویہ کی بنوۃ (۲۸) بڑے عالم اہلسنت جناب مولوی شاہ محمد سلیمان صاحب پھلواری کے صاحبزادے جناب مولوی حسین میاں

صاحب کا، رسالہ گریہ وبکا و مشکل کشا (۲۹) تسبیح کا بروز عاشورا سرخ ہو جانا قرآن سے مستنبط ہے (۳۰) ابو اسحاق سبیعی و شمر ذی الجوشن کے حالات (۳۱) نبوۃ یزید بن معویہ (۳۲) واقعات کربلا کی ابتدائی تاریخ (۳۳) ثبوت تعزیہ داری بجواب اشتہاری (۳۴) ٹھیکہ داران یزید (۳۵) فرقہ یزیدیہ۔

۱۳۲۶ھ ہجری میں (۳۶) عزاداری کے متعلق مہادیوجی اور رانی پاربتی کا مکالمہ۔

۱۳۲۷ھ ہجری میں (۳۷) نبوۃ یزید دوبارہ (۳۸) فرزند رسول اور امت یزید۔ (۳۹) بقیہ نبوۃ یزید دوبارہ (۴۰) شیعہ سنی ہندو کی تعزیہ داری (۴۱) حضرت یزید علیہ ما یستحقہ (۴۲) مسئلہ شہادت پر مرزا حیرت سے مباحثہ (۴۳) احسن الکلام (۴۴) مضمون عاشورا۔

۱۳۲۸ھ ہجری میں (۴۵) مضمون عاشورا نمبر ۲ (۴۶) شہید کربلا (۴۷) اخبار وکیل امرتسر نے "بدعات محرم" ایک بڑا مضمون لکھا تھا اس کا مفصل جواب کئی نمبروں میں (۴۸) روزانہ پیسہ اخبار لاہور کا مضمون سانحہ کربلا (۴۹) مضمون عاشورا پر اڈیٹر اہل فقہ کا خط اور اوس کا جواب (۵۰) القول الجمیل فی رد بدعات الوکیل (۵۱) حسینؑ اب بھی بے کس ہے (۵۲) غم حسینؑ کی نسبت اڈیٹر وکیل امرتسر کا منشا (۵۳) کیا حسینؑ اب بھی بے کس ہے (۵۴) غم حسینؑ کی نسبت اڈیٹر وکیل کا منشا ۲ (۵۵) کیا حسین ابن علیؑ بے کس ہیں؟۔

۱۳۲۹ھ ہجری میں (۵۶) جرمنی ڈاکٹر کا مضمون فلسفہ شہادت اور اسکی شرح (۵۷) شہادۃ امام حسینؑ (۵۸) شہادت امام حسینؑ پر مرزا حیرت کی قرآنی شہادت (۵۹) علم کا اثر آگ پر (۶۰) تحقیق صوم عاشورا (۶۱) آگ پر ماتم (۶۲) مجلس عزا بتخانہ جناب شاہ عبدالعزیز صاحب دہلوی۔

۱۳۳۰ھ ہجری میں (۶۳) عزاداری مظلوم کربلا (۶۴) تبدیل سال (۶۵) مسافر

اور مسلمان اور شہادۃ کربلا ، (۶۶) اسحاق کی بیٹی ارنیب (۶۷) نجاۃ الدارین بعزاء الحسینؑ (۶۸) تعزیہ داری کے متعلق علمائے مکہ معظمہ کے فتاوے (۶۹) قصبہ بپھوند میں ایک معجزہ (۷۰) قتلۃ الحسینؑ یعنی امام حسینؑ کے قاتلوں کے مذہب کی تحقیق کہ سب سُنّی تھے (۷۱) حیاۃ الشہدار۔

۱۳۳۱ھ ہجری میں (۷۲) عزاداری (۷۳) ذکر سید الشہداءؑ از کتاب وسیلۃ النجاۃ (۷۴) کرامت تعزیہ (۷۵) مدح و ذم اہل کوفہ۔

۱۳۳۲ھ ہجری میں (۷۶) آداب مجلس عزار (۷۷) مخالفت مخالفین عزاداری (۷۸) حضرت امام حسینؑ (۷۹) عزاداری ملک سیام (۸۰) شہدار کربلا اور اغیار مسافر (۸۱) معراج الشہادۃ (۸۲) قتلۃ الحسینؑ۔

۱۳۳۳ھ ہجری میں (۸۳) شہادت امام حسینؑ اور غضب خدا (۸۴) شہدار زندہ ہیں (۸۵) مفارقات عثمانیہ وحسینیہ (یعنی خلیفہ ثالث حضرت عثمان اور سید الشہدار امام حسین علیہ السلام کی شہادۃ میں کن باتوں کا فرق ہے اُن سب کی محققانہ تفصیل) (۸۶) شہادۃ امام حسینؑ اور ایک عالم جرمنی کی رائے (۸۷) خون مظلوم کب تک چھپیگا (۸۸) غم محرم۔

۱۳۳۴ھ ہجری میں (۸۹) جناب امام حسینؑ (۹۰) یزیدیوں کا جوش (۹۱) کرامات عزا (۹۲) ذبح عظیم (۹۳) صحابہ رسولخداؐ اور اصحاب امام حسینؑ میں فرق (۹۴) عفیف بن عبداللہ ازدی (۹۵) افضلیت اصحاب امام حسینؑ۔

۱۳۳۵ھ ہجری میں (۹۶) استقبال محرم (۹۷) شہادت امامین (۹۸) شہادۃ کا دوسرا سبق (۹۹) کرامات تعزیہ (۱۰۰) افضلیت اصحاب امامؑ (۱۰۱) کرامات محرم (۱۰۲) مسجد اور بازاری عورتیں۔

۱۳۳۶ھ ہجری میں (۱۰۳) شہادۃ امام حسینؑ اور صواعق محرقہ۔

۱۳۳۶ھ ہجری میں (۱۰۴) عزاداری کی مخالفت اور اس کا جواب (۱۰۵) لعنت کی ضرورت۔

۱۳۳۹ھ ہجری میں (۱۰۶) اخبار اہلحدیث امرتسر کا مضمون "شہادت امامین توحید کی شہادۃ ہے" اور اس پر نوٹ (۱۰۷) حضرت اسماعیل ذبیح اللہ (۱۰۸) تعزیہ اور محراب مسجد (۱۰۹) ممانعت شرکت مجالس عزا (۱۱۰) شہادۃ امامین اور اہلحدیث کا معیار توحید (۱۱۱) تعزیہ داری اور سنیوں کی مزاحمت۔

۱۳۴۰ھ ہجری میں (۱۱۲) عزاداری حسینؑ باعث رضاء خدا و رسول ہے۔

۱۳۴۱ھ ہجری میں (۱۱۳) برکات المجالس (۱۱۴) حضرت امام حسینؑ نے تقیہ کیوں نہ کیا (۱۱۵) عشرہ کابل (۱۱۶) غم امام حسینؑ (۱۱۷) عزاداری پر حملے اور انکی ترقی (۱۱۸) کل مینڈک ہنوز سنی ہیں یا بعض شیعہ ہو گئے۔

۱۳۴۲ھ ہجری میں (۱۱۹) برکات المجالس (۱۲۰) کربلا کا واقعہ ذبح عظیم (۱۲۱) اجازت گریہ و بکا (۱۲۲) محرم الحرام۔

۱۳۴۳ھ ہجری میں (۱۲۳) خصائص حسینی (۱۲۴) اسلام زندہ ہوتا ہے ہر کربلا کے بعد (۱۲۵) شہید کربلا (۱۲۶) محرم کی آمد (۱۲۷) صوم عاشورا (۱۲۸) وہ ہندو قوم جو شہیدان کربلا کی فدائی تھی (۱۲۹) تعزیہ داری منجانب عزاداران امام حسینؑ

۱۳۴۴ھ ہجری میں (۱۳۰) لکھنؤ میں یادگار شہدا منانے کی کوشش (۱۳۱) علماء اہلسنت کا فیصلہ حرمت تعزیہ داری کے بارے میں (۱۳۲) علماء فرنگی محل لکھنؤ اور تعزیہ۔ (۱۳۳) اہلبیتؑ طاہرین کا دوبارہ کربلا میں آنا (۱۳۴) عزاداری امام حسینؑ حضرت رسولخدا صلعم کی سنت ہے (۱۳۵) افغانستان کی مجلسین اور عزاداری (۱۳۶) احکام قرآنی و تعزیہ داری۔

۱۳۴۵ھ ہجری میں (۱۳۷) شجاعۃ حضرت مسلم بن عقیل (۱۳۸) میجر براؤن کی کتاب

سے واقعات کربلا، کا تذکرہ (۱۳۹) تعز من تشاء و تذل من تشاء، (۱۴۰) اخبار اسٹیٹسمین کلکتہ کا مضمون ہندو اور محرم (۱۴۱) حضرت سید الشہداءؑ کی اخلاقی تعلیم (۱۴۲) غمناک واقعہ کربلا۔

۱۳۴۶ھ ہجری میں (۱۴۳) یزیدی اجنٹ (۱۴۴) غمناک واقعہ کربلا، (۱۴۵) غم حسین علیہ السلام (۱۴۶) عزاداری (۱۴۷) ریب بنود در کرامات حسینؑ (۱۴۸) فلسفہ شہادت (۱۴۹) تعزیہ داری۔

۱۳۴۷ھ ہجری میں (۱۵۰) مجلس عبادت ہے (۱۵۱) حضرت سید الشہداء کی اخلاقی تعلیم (۱۵۲) ٹھیکہ داران یزید (۱۵۳) امام حسینؑ اور عقل و انصاف کی تجویز (۱۵۴) تاریخ علم (۱۵۵) شہادۃ عظمیٰ۔

۱۳۴۸ھ ہجری میں (۱۵۶) ٹھیکہ داران یزید (۱۵۷) قرآن مجید سے تعزیہ کا ثبوت (۱۵۸) واقعہ شہادت پر رونا یا خوش ہونا (۱۵۹) اخبار مدینہ بجنور کا مضمون شہادۃ کبریٰ اور اس کا جواب (۱۶۰) روز عاشورا کی خیرات (۱۶۱) اخبار اتحاد ممبئی اور مسئلہ عزاداری (۱۶۲) مخالفہ عزاداری میں اخبار اتحاد ممبئی کا درس قرآن اور اُس کا مفصل جواب۔

۱۳۴۹ھ ہجری میں (۱۶۳) رونے اور ہنسنے کی حقیقت (۱۶۴) حضرت امام حسینؑ (۱۶۵) سال نو کی خوشی یا غم (۱۶۶) مسٹر تلک اور شہیدان اسلام (۱۶۷) اہلحدیث اور عزاداری (۱۶۸) فرقہ یزیدیہ اور اُس کا طغیان۔

۱۳۵۰ھ ہجری میں (۱۶۹) قاتلان حضرت امام حسین شیعہ تھے یا سنی (۱۷۰) آسمان و زمین کا امام حسین پر رونا (۱۷۱) یزید نے امام حسینؑ کو قتل کرایا یا نہیں (۱۷۲) شہادۃ امام حسینؑ اور تقیۃً بیعت یزید نہ کرنا (۱۷۳) عتبات عالیات کے معجزات (۱۷۴) مسٹر صلاح الدین خدا بخش کی حمایت یزید (۱۷۵) معرکہ کربلا (۱۷۶) عید عاشورا،

اور مدینہ کا شور ی (۱۷۷) چودھویں صدی کے یزید (۱۷۸) دمشق (شام) میں اربعین حضرت سید الشہداء (۱۷۹) مسٹر صلاح الدین خدابخش کی یزید نوازی (۱۸۰) مسٹر صلاح الدین خدابخش کی تاریخ دانی متعلق عزاداری (۱۸۱) روحانی شہادت (۱۸۲) خدائی فیصلہ اور یزید پلید وغیرہ بکثرت مضامین۔

مگر غالباً اردو زبان میں کوئی ایسی بڑی کتاب ابتک نہیں شایع ہوئی جسمیں شہادۃ حضرت امام حسینؑ اور حضرت کی عزاداری کے متعلق مخالفین کے اکثر اعتراضات اور حمایۃ یزید کے ادلہ کے مفصل جوابات درج کیے گئے ہوں۔ اس وجہ سے ایک مدۃ دراز سے اسکی شدید ضرورت محسوس ہوتی تھی کہ اس موضوع پر ایک تحقیقی اور جامع کتاب لکھی جائے جو ان کل اعتراضات وشکوک اور ان کے مفصل، نیز تشفی بخش جوابات کا ذخیرہ ہو۔ الحمد للہ کہ اُسی کی توفیق سے اس غرض کے گئے کہ جس قدر اعتراضات ان حضرات کی طرف سے ہوتے ہیں اُن سب کو ایک جگہ جمع کرنے اور سب کے جوابوں کو درج کرنے کا انتظام کیا جائے۔ یہ کتاب "تصویر عزا" لکھی جاتی ہے۔ انشا اللہ اس میں پوری کوشش کی جائے گی کہ ۱۳۱۵ھ ہجری سے ۱۳۵۰ھ ہجری تک عزاداری کے متعلق جس قدر اعتراضات سُننے یا دیکھنے میں آئے اور جن کا ذکر رسالہ اصلاح میں بر وقت کر دیا گیا تھا اُن سب کا ذکر کیا جائے اور سب کا جواب تفصیل سے دیا جائے۔ اس طرح انشا اللہ یہ کتاب اُن کل مضامین وتحقیقات علمیہ دینیہ کا جوہر بھی ہو جائیگی جو عزاداری اور حضرت سید الشہداء علیہ السلام کی حمایۃ میں رسالہ اصلاح کی گزشتہ زندگی میں شایع ہوتے رہے اور جنکی مختصر فہرست اوپر لکھی جا چکی ہے خدا کرے اس خدمت کے انجام دینے میں یہ کتاب کامیاب ہو سکے وما توفیقی الا باللہ علیہ توکلت والیہ انیب۔ ۲۲ ربیع الاول ۱۳۵۰ھ ہجری فرض کیجیے کہ

تمہید

شہر الہ آباد میں ایک معزز عالم اور حاذق طبیب جناب حکیم عبد الوہاب صاحب رہتے تھے جن کا اسلامی فرقوں میں جماعت اہلحدیث سے تعلق تھا۔ آپ جس طرح فن طب میں بڑا کمال رکھتے اپنے مذہبی علوم میں بھی سردار سمجھے جاتے تھے حضرات اہلحدیث کو حنفی جماعت سے اکثر مناظرہ کی نوبت آتی اور جناب حکیم صاحب ہی مرد میدان بنائے جاتے مگر چونکہ طبابت میں آپ بہت مشہور ہو گئے تھے اور دور دور کے مریض آپ سے علاج کرانے آتے آپ کو مذہبی خدمات کا وقت بہت کم ملتا تھا۔

باوجودیکہ دنیا کی ریاست اور مال ومتاع کی زینت آپکو بہت کچھ حاصل ہو گئی تھی لیکن دولت اولاد سے بہت کم حصہ ملا کیونکہ خدا نے صرف ایک لڑکا دیا تھا کہ وہی گھر بھر کا چراغ سمجھا جاتا۔ دوسری ولادۃ ہوئی ہی نہیں۔ اس صاحبزادے کا نام عبد الغفار تھا حکیم صاحب نے اسکی تربیت پر پوری توجہ کی اور ایک بڑے جید عالم کو اسکی تعلیم کے لئے مقرر کیا۔

حکیم صاحب کے محلہ میں ایک اور معزز عالم جناب مولوی عبد الحمید صاحب بھی تھے جو بہت بڑے مذہبی پیشوا سمجھے جاتے۔ آپ حنفی فرقہ سے تعلق رکھتے تھے اور چونکہ سرکاری عربی امتحانات کے سند یافتہ بھی تھے۔ گورنمنٹ اسکول میں آپ کو ہڈ مولوی کی جگہ مل گئی تھی اسی سے آپ کی بسر اوقات ہوتی۔ مگر آپ نعمت اولاد سے محروم تھے۔

ان مولوی صاحب اور مذکور بالا حکیم صاحب میں اچھی ملاقات تھی بلکہ ایک طرح کی دوستی ہو گئی تھی۔ مولوی صاحب جب اسکول سے فارغ ہو کر مکان پہونچتے تو اپنی ضروریات انجام دیکر حکیم صاحب کے ہاں پہونچ جاتے۔ اگر حکیم صاحب موجود رہتے تو اُن سے باتوں میں دل بہلاتے۔ اور اگر وہ کسی مریض

کے ہاں گئے ہوتے تو انکی کتابوں کے مطالعہ میں وقت صرف کرتے۔ حکیم صاحب بھی مولوی صاحب کے ہاں اسی بے تکلفی سے آتے جاتے کہ جب کسی وقت مریضوں کی خدمت سے فرصت رہتی اور مولوی صاحب کے اسکول کا وقت نہ ہوتا آپ انکے ہاں پہونچ جاتے اور گھنٹوں بیٹھے اِدھر اُدھر کی باتیں کیا کرتے۔ اکثر مذہبی گفتگو بھی ہوتی اور تقلید کے صحیح اور باطل ہونے پر مہذب اور دوستانہ مباحثہ ہوتا رہتا۔ اور باوجودے کہ دوسرے حنفی اور غیر مقلد حضرات میں عموماً شدید اختلاف بلکہ عناد ہوتا۔ مگر یہ دونوں بزرگ ایسے بلند خیال۔ روشن ضمیر اور صلح پسند تھے کہ کبھی کسی کے دل میں کوئی کدورت نہیں ہوئی بلکہ لطف یہ ہے کہ بڑے مجمع میں عام مذہبی مناظرہ ہوتا تو غیر مقلد حضرات کی طرف سے حکیم صاحب اور حنفی جماعت کی طرف سے کبھی مولوی صاحب ہی مناظر قرار پاتے۔ اور خوب زور شور کا مقابلہ ہوتا کہ ہر صاحب دوسرے کے مقابلہ میں بادل کی طرح گرجتے تھے۔ مگر جلسہ سے باہر آنے کے بعد پھر ایسے شیر وشکر ہو جاتے کہ معلوم ہی نہیں ہوتا تھا انمیں کسی قسم کا بھی اختلاف ہے۔

البتہ ایک بات کا اثر مولوی صاحب کے دل پر ایسا ہوتا کہ اسکی کیفیت چھپنے نہیں پاتی۔ مولوی صاحب جب حکیم صاحب کے ہاں آتے تو اکثر ان کا لڑکا عبدالغفار وہاں کھیلتا رہتا جس سے حکیم صاحب کا دل تو باغ باغ ہوتا مگر مولوی صاحب اپنی حالت پر حسرت سے ٹھنڈی سانس لیتے اور اپنی تقدیر پر دل ہی دل میں افسوس کرتے کہ دولت اولاد سے بالکل محروم ہیں۔

آپنے پہلے اپنی بیوی کے بہت کچھ علاج کئے۔ مشہور اور نامی حکیموں۔ ویدوں اور ڈاکٹروں کے پاس پہونچکر اس مصیبت کو رفع کرنا چاہا مگر کوئی تدبیر کارگر نہ ہوئی۔ پھر فقیروں کی تلاش کی اور جب وہ ایک روز کی تعطیل بھی اسکول میں

ہو جاتی تو آپ کسی خدا رسیدہ فقیر کے ہاں روانہ ہو جاتے لیکن اس سے بھی دُرِ مقصود ہاتھ نہیں آیا۔ اسکے بعد آپ رُدولی شریف گئے وہاں منت مانی مگر بے کار، پھر کچھوچھہ شریف گئے اور بہت سی نذریں کیں لیکن سب بے سود۔ اسکے بعد اجمیر شریف پہونچے۔ وہاں بہت دنوں تک رہکر برابر دعا اور عمل کرتے رہے۔ ان سب کا بھی کوئی نفع نہیں ہوا اور کسی طرح آپ کی مراد پوری نہیں ہوئی۔ ان سب کوششوں کے بعد آپ مایوس ہوکر بیٹھ رہے۔ اور چونکہ صاحب علم و فضل تھے یہ خیال کرکے کہ خدا کی مشیت مجھے اولاد دینے کی نہیں ہے صبر کرلیا۔

جب اس مایوسی اور ناامیدی میں بھی کئی سال گزر گئے۔ تو ایک دفعہ محرم کے مہینہ میں عاشورا کے روز آپ گھر سے نکلے۔ اتفاقاً دیکھا کہ ایک بوڑھی ہندو عورت جو اپنی وضع سے بہت خوش حال اور معزز خاندان کی معلوم ہوتی ہے دوسرے تعزیہ داروں کے ساتھ ماتم کرتی "حسین حسین" کہتی اور پھوٹ پھوٹکر روتی ہوئی چلی جاتی ہے۔ اُسکے ساتھ ایک لڑکا بھی ہے جو سر پہ تعزیہ رکھے اور بائیں ہاتھ سے اُس تعزیہ کو پکڑے ہوئے اور داہنے ہاتھ سے ماتم کرتا اور منہ سے "حسین حسین" کہتا چلا جاتا ہے۔ مولوی صاحب نے اُس عورت کو اس طرح تڑپ کر روتے اور آنسوؤں سے منہ دھوتے دیکھکر بہت تعجب کیا اور وہاں کسی سے دریافت کیا تو معلوم ہوا کہ وہ لڑکا جو اس کے ساتھ ہے اُس عورت کا بیٹا ہے اور اسکی اولاد میں صرف وہی ہے۔ دوسرا لڑکا یا لڑکی کوئی بھی نہیں ہے۔ یہ سنکر مولوی صاحب کو اس سے دلچسپی ہوئی اور چند قدم کا فاصلہ چھوڑکر اُسکے ساتھ ساتھ آپ بھی ہو لئے۔ جب دوسرے تعزیہ داروں کے ساتھ وہ عورت بھی اپنے اس لڑکے کا تعزیہ دفن

کرکے پلٹی تو مولوی صاحب بھی اسکے مکان پر پہونچے اور جب وہ اپنے گھر میں داخل ہونے لگی تو آپ اسکی دیوار کے پاس کھڑے ہو گئے۔ وہ عورت ایک اجنبی مگر مہذب بزرگ کو اپنے مکان پر کھڑا دیکھکر گھبرائی اور پوچھا۔

عورت۔ آپ کون ہیں اور کیا چاہتے ہیں؟۔

مولوی صاحب۔ گھبراؤ نہیں۔ میں اسی شہر کا رہنے والا ہوں اور تم سے ایک بات دریافت کرنے آیا ہوں۔ مگر اجازت دو تو پوچھوں۔

عورت نے اس کا کچھ جواب نہیں دیا اور اندر چلی گئی۔ تھوڑی دیر میں اس مکان سے ایک بوڑھا ہندو شخص باہر نکلا اور مولوی صاحب سے پوچھا۔

وہ شخص۔ کون صاحب ہیں اور یہاں کیا کام ہے؟

مولوی صاحب۔ کیا آپ ہی اس گھر کے مالک ہیں؟

وہ شخص۔ جی ہاں میرا ہی یہ غریب خانہ ہے۔ ارشاد فرمایئں کیا حکم ہے۔

مولوی صاحب۔ کیا میں دریافت کرسکتا ہوں کہ آپ کا اسم گرامی کیا ہے۔

وہ شخص۔ مجھے پنڈت رادھا کشن کہتے ہیں۔ اور آپ کا نام نامی؟۔

مولوی صاحب۔ حقیر کا نام مولوی عبدالحمید ہے۔

پنڈت جی۔ میں آپ کی عزت افزائی سے نہایت شکر گزار ہوا۔ آپ نے کیوں زحمت فرمائی۔ آیئے تشریف رکھئے۔

پنڈت جی نے باہر کا کمرہ کھول دیا۔ مولوی صاحب تشریف لے گئے۔ ایک کرسی پر وہ دوسری پر پنڈت جی بیٹھے۔ پنڈت جی نے پان اور سگرٹ منگایا اور مولوی صاحب کی خدمت میں پیش کرکے پوچھا۔

پنڈت جی۔ ہاں جناب اب ارشاد فرمایئں۔

مولوی صاحب۔ آپ تردد نہ فرمایئں۔ کوئی ایسی بات نہیں ہے۔ اچھا

ہوا کہ آپ سے ملاقات ہو گئی۔ آپ کی باتوں سے مجھے بڑی خوشی ہوئی۔

پنڈت جی۔ یہ آپکی مہربانی ہے مگر جبتک آپ اس غرض کو نہ ظاہر فرمائیں گے مجھے تو اطمینان نہیں ہوگا۔

مولوی صاحب۔ میں آنے کو تو آگیا مگر معلوم ہوا کہ آپ کوئی بڑے معزز اور شریف و تعلیم یافتہ بزرگ ہیں۔ اب جس غرض سے میں حاضر ہوا ہوں اسکو ظاہر کرتے ہوئے تامل ہوتا ہے کہ شاید آپ کو ناگوار ہو۔

پنڈت جی۔ نہیں آپ ایسے عالم کی بات تو نامناسب نہیں ہوگی۔ پھر مجھے ناگوار کیوں ہونے لگی۔

مولوی صاحب۔ میں اس غرض سے حاضر ہوا کہ ابھی جو بوڑھی عورت اس مکان میں گئی ہے اُس کو میں نے سڑک پر دیکھا کہ ماتم کرتی اور بے چین ہو کر روتی جاتی ہے اور اس کے ساتھ ایک لڑکا بھی سر پر تعزیہ رکھے ماتم کرتا جاتا تھا۔ میں صرف یہ دریافت کرتا ہوں کہ یہ عورت کب سے تعزیہ رکھتی ہے اور کس خاص وجہ سے ایسا کرتی ہے کیونکہ یہ کام تو مسلمانوں کا ہے۔

پنڈت جی۔ یہ کہئے کہ یہ کام مسلمانوں کا ہے۔ اسکو تو مسلمان اور ہندو سب ہی کرتے ہیں۔ لاکھوں ہندو ہندوستان بھر میں تعزیہ رکھتے اور ماتم کرتے ہیں۔

مولوی صاحب۔ یہ سچ ہے مگر اس طرح بے چین ہو کر رونے اور ماتم کرنے کی غالباً کوئی خاص وجہ ہوگی۔

پنڈت جی۔ ہاں اسکی ایک بڑی وجہ ہے۔ یہ عورت میری بیوی ہے ہم دونوں کی شادی تو بچپن میں ہوئی مگر جوان ہونے پر بھی مدۃ دراز تک اولاد نہیں ہوئی تو ہم لوگوں کو تردد ہوا۔ حکیم ڈاکٹر۔ وید سب کے علاج کئے اور ہزاروں روپیہ خرچ کیا مگر سب بیکار۔ پھر پنڈتوں۔ جوتشیوں۔ سادھوؤں

کی خوشامدیں کیں۔ بندروں میں منت مانی۔ ہر طرح کا پوجا پاٹ کیا۔ کاشی جی۔ متھرا جی۔ ہردوار جی جا کر دعائیں کیں اور کہاں کہاں کی خاک چھانی مگر کسی طرح میری بیوی کی گود آباد نہیں ہوئی۔ اس طرح جب میری عمر پینتیس ۳۵ سال اور میری بیوی کی عمر تینتیس ۳۳ سال کی ہوگئی تو ہم لوگ مایوس ہو کر اور ہر کوشش سے تھک کر بیٹھ رہے۔

مولوی صاحب۔ معاف کیجئے گا۔ میں قطع کلام کرتا ہوں کہ آپ کی باتوں سے معلوم ہوتا ہے کہ اردو فارسی آپ پوری پڑھے ہوئے ہیں اور اس میں بہت صاف تقریر کرتے ہیں۔

پنڈت جی۔ جی ہاں میں بچپن میں اردو فارسی ہی پڑھایا گیا۔ گلستان بوستاں۔ انشا رما دھورام۔ دفتر ابوالفضل۔ رقعات عالمگیری۔ دیوان حافظ شاہنامہ فردوسی وغیرہ سب پڑھ چکا ہوں۔

مولوی صاحب۔ واہ واہ۔ تب تو آپ بڑے قابل قدر بزرگ ہیں۔ مجھے آپ سے ملکر نہایت مسرت ہوئی۔

پنڈت جی۔ آپ یہ سنکر اور زیادہ خوش ہونگے کہ میری بیوی بھی جن کو آپ نے ماتم کرتے ہوئے دیکھا تھا۔ اردو مڈل پاس ہیں۔ اور اردو کی کتابیں بہت کثرت سے دیکھتی رہتی ہیں مسلمانوں کی مذہبی چیزیں دیکھنے کا بھی ان کو شوق ہے۔ میر انیس صاحب اور مرزا دبیر صاحب کے مرثیوں سے تو انکو عشق ہے۔

مولوی صاحب۔ سبحان اللہ تب تو آپ بڑے خوش قسمت ہیں۔

پنڈت جی۔ یہ آپکی عزت افزائی ہے۔ ہاں تو وہ بات رہ گئی جب ہم لوگ

مایوس ہوکر بیٹھ رہے۔ اسکے دو سال کے بعد محرم کا چاند دکھائی دیا تو پڑوس میں جو خاں صاحب رہتے ہیں انکی بیوی نے میری بیوی سے کہا کہ بہن تم اولاد کے لئے ہر طرح کی کوشش کر چکیں۔ منتیں مان چکیں۔ پوجا پاٹ کر چکیں۔ اگر مانو تو میں بھی ایک بات کہوں۔ شاید خدا تم پر رحم کرے۔ تمہاری گود آباد اور تمہارے اندھیرے گھر میں اوجالا ہوجائے۔

میری بیوی۔ بولیں کہ بہن اس سے بڑا احسان مجھ پر کیا ہوگا۔ اگر ایسا ہوجائے تو میں تمہاری لونڈی بن جاؤں اور زندگی بھر تمہاری خدمت کروں۔

خانصاحب کی بیوی نے کہا اے لو! تم بھی تو قیامت کی باتیں کرنے لگیں۔ یہ احسان کیوں ہونے لگا اور تم میری لونڈی کیوں بنوگی۔ یہ تو میرا ہی کام ہے اور تمہاری آرزو خود میرے دل کی تمنا ہے۔ اللہ کرے تم جلد چاند سا بیٹا کھلاؤ۔ اس کا بیاہ کرو۔ اسکی بہو لاؤ۔

میری بیوی۔ بہن ایسا دن کہاں آئیگا۔ میری تقدیر میں یہ نعمت ہوتی تو ابتک ترستی رہتی۔ ان باتوں سے کیوں میرا دل دکھاتی ہو۔ اب تو یہی کہنا پڑتا ہے کہ بھلا پتھر میں دوب جم سکتی ہے۔

خانصاحب کی بیوی۔ نہیں ایسا نہ کہو۔ خدا میں ہر طرح کی قدرت ہے۔ ابھی تو تمہارا زیادہ دن نہیں گیا۔ خدا تو چالیس برس سے زیادہ عمر والی عورتوں کو بھی اولاد دیتا ہے۔ اسکی رحمت سے بندوں کو نا امید نہیں ہونا چاہئے۔ میرے مذہب میں تو خدا کی رحمت سے مایوس ہونے کو بڑا گناہ لکھا ہے۔

میری بیوی۔ ہاں اس سے کس کو انکار ہوسکتا ہے۔ اُس کو سب باتوں کا اختیار ہے۔ وہ چاہے تو کیا کچھ نہیں کرسکتا۔

خانصاحب کی بیوی۔ اچھا تو زبان ہارو کہ جو بات میں کہوں گی اُسکو مانوگی

اور ابھی کسی سے نہیں کہونگی۔

میری بیوی۔ جسکی کہو میں قسم کھاتی ہوں کہ تم جو کہوگی وہی میں کرونگی اور کسی سے بھی کہونگی نہیں۔

خانصاحب کی بیوی۔ میری رائے یہ ہے کہ میرے یہاں امام باڑے میں مجلس ہوتی ہے۔ مجلس ختم ہونے کے بعد تعزیہ کے پاس کھڑی ہو کر (تعزیہ سے نہیں بلکہ خدا سے) تم منت مانو کہ اگر خدا تم کو بیٹا دے تو تم بھی امام حسینؑ کا تعزیہ ہر سال رکھا کروگی اور عاشورا کے دن اس کے سر پر تعزیہ دفن کرنے کو کسی کربلا بھیجا کروگی۔

میری بیوی۔ بہن میں تو منت مان لونگی کہ اگر خدا مجھے بیٹا دیگا تو میں امام صاحب کا تعزیہ ضرور رکھونگی۔ ہائے اللہ کسی طرح میرے دل کی یہ آگ تو بجھے۔

مولوی صاحب! آپ یقین کریں کہ میرے گھر بھر اور میرے سسرال کے بھی سب لوگوں کو یقین ہوگیا تھا کہ اب میرے کسی طرح اولاد نہیں ہوسکتی اور میں اور میری بیوی دنیا سے لاولد ہی جائیں گے۔ مگر خدا کی قدرت کو نہ کوئی سمجھ سکا ہے اور نہ سمجھ سکتا ہے۔ میری بیوی نے خانصاحب کے امام باڑے میں جاکر تعزیہ کے سامنے کھڑی ہوکر خدا کی درگاہ میں ہاتھ اُٹھا دیئے اور رو روکر دعا کی کہ اے اللہ صاحب! اگر آپ مجھ پر بھی رحم کریں اور مجھ دکھیاری کو ایک ہی اولاد دیدیں تو میں نذر کرتی ہوں کہ آپ کے پیارے حضرت امام صاحب کا تعزیہ میں بھی رکھا کرونگی۔ اور اُس تعزیہ کو ہر سال اسی اولاد کے سر پر رکھکر کربلا لیجایا کرونگی۔ اے خدا والی ہے اب بھی اس غریب پر ترس کھائیے اور کسی طرح میری یہ حسرت پوری کر دیجئے۔

مولوی صاحب! میری بیوی نے دعا کرنے کو تو کر لی اور اُس وقت سچے دل ہی سے خوب رو روکر اور اچھی طرح گڑگڑا کر منت مانی مگر دل پہلے ہی مردہ ہو چکا تھا۔ کوئی امید باقی نہیں رہی تھی۔ دس بارہ دنوں کے بعد نہ اس منت کا خیال رہا۔ نہ دعا یاد رہی سمجھی کہ تقدیر کا لکھا مٹ نہیں سکتا۔ اور قسمت کی بات بدل نہیں سکتی ہے۔ اگر خدا کو دینا ہوتا تو اس سے پہلے کہاں کہاں کا تیرتھ کر چکی ہوں۔ کس کس دیوتا کا پوجا پاٹ کر چکی

ہوں۔ کس کس ندی کا اشنان کر چکی ہوں۔ پرمیشور اُسی وقت مجھ پر ترس نہ کھاتے خدا اور پرمیشور جی تو ایک ہی ہیں۔ مسلمان اُس نام سے پکارتے ہیں اور ہم لوگ اس نام سے یاد کرتے ہیں۔ مگر دو نام ہونے سے کیا ہوتا ہے۔ مالک تو وہی ہے۔ اسکو دینا ہوتا تو اب تک کیوں تڑپاتا۔ میری تقدیر کو نہ امام صاحب بدل سکتے ہیں نہ میرے لکھے کو تعزیہ مٹا سکتا ہے۔

مگر آپ یقین کریں کہ تین مہینہ گزرنے کے بعد اس بچاری کو کچھ شبہ ہوا۔ تو حکیم عبدالوہاب صاحب کو میں نے بلایا۔ نبض اور قارورہ دکھایا۔ آپ کو سُن کر کسقدر تعجب ہوگا کہ انھوں نے کہا کہ "مجھے حمل کا شبہ ہوتا ہے" اس خوش خبری کا سُننا تھا کہ میری بیوی فوراً دوڑی ہوئی خانصاحب کے امام باڑے میں گئیں اور تعزیہ کے سامنے زمین پر گر کر لوٹنے لگیں اور خوشی کا رونا اس قدر روئیں کہ وہاں کی زمین بھیگ گئی۔ حکیم صاحب قوۃ کا نسخہ لکھ گئے تھے میں نے فوراً وہ معجون بنوائی اور گھر میں استعمال کرانے لگا۔ اسکے بعد کیا پوچھنا ہے جس قدر دن گزرتے گئے حمل کا یقین بڑھتا گیا۔ یہاں تک کہ دل کی بات کیوں نہ کہہ دوں کہ حضرت امام صاحب کے تعزیہ کے سامنے دعا مانگنے کی برکت یا تعزیہ رکھنے کی نذر کرنے سے خدا کو ہم بے بسوں پر رحم آگیا اور جس بات کو اب ہم لوگ ناممکن سمجھنے لگے تھے وہ ممکن ہوگئی ابھی دوسرا محرم نہیں آنے پایا تھا کہ ہمارے گھر میں سورج اُتر آیا۔ ہمارا اندھیرا گھر روشنی سے جگمگانے لگا۔ ہم لوگوں کا مردہ دل زندہ ہوگیا اور وہی چاند سا بیٹا جس کو آج آپ نے میری بیوی کے ساتھ سر پہ تعزیہ رکھے جاتے دیکھا ہے پیدا ہوا۔ اس نعمت کی جو خوشی ہم لوگوں کو ہوئی اُس کا اندازہ آپ اچھی طرح کر سکتے ہیں۔

اس آخری جملہ نے مولوی صاحب کے دل پر نشتر کا کام کیا مگر ضبط سے کام لیا کیونکہ پنڈت جی تو جانتے نہیں تھے کہ یہ بیچارے لاولد ہیں۔ مولوی صاحب نے اُن سے فرمایا۔

مولوی صاحب۔ واقعاً خدا نے آپ لوگوں پر بڑا رحم کیا اس کا جو کچھ شکریہ

ادا کیا جائے کم ہے۔
پنڈت جی۔ جی ہاں کون شخص اس کا شکریہ ادا کرسکتا ہے۔ اسی سال سے میں اور میری بیوی تعزیہ رکھنے لگیں اور اس لڑکے کے سر پر رکھکر عاشورا کو جہاں آپ لوگ تعزیے لے جاتے ہیں میری بیوی بھی جاتی ہیں۔ آپ ہی انصاف سے فرمائیں کہ اس قدر دوا علاج۔ تعویذ گنڈے۔ پوجا پاٹھ۔ دعا عمل کرنے کے بعد بھی جسکو اولاد نہ ہو اور صرف تعزیہ رکھنے کی منت ماننے سے خدا اسکو اتنی بڑی دولت دیدے وہ کیوں نہ یقین کرے کہ یہ اسی تعزیہ کا احسان ہے کہ خدا اس طرح مہربان ہوگیا۔ اور تعزیہ رکھنے سے خدا اس درجہ خوش ہوتا ہے کہ اسکے مقابلہ میں وہ کسی کام کو کوئی چیز نہیں سمجھتا۔ ورنہ دوسری سب دعائیں اور عبادتیں بے اثر ثابت ہوئیں اور تعزیہ رکھنے کی نیت کرتے ہی ہم لوگوں کے دل کا چراغ روشن ہوگیا۔ اسکی کوئی وجہ بھی ہوسکتی ہے؟
مولوی صاحب۔ واقعًا اس جگہ انسانی عقل حیران ہے کہ یہ کیا کرشمہ ہے۔
پنڈت جی۔ یہ کرشمہ تنہا میرے ہی ساتھ تو ہے نہیں لاکھوں ہنود جو تعزیہ رکھتے ہیں سب کے ساتھ ایسے ہی عجیب وغریب واقعات ہوئے جن سے مجبور ہو کر ان لوگوں کو امام صاحب کا کلمہ پڑھنا پڑا۔
مولوی صاحب۔ نہیں یہ کیوں ضروری ہے۔ ہوسکتا ہے کہ اور ہندو بھائیوں نے ہم مسلمانوں کی دیکھا دیکھی تعزیہ رکھنا شروع کیا ہو اور بعد کو ان کی اولاد نے اسکو بزرگوں کی یادگار سمجھکر باقی رکھا ہو۔
پنڈت جی۔ بہت اچھا۔ پھر یہ فرمائیے کہ ان بزرگوں نے مسلمانوں کی دیکھا دیکھی تعزیہ رکھنا کیوں شروع کیا؟
مولوی صاحب۔ ایک جگہ رہنے سہنے۔ آپسمیں مل جلکر بسر کرنے اور ایک دوسرے کی تقریبوں میں شریک ہونے کی وجہ سے۔
پنڈت جی۔ جناب مولانا! آپ تو منقول ومعقول سب علوم کے جامع ہیں

تاریخ اور منطق سے بھی اچھی طرح واقف ہیں۔ وعظ اور مناظرہ کے سلسلہ میں مختلف شہروں میں دورہ بھی کرتے رہتے ہیں۔ ان وجہوں سے جو بات آپکی زبان سے نکلیگی وزن دار ہی ہوگی۔ ذرہ یہ تو ارشاد فرمائیں کہ "ایک جگہ رہنے سہنے۔ آپسمیں مل جلکر بسر کرنے اور ایک دوسرے کی تقریبوں میں شریک ہونے کی وجہ سے" ہندوؤں نے مسلمانوں کی صرف عبادت تعزیہ داری کیوں اختیار کی؟ دوسری عبادتیں۔ دوسری مذہبی رسمیں کیوں چھوڑ دیں؟۔

مولوی صاحب۔ آپ مسلمانوں کی اور عبادتوں اور مذہبی رسموں کا نام لیں تو میں بتاؤں کہ ہندوؤں نے کیوں اُنمیں شرکت نہیں کی۔

پنڈت جی۔ یہ تو کوئی بتانے کی بات نہیں ہے۔ اچھا فرمائیے نماز میں ہندوؤں نے کیوں شرکت نہیں کی۔ روزہ کیوں نہیں رکھتے۔ عید بقرعید، شب برات میں کیوں آپ کا ساتھ نہیں دیتے۔

مولوی صاحب۔ واہ آپ تو ہندو ہیں۔ پھر نماز کیوں پڑھتے۔ روزہ کیونکر رکھتے۔ عید بقرعید اور شب برات کیونکر کرتے۔

پنڈت جی۔ یہی تو میں بھی کہتا ہوں کہ چونکہ ہم لوگ ہندو ہیں اس وجہ سے آپ کی کسی اور عبادت میں شریک نہیں ہوتے۔ کسی مذہبی تقریب میں ساتھ نہیں دیتے۔ مگر محرم کی عبادتوں میں کروڑوں ہندو مل جاکے ہیں مجلسوں میں کثرت سے پڑھے لکھے ہندو شریک ہوتے ہیں بلکہ خود بھی کرتے ہیں تعزیہ کس کثرت سے ہندوؤں کے ہاں رکھے جاتے ہیں۔ امام باڑے اور کربلائیں کس کثرت سے ہندو راجاؤں نے بنوائی ہیں اور انکے سالانہ خرچ کیلئے جائدادیں نکال دی ہیں۔ نوحہ و ماتم میں کتنے ہندو آپ کے ساتھ رہتے ہیں۔ غرض آپ کی کسی عبادت کسی تقریب اور کسی مذہبی رسم کو ہندوؤں نے اختیار نہیں کیا سوائے تعزیہ داری کے۔ جو ایک دو نہیں بلکہ لاکھوں بلکہ کروڑوں ہندوؤں کے ہاں زور و شور اور بڑے اہتمام سے ہوتی ہے۔ تو صرف عزاداری میں شریک ہونے اور باقی کل عبادتوں۔ تقریبوں

اور رسموں سے الگ رہنے کی کیا وجہ ہو سکتی ہے۔

مولوی صاحب۔ بنانے کے لئے تو بہت سی وجہیں بنائی جا سکتی ہیں مگر انصاف کی بات یہ ہے کہ اس کا اصلی سبب سمجھ میں نہیں آتا۔

پنڈت جی۔ یہ بھی آپ مانیں گے کہ انسان کی فطرت خوشی اور آرام پسند ہے جس کام سے اس کو خوشی ہوگی اسکو پہلے کرنا چاہیگا اور جس میں نہ خوشی ہوگی اور نہ رنج اس کو دوسرے نمبر پر کریگا اور جس سے رنج ہوگا اس کو کرنا ہی نہیں چاہیگا اور مجبوراً کریگا بھی تو سب کے آخر میں

مولوی صاحب۔ ہاں بالکل صحیح ہے۔

پنڈت جی۔ اب دیکھئے کہ آپ کے ہاں کتنے کام خوشی کے ہیں۔ کتنے ایسے ہیں جن میں نہ خوشی ہوتی ہے نہ رنج۔ کتنے صرف رنج کے ہیں۔

مولوی صاحب۔ آپ تو ہمارے کل مذہبی امور سے واقف معلوم ہوتے ہیں۔ آپ ہی بیان فرمائیں۔

پنڈت جی۔ میرے خیال میں عید۔ بقرعید۔ شب برأت۔ میلاد شریف وغیرہ تو خوشی کے کام ہیں۔ نماز نہ خوشی کی عبادت ہے نہ رنج کی۔ اور عزاداری مسلم رنج وغم ہی کا کام ہے۔

مولوی صاحب۔ ہے تو ایسا ہی۔ آپ نے اچھی تقسیم کی ہے۔

پنڈت جی۔ تو ہندوؤں کو چاہئے تھا کہ پہلے اور سب سے زیادہ آپ کے اُن کاموں میں شریک ہوتے جو خوشی کے ہیں کہ عید کرتے۔ بکروں کی قربانی کر کے بقرعید مناتے۔ شب برات میں شریک ہوتے۔ اُس کے بعد نماز پڑھتے اور تعزیہ داری سے بالکل الگ رہتے کیونکہ یہ تو رنج ہی رنج کا کام ہے۔ کوئی انکو مجبور تو کرتا نہیں۔ اس کے قریب بھی نہیں آتے۔

مولوی صاحب۔ (ہنسکر) واقعاً آپ تو بالکل عقل کی تقریر کر رہے ہیں۔

پنڈت جی۔ پھر واقعہ کیا ہے۔ آپ کسی ہندو کو دیکھتے ہیں کہ وہ عید کرتا ہو؟

کوئی ہندو عید کے روز نہاتا۔ دھوتا۔ خط بنواتا۔ کپڑے بدلتا۔ عطر لگاتا۔ دوستوں سے ملتا۔ عمدہ کھانے پکواتا۔ اعزہ واقربہ کی دعوۃ کرتا۔ غرض کسی طرح کی بھی خوشی کرتا ہے
مولوی صاحب۔ نہیں مجھے تو نہیں معلوم۔ بلکہ جہاں تک جانتا ہوں یہ ہے کہ آپ لوگ ایسا نہیں کرتے۔
پنڈت جی۔ اچھا بقرعید کیوں نہیں کی جاتی۔ آپ جانتے ہیں کہ کتنے ہندو بکرا بکری کا گوشت کھاتے ہیں۔ اگر آپ کی دکھیا دیکھی ہندو بھی بقرعید کے روز بکرا ذبح کر کے گوشت کھاتے۔ کباب بنواتے اور لذیذ غذائیں پکواکر خود کھاتے دوست احباب کو کھلاتے تو کسی طرح ان کے مذہب کے خلاف ہوتا؟ پھر کوئی ہندو ایسا کرتا ہے؟
مولوی صاحب۔ ہاں بقرعید بھی آپ کے ہاں نہیں ہوتی۔ بلکہ اسکی وجہ سے تو اکثر ہندو مسلمانوں میں جھگڑا ہی ہوتا رہتا ہے۔
پنڈت جی۔ اچھا شب برات کو لیجئے۔ اس میں حلوا روٹی کھلانے کا موقع ملتا ہے۔ اسی میں ہندو شریک ہوتے آپ جانتے ہیں کہ یہ لوگ پوری حلوا مٹھائی کثرت سے کھاتے ہیں۔ اگر آپ لوگوں کی دکھیا دیکھی یہ بھی اُس روز خاص اہتمام سے نذر نیاز کے لئے حلوا روٹی پکواتے اور خود کھاتے دوستوں کو کھلاتے تو ان کا کچھ بگڑتا نہیں۔ بلکہ انھیں کو لذت ملتی۔ مگر کیا ہندو یہ کرتے ہیں؟
مولوی صاحب۔ نہیں یہ تقریب بھی آپ کے ہاں نہیں ہوتی ہے۔
پنڈت جی۔ باقی رہا میلاد شریف۔ اس میں بھی خوشی کیجاتی ہے۔ شیرینی تقسیم ہوتی ہے تو اس کو بھی کوئی ہندو کرتا ہے؟
مولوی صاحب۔ نہیں اس سے بھی آپ لوگ بالکل الگ ہیں۔
پنڈت جی۔ اب دوسرے نمبر کے کام کو لیجئے جس میں نہ خوشی ہوتی ہے نہ رنج۔ جیسے نماز۔ کیا کوئی ہندو نماز پڑھتا ہے۔ آج تک کسی ہندو کو یہ کام

کرتے دیکھا گیا ہے ؟۔
مولوی صاحب۔ نہیں یہ تو محال ہے۔ کوئی کہے بھی کہ ہندو نماز پڑھتے ہیں تو جھوٹا سمجھا جائیگا۔
پنڈت جی۔ پھر انصاف سے فرمائیں کہ تعزیہ رکھنا۔ تعزیہ اُٹھانا۔ مجلس کرنی نوحہ و ماتم کرنا۔ امام باڑہ۔ کربلا بنوانا جو سب مال خرچ ہونے اور رونے دھونے رنج و غم کرنے کے کام ہیں۔ ان کو ہندو کثرت سے کرتے ہیں ؟۔
مولوی صاحب۔ ان کا تو شمار بھی نہیں ہو سکتا۔ لاکھوں ہی ہونگے
پنڈت جی۔ نہیں جناب۔ اگر کوئی باقاعدہ انتظام حساب کرنے کا ہوتا تو معلوم ہوتا کہ کروڑوں ہندو اس عبادت یا تقریب یا رسم کو انجام دیتے ہیں۔ میرا ذاتی خیال تو ایسا ہی ہے۔
مولوی صاحب۔ ہوسکتا ہے۔ کوئی وجہ نہیں ہے کہ میں آپکی تخمین کو غلط بتاؤں۔
پنڈت جی۔ نہیں میں فرض کرلیتا ہوں کہ لاکھوں ہندو ہی اسکو کرتے ہیں۔ جب بھی سوال پیدا ہوتا ہے کہ وہ مسلمانوں کی خوشی کے کل کاموں اور بے خوشی اور بے رنج کے کل کاموں کو چھوڑ کر صرف اس کام کو کیوں کرتے ہیں جو سراسر رنج و غم ہی کا ہے ؟۔
مولوی صاحب۔ اگر آپ مجھ سے دریافت کرتے ہیں تو میں اسکی کوئی وجہ نہیں بتا سکتا۔
پنڈت جی۔ تو آپ یقین کریں کہ یہ صرف تعزیہ داری کے معجزوں کی وجہ سے ہر کتنے لوگوں کو اسکی نذر کرنے سے اولادیں مل گئیں۔ کتنے لوگوں کی مشکلات اسکی منت ماننے سے دور ہو گئیں۔ کتنے لوگوں کی اس کام کے شروع کرنے کے بعد حیرت

حیرت خیز ترقی ہو گئی۔ اسکی وجہ سے کس قدر لوگ سخت سے سخت مصیبتوں سے نکل گئے اور کتنے لوگوں کی مختلف مرادیں پوری ہوئیں اور برابر ہی پوری ہوتی رہتی ہیں جس شخص کو شک ہو وہ آزماکر دیکھ لے۔

مولوی صاحب۔ خیر میں آپکی اس زحمت کا شکریہ ادا کرتا ہوں۔ اور اب اجازت چاہتا ہوں۔

پنڈت جی۔ آپ نے بڑا کرم فرمایا۔ آپکی ملاقات سے مجھے جو خوشی ہوئی بیان نہیں ہو سکتی ہے۔

مولوی صاحب۔ یہ آپکی ذرۃ نوازی ہے۔ آداب عرض ہے۔

پنڈت جی۔ آداب عرض ہے۔

مولوی صاحب وہاں سے چلے تو خیال کیا کہ پرسوں ۱۲ محرم کو محلہ رانی منڈی میں تیجے کی مجلس ہوتی ہے کسی میں شریک ہوں اور نذر کروں کہ اگر خدا مجھے اولاد دیگا تو میں بھی تعزیہ رکھونگا۔ یہ سوچتے ہوئے مکان پہونچے۔ بیوی سے پورا قصہ بیان کیا۔ انھوں نے بھی نذر کرنے کا وعدہ کیا۔ ۱۲ محرم کو دونوں میاں بیوی نے نذر کی اور پھر روزانہ نماز کے بعد حضرت امام حسین علیہ السّلام کا واسطہ دیکر خدا سے اولاد کی دعا کرنے لگے۔ خدا کے بھید وہی جانتا ہے دوسرے کو کیونکر علم ہو سکتا ہے۔ اس کے تیسرے ہی مہینہ مولوی صاحب کی بیوی حاملہ ہو گئیں چوتھے مہینہ تو حکیموں نے یقین دلایا۔ پھر تو ان دونوں کی خوشی کا کیا پوچھنا ہے۔ گویا دنیا بھر کی بادشاہت مل گئی۔ اور دونوں مردے سے زندہ ہو گئے۔ اسی وقت مولوی صاحب اور انکی بیوی نے ایک تعزیہ بنوا کر رکھا۔ اور محرم آنے سے پہلے ہی خدا نے مولوی صاحب کو بھی چاند ایسا بیٹا دے دیا۔ جب پر ان دونوں نے خدا کا شکریہ ادا کیا اور پنڈت جی کی ایک ایک بات کا یقین کر لیا۔ پھر دوسرے

سال ایک بیٹی بھی مل گئی۔ اس طرح دونوں میاں بیوی کو اپنی اپنی نذر کا پھل مل گیا۔ مولوی صاحب نے بیٹے کا نام فضل حسین اور بیٹی کا حسینی بیگم رکھا اور اپنے گھر کو پھلا پھولا دیکھکر عیش و راحت سے بسر کرنے لگے۔

جب لڑکا پانچ سال کا ہوا تو مولوی صاحب نے اس کو اسکول میں داخل کر دیا۔ لڑکی اگرچہ ابھی چار ہی سال کی تھی مگر خدا نے اسکو بے مثل ذہن و حافظہ دیا تھا۔ اس نے بھی باپ سے پڑھنے کا شوق ظاہر کیا۔ مولوی صاحب نے خاص محبت سے پڑھانا شروع کیا۔ اس نے اس بلا کی طبیعت پائی تھی کہ ابھی پوری چھ برس کی بھی نہیں ہونے پائی تھی کہ قرآن مجید اور اُردو کی دوسری تیسری کتابیں ختم کر ڈالیں۔ پھر فارسی کا شوق کیا دو برس میں اسکی بھی اچھی قابلیت پیدا ہو گئی۔

اسکے بعد عربی پڑھنے کی خواہش کی۔ باپ نے بہت سمجھایا کہ اسکی تم کو ضرورت نہیں۔ اور یہ مشکل علم بھی ہے مگر وہ مانی نہیں۔ تب تو مولوی صاحب بھی مستعد ہو گئے اور حسینی بیگم نے عربی پڑھنی شروع کر دی۔ کتاب الصرف۔ کتاب النحو۔ عربی بول چال حصہ اول و دوم پڑھکر سلم الادب پڑھنے لگی۔ اسکے بعد علم الصیغہ۔ کافیہ اور نفحۃ الیمن کا درس لینے لگی۔ غرض چودہ سال ختم کرنے کے پہلے ہی وہ اچھی خاصی مولوی ہو گئی۔ اب مولوی صاحب نے اسے پڑھانا چھوڑ دیا مگر وہ کتاب کا کیڑا تھی۔ گھر کے ضروری کام کے بعد کتاب لیکر بیٹھ جاتی بیکار تو وہ کبھی رہتی ہی نہیں۔ فرصت کے وقت بس کتاب ہوتی اور وہ۔ بلکہ رات کو بھی بارہ بارہ بجے تک کتاب دیکھتی رہ جاتی۔ مولوی صاحب کے پاس جو سیکڑوں کتابیں تھیں اُن سب کو دیکھنے کے علاوہ سیکڑوں روپیہ کی عربی فارسی کتابیں اس نے باپ سے فرمایش کر کے خریدیں اور سب کو دیکھ ڈالا۔ اس طرح سولہ برس کی

سن میں حسینی بیگم بہت بڑی عالم ہو گئی اور مولوی صاحب سے گھنٹوں علمی مسئلوں میں مہذب بحث کیا کرتی۔ اسکے علم و فضل کا شہر بھر میں ڈنکا بج رہا تھا۔
مولوی صاحب کے دوست حکیم عبد الوہاب صاحب کے صاحبزادے مولوی عبد الغفار صاحب بھی مدرسہ الہ آباد۔ مدرسہ کان پور۔ مدرسہ رام پور۔ مدرسہ دیوبند میں اپنی علمی قابلیت اور فضیلت کا سکہ بٹھا چکے تھے۔ ہر امتحان میں اول رہر درجہ میں سب سے ممتاز۔ غرض بڑے بڑے مدرسوں میں انکے علمی استعداد کی دھوم ہو گئی تھی جب مدرسہ دیوبند سے بھی انکی دستار بندی ہو چکی اور اب کوئی درجہ باقی نہیں رہا تو باپ کے پاس الہ آباد میں آکر عربی کتابوں کا ترجمہ کر کے اور اس کو چھپوا کر تجارت کا کام شروع کر دیا جس سے سیکڑوں روپیہ ماہوار کی آمدنی ہونے لگی۔ اب حکیم صاحب کو انکی شادی کی فکر ہوئی۔ اونچی اونچی جگہوں سے نسبت آنے لگی۔ ادھر مولوی عبد الحمید صاحب کی بیٹی حسینی بیگم کی بات بھی بڑے بڑے گھروں سے آئی تھی۔ مگر حکیم صاحب اور مولوی صاحب کی دوستی کا اثر یوں ظاہر ہوا کہ مولوی عبد الغفار کی شادی حسینی بیگم کے ساتھ کر دی گئی جس میں شہر کے کل اہل علم جمع ہوئے اور سب نے مولوی عبد الغفار کی خوش قسمتی پر رشک کیا کہ حسینی بیگم ایسی فرشتہ خصال اور حور صفت بیوی انکو ملی جسکی عقل و فہم اور علم و فضل کا دور دور شہرہ ہو گیا ہے۔ مولوی عبد الغفار اور حسینی بیگم کو بھی بہت خوشی تھی اور ایک نے دوسرے کو اپنے لئے نہایت درجہ پسند کیا بلکہ طرفین سے ہر شخص اپنے کو دوسرے سے زیادہ خوش قسمت سمجھتا تھا۔ غرض دونوں میاں بیوی نہایت لطف و مسرت کی زندگی بسر کرنے لگے اور ہر شخص دوسرے پر فریفتہ تھا۔

پہلا باب

حضرت امام حسین علیہ السلام کے نام کے ساتھ "علیہ السلام" کہنا

ایک روز مولوی عبد الغفار مکان میں داخل ہوئے تو دیکھا کہ انکی بیوی نہایت زرق برق کپڑے پہنے اور عطر میں بسی ہوئی بیٹھی ہیں اور باورچی خانہ میں بھی عمدہ کھانوں کا سامان ہے۔ جسکی خوشبو سے دماغ معطر ہو گیا۔ تھوڑی دیر میں دسترخوان چنا گیا تو واقعًا نہایت لذیذ غذائیں ملیں۔ مولوی صاحب گھبرائے کہ یہ قصہ کیا ہے۔ آج اس گھر میں عید کا سامان کیوں کیا گیا۔ جب کھانے سے فارغ ہو کر کمرے میں آرام کرنے گئے اور تھوڑی دیر میں حسینی بیگم بھی وہاں پہونچیں تو اس طرح باتیں ہونے لگیں۔

مولوی عبد الغفار صاحب۔ یہ آج کیا ہے کہ تم نے اس قدر زینت کی ہے اچھے اچھے کپڑے پہنے ہیں۔ لذیذ غذائیں پکوائی ہیں اور خوشی کا اس قدر سامان کیا ہے کہ معلوم ہوتا ہے آج عید ہے۔

حسینی بیگم۔ واقعًا آج عید ہے۔ تم کو خبر نہیں کہ آج تیسری شعبان ہے۔ آج حضرت صلے اللہ علیہ وسلم کے گھر عید ہی تھی۔ کیونکہ آپ کے چھوٹے نواسے حضرت حسین علیہ السلام آج ہی پیدا ہوئے تھے۔

مولوی صاحب۔ ہاں سچ ہے۔ مگر تم حضرت حسین رضی اللہ عنہ کو "علیہ السلام" کیوں کہتی ہو۔ یہ تو خاص پیغمبروں کے لئے بولا جاتا ہے۔ سوائے انبیاء و مرسلین کے اور کسی کے نام کے ساتھ علیہ السلام نہیں کہنا چاہیے اُن حضرت کو رضی اللہ عنہ بولنا چاہیے۔ جس طرح صحابہ کو رضی اللہ عنہ کہتے ہیں اُسی طرح ان لوگوں

کو بھی کہا کرو۔

حسینی بیگم۔ اگر تم شوہر کی حیثیت سے حکم دیتے ہو تو خیر لیکن اگر قاعدہ سے پوچھتے ہو تو میں نے صحیح کہا ہے۔ حضرت امام حسین کو علیہ السلام بھی کہہ سکتے ہیں اور بڑے بڑے علمار لکھتے رہے ہیں۔

مولوی صاحب۔ قاعدہ تو پیچھے بتانا کیونکہ تم بڑی منطقی ہو۔ ہر بات میں کوئی نہ کوئی نکتہ نکال ہی لیتی ہو۔ اور کسی نہ کسی دلیل سے اپنا دعویٰ سچ ہی کر دکھاتی ہو۔ مگر یہ بتاؤ کہ وہ بڑے بڑے علمار کون ہیں جنھوں نے حضرت حسین رضی اللہ عنہ کو کبھی بھی علیہ السلام کہا یا لکھا ہو۔ ہرگز کسی عالم نے یہ بدعت نہیں کی ہوگی۔

حسینی بیگم۔ یوں میں نہیں بتانے کی۔ کچھ انعام کا وعدہ کرو تو میں ابھی بتاتی ہوں اور تمھاری ساری مولویت کو شرما دیتی ہوں۔

مولوی صاحب۔ اللہ اکبر اتنے بڑے دعوے۔ اچھا میں تم کو سو روپیہ کے نئے زیور بنوا دوں گا۔ معاذ اللہ ایسی بدعت کوئی مسلمان عالم کر سکتا ہے؟

حسینی بیگم۔ جی نہیں۔ زیور لیکر کیا کرونگی۔ زیور میں زیادہ روپیہ لگانا پاگلوں کا کام ہے۔ جس کی قیمت دس سال کے بعد بیس فیصدی تو ضرور ہی کم ہو جاتی ہے اور جسکی حفاظت میں انسان کو کس قدر زحمت ہوتی ہے۔ کیونکہ ہر وقت چوری کا خطرہ لگا رہتا ہے۔ میں زیور سے باز آئی۔ مجھے آپ سو روپیہ کی کئی کتابیں منگا دینے کا وعدہ کریں تو میں بتاؤں کہ یہ بدعت ہے یا سنت!۔

مولوی صاحب۔ ہاں میں منگا دوں گا۔ تم بتاؤ۔

حسینی بیگم۔ میں کیا بتاؤں سیکڑوں کتابوں میں ہے۔ چند کتابوں کا نام لیتی ہوں بلکہ انکی عبارتیں بھی سنا دیتی ہوں۔ شمس العلمار جناب مولوی شبلی

صاحب نعمانی کو تو آپ اچھی طرح جانتے ہیں وہ قسطنطنیہ میں محرم کا حال بیان کرتے ہوئے لکھتے ہیں" یہاں کا محرم بھی ایک قابل ذکر چیز ہے ... محرم کے زمانہ میں دھوم دھام کی مجلسیں اور نوحہ وبکا کا ہنگامہ زیادہ تر یہیں ہوتا ہے مجلسوں میں یہاں سوز اور تحت لفظ کا دستور نہیں۔ صرف حدیث خوانی ہوتی ہے اور درحقیقت مجلس عزا کا مقصود بھی یہی ہے۔ عام طریقہ یہاں کا یہ ہے کہ اول منبر کے قریب ایک شخص کھڑے ہو کر جناب امیرؑ اور حضرت امام حسین علیہ السلام کے فضائل ومناقب کے اشعار پڑھتا ہے" (سفرنامہ روم ومصروشام صـ۱۰۳) مصر کے متعلق لکھتے ہیں" مزارات اور مشاہد بھی کثرت سے ہیں اور ان کے مصارف کے لئے بہت سے اوقاف ہیں حضرت زینبؑ (امام حسین علیہ السلام کی بہن حضرت ام کلثومؑ۔ امام شافعی رضؓ۔ امام لیث رضؓ کے مقبرے بڑی شان وشوکت کے ہیں" (سفرنامہ مذکور صـ۲۰) موصوف دوسری کتاب میں لکھتے ہیں" حضرت علی علیہ السلام کے عہد میں امیر معویہ رضؓ نے ہمسری کا دعویٰ کیا ... امام حسن علیہ السلام نے گو مصلحتہً خلافت سے ہاتھ اٹھالیا ... حضرت حسین علیہ السلام کے جانکاہ واقعہ کو ہم دہرانا نہیں چاہتے" (المامون صـ۱۳) اور بڑے جلیل القدر صحابی حضرت عبداللہ بن عباس کے بارے میں لکھتے ہیں" عبداللہ بن عباس نے حسین علیہ السلام کی رکاب تھامی تھی" (المامون صـ۲۰) یہی مولوی صاحب ایک اور کتاب میں لکھتے ہیں" اسی سال (۴ سنہ ہجری) شعبان میں امام حسین علیہ السلام کی ولادت ہوئی" (سیرۃ النبی جلد اول صـ۲۵۴) اور ۹ سنہ ہجری کے واقعات میں لکھتے ہیں" حبیب آنحضرت صلے اللہ علیہ وسلم حضرت فاطمہ زہرا، اور امام حسن وحسین علیہما السلام کو لیکر مباہلہ کے لئے نکلے" (سیرۃ النبی جلد ۲ صـ۳۹) ایک اور جگہ لکھا ہے" حضرت زینبؑ۔ امام حسن امام حسین

علیہ السلام اور ام کلثوم اہم واقعات کے لحاظ سے تاریخ اسلام میں مشہور ہیں "
(سیرۃ النبی جلد ۲ صفحہ ۳۲۲) اور کچھ زمانہ قبل ایک مشہور عالم جناب مولوی احتشام
الدین صاحب مرادآبادی گزرے ہیں جنھوں نے شیعوں کی مخالفت میں ایک بڑی کتاب
لکھی تھی۔ وہ لکھتے ہیں "جناب امام حسین علیہ السلام کی ذات مبارک ہیں۔"
(نصیحۃ الشیعہ جلد ا صفحہ ۱۱۲) "آخر کو حسین علیہ السلام امت رسول ص کے ہاتھ سے
قتل ہونگے" (صفحہ ۱۱۲) "شہادت حسین علیہ السلام کے واقعات میں سب سے
پہلا امر جو باسباب ظاہر باعث اس حادثہ کا ہوا یہ تھا کہ جناب امام علیہ السلام
نے بعیت یزید کی گوارا نہ کی" (صفحہ ۱۴۹) اسی طرح سیکڑوں جگہ اس کتاب میں بھی
حضرت کو علیہ السلام لکھا ہے۔ جناب مولوی ثناء اللہ صاحب امرتسری بھی
اپنے اخبار اہلحدیث امرتسر میں برابر امام حسین علیہ السلام لکھتے ہیں۔ اور حضرات
اہلحدیث کے پیشوائے اعظم جناب مولوی وحید الزمان خاں صاحب حیدرآبادی
لکھتے ہیں " امام حسن اور امام حسین علیہما السلام بھی وہیں تھے" (انوار اللغۃ پارہ
۸ صفحہ ۷) "وہ شخص ملعون ہے جو کسی گھاٹ کا پانی روکے یعنی جہاں لوگ
پانی پیتے ہوں اونکو نہ پینے دے۔ ایسی حالت میں جن لوگوں نے امام حسین
علیہ السلام اور آپ کے ساتھی اور عیال و اطفال خورد سال کو فرات کے پانی
سے روکا اون کے ملعون ہونے میں بموجب نص حدیث کیا شک رہی" (انوار اللغۃ
پارہ ۱۳ صفحہ ۳۶) "برخلاف معویہ کے وہ تو مرتے دم تک اہلبیت علیہم السلام کے
دشمن اور مخالف رہے اور حضرت علی ع کو گالیاں دینے کے لئے تمام خطیبوں
کو حکم دیا اور اپنی آخری عمر میں مکر و فریب اور پولٹکل چالوں سے یزید کے سے
نالائق فرزند کو خلیفہ بنایا حالانکہ امام حسین علیہ السلام کے موجود ہوتے ہوئے
یزید اون کے پاخانہ کا لوٹا اوٹھانے کے بھی لائق نہ تھا" (انوار اللغۃ پارہ ۱۴
صفحہ ۱) اور جناب جامع معقول و منقول ابو الاحسان مولوی عبد الحق صاحب

سہارنپوری نے لکھا ہے "سید الشہدا حضرت امام حسین علیہ السلام" (تصدیق شہادت مطبوعہ میرٹھ ۱۳۲۳ھ ہجری ص۳) "امام حسین علیہ السلام" (تصدیق شہادت ص۶ و ۱۲ و ۱۳ و ۲۶ و ۳۲ و ۳۶ و ۴۳ و ۵۴ و ۶۳ و ۱۷) اور جناب شیخ المشائخ تاج العلما مولوی شاہ محمد سلیمان صاحب ساکن پھلواری ضلع پٹنہ جو زمانہ حال کے بہت بڑے امام اہلسنت ہیں تحریر فرماتے ہیں۔ "سید الشہدا جناب امام حسین علیہ السلام" (رسالہ غم حسین مطبوعہ لکھنؤ ص۳ و ۴ و ۱۳ و ۱۵ و ۲۱ و ۴۵ و ۵۲ و ۵۵ و ۵۷ و ۶۷ و ۷۱ و ۷۲ و ۷۶ تا آخر کتاب) مولانا ممدوح اپنی دوسری کتاب میں لکھتے ہیں "حضرت سید الشہدا امام ہمام جناب سیدنا و مولانا امام حسین علی جدہ و علیہ الصلوۃ والسلام (رسالہ شہادت حسین ٹائٹل و ص۱ و ۳ تا آخر کتاب)۔

کہو! میں یوں ہی بکتی چلی جاؤں اور تم چپ چاپ سنے جاؤ گے یا کچھ منہ سے بولو گے بھی؟۔

مولوی صاحب۔ میں تمہاری وسعت نظر پر حیران ہو رہا ہوں کہ مولوی صاحب تو میں کہا جاؤں۔ مدرسوں کی خاک میں چھانوں۔ مذہبی علوم حاصل کرنے کی محنت میں کروں۔ مگر معلومات تم کو اس قدر ہوں کہ دریا معلوم ہوتی ہو۔ مگر ایک بات کہوں۔ یہ سب تو اردو کتابوں کا استعمال ہے۔ فارسی اور عربی کتابوں میں تم حضرت حسین رضی اللہ عنہ کے ساتھ "علیہ السلام" کا استعمال نہیں دکھا سکتی ہو۔

حسینی بیگم۔ بہت اچھا سنئے۔ جناب شاہ عبدالعزیز صاحب دہلوی کو تو خوب جانتے ہو جو دہلی کے بہت بڑے عالم اور پیشوائے اہلسنت تھے اور جنھوں نے شیعوں کے خلاف مشہور کتاب تحفہ اثنا عشری لکھی تھی

ان مولوی صاحب کے شاگرد رشید جناب مولوی شاہ سلامت اللہ صاحب لکھتے ہیں "حضرت امام حسن و امام حسین علیہما السلام"
(تحریر الشہادتین ص۲۲ و ۲۹) حسنین علیہما السلام (ص۲۱ و ۲۵ و ۲۶) جناب امام حسین علیہ السلام (ص۳۳ و ۴۱ و ۴۵ و ۴۶ و ۴۸)۔ غرض پوری کتاب میں سیکڑوں جگہ ہے اور جناب علامہ شیخ عبدالحق صاحب محدث دہلوی تحریر فرماتے ہیں
" در موضع قبور امام حسن و زین العابدین و محمد باقر و جعفر صادق سلام اللہ علیہم اجمعین سنگے یافتند بروے نوشتہ ہذا قبر فاطمہ بنت رسول اللہ ص سیدۃ نساء العالمین و قبر الحسن بن علی بن الحسین بن علی و جعفر بن محمد علیہم التحیۃ والسلام یعنی امام حسن و زین العابدین و محمد باقر و جعفر صادق علیہم السلام کی قبروں کی جگہ ایک پتھر پایا گیا جس پر لکھا تھا کہ یہ قبر ہے جناب فاطمہ دختر رسول اللہ و سیدۃ نساء العالمین کی اور قبر ہے حضرت حسن بن علی و علی بن حسین و جعفر بن محمد علیہم التحیۃ والسلام کی" (مدارج النبوۃ جلد ۲ ص۵۴۵) اور جناب مولوی صدر الدین صاحب بو ہاری نے بھی لکھا ہے حسین بن علی علیہما السلام شنید یعنی حضرت حسین بن علی علیہما السلام نے سُنا (روائح المصطفے ص۵۹)
اور جناب مولوی محمد مبین صاحب فرنگی محلی نے بھی اپنی کتابوں میں ہزاروں جگہ حضرت کو علیہ السلام لکھا ہے (کتاب وسیلۃ النجاۃ مطبوعہ لکھنؤ) اور جناب شاہ عبدالعزیز صاحب دہلوی نے بھی اپنی کتابوں میں کئی جگہ لکھا ہے جیسے حضرت امام حسین علیہ السلام بنا بر دعوئے خلافت راشدہ۔
(فتاوے عزیزی جلد ا ص۱۲) مکتوب در حال ہمراہیان حضرت امام حسین علیہ السلام یعنی حضرت امام حسین علیہ السلام کے ساتھیوں کے حال میں یہ

تحریر ہے (فتاوی عزیزی جلد ا صفحہ ۸۴) بیان جواز علیہ السلام گفتن بہ علی مرتضی وسیدۃ النساء وحسنین رضی اللہ عنہم یعنی اس بات کے بیان میں کہ جناب علی مرتضی وسیدۃ النساء وامام حسن وامام حسین رضی اللہ عنہم کو "علیہ السلام" کہنا جائز ہے (فتاوی عزیزی جلد ا صفحہ ۲۳۴) جناب شاہ صاحب موصوف نے اپنی مشہور کتاب تحفہ اثنا عشریہ میں بھی ان حضرات کو بہت سی جگہوں میں علیہ السلام اور علیہم السلام لکھا ہے۔ کہو اب بھی تم مانتے یا میں اور ثبوت پیش کروں۔

مولوی صاحب۔ واقعاً بڑی حیرت کی بات ہے۔ کیسے اتنے بڑے علماء ومحدثین نے ان لوگوں کے ساتھ "علیہ السلام" لکھدیا جو پیغمبروں کے سواء کسی کے لئے بولنا ہی نہیں چاہئے۔

حسینی بیگم۔ کہو تو میں ایک اور بات ایسی کہوں کہ تم اپنا سر پکڑ کر روتے رہو۔

مولوی صاحب۔ میرا دشمن روئے۔ میں کیوں رونے لگا۔

حسینی بیگم۔ ہاں ہاں میں بھی یہی کہتی ہوں کہ خدا نہ کرے تم روؤ بلکہ تمہارا دشمن ہی روئے۔ میرا مطلب یہ ہے کہ میں وہ بات بتاؤں جس سے وہ لوگ روئیں اور اپنا منہ آپ نوچیں جو حضرت امام حسین علیہ السلام کے ساتھ "علیہ السلام" کہنا پسند نہیں کرتے یعنی غیر مقلد حضرات۔ اہلحدیث حضرات جن سے ہونے کا تم کو بڑا دعویٰ ہے۔

مولوی صاحب۔ بے شک میں غیر مقلد ہوں۔ میں اہلحدیث ہوں۔ مگر تم کون بات بتاؤگی جس سے ہم لوگ روئیں گے۔

حسینی بیگم۔ تم جناب نواب مولوی صدیق حسن خانصاحب بھوپالی کو تو جانتے ہوگے۔

مولوی صاحب۔ ہاں۔ ہاں کیوں نہیں۔ وہ ہماری جماعۃ اہلحدیث کے بہت بڑے عالم اور نہایت زبردست پیشوا تھے۔ ان کے برابر تو اس زمانہ میں کوئی عالم ہوا ہی نہیں۔ اس کثرت سے کتابیں انھوں نے لکھیں کہ ہندوستان

کا کیا ذکر ہے۔ عرب، شام، مصر تمام پھیل گئیں۔ کون اہلحدیث، عالم یا طالب العلم ہے جو اون کو نہیں جانتا۔ ان کے احسانوں سے دنیا کے اہلحدیث اپنا سر نہیں اٹھا سکتے۔ اُنھوں نے مذہب اہلحدیث کو بہت پھیلایا۔ خوب مضبوط کیا بلکہ اس مذہب میں جان ڈال دی۔

حسینی بیگم۔ اگر ان مولوی صاحب نے بھی حضرت امام حسین علیہ السلام کو "علیہ السلام" لکھا ہو تب کیا کہو گے۔

یہ سُننا تھا کہ مولوی صاحب بڑے غصہ میں اپنے پلنگ سے اُٹھ کھڑے ہوئے اور خوب زوروں میں اِدھر سے اُدھر ٹہلنے لگے اور منہ سے کہنے لگے کہ "ہرگز نہیں۔ کبھی نہیں۔ یہ ممکن ہی نہیں ہے۔ قرآن مجید کی قسم انھوں نے کبھی نہیں لکھا ہے۔ خدا کی قسم یہ غلط ہے۔ ان کی بہت سی کتابیں میں دیکھ چکا ہوں۔ ایک میں بھی اُنھوں نے نہیں لکھا۔ تم محض جھوٹ کہتی ہو۔ سراسر اتہام اور بہتان ہے۔ وہ بہت بڑے درجہ کے محدث بلکہ امام تھے۔ انکو تم نے سمجھا کیا ہے۔ وہ کیا ایسے ویسے تھے؟" مولوی صاحب یہ کہتے جاتے اور غصہ میں اُچھلتے جاتے تھے۔ اور ہاتھ پھیک پھیک کر کہتے تھے کہ "ہرگز نہیں"۔

حسینی بیگم۔ اے ہے۔ تو تم اتنے بدحواس کیوں ہوئے جاتے ہو۔ کیا تم کو کسی نے چوٹی کاٹ دی ہے یا پلنگ پر کانٹے چبھنے لگے؟ ابھی تو مزے سے باتیں کرتے تھے دفعتہً نصیب دشمناں یہ تم کو ہو کیا گیا۔ ذرہ اپنے ہوش کی خبر لو۔ مزاج درست کرو۔ آدمی بنو۔ نہیں لکھا ہے تو نہ سہی۔

مولوی صاحب۔ نہیں میں کبھی نہیں مانوں گا۔ تم نے اتنی بڑی بات کہدی مجھ سے کیسے برداشت ہو۔ معاذ اللہ نواب مولانا صدیق حسن خاں صاحب ایسی بدعت کر سکتے ہیں؟ ان کا کوئی ادنیٰ شاگرد تو ایسی غلطی کر نہیں سکتا۔ پھر وہ کیسے لکھ دیتے؟ ناممکن! ناممکن!! محال!!! محال!!! میں کسی طرح نہیں مان سکتا۔ اتنے بڑے پیشوا یہ غلطی کر ہی نہیں سکتے۔

حسینی بیگم ۔ اچھا اب بیٹھو بھی یا ناچتے ہی رہو گے ۔ تو آج مجھے معلوم ہوا کہ تم کو ناچنا بھی خوب آتا ہے ۔ صدقے گئی ۔ ذرہ بتاؤ تو یہ کہاں سیکھا ہے؟
مولوی صاحب اس جملہ سے شرما گئے ۔ دیکھا تو واقعاً انکی حالت ناچنے کی سی ہو گئی تھی ۔ نرم ہو کر پلنگ پر بیٹھ گئے ۔ حسینی بیگم اٹھیں اور پان کی خوب عمدہ ایک گلوری بنا کر ان کو کھلائی جب انکا غصہ مٹا تو آہستہ سے الماری سے ایک کتاب نکال کر لائیں اور مولوی صاحب کو دیکر کہا ۔

حسینی بیگم ۔ ذرہ دیکھو تو یہ کون سی کتاب ہے ۔

مولوی صاحب ۔ یہ تو صاف لکھا ہے حجج الکرامہ فی آثار الکرامہ ۔

حسینی بیگم ۔ ہاں ۔ اور یہ کس کی تصنیف سے ہے؟

مولوی صاحب ۔ یہ بھی صاف لکھا ہوا ہے از تالیف سید سند ۔ محدث مستند ۔ مفسر معتمد ۔ ناشر آثار محمدیہ ۔ ناصر اخبار احمدیہ عالی خطاب ۔ عالی القاب نواب والا جاہ امیر الملک سید محمد صدیق حسن خاں صاحب بہادر ۔

حسینی بیگم ۔ اور یہ کہاں چھپی ہے ۔

مولوی صاحب ۔ یہ بھی بالکل واضح ہے ۔ در مطبع شاہجہانی واقع بلدہ بھوپال

حسینی بیگم ۔ اب مہربانی کر کے ذرہ اسکے صفحہ ۹۷ سطر ۸ سے پڑھکر مجھے سناؤ تو ۔

مولوی صاحب نے کتاب کھولی اور اس سطر پر نظر پڑتے ہی معلوم ہوا کہ کسی پہاڑ کے نیچے دب گئے ۔ سب جوش اور غصہ ختم ہو گیا ۔ اس کے عوض بدن سے پسینہ نکلنے لگا ۔ اور زبان تو ایسی بند ہوئی کہ بالکل چپ ہو گئے ۔ کچھ دیر تک حسینی بیگم خاموش رہیں ۔ پھر بولیں ۔

حسینی بیگم ۔ پڑھو کیا لکھا ہے ۔

مولوی صاحب اب بھی چپ رہے ۔ کسی طرح بولا ہی نہیں جاتا ہے ۔

حسینی بیگم ۔ لئے ہے کیا ہوا ۔ پڑھتے کیوں نہیں ۔ کچھ تو بولو ۔ کچھ تو سر سے

کھیلو۔

مولوی صاحب۔ (ہنسکر) کیا پڑھوں۔ مجھ سے تو پڑھا نہیں جاتا ہے۔

حسینی بیگم۔ ایں۔ اتنے بڑے بڑے مدرسوں کو چاٹ کر بیٹھے ہو اور دن رات کتابیں دیکھتے اور رسالے لکھتے رہتے ہو اور ایک فارسی کی کتاب تم سے نہیں پڑھی جاتی۔ اچھا (قہقہہ لگاکر) میں ایک ترکیب بتاؤں ہجے کرو تو آجائیگا۔

مولوی صاحب۔ (شرماکر) دیکھو تم مجھے بہت ستانے لگیں۔

حسینی بیگم۔ (ہاتھ جوڑ کر) خدا نہ کرے کہ میں تمہیں ستاؤں۔ یہ تم نے کیا کہا۔ میں نے ستایا کس طرح۔

مولوی صاحب۔ نہیں نہیں۔ یہ میرا مطلب نہیں ہے۔ بلکہ یہ کہ تم ایسی چٹکیاں لے رہی ہو جس سے میں گڑا جاتا ہوں۔ ہائے اللہ میں نے کتنی جھوٹی قسمیں کھائیں کہ مولانا صدیق حسن خاں صاحب رحمۃ اللہ علیہ نے حضرت امام حسینؑ کو "علیہ السلام" کبھی نہیں لکھا ہوگا مگر تم نے تو انکی کتاب ہی دکھادی۔ اس میں تو تمام لکھا ہے حسین علیہ السلام برادر وے (سطر ۸) حسین علیہ السلام از عائشہ پرسید۔ (سطر ۱۷) حسین علیہ السلام با ہمراہیان خود سلاح پوشید (سطر ۱۹) ابوہریرہ بحسین علیہ السلام گفت (سطر ۲۰) حسین علیہ السلام نشنید (ص ۱۸ سطر ۲۲) اسی طرح سیکڑوں جگہ یہی لکھا ہے۔ مگر ابھی ایک آڑ میرے لئے باقی ہے۔

حسینی بیگم۔ وہ کیا؟

مولوی صاحب۔ یہ کہ تم نے جو کتابیں دکھائیں وہ اردو فارسی کی ہیں۔ اصلی اور سند تو عربی کتابیں ہیں۔ ان میں تم یہ نہیں دکھا سکتیں۔ اور یہ بھی تم خوب جانتی ہو کہ میں اردو فارسی کی کتابیں بہت کم دیکھتا ہوں۔ عربی کتابوں ہی سے کہاں فرصت ملتی ہے۔ اور میں دعوی سے کہتا ہوں کہ ہمارے علمار کی عربی کتابوں میں کوئی شخص یہ بات نہیں دکھا سکتا۔

حسینی بیگم - ہاں ہاں تمہاری معلومات اور خاصکر عربی کتابوں کی اطلاع پر کون شخص شبہ کرسکتا ہے۔ یہی تو مجھے فخر ہے کہ خدا نے مجھے اتنے بڑے عالم بلکہ علامۂ دہر کی بیوی بنائی۔ آج تمہارے علم و فضل کی دور دور دھوم ہے۔ تمہارے وعظ میں جو لوگ شریک ہوتے ہیں۔ وہ سب کہتے ہیں کہ تم بہت بڑی قابلیت اور خداداد علم و فضل کے مالک ہو۔ اور اہل حدیث جماعت میں تمہارے برابر عالم متبحر شاید ہی چار پانچ صاحب نکل سکیں۔ مگر میرا خیال ہے کہ عربی کتابوں کے بارے میں بھی تمہارا دعویٰ صحیح نہیں۔

مولوی صاحب - تو کیا کسی عربی کتاب میں بھی حضرت حسین کو علیہ السلام لکھا ہے۔

حسینی بیگم - ایک دو کتابوں میں؟

مولوی صاحب - رہنے دو۔ تم ایک میں بھی نہیں دکھا سکتیں۔

حسینی بیگم گئیں اور الماری سے دس بارہ کتابیں نکال لائیں۔ جو سب بڑے بڑے علمائے اہلسنت ہی کی تھیں۔ پھر کہا۔

حسینی بیگم - دیکھو (۱) جناب علامہ محمد بن عقیل نے اپنی کتاب میں کئی جگہ حضرت کو علیہ السلام لکھا ہے مثلاً ھذا انص کتاب الحسین بن علی علیہما السلام یعنی حضرت امام حسین علیہ السلام کے خط کی یہ نقل ہے (نصائح کافیہ مطبوعہ بمبئی ص۲۰) فکان اول من لقیہ الحسین بن علی علیہما السلام یعنی سب سے پہلے اس سے امام حسین علیہ السلام ملے (نصائح ص۴۶) بن زیاد کتب الی عمرو بن سعید بن العاص وھو وال علی المدینۃ الشریفۃ یبشرہ بقتل الحسین علیہ السلام یعنی ابن زیاد نے مدینہ کے حاکم عمرو بن سعید بن العاص کو امام حسین علیہ السلام کے قتل کی خوشخبری لکھ بھیجی (نصائح ص۵۰) اسی طرح تمام کتاب میں ہے۔

(۲) علامہ سبط ابن جوزی نے بھی سیکڑوں جگہ حسین علیہ السلام لکھا ہے مثلاً الباب التاسع فی ذکر الحسین علیہ السلام یعنی نواں باب امام حسین علیہ السلام کے بیان میں (تذکرہ خواص الامہ مطبوعہ ص۱۳۳) ذکر دخول الحسین علیہ السلام الی العراق

یعنی امام حسین علیہ السلام کے عراق پہونچنے کے بیان میں (تذکرہ ۱۴۱) اسی طرح بہت ہے (۳) بہت بڑے پیشوا جناب شیخ عبدالحق صاحب نے جو محدث دہلوی مشہور ہیں لکھا ہے۔ ذکر مقتل سیدنا الامام الشہید السعید سبط رسول اللہ الامام ابی عبد اللہ الحسین سلام اللہ علیہ وعلی آبائہ الکرام یعنی ہمارے سردار۔ امام شہید سعید۔ رسولخدا کے نواسے۔ امام ابو عبد اللہ حسین علیہ السلام کی شہادت کا بیان (کتاب ماثبت بالسنہ صـ) (۴) جناب شاہ عبدالعزیز صاحب نے بھی اپنی عربی کتاب میں کئی جگہ لکھا ہے۔ مثلاً ایک جگہ ہے فاستنابت الحسنین علیہم السلام مناب جدھما یعنی خدا نے حضرت امام حسن و حسین علیہما السلام کو حضرت رسولخدا صلعم کا قائم مقام بنا دیا۔ (سر الشہادتین در تحریر الشہادتین صـ ۱۶) وکتبوا الی الحسین علیہ السلام یعنی کوفہ والوں نے امام حسین علیہ السلام کو لکھا (صـ ۳۸) ثم وجہ ذریۃ الحسین ورأسہ مع علی ابن الحسین علیہما السلام الی المدینۃ یعنی یزید نے حضرت امام حسین علیہ السلام کے سر اور آپکے اہل بیت کو امام زین العابدین علیہ السلام کے ساتھ مدینہ روانہ کر دیا (صـ ۱۷) یہ کتاب سر الشہادتین ایسی عظیم الشان ہے کہ آپ کے امام اور علامہ جناب مولانا نواب صدیق حسن خانصاحب بھوپالی نے اسکے بارے میں لکھا ہے گویم اصح تالیف دریں باب رسالہ سر الشہادتین تالیف شاہ عبدالعزیز محدث دہلوی ست یعنی شہادت امام حسین علیہ السلام کے بیان میں سب سے زیادہ صحیح کتاب سر الشہادتین ہے جو جناب شاہ عبدالعزیز صاحب دہلوی کی تصنیف سے ہے (تاج الکرامہ صـ ۱۷۹)۔ (۵) علامہ ابن الطقطقی نے بھی اپنی کتاب میں برابر حسین علیہ السلام لکھا ہے۔ مثلاً فنبدأ بقتل الحسین علیہ السلام یعنی اب ہم شہادۃ امام حسین علیہ السلام کا بیان شروع کرتے ہیں (تاریخ فخری صـ ۱۲ وغیرہ)۔ (۶) بڑے مشہور مورخ علامہ مقریزی لکھتے ہیں: بالنیاحۃ والبکاء علی الحسین علیہ السلام یعنی امام حسین علیہ السلام پر

نوحہ و بکا کرتے ہوئے (کتاب الخطط مطبوعہ مصر جلد ۲ صفحہ ۴۲۹) سکینہ بنت الحسین بن علی بن ابیطالب علیہم السلام یعنی سکینہ جو دختر تھیں امام حسین بن علی بن ابیطالب علیہم السلام کی (الخطط جلد ۳ صفحہ ۲۴۳)۔ (۷) سب سے زیادہ حیرت خیز بات یہ ہے کہ خاص دمشق ملک شام کے علماء بھی جو خلفائے بنی امیہ کا پایۂ تخت تھا حضرت امام حسین کو "علیہ السلام" لکھتے ہیں۔ چنانچہ علامہ جمال الدین القاسمی الدمشقی جنھوں نے مسجدوں کی بدعتوں کو مٹانے کے لئے ایک کتاب لکھی ہے۔

لکھتے ہیں:۔ نعی الامام الشہید الحسین علیہ السلام علی المنبر فی جمعۃ عاشوراء یعنی جمعہ عاشوراء میں منبروں پر حضرت امام حسین علیہ السلام کی شہادۃ کا بیان کرنا (کتاب اصلاح المساجد من البدع والعوائد مطبوعہ مصر صفحہ ۱۴۳)

مولوی صاحب۔ واقعاً بڑی حیرت کی بات ہے۔ تم نے تو میری آنکھیں کھولدیں۔ مگر یہ علماء شروع زمانہ اسلام کے نہیں ہیں۔ اُس زمانہ میں جو کتابیں لکھی گئیں اُن میں یہ استعمال نہیں مل سکتا ہے۔

حسینی بیگم۔ افسوس یہ کہ میں لکھنؤ۔ رام پور۔ حیدر آباد نہیں گئی کہ وہاں کے کتب خانوں کی پرانی اور قدیم کتابیں دیکھتی اور تمکو بتاتی۔ مگر خیر جو معلوم ہے اُسے دکھائے دیتی ہوں (۸) علامہ ابو الفرج جو خاص بنی امیہ کے خاندان سے تھے اونھوں نے بھی اپنی کتابوں میں سیکڑوں جگہ امام حسین علیہ السلام لکھا ہے۔ جیسے بعد قتل الحسین علیہ السلام یعنی امام حسین علیہ السلام کی شہادۃ کے بعد زوجہا الحسین علیہ السلام یعنی اونکے شوہر امام حسین علیہ السلام تھے۔ بنت الحسین علیہ السلام یعنی امام حسین علیہ السلام کی بیٹی (دیکھو کتاب الاغانی مطبوعہ مصر جلد ۱۴ صفحہ ۱۶۳ تا آخر) یہ علامہ سنہ ۲۸۴ ہجری میں پیدا ہوئے اور سنہ ۳۵۶ ہجری میں بغداد میں مرے (کتاب مرآۃ الجنان مطبوعہ حیدرآباد جلد ۲ صفحہ ۳۵۹) کہو اس مورخ جلیل کو تم قدیم زمانہ کا مانوگے یا نہیں؟ اور سنو (۹) علامہ مسعودی کو تو جانتے ہو جن کے بارے میں جناب شمس العلماء علامہ شبلی نعمانی صاحب نے لکھا ہے

"ابو الحسین علی بن حسین مسعودی المتوفی ۳۴۶ھ ہجری فن تاریخ کا امام ہے۔ اسلام میں آج تک اسکے برابر کوئی وسیع النظر مورخ پیدا نہیں ہوا۔ وہ دنیا کی اور قوموں کی تواریخ کا بھی بہت بڑا ماہر تھا۔ اسکی تمام تاریخی کتابیں ملتیں تو کسی اور تصنیف کی حاجت نہ ہوتی۔ لیکن افسوس ہے کہ قوم کی بدمذاقی سے اسکی اکثر تصنیفات ناپید ہوگئیں۔ یورپ نے بڑی تلاش سے دو کتابیں مہیا کیں۔ ایک مروج الذہب اور دوسری کتاب الاشراف والتنبیہ۔ مروج الذہب مصر میں چھپ گئی ہے۔" (الفاروق ص۳) یہ علامہ بھی لکھتے ہیں ذکر مقتل الحسین بن علی بن ابیطالب علیہ السلام یعنی حضرت حسین علیہ السلام کی شہادت کا بیان (مروج الذہب برحاشیہ تاریخ کامل مطبوعہ مصر جلد ۶ ص ۱۳۹)

مولوی صاحب۔ دیکھو اس عبارت کو تم پیش نہیں کرسکتیں۔ ہو سکتا ہے کہ علامہ مسعودی نے حضرت علی کو علیہ السلام لکھا ہو۔ نہ حضرت حسین کو۔

حسینی بیگم۔ افسوس تم لوگ کیسی ناانصافی کی باتیں کرتے ہو۔ اچھا یہی علامہ یہ بھی لکھتے ہیں فی حرب الحسین علیہ السلام یعنی امام حسین علیہ السلام کی لڑائی میں (مروج الذہب جلد ۶ ص ۱۴۲)۔ بتاؤ یہاں کیا بات بنا سکتے ہو؟

مولوی صاحب۔ نہیں تم ہی ٹھیک کہتی ہو۔ بے شک علامہ مسعودی نے بھی حضرت کو علیہ السلام لکھا ہے۔ اور میں مانتا ہوں کہ علامہ ابوالفرج اور علامہ مسعودی دونوں بہت قدیم زمانہ اسلام کے علامہ اور مورخ تھے۔

حسینی بیگم۔ اُن سے بھی پہلے کے علامہ کی کتاب دیکھو تاریخ طبری کو تو جانتے ہو جو اسلامی تاریخ میں سب سے زیادہ معتبر اور مشہور ہے۔ علامہ شبلی صاحب لکھتے ہیں "تاریخ کبیر ابو جعفر طبری۔ یہ نہایت مستند اور ضخیم کتاب ہے۔ ابن اثیر

وابن خلدون وابوالفدا کا اصلی ماخذ یہی کتاب ہے۔ ۷ا جلدوں میں بمقام ہالینڈ نہایت اہتمام سے چھاپی گئی ہے" (المامون ص۷) "ابو جعفر محمد بن جریر الطبری المتوفی سنہ ۳۱۰ھ یہ حدیث وفقہ میں بھی امام مانے جاتے ہیں۔ چنانچہ ائمہ اربعہ کے ساتھ لوگوں نے انکو مجتہدین کے زمرے میں شمار کیا ہے۔ تاریخ میں انھوں نے ایک نہایت مفصل اور بسیط کتاب لکھی جو ۱۳ ضخیم جلدوں میں ہے اور یورپ میں بمقام لیڈن نہایت صحت اور اہتمام کے ساتھ چھپی ہے" (الفاروق جلد ا ص۸)

اس تاریخ طبری میں سیکڑوں جگہ حسین علیہ السلام لکھا ہے۔ مثلاً وجہ اهل الکوفة الرسل الی الحسین علیہ السلام یعنی کوفہ والوں نے بہ کثرت قاصدوں کو امام حسین علیہ السلام کے پاس بھیجا (تاریخ طبری مطبوعہ مصر جلد ۶ ص۱۹۷) فی هذه السنة کان خروج الحسین علیہ السلام من مکة یعنی اسی سال میں امام حسین علیہ السلام مکہ سے نکلے (جلد ۶ ص۲۱۵) فبعث عمر بن سعد الی الحسین علیہ السلام یعنی عمر بن سعد نے امام حسین علیہ السلام کے پاس پیغام بھیجا (جلد ۶ ص۲۳۳) اسماء من قتل من بنی هاشم مع الحسین علیہ السلام یعنی بنی ہاشم سے جو لوگ امام حسین علیہ السلام کے ساتھ شہید ہوئے۔ انکی فہرست۔ (جلد ۶ ص۲۶۹) اسی طرح سیکڑوں مرتبہ لکھا ہے۔ میں کہاں تک پڑھتی چلی جاؤں۔

اب ان سے بھی مقدم مورخ کا بیان سنو جو نہایت عظیم الشان مصنف گزرے ہیں یعنی علامہ ابو حنیفہ دینوری جن کا انتقال ۲۸۱ ہجری میں ہوا اور جنکے بارے میں علامہ شبلی صاحب نے لکھا ہے "احمد بن داؤد ابو حنیفہ دینوری المتوفی ۲۸۱ھ یہ بھی مشہور مصنف ہے۔ تاریخ میں اس کی کتاب کا نام الاخبار الطوال ہے۔ اس میں خلیفہ معتصم باللہ تک کے حالات ہیں۔ خلفائے راشدین کی فتوحات میں سے عجم کی فتح کو تفصیل سے لکھا ہے۔ یہ کتاب یورپ میں بمقام لیڈن کی سنہ ۱۸۸۶ء میں چھپی ہے" (الفاروق ص۷) اپنی اسی کتاب میں کئی جگہ حضرت کو حسین علیہ السلام لکھا ہے۔ مثلاً خرج الحسین

بن علی علیہ السلام من مکۃ فی ذلک الیوم یعنی امام حسین علیہ السلام اسی روز مکہ سے روانہ ہوئے (اخبار طوال مطبوعہ مصر صفحہ ۲۴۳)

مولوی صاحب۔ اس میں بھی ہوسکتا ہے کہ مصنف نے حضرت علی کو علیہ السلام کہا ہو۔

حسینی بیگم۔ بہت اچھا اسی صفحہ میں یہ بھی ہے لما ورد کتاب مسلم بن عقیل علی الحسین علیہ السلام یعنی جب مسلم بن عقیل کا خط امام حسین علیہ السلام کو ملا (صفحہ ۲۴۳) پھر ہے قال الحسین علیہ السلام یعنی امام حسین علیہ السلام نے کہا (صفحہ ۲۴۴) اسی طرح بہت سی جگہوں میں ہے۔ کہو اب بھی کچھ تاویل کروگے؟

مولوی صاحب۔ نہیں یہ سب ٹھیک ہے۔

حسینی بیگم۔ اس سے معلوم ہوا کہ حضرت امام حسین کو "علیہ السلام" بولنے اور لکھنے کا دستور شروع ہی سے اسلام میں جاری ہے۔

مولوی صاحب۔ بے شک یہی بات ظاہر ہوتی ہے۔

حسینی بیگم۔ اور خدا نے بھی قرآن مجید میں ان حضرات پر سلام کیا ہے اگرچہ نام نہیں لیا ہے۔

مولوی صاحب۔ وہ کہاں ہے؟ یہ بے شک سب سے زیادہ تعجب خیز ہے۔

حسینی بیگم۔ یہ بتاؤ کہ قرآن مجید میں خدا نے یٰسین کس کو کہا ہے۔

مولوی صاحب۔ حضرت رسولخدا صلعم کو۔

حسینی بیگم۔ تو پارہ ۲۳ سورہ والصافات رکوع ۸ میں خدا نے فرمایا ہے سلام علی آل یاسین یعنی آل یٰسین پر سلام ہو۔

مولوی صاحب۔ واہ وہ تو سلام علی ال یاسین ہے سب قرآنوں میں یوں ہی موجود ہے یعنی الیاس پر سلام ہو۔ دیکھو شمس العلماء مولوی حافظ ڈپٹی نذیر احمد صاحب دہلوی کا ترجمہ کیا ہوا قرآن مجید اُسکے پارہ ۲۳ رکوع ۸ میں صاف لکھا ہے سلام علی ال یاسین اور اس کا ترجمہ یوں کیا ہے ال یٰسین

(یعنی الیاس) پر سلام۔ اور اس ترجمہ پر یہ فائدہ بھی لکھا ہے" الیاس اور
ال یاسین دونوں نام تھے یہاں روایت صحیح کے لحاظ سے اِل یاسین فرمایا"
(حمائل مترجم ڈپٹی نذیر احمد صاحب مطبوعہ لکھنؤ ص ۲۱) اسی طرح اور کل قرآنوں
میں بھی اِل یاسین ہی لکھا ہے۔ تم نے آل یاسین خوب کہی۔

حسینی بیگم ۔ تم ان لوگوں کی بات مانو گے یا علامہ جلال الدین سیوطی و علامہ
فخر الدین رازی ایسے حضرات کی۔

مولوی صاحب ۔ اُن لوگوں کا کیا کہنا ہے۔ وہی تو مذہب اسلام کے
ارکان اور علم و فضل کے آسمان ہیں۔

حسینی بیگم ۔ اب دیکھو کہ وہ کیا لکھتے ہیں سلام علی آل یاسین (تفسیر
درمنثور مطبوعہ مصر جلد ۵ ص ۲۸۵) سلام علی آل یاسین (تفسیر کبیر جلد ۷ ص ۱۶۱) اور
نواب مولانا صدیق حسن خاں صاحب نے بھی سلام علی آل یاسین ہی لکھا ہے۔
(تفسیر فتح البیان مطبوعہ مصر جلد ۸ ص ۱۰۷) اور بھی بے حساب تفسیروں میں آل
یاسین ہے۔ ان سب کا مطلب بھی آل محمد لکھا ہے۔ جیسے علامہ ابن کثیر لکھتے
ہیں قرأ آخرون سلام علی آل یاسین یعنی قراءة ابن مسعود رضی الله
عنه وقال آخرون سلام علی آل یاسین یعنی آل محمد صلے الله علیہ وسلم یعنی
دوسرے لوگوں نے سلام علی آل یاسین پڑھا ہے اور یہی قراءۃ ابن مسعود رضی اللہ
عنہ کی تھی اور دوسرے لوگوں نے کہا ہے کہ سلام علی آل یاسین ہے۔
یعنی آل محمد پر ہمارا سلام ہو (تفسیر ابن کثیر مطبوعہ مصر جلد ۸ ص ۲۷۳) اور علامہ
سیوطی نے لکھا ہے کہ جناب ابن عباس رضی اللہ عنہ فرماتے تھے کہ آل یاسین
سے مراد آل محمد ہیں (تفسیر درمنثور جلد ۵ ص ۲۸۶) اور علامہ فخر الدین رازی
نے لکھا ہے آل یاسین آل محمد صلے اللہ علیہ وسلم یعنی آل یاسین حضرت محمد کی
آل ہیں (تفسیر کبیر جلد ۷ ص ۱۶۳) اور جناب مولانا صدیق حسن خاں صاحب نے لکھا ہے
المراد بآل یاسین آل محمد صلے اللہ علیہ وآلہ وسلم یعنی آل یاسین سے مراد آل محمدؐ

صلے اللہ علیہ وآلہ ہیں (تفسیر فتح البیان جلد ۸ ص۷۷) اور حدیث کی بہت
سی کتابوں میں بھی یہی مضمون ہے۔ دیکھو علامہ ابوبکر کی کتاب شفقۃ الصادی مطبوعہ
مصر ص۲۴ علامہ ابن حجر کی صواعق محرقہ مطبوعہ مصر ص۸۵ وغیرہ جو سیکڑوں ہیں
کہاں تک سنو گے۔

مولوی صاحب۔ واقعی تم نے اچھی طرح ثابت کر دیا کہ حضرت حسین کو علیہ السلام
کہنا خدا و رسولؐ کا فعل ہے۔ اور ہمارے مذہب کے بڑے بڑے علماء نے برابر
اس طرح لکھا ہے اور میرے ہر شبہ کا تم نے اطمینان بخش جواب دیا میں بہت
بڑی غلطی میں پڑا تھا جس سے تم نے نکال دیا۔ میں تم کو آج ہی یاد اگر ڈاکخانہ
نہ بند ہو گیا ہو گا تو کل سو روپیہ سیونگ بنک سے نکلوا کر دیدوں گا۔ تم جو
کتابیں چاہو منگالو۔

حسینی بیگم۔ نہیں میں فہرست لکھدیتی ہوں بمبئی فرمائش بھیجدو جب
وہاں سے پارسل کی رسید آجائیگی تو روپیہ ادا کر کے چھوڑا لینا۔ اسکے بعد دونوں سو گئے

دوسرا باب ۲

حضرت امام حسینؑ اور دوسرے آل محمدؐ کے نام پر صلوات اللہ علیہ کہنا

پھر اس قسم کی مذہبی باتیں کئی روز تک مولوی صاحب اور حسینی بیگم میں نہیں ہوئیں۔
کیونکہ کوئی موقع نہیں پیدا ہوا۔ ایک روز دن بھر مولوی صاحب اپنے کاموں
میں لگے رہ گئے اور دوپہر کو حویلی میں آنے کا موقع نہیں ملا۔ شب کو نماز عشاء جلدی
پڑھ کر آئے اور کھانا کھا کر دونوں میاں بیوی سو گئے۔ دسمبر کا آخری مہینہ تھا سردی
خوب شدید پڑتی تھی۔ دو بجے شب کو مولوی صاحب کی آنکھ کھل گئی۔ کچھ دیر تو لحاف
میں پڑے ہوئے کوشش کرتے رہے کہ پھر نیند آجائے مگر پانچ چھ گھنٹہ سو چکے تھے
نیند نہ آنی تھی نہ آئی۔ حسینی بیگم کو جگایا۔

حسینی بیگم۔ (گھبرا کر) کیوں خیریت تو ہے۔ کیا بات ہوئی؟

مولوی صاحب ۔ الحمدللہ خیریت ہی ہے ۔ کوئی تردد نہیں ۔ دن بھر تم سے باتیں نہیں کیں ۔ اس وقت بھی تھکا ہوا تھا لیٹتے ہی سو گیا ۔ تھوڑی دیر ہوئی جگ گیا ۔ جب سے بہت کوشش کی کہ پھر نیند آجائے مگر نہیں آئی ۔ دل گھبراتا تھا تو تمہیں جگا دیا ۔ معاف کرنا ۔

حسینی بیگم ۔ مگر اتنی دیر کیوں کی جب اُٹھے تھے اُسی وقت مجھے بھی کیوں نہیں جگا دیا !

مولوی صاحب ۔ تمہارے آرام میں خلل ہوتا کسی طرح مناسب نہیں ہے ۔

حسینی بیگم ۔ واہ یہ خوب کہی ۔ میرے ایسے آرام میں آگ لگے جس سے تمہاری خدمت نہیں کر سکوں ۔

مولوی صاحب ۔ خدا نہیں کرے ۔ یہ کیا بکنے لگیں ۔ تمہارے آرام سے تو میری زندگی ہے ۔ تم کو تکلیف ہوگی تو میں جیتا بھی رہونگا ۔

حسینی بیگم ۔ تو اسمیں تکلیف کیا تھی ۔ اور میں تمہارے ایک آرام پر اپنا ہزار آرام نثار کر دوں ۔

مولوی صاحب ۔ آج سردی بہت ہے رحمین کو اُٹھاؤ ۔

حسینی بیگم ۔ کیوں اُس سے کیا کام ہے ۔

مولوی صاحب ۔ ذرہ چاے بناتی ۔

حسینی بیگم ۔ واہ کیا انصاف ہے ۔ اپنے مزے کے لئے اس بوڑھی کو اس سردی میں اُٹھانا اُسے ستانا بلکہ ہلاک کرنا ہے ۔ دیکھو چاے ابھی بن جاتی ہے ۔

مولوی صاحب ۔ مگر تم اس سردی میں پانی نہ چھونا ۔ وہ تو برف ہو رہا ہوگا اور رحمین تو نوکر ہی ہے اُس کا کام ہی یہ ہے ۔ اُس کو کہاں تک بچاؤ گی ۔

حسینی بیگم ۔ ارے کیا کہتے ہو ۔ خدا سے ڈرو ۔ اُس نے جس طرح مجھکو اور تم کو پیدا کیا ہے اسی طرح اس بیچاری کو بھی ۔ پھر نہ کیسی بوڑھی اور کمزور ہے بیچاری دن بھر اور رات کے دس بجے تک ایسی سردی میں ہلکان ہوتی

... ب کہا رات کو بھی آرام نہ کرے حضرت رسولخدا صلی اللہ علیہ وآلہ
... بھی جناب سیدہ تو ایک روز اپنی خادمہ سے کام لیتی تھیں اور
... اچھا میں ابھی آئی۔
... جا کر سماور کو اچھی طرح دھویا۔ اسمیں
... آگ لگا دی۔ پھر چائے دان۔ پیالی۔ تشتری
... کشتی میں کل سامان درست کر کے اور ہاتھ میں
... اپنے کمرے میں چلی آئیں۔ پھر سماور اُٹھا لائیں اور پاس رکھ لیا
... گرمی ... یاں بیوی کی ... بھی کم ہوگئی۔ چائے بھی بننے لگی اور اطمینان
سے باتیں بھی ہونے لگیں۔

مولوی صاحب ۔ یہ کس کتاب سے تم نے بیان کیا کہ حضرت فاطمہؑ ایک روز خود کام کرتیں اور ایک روز اونکی خادمہ کرتی۔

حسینی بیگم ۔ بہت سی کتابوں میں ہے۔ بڑے تعجب کی بات ہے کہ تم ہر بات ... پوچھتے ہو کہ کس کتاب میں ہے معلوم ہوتا ہے تم صرف اُن کتابوں کو ... حضرت رسولخدا کے اہل بیت کے فضائل نہیں لکھے ہیں۔ اس وقت ... بڑے محدث علامہ ابن حجر عسقلانی کی عبارت کا خلاصہ ... بیان کرتی ہوں ... ان رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم ... جاریۃ ... یقال لہا فضۃ النوبیۃ وکانت تشاطرۃ الخدمۃ
... وآلہ وسلم نے اپنی بیٹی حضرت فاطمہؑ کو ایک لونڈی
... ایک روز کام کرتیں ایک روز آرام کرتیں۔

...

... تمہاری زبان سے بار بار حضرت رسولخدا
... سے معلوم ہوتا ہے کہ تم حضرت کی آل
... رضی اللہ عنہ ... نام کے ساتھ علیہ السلام

کہنا تو تم نے ثابت کر دیا۔ مگر درود میں آنحضرت صلعم کے ساتھ آل کو بھی [illegible]
کرنا تو تم ثابت نہیں کر سکتیں۔ میرے خیال میں تو یہ بدعت [illegible]

حسینی بیگم۔ منہ سے تو غلط اور صحیح بات نکلتی رہتی ہے۔ مگر [illegible]
بھی تمہارا اعتراض صحیح نہیں ہے۔

مولوی صاحب۔ نہیں یہ تو خاص حضرت رسولخدا صلعم [illegible]
اور کسی کو حاصل نہیں ہے۔

حسینی بیگم۔ حضرت صلے اللہ علیہ وآلہ کی بہت سی عزتوں [illegible]
پاک کو بھی جن کو کبھی آل محمدؐ اور کبھی اہلبیت محمدؐ کہا جاتا ہے شریک [illegible]

مولوی صاحب۔ اسکی کیا دلیل ہے۔

حسینی بیگم۔ سیکڑوں کتابوں میں ہے کہ خدا نے حضرت کے اہلبیت کو کئی
باتوں میں حضرت کا شریک کیا ہے۔ جیسے علامہ ابن حجر مکی وغیرہ نے لکھا ہے:۔

ذکر الفخر الرازی ان اھل بیتہ یساوونہ فی خمسۃ اشیاء فی [illegible]
قال السلام علیک ایھا النبی۔ وقال سلام علی آل یاسین وفی [illegible] الصلوٰۃ
علیہ وعلیھم فی التشھد وفی الطھارۃ قال تعالیٰ [illegible] ویطھرکم تطھیرا وفی تحریم الصدقۃ وفی المحبۃ قال تعالیٰ فاتبعونی
یحببکم اللہ وقال قل لا اسئلکم علیہ اجرا الا المودۃ فی القربیٰ [illegible]

امام فخر الدین رازی نے بیان کیا ہے کہ حضرت رسولخدا صلعم کے اہلبیت پانچ [illegible]
میں حضرت کے برابر ہیں (۱) سلام میں کہ جس طرح خدا نے آنحضرت پر سلام [illegible]
اور کہا السلام علیک ایھا النبی اسی طرح حضرت کے اہلبیت پر بھی سلام
کیا اور فرمایا آل یاسین پر سلام ہو (۲) تشہد پڑھتے وقت درود پڑھنے
میں کہ حکم دیا رسولؐ کے ساتھ ان کے اہلبیت پر بھی درود پڑھا کرو۔
(۳) پاکیزگی میں کہ رسولؐ سے خدا نے فرمایا اے طٰہٰ۔ یعنی [illegible]
سے فرمایا تم کو خدا پورا پاک و پاکیزہ رکھیگا (۴) [illegible]

رسولؐ پر حرام کیا آپ کے اہلبیتؑ پر بھی حرام ہے (۵) محبت واجب ہونے میں کہ خدا نے جس طرح مسلمانوں کو حکم دیا کہ رسولؐ کو دوست رکھیں۔ اسی طرح فرمایا کہ اے رسولؐ مسلمانوں سے کہدو کہ میرے قرابتمند یعنی اہلبیتؑ کو دوست رکھو (صواعق محرقہ ص۸۹ درشفۃ الصادی ص۳۴ واسعاف الراغبین مطبوعہ مصر ص۱۱۷ وغیرہ) اور برابر انصاف پسند علماے اسلام درود میں حضرتؐ کے ساتھ آپکی آل کو بھی ذکر کرتے ہیں۔ جیسے جناب مولانا شاہ محمد سلیمان صاحب پھلواروی۔ (دیکھو رسالہ غم حسین ص۸۳) دوسری کتاب میں ممدوح نے لکھا ہے:۔ جناب سیدنا و مولانا امام حسین علی جدہ و علیہ الصلوٰۃ والسلام (رسالہ شہادۃ حسین ص۱۰) ایک جگہ لکھا ہے کہ "اہل بیت اطہار کی اہانت و بے حرمتی اُنکو ستانا اور سید شباب اہل الجنۃ لخت دل مصطفےٰؐ جگر گوشہ مرتضےٰؑ۔ راحت جان زہراؑ۔ محبوب خالق ارض و سما۔ شاہ کونین سیدنا و مولانا حضرت امام ہمام جناب امام حسین صلوات اللہ وسلامہ علی جدہ وابیہ واخیہ وعلی محبیہ ومتبعیہ اجمعین الی یوم الدین [1] کو اس ظلم و جفا اور اس بے حرمتی سے قتل کرنا خود کفر ہے۔ (رسالہ شہادت حسینؑ ص۵۵) پھر لکھا ہے "حضرت امام ہمام جناب امام حسین علی جدہ و علیہ الصلوٰۃ والسلام نے بھی ہرگز بغاوت نہیں کی"۔ (شہادت حسینؑ ص۶۹) اور جناب مولانا محمد مبین صاحب علامہ فرنگی محل لکھنو کو بھی جانتے ہو کہ کتنے بڑے عالم اور پیشوا تھے۔ انھوں نے بھی سیکڑوں جگہ لکھا ہے جیسے حضرت امام حسینؑ شہید کربلا علی نبینا و علیہ الصلوٰۃ والسلام (وسیلۃ النجاۃ ص۲۵۹) اور جناب شیخ الاسلام مولانا الشیخ سلیمان القندوزی البلخی کو بھی جانتے ہو جو قسطنطنیہ کے جلیل القدر ملا و امام اہلسنت تھے۔ انھوں نے بھی اپنی کتاب میں سیکڑوں جگہ لکھا ہے جیسے

---

[1] ان جملوں کا اردو ترجمہ یہ ہے۔ جوانان اہل بہشت کے سردار۔ حضرت رسولخدا صلعم کے دل کے ٹکڑے۔ حضرت علی مرتضےٰؑ کے جگر گوشہ۔ حضرت زہراؑ کی راحت جان۔ آسمان و زمین پیدا کرنے والے خدا کے پیارے۔ جن و انس کے بادشاہ۔ یعنی ہمارے سردار اور آقا حضرت امام ہمام جناب امام حسین اللہ کا درود و سلام آپ پر اور آپکے نانا۔ بابا۔ ماں بھائی۔ دوستوں۔ پیروؤں سب پر قیامت تک نازل ہوتا رہے

الباب الستون فی الاحادیث الواردۃ فی شہادۃ الحسین صلوات اللہ
ورحمتہ وبرکاتہ وسلامہ علیہ یعنی ساٹھواں باب اُن حدیثوں کے بیان
میں جو امام حسین اللہ کا درود اور رحمۃ اور برکتیں اور سلام اُن پر نازل ہوتا ہے
کی شہادۃ کے بارے میں وارد ہوئی ہیں (ینابیع المودۃ صفحہ ۲۶۴) اور جناب علامہ
آلوسی بغدادی کو بھی جانتے ہو۔ وہ بھی برابر اسی طرح لکھتے ہیں۔ جیسے درضاہ
بقتل الحسین علی جدہ وعلیہ الصلوٰۃ والسلام یعنی امام حسین آپ پر اور
آپ کے نانا پر درود و سلام ہو کے قتل پر یزید کا راضی ہونا (تفسیر روح المعانی جلد ۸
صفحہ ۱۲۵)۔ اور علامہ ابن حجر عسقلانی کے بارے میں تمام علمائے اسلام کا اتفاق
ہے کہ ان کے برابر ان کے بعد کوئی محدث نہیں ہوا۔ انھوں نے صحیح بخاری
شریف کی کتنی بڑی شرح فتح الباری لکھی۔ انھوں نے صحابہ کے حالات میں
سب سے بڑی کتاب اصابہ لکھی ہے اور جو مصر میں چھپ گئی ہے۔ اسمیں جہاں جہاں
حضرت رسولخدا کا نام لکھا وہاں صلی اللہ علیہ و آلہ لکھا ہے۔ ایک جگہ بھی بغیر آل کے
تنہا حضرت پر درود نہیں بھیجا ہے۔ اگرچہ ہزاروں علماء ایسا کرتے ہیں مگر خاص
انکا نام میں نے اس وجہ سے لیا کہ حضرات اہلحدیث کے بہت بڑے پیشوا تھے اور علوم دینیہ
میں انکی عظمت و جلالت ایسی تھی جو بہت کم لوگوں کو حاصل ہوئی اور تنہا انکا
لکھدینا بھی ہزاروں علماء کے لکھنے کے برابر سمجھا جاتا ہے۔

مولوی صاحب۔ ہاں مجھے بھی خیال آیا کہ علامہ ابن حجر عسقلانی نے اصابہ
میں تمام صلی اللہ علیہ و آلہ وسلم ہی لکھا ہے۔ اور واقعاً اُن کا اکیلا کسی بات کو لکھدینا
ہزاروں بڑے بڑے علماء سے بہتر اور زیادہ صحیح و قابل اعتبار و لائق
عمل ہے۔

حسینی بیگم۔ جناب نواب مولانا صدیق حسن خاں صاحب مرحوم بھی جنکے ایسا
ہندوستان کے علمائے اہلحدیث میں کوئی مصنف نہیں گزرا برابر صلی اللہ علیہ و آلہ
ہی لکھتے ہیں (دیکھو انکی کتاب تفسیر فتح البیان مطبوعہ مصر)۔ اور میں تو کہتی ہوں

کہ کل علمائے اسلام ایسا کرتے اور کوئی اسکو ترک نہیں کرتا مگر خلفائے بنی امیہ و بنی عباس کے ڈر سے لوگوں نے چھوڑ دیا تھا۔

مولوی صاحب۔ یہ تو رافضیوں کی سی بات تم نے کہی۔ کیا ہمارے علمائے کرام بھی رافضیوں کی طرح تقیہ کرتے تھے۔

حسینی بیگم۔ دیکھو میں حق اور انصاف کے خلاف کوئی بات نہیں مان سکتی ہم لوگ رافضیوں کو الزام دیتے ہیں۔ مگر کوئی شخص تقیہ سے بچا نہیں ہے۔ اور علمائے کرام تو برابر تقیہ کرتے رہتے ہیں۔ زبان سے اعتراض کرتے ہیں۔ مگر جب اپنے اوپر پڑتی ہے تو وہی کرتے ہیں۔

مولوی صاحب۔ یہ تم کیا بہکی بہکی باتیں کرتی ہو۔

حسینی بیگم اٹھی ہوئی گئیں اور ایک کتاب نکال لائیں۔

حسینی بیگم۔ یہ دیکھو ہندوستان کے بہت بڑے مورخ اسلام علامہ شبلی صاحب نے لکھا ہے کہ "مامون کو اس پر بھی تسلی نہیں ہوئی اور سات بڑے بڑے عالموں کو جو مذہبًا بہت بڑا اقتدار رکھتے تھے اپنے پاس طلب کیا اور رد و در رد گفتگو کی یہ سب لوگ اس مسئلہ (خلق قرآن) میں مامون کے خلاف تھے۔ مگر تلوار کے ڈر سے وہ کہہ اٹھے جو ان کا دل نہیں کہتا تھا... اسحاق نے یہ فرمان مجمع عام میں پڑھکر سنایا جسکی ہیبت نے بڑے بڑے ثابت قدموں کے عزم کو متزلزل کر دیا۔ ادھر سب کے سب سچائی اور آزادی کو خیرباد کہکر مامون کے ہمزبان ہو گئے۔ علامہ قواریری و سجادہ البتہ کسی قدر مستقل رہے مگر جب پاؤں میں بیڑیاں ڈالدی گئیں اور ایک رات اسی سختی میں گزری تو ثابت ہو گیا کہ ان لوگوں کو اپنے عزم و استقلال کی نسبت جو حسن ظن تھا وہ صحیح نہ تھا... مامون کو پھر معلوم ہوا کہ جن لوگوں نے اس مسئلہ کو تسلیم کر لیا تھا تقیہ کیا تھا۔ وہ نہایت برافروختہ ہوا"۔ المامون صـ ۲۳۳ و ۲۳۴

مولوی صاحب۔ واقعی جان کا مسئلہ بہت سخت ہے۔

حسینی بیگم۔ پھر شیعہ بھی تو یہی کہتے ہیں کہ جب جان کا خطرہ ہو تب تقیہ کرنا چاہیئے

مولوی صاحب۔ خیر۔ مگر وہ بات تو رہ گئی کہ خلفائے بنی امیہ و بنی عباس کے ڈر سے لوگوں نے آل کو درود میں لکھنا چھوڑ دیا۔

حسینی بیگم۔ ہاں یہ مضمون بھی میں اس وقت صرف دو کتابوں سے پیش کرتی ہوں۔ ایک بہت بڑے حنفی عالم کی ہے اور دوسری بہت بڑے اہلحدیث عالم بلکہ امام کی۔ حنفی عالم تو جناب مولانا صدرالدین احمد صاحب لوہاری ہیں جو تحریر فرماتے ہیں "باید دانست کہ چون بحکم پیغمبر تمسک باہل بیت نمودن واجب است پس چرا مقتدایان اہلسنت در فقہ و علوم دینی از ایشاں کم تمسک نمودہ اند حالانکہ ایشاں اعلم الناس بودند جواب آنست کہ بسبب تسلط بنی امیہ و بنی العباس از ایشاں کما ینبغی تمسک نمودن نتوانستند چنانچہ حسن بصری را پرسیدند کہ در حدیث ایں قدر ارسال چرا می کنی و نام راوی را چرا نمی بری گفت ایں سخنیست کہ ہیچ کس تا ایں زمان از من نہ پرسید بدانکہ احادیثے کہ ارسال می کنم آں ہمہ از حضرت مرتضیٰؑ روایت دارم جملہ مراسیل من مرویات اوست مگر از خوف بنی امیہ اظہار آں کردن نمی توانم کذا فی الخلاصہ و امام مالک در زمان بنی امیہ از امام جعفر صادقؑ روایت نمی نمود تا آں کہ زمانہ بنی العباس رسید دراں وقت از وے روایت کرد مگر دیگرے را ہم باوضم می نمود۔ کذا فی میزان الذہبی۔ و اوزاعی و زہری فقط یک یک حدیث در مناقب اہل بیت روایت نمودہ اند چرا کہ از بنی امیہ ترسیدند کذا فی اسد الغابہ.... گویا علماء از جانب سلطنت صراحتاً باشد یا کنایۃً از ملاقات و آمد و شد نزد ائمہ اہلبیت ممنوع بودند" یعنی جاننا چاہیئے کہ حضرت رسولخدا صلعم کے حکم کے مطابق حضرات اہلبیت سے تمسک کرنا واجب ہے۔ پھر علماء و پیشوایان اہلسنت نے ان حضرات سے کیوں اس قدر کم تمسک کیا۔ حالانکہ یہی حضرات سب سے زیادہ عالم تھے۔ اس کا جواب یہ ہے کہ خلفاء بنی امیہ و بنی عباس کے تسلط سے علماء ایسا نہیں کر سکتے تھے۔ حسن بصری کثرت سے حدیثیں حضرت علیؑ سے روایت کرتے مگر نام نہیں لیتے تھے جب اسکی وجہ پوچھی گئی تو کہا کہ بنی امیہ کے خوف سے میں نام نہیں ظاہر کر سکتا۔

ہیوں۔ اور بنی امیہ کے زمانہ میں امام مالک بھی حضرت امام جعفر صادق علیہ السلام سے
روایت نہیں کرتے تھے جب بنی عباس کا زمانہ آیا تب حضرت کا نام لینے لگے اور
زہری و اوزاعی نے صرف ایک ایک حدیث اہلبیتؑ کے فضائل میں روایت کی ہے۔
کیونکہ بنی امیہ سے ڈرتے تھے۔ گویا علما اہلسنت کو صریح یا کنایہ کے طور پر سلطنت
کی طرف سے حکم تھا کہ ائمہ اہلبیتؑ سے ملاقات نہ کریں اور نہ انکے پاس آئیں جائیں۔
(روائح المصطفےٰ مطبوعہ کانپور ص۶) دوسرا اہلحدیث عالم کی جسکے ماننے میں تم کو عذر
نہ ہوگا جناب نواب مولانا صدیق حسن خانصاحب مرحوم جو کتنے بڑے محدث اور
پیشوا تھے اور تم بھی انکو مانتے ہو۔ تحریر فرماتے ہیں " درکتب سنت مطہر اکثر اہلحدیث
صیغہ صلوۃ ہمراہ نام نامی و اسم سامی ختمی پناہ صلی اللہ علیہ و آلہ وسلم بدون ذکر آل
نگاشتہ اند۔ اگرچہ دریں قدر نوشتن و ترک ذکر لفظ آل کردن خاطی اندزیرا
کہ آنحضرت صلعم در حدیث تعلیم دربیان کیفیۃ صلوۃ بذکر آل پرداختہ لیس امتثال
درایتان بصلوۃ معلمہ نبوی بزبذکر آل ناتمام باشد و ظاہر ست کہ باتفاق ائمہ حدیث
درودے کہ در آں ذکر آل آمدہ منسوخ نیست معہذا ترک آں در کتابت راساً از زمان اول
تا ایں زمان آخر شاید بخوف دولت امویہ و عباسیہ ... بنا بر عداوت اہلبیت
مردم را و بمخافۃ عظیم و تشریۃ نبی داشتند " یعنی اہسنت کی کتابوں میں اکثر
اہلحدیث نے حضرت رسول خدا صلعم کے نام کے ساتھ درود اس طرح لکھا ہے جسمیں
آل کا ذکر نہیں کیا ہے۔ اگرچہ صرف اس طرح (صلے اللہ علیہ وسلم) لکھنے اور لفظ آل
کو ترک کردینے میں وہ لوگ غلطی کرتے ہیں اسلئے کہ جس حدیث میں آنحضرت صلعم۔ نے
درود بھیجنے کا طریقہ بتایا ہے اسمیں آل کو بھی شامل رکھا ہے۔ لہذا حضرت صلعم نے
جس طرح درود بھیجنے کا قاعدہ بتایا اور حکم دیا اسکی تعمیل بغیر اسکے پوری نہیں ہوسکتی
کہ آل کو بھی برابر حضرت کے ساتھ ذکر کیا جائے۔ اور ظاہر ہے کہ تمام علما اہلحدیث کا
اس بات پر اتفاق ہے کہ وہ درود جسمیں آنحضرت صلعم نے آل کو بھی ساتھ ساتھ
رکھنے کا حکم دیا ہے منسوخ نہیں ہوا۔ باوجود آنحضرت صلعم کے اس قدر اہتمام کرنیکے

شروع سے اب تک علماء نے جو اس کو ترک کر دیا (یعنی درود میں آنحضرت صلعم کے ساتھ آل کو ذکر نہیں کرتے ہیں) تو شاید خلیفہ بنی امیہ اور بنی عباس کے خوف سے ایسا کیا کیونکہ دونوں حکومتوں کے خلفاء نے اہلبیتؑ کی عداوۃ سے لوگوں کو بڑے خوف میں رکھا اور شدید پریشانی میں مبتلا کئے رہے (دلیل الطالب مطبوعہ بھوپال صفحہ ۶۶۰)

مولوی صاحب ۔ مولانا صدیق حسن خاں صاحب نے سچ لکھا ہے کہ خلفاء بنی امیہ و بنی عباس نے حضرات اہلبیتؑ پر بڑے بڑے ظلم کئے اور انکی عداوت سے لوگوں کو بہت ستایا ۔ ہو سکتا ہے کہ اسی وجہ سے لوگوں نے درود سے آل کو ترک کر دیا ہو ۔

حسینی بیگم ۔ حالانکہ یہی حضرات اس کو بھی لکھتے ہیں کہ حضرات اہلبیتؑ پر درود بھیجنا اتنا ضروری ہے کہ بغیر اسکے حضرت رسول خدا صلعم نے اپنے اوپر درود بھیجنے کو بھی منع کیا ہے ۔

مولوی صاحب ۔ اس سے تمہارا کیا مطلب ہے ؟

حسینی بیگم ۔ یہ کہ اگر آنحضرتؐ پر درود بھیجا جائے تو آپ کے ساتھ آپکے اہلبیتؑ پر بھی بھیجا جائے ۔ اور اگر آپ کے اہل بیت پر نہ بھیجا جائے تو آنحضرت صلعم پر بھی نہ بھیجا جائے ۔

مولوی صاحب ۔ کیوں ؟

حسینی بیگم ۔ اس لئے کہ آنحضرت صلعم نے فرمایا ہے "لا تصلوا علی الصلوٰۃ البتراء فقالوا وما الصلوٰۃ البتراء قال تقولون اللھم صل علی محمد وتمسکون بل قولوا اللھم صل علی محمد وعلی آل محمد" حضرتؐ نے فرمایا تم لوگ مجھ پر بترا (ناقص ۔ دم کٹا) درود نہ بھیجا کرو صحابہ نے دریافت کیا کہ حضرت صلوٰۃ بترا کیا ہے ؟ تو فرمایا یہی کہ اللھم صل علی محمدؐ کہکر چپ ہو جاؤ بلکہ یوں کہا کرو کہ اللھم صل علی محمدؐ وعلی آل محمدؐ (کتاب رشفۃ الصادی مطبوعہ مصر صفحہ ۲۹)

وصواعق محرقہ مطبوعہ مصر ص۸۷ وغیرہ) بلکہ بعض حدیثوں میں ہے کہ جو شخص حضرت رسولخدا پر درود بھیجے اور اُن حضرات پر نہ بھیجے تو خدا اسکے درود کو قبول ہی نہیں کریگا۔ قال رسول اللہ صلے اللہ علیہ وآلہ وسلم من صلی علی صلوٰۃ لم یصل فیہا علی اھل بیتی لم تقبل منہ اخرجہ الدار قطنی والبیہقی یعنی حضرت رسولخدا صلعم نے فرمایا کہ جو مجھ پر ایسا درود بھیجے جس میں میرے اہلبیتؑ کو شامل نہ کرے اُس کا درود قبول ہی نہیں کیا جائیگا۔ اس کو امام دارقطنی وامام بیہقی نے بیان فرمایا ہے (رشفۃ الصادی مطبوعہ مصر ص۳۰) اور علاّ ابن حجر مکی وغیرہ علماء نے یہ حدیث بھی لکھی ہے:- انہ صلے اللہ علیہ وسلم قال الدعاء محجوب حتی یصلے علی محمدؐ واھل بیتہ اللھم صل علی محمد وآلہ یعنی خدا سے جو دعا کی جاتی ہے وہ درجہ اجابۃ پر پہنچنے سے رُکی رہتی ہے جب تک کہ حضرت رسولخداؐ اور آپکے اہل بیتؑ پر درود اس طرح نہ پڑھا جائے۔ اللھم صل علی محمدؐ و آلہ (صواعق محرقہ ص۸۸) اسی وجہ سے امام شافعی علیہ الرحمہ نے بھی فرمادیا کہ جو شخص نماز میں حضرت اہلبیت پر درود نہ بھیجے اُسکی نماز ہی نہیں ہوتی ہے یعنی وہ کافر ہے۔ کیونکہ جو بے نمازی قرار پایا وہ آنحضرت صلعم کی حدیث کے مطابق تارک الصلوٰۃ ہو کر کافر ہوگیا۔

مولوی صاحب۔ ہاں امام شافعی صاحب نے ایک رباعی کہی ہے۔ مجھے اس وقت یاد نہیں ہے۔ تمہارے خیال میں ہو تو پڑھو۔

حسینی بیگم۔ وہ تو بہت مشہور رباعی ہے ؎

یا اھل بیت رسول اللہ حبکم   فرض من اللہ فی القرآن انزلہٗ

کفاکم من عظیم القدر انکم   من لم یصل علیکم لاصلوٰۃ لہٗ

یعنی اے رسولخدا صلعم کے اہل بیت آپکی محبت تو ایسی واجب اور ضروری ہے کہ خدا نے اس کا حکم قرآن مجید میں نازل کیا ہے۔ آپلوگوں کی عظیم قدر کے لئے بس یہی کافی ہے کہ جو شخص آپلوگوں پر درود نہ بھیجے اسکی نماز ہی نہیں ہوتی۔ (رشفۃ الصادی ص۳۱ والاتحاف بحب الاشراف مطبوعہ مصر ص۲۹ وینابیع المودۃ

(صواعق محرقہ ص۹۷ و اسعاف الراغبین ص۱۱۹ و نور الابصار ص۱۱۵ وغیرہ)

مولوی صاحب۔ مگر امام شافعی صاحب نے مبالغہ کیا ہے اور اہل بیت کی زیادہ محبت کی وجہ سے یہ رباعی کہی ہے۔

حسینی بیگم۔ اُنکے زمانہ میں بھی لوگوں نے یہی کہا تھا بلکہ اُس وقت تو آپ پر رافضی ہونے کا اتہام لگادیا گیا تھا اسی وجہ سے انھوں نے یہ شعر کہا جس کو برابر پڑھا کرتے تھے ؎ ان کان رفضا حب آل محمدؐ ※ فلیشھد الثقلان انی رافضی

یعنی اگر آل محمدؐ کی دوستی سے آدمی رافضی ہوجاتا ہے تو جن و انس سب گواہ رہیں کہ میں بھی رافضی ہوں (رشفۃ الصادی ص۹۷ و ینابیع المودۃ ص۳۹۴ و صواعق محرقہ ص۹۷ و اسعاف الراغبین ص۱۱۸ و نور الابصار ص۱۱۵ و طبقات شافعیہ مطبوعہ مصر و تفسیر کبیر جلد ۷ ص۴۰۶ و دلیل الطالب نواب صدیق حسن خاں صاحب ص۱۹ وغیرہ)

اور امام شافعی علیہ الرحمہ نے یہ اشعار بھی کہے تھے ؎ اذا فی مجلس نذکر علیا وسبطیہ وفاطمۃ الزکیہ + یقال تجاوزوا یا قوم ھذا ۔ فھذا من حدیث الرافضیہ + برئت الی المھیمن من اناس ۔ یرون الرفض حب الفاطمیۃ

یعنی جب کسی مجلس میں ہم لوگ حضرت علیؑ اور حضرت رسولخداؐ کے دونوں نواسوں حسنؑ و حسینؑ اور آپکی صاحبزادی فاطمہ زکیہؑ کا ذکر کرتے ہیں تو لوگ کہتے ہیں اے بھائیو اس بات کو چھوڑو۔ کیونکہ یہ رافضیہ کی باتیں ہیں۔ میں خدا کی پناہ چاہتا ہوں اُن لوگوں سے جو محبت فاطمیہؑ کو رفض سمجھتے ہیں۔

امام ممدوح نے یہ اشعار بھی کہے ہیں ؎

قالوا ترفضت قلت کلا	ما الرفض دینی ولا اعتقادی
لکن تولیت غیر شک	خیر امام وخیر ھادی
ان کان حب الولی رفضا	فاننی ارفض العباد

یعنی لوگ مجھ سے کہتے ہیں کہ تم تو رافضی ہوگئے ہو۔ میں کہتا ہوں کہ ہرگز نہیں۔ رافضی ہونا نہ میرا دین ہے نہ اعتقاد ہے مگر اسمیں شک نہیں کہ میں سب سے بہتر امام اور

سب سے بہتر ہادی (حضرت علیؑ) کو مولا سمجھتا ہوں۔ پس اگر حضرت علیؑ ولی کی محبت ہی رفض ہے تو میں بے شک سب سے بڑا رافضی ہوں (رشفۃ الصادی ص۹۷ و ۹۸ و صواعق محرقہ ص۹۷ و ینابیع المودۃ ص۹۷ وسیلۃ النجاۃ ص۸ و نورالابصار ص۱۱۵ وغیرہ)

مولوی صاحب - ہاں یہ تو واقعاً زیادتی ہے کہ اہلبیتؑ کی محبت کی وجہ سے کسی کو رافضی کہہ دیا جائے۔ مگر امام شافعی صاحب بھی تو اعتدال پر باقی نہیں رہے کہہ دیا جو شخص اہلبیتؑ پر درود نہیں بھیجے اُس کی نماز ہی نہیں ہوتی۔

حسینی بیگم - نہیں وہ تو حد سے نہیں گزرے۔ اس بات کی تو حدیث موجود ہے۔

مولوی صاحب - وہ کون سی اور کس کتاب میں ہے۔

حسینی بیگم - بہت سی حدیثیں بہت سی کتابوں میں ہیں۔ میں صرف ایک حدیث ایک ایسی کتاب سے پیش کرتی ہوں جس کے ماننے میں تم کوئی عذر کر ہی نہیں سکتے۔ سنو۔ جناب مولانا صدیق حسن خان صاحب بھوپالی تحریر فرماتے ہیں۔ من صلی صلوٰۃ لم یصل فیہا علیّ وعلی اھل بیتی لم تقبل منہ یعنی آنحضرت صلعم نے فرمایا کہ جو شخص ایسی نماز پڑھے جس میں مجھ پر اور میرے اہلبیتؑ پر درود نہیں بھیجے اسکی نماز ہی قبول نہیں کیجائیگی (دلیل الطالب ص۳۰)

مولوی صاحب - واقعاً یہ لاجواب دلیل ہے جسمیں کوئی عذر نہیں ہو سکتا۔ اچھا اب سحری معلوم ہوتی ہے اور رات باقی ہے۔ کچھ سونے کی کوشش کرو۔ تم بھی سو رہو۔

حسینی بیگم - نہیں اب کیا سوؤنگی صبح ہو رہی ہے۔ خدا کی عبادت کرنی چاہیئے۔

مولوی صاحب - تم تو ہر چیز میں مجھ سے فضلیت ہی حاصل کرتی ہو۔

حسینی بیگم - نہیں اس میں افضلیت کیا ہے۔

مولوی صاحب - واہ یہ کم ہے کہ میں نے سونے کا نام لیا اور تم نے عبادت کا۔

حسینی بیگم - اس سے کیا ہوتا ہے۔

تیسرا باب ۳

مصیبت میں حضرت رسولِ خداؐ اور آپکی آلِ پاک سے توسّل کا اثر

جنوری کے شروع میں الہ آباد کی آب وہوا خراب ہوگئی۔ شہر میں طاعون پھیل گیا۔ سیکڑوں آدمی مرگئے۔ آیندہ کیا ہوگا کسی کو خبر نہیں۔ مولوی عبدالغفار صاحب اور حسینی بیگم بڑے لطف کی زندگی بسر کرتے تھے اور دونوں کی خوشی دیکھکر ان کے والدین پھولے نہیں سماتے تھے۔ مگر اس طاعون میں مولوی عبدالغفار صاحب بھی مبتلا ہوگئے۔ اور ایسے شدید علیل ہوئے کہ بچنے کی امید جاتی رہی۔ دونوں گھروں میں انتہا درجہ کا تلاطم تھا۔ حکیموں اور ڈاکٹروں سبکا علاج کیا گیا مگر طبیعت کسی طرح روبہ اصلاح نہیں ہوتی تھی۔ حسینی بیگم کی آنکھوں میں تو دنیا سیاہ ہورہی تھی اور چونکہ ابھی شادی کو تھوڑے ہی دن ہوئے تھے اس وجہ سے بے تکلفی کیوجہ سے اپنے جذبات کو ظاہر بھی نہیں کرسکتی تھی حکیم عبدالوہاب صاحب اور مولوی عبدالحمید صاحب کی پریشانی کا بھی کیا کہنا ہے جب ہر قسم کے علاج سے تھک گئے تو مولوی عبدالحمید صاحب نے گنڈے عمل۔ دعا کی بہت سی تدبیریں کیں مگر وہ سب بے اثر رہیں۔ اور مولوی عبدالغفار صاحب ایک دو روز کے مہمان معلوم ہونے لگے۔ تب تو مولوی عبدالحمید صاحب نے بیٹی کو الگ بلاکر گلے سے لگالیا اور دونوں باپ بیٹی خوب دل کھولکر روئے۔ ادھر حکیم عبدالوہاب صاحب اور انکی بیوی بھی ماہی بے آب کیطرح روتی اور تڑپتی تھیں۔ غرض اس خوش اور آباد گھر کی ایسی حالت ہورہی تھی کہ خدا کسی دشمن کو بھی نہ دکھائے۔ جب اچھی طرح آنکھوں سے آنسو بہ گئے تو مولوی عبدالحمید صاحب نے حسینی بیگم سے کہا۔

مولوی عبدالحمید صاحب۔ بیٹی! کیا کہوں تیرا کیا سامان نظر آرہا ہے۔ یعنی

بہت سی دعائیں پڑھیں۔ فلاں فلاں پیر صاحبان کے روضوں پر جاکر الحاح وزاری بھی کی۔ تعویذ وغیرہ بھی باندھے مگر سب بیکار ہوا۔ تم نے بھی دعا وغیرہ میں کمی نہیں کی ہوگی۔ لیکن کسی اور معتبر کتاب وغیرہ میں کوئی مجرب طریقہ نظر سے گزرا ہو تو خیال کر کے اس کو بھی کر دیکھو۔ مصیبت میں انسان کو چاہیئے کہ اپنے حواس کو قبضہ میں رکھے۔ اور تدبیر اور پھر خدا سے دعا کئے جائے۔

حسینی بیگم کی آنکھوں سے مسلسل آنسو جاری تھے وہ ایک لفظ بھی نہ بولی جمعرات کا دن تھا۔ شام ہوتے ہوتے مولوی عبدالغفار صاحب کا بخار اور تیز ہو گیا۔ گلٹیوں میں درد بڑھ گیا اور بہکی بہکی باتیں بھی کرنے لگے۔ قرینہ سے معلوم ہوتا تھا کہ اب سرسام ہو رہا ہے۔ اُس وقت کی حالت کیا بیان کیجائے گھر میں کہرام بپا تھا۔ حسینی بیگم سے وہ حالت دیکھی نہیں جاتی تھی۔ دوسرے کمرے میں جاکر ایک تخت پر گر پڑی اور روتے روتے جان کھوتی تھی۔ جب تھک گئی اور آنسو بھی کم ہوئے تو مردہ حال پڑی تھی کہ اُسکے خیال میں ایک بات آئی جس سے کچھ جان آگئی۔ وہ فوراً اُٹھ بیٹھی اور اپنے کو سنبھال کر اس کمرے میں گئی جہاں مولوی عبدالغفار صاحب پڑے تھے اور دونوں کے اعزہ انکو گھیرے بیٹھے تھے۔ یہ کسی سے کچھ نہیں بولی۔ اور ایک الماری سے کوئی کتاب نکال کر پھر اُسی کمرے میں چلی گئی جس میں پڑی تھی۔ اور وضو کر کے دو رکعت نماز پڑھی اُسکے بعد کسی عمل کو کرنے لگی۔ اُسکی ساس کئی مرتبہ آکر دیکھ گئیں کہ حسینی بیگم کیا کرتی ہیں اور سب کو نہایت درجہ تعجب ہو رہا تھا کہ حسینی بیگم جو بے جان ہو رہی تھی اس وقت کس عمل کو کر رہی ہے۔ اسکے تیور سے معلوم ہوتا تھا کہ اس عمل سے اس کو یقین ہے کہ مردہ بھی زندہ ہو جائیگا۔ بہت دیر تک وہ اسی عمل کو کرتی رہی اور رشتہ کی بیبیاں جو مولوی عبدالغفار کی زندگی کی آخری رات سمجھکر بھری بیٹھی تھیں بار بار آتیں اور اس کو اس اطمینان سے تسبیح پڑھتے دیکھکر نہایت حیران ہوتی تھیں۔ سب سمجھتے تھے

کہ شوہر دم توڑ رہا ہے اور بیوی اس اطمینان سے عبادۃ کر رہی ہے۔ نہ معلوم حسینی بیگم کے اس عمل میں کیا اثر تھا کہ جمعہ کی صبح ہوتے ہی مولوی عبدالغفار صاحب کا بخار کم ہونے لگا۔ سر کا درد بھی خفیف ہو گیا اور انھوں نے آنکھیں بھی کھولیں۔ پھر کیا تھا گھر میں عید تھی اور سب کی زبان سے بے ساختہ نکل جاتا تھا کہ "یہ حسینی بیگم کے عمل کا نتیجہ ہے" چند دنوں کے بعد وہ بالکل اچھے ہو گئے اور اسکے ساتھ ہی محلہ بھر میں دھوم ہو گئی کہ حسینی بیگم نے اپنے عمل سے اپنے شوہر کو قبر سے نکال لیا"۔ جب مولوی صاحب نے غسل صحۃ کیا تو رشتہ کی سب عورتیں جمع تھیں بالکل شادی کا گھر معلوم ہوتا تھا۔ حسینی بیگم کو اس طرح آراستہ کیا کہ دلہن بنگئی اور سب کی زبان پر تھا کہ "بیوی مبارک ہو۔ تم نے اپنے ہی عمل سے اپنا سہاگ قائم رکھا۔ تم خوب پھولو پھلو"۔ بہت سے فقرا، یتیموں اور بیوؤں کو حسینی بیگم نے کپڑے تقسیم کئے۔ رشتہ داروں کے ہاں بھی کھانے بھیجے گئے۔ غرض جس قدر خوشی ہو سکی کی گئی۔ شام ہوتے ہوتے جب سب مہمان رخصت ہو گئے اور دونوں میاں بیوی سونے کے لئے پلنگ پر پہونچے تو اس طرح باتیں ہونے لگیں۔

مولوی صاحب۔ تم کو مبارک ہو۔

حسینی بیگم۔ خدا کا لاکھوں شکر ہے کہ اُسنے تمکو اور اسکے ساتھ مجھکو بھی زندہ کر دیا۔

مولوی صاحب۔ مگر تم نے کون سا عمل کیا تھا۔

حسینی بیگم نے کل واقعات بیان کئے اور کہا کہ جب ہر طرح مایوسی ہو گئی اور تمہاری آخری حالت معلوم ہونے لگی تو میرے دل میں آیا کہ حضرت رسولخدا اور آپکی آل پاک سے توسل کرنا چاہیئے۔

مولوی صاحب۔ پھر کیا کیا؟

حسینی بیگم۔ میں نے دو رکعت نماز پڑھکر ہزار مرتبہ حضرتؐ پر اور حضرت کی آل پاک پر درود پڑھا اور تمہاری صحۃ کی دعا پڑھی۔

مولوی صاحب۔ یہ اپنے دل سے کیا یا کسی کتاب میں دیکھا تھا؟

حسینی بیگم۔ اپنے دل سے کیا کرتی۔ البتہ کتابوں میں نظر سے گزرا تھا اُس وقت اپنے نبی میں یاد آگیا۔
مولوی صاحب۔ ذرہ کسی کتاب کی عبارت مجھے بھی سناؤ۔
حسینی بیگم ایک کتاب نکال لائیں اور کہا۔
حسینی بیگم۔ دیکھو علامہ ابوبکر لکھتے ہیں کہ علامہ سمہودی رضی اللہ عنہ نے بیان کیا ہے کہ شیخ صالح موسیٰ نے جو نابینا تھے بیان کیا کہ ایک دفعہ وہ سمندر کا سفر کرتے تھے کہ بہت شدید طوفان آیا اور کشتی ڈوبنے کے قریب ہوگئی اسوقت میری آنکھ لگ گئی تو حضرت رسولخدا صلی اللہ علیہ و آلہ کو خواب میں دیکھا کہ آپ مجھ سے فرماتے ہیں۔ اس کشتی والوں سے کہو کہ ہزار مرتبہ کہیں
اَللّٰهُمَّ صَلِّ عَلٰی سَیِّدِنَا مُحَمَّدٍ صَلٰوةً تُنْجِیْنَا بِهَا مِنْ جَمِیْعِ الْاَهْوَالِ وَالْاٰفَاتِ وَتَقْضِیْ لَنَا بِهَا جَمِیْعَ الْحَاجَاتِ وَتُطَهِّرُنَا بِهَا مِنْ جَمِیْعِ السَّیِّئَاتِ وَتَرْفَعُنَا بِهَا عِنْدَكَ اَعْلَى الدَّرَجَاتِ وَتُبَلِّغُنَا بِهَا اَقْصَى الْغَایَاتِ مِنْ جَمِیْعِ الْخَیْرَاتِ فِی الْحَیٰوةِ وَبَعْدَ الْمَمَاتِ
(اے اللہ تو ہمارے سردار حضرت محمدؐ کی آل پاک پر درود بھیج۔ ایسا درود جسکے صدقے میں تو ہم لوگوں کو سب ڈر کی باتوں اور آفتوں سے نجات دے اور ہم لوگوں کی کل حاجتوں کو پوری کر اور اسکے واسطے سے ہمیں کل برائیوں سے پاک کر دے اور اسکے ذریعہ سے ہمیں اپنے ہاں اعلیٰ درجات تک بلند فرما اور اس کے توسل سے ہمیں زندگی میں اور مرنے کے بعد کل خوبیوں کی انتہائی حدوں تک پہونچا مارہ) یہ خواب دیکھکر میں جگ گیا اور کشتی کے لوگوں سے اس خواب کی خبر دی جس پر ہم سب لوگوں نے حضرت رسولخداؐ اور آپکی آل پاک پر اسیطرح درود پڑھنا شروع کیا۔ یقین کرو کہ ابھی ہملوگ تین سو مرتبہ درود پڑھنے پائے تھے کہ خداوند عالم نے حضرت محمد مصطفےٰ اور آپکی آل پاک کی برکت سے اس مصیبت کو رفع کر دیا کہ طوفان جاتا رہا اور کشتی ڈوبنے سے بچ گئی اور ہم سب لوگوں کو دوبارہ زندگی ملی
مولوی صاحب۔ یہ کس کتاب میں ہے۔

حسینی بیگم۔ کتاب رشفۃ الصادی مطبوعہ مصر صـ۳۳ میں۔ اسی کتاب کے صـ۳۲
میں یہ عمل بھی لکھا ہے کہ حضرت رسولخدا صلعم نے حضرت علی علیہ السلام سے
فرمایا کہ جب تم کو کسی بات کا ڈر ہو تو یوں دعا کرو۔ اَللّٰھُمَّ صَلِّ عَلٰی مُحَمَّدٍ
وَعَلٰی آلِ مُحَمَّدٍ اَللّٰھُمَّ اِنِّیْ اَسْئَلُکَ بِحَقِّ مُحَمَّدٍ وَآلِہٖ اَنْ تَکْفِیَنِیْ
مَا اَخَافُ وَاَحْذَرُ فَاِنَّکَ تَکْفِیْ ذٰلِکَ الْاَمْرَ (اے اللہ تو حضرت
محمدؐ اور آل محمدؐ پر درود بھیج۔ اے اللہ میں تجھ سے حضرت محمدؐ اور اونکی آل کا
واسطہ دیکر سوال کرتا ہوں کہ جس بات سے میں ڈرتا ہوں اور بچنا چاہتا ہوں
اُس سے تو میری حفاظت کر کیونکہ تو یقیناً اس مشکل کے لئے کافی ہے)۔

مولوی صاحب۔ اور تم نے کس طریقہ پر عمل کیا تھا۔

حسینی بیگم۔ میں تو ڈرتی تھی۔ اس وجہ سے وہی ہزار دفعہ درود والا عمل کیا اور
ایک اوسط درجہ کا عمل بھی اس کتاب کے صـ۳۲ میں لکھا ہے۔

مولوی صاحب۔ وہ کیا؟

حسینی بیگم۔ لکھا ہے کہ حضرت رسولخدا صلعم نے فرمایا مَنْ صَلّٰی عَلٰی مُحَمَّدٍ
وَعَلٰی اَھْلِ بَیْتِہٖ مِائَۃَ مَرَّۃٍ قَضَی اللّٰہُ لَہٗ مِائَۃَ حَاجَۃٍ
یعنی جو شخص محمدؐ اور اونکے اہل بیتؑ پر سو مرتبہ درود پڑھیگا خدا اسکی
سو حاجتیں پوری کرے گا۔

مولوی صاحب۔ تم کو بہت سے عمل بھی معلوم ہیں۔

حسینی بیگم۔ معلوم کیا ہیں ایسے ہزاروں واقعات ہوتے رہتے ہیں اس وجہ سے
علماء نے سب کو لکھدیا۔

مولوی صاحب۔ میں ان باتوں کا قائل نہیں تھا۔ مگر تم نے تو میری زبان بند کردی

حسینی بیگم۔ نہیں اگر کتابوں میں نہ ہوتا تو میں بھی عمل نہیں کرتی۔

مولوی صاحب۔ ہاں خدا جس عمل کو قبول کرے۔

حسینی بیگم۔ ہاں مگر یہ بھی تو دیکھو کہ وہ کس کے ذریعہ سے قبول کرتا ہے۔

چوتھا باب

اسکی تحقیق میں کہ اہل بیت سے کون لوگ مراد ہیں

مولوی صاحب۔ مگر اہلبیتؑ سے تم کن لوگوں کو سمجھتی ہو۔

حسینی بیگم۔ جناب سیدہ اور جناب امیرؑ اور امام حسنؑ و امام حسینؑ کو۔

مولوی صاحب۔ یہ تو زبردستی ہے۔ اہل بیت سے مراد تو حضرت رسولخداؐ کی بیویاں ہیں۔

حسینی بیگم۔ کس دلیل سے۔

مولوی صاحب۔ قرآن مجید سے بڑھکر کیا دلیل ہوسکتی ہے۔

حسینی بیگم۔ بے شک قرآن کے مقابلہ میں کوئی دلیل نہیں ہوسکتی۔

مولوی صاحب۔ تو میں اسی سے ثابت کردونگا کہ اہل بیت سے مراد آنحضرتؐ کی ازواج ہیں۔

حسینی بیگم۔ ہاں تم تو عالم ہو۔ میں جاہل ہوں اور ان پڑھی عورت تم ثابت ضرور کردو گے۔ مگر ایسا ثبوت دو کہ میری تشفی ہوجائے۔

مولوی صاحب۔ ہاں ہاں۔ میں تمہارا اطمینان ہی کروں گا۔ مناظرہ نہیں چاہتا دیکھو خدا نے قرآن مجید میں فرمایا ہے:۔ اِنَّمَا یُرِیْدُ اللّٰہُ لِیُذْھِبَ عَنْکُمُ الرِّجْسَ اَھْلَ الْبَیْتِ وَیُطَھِّرَکُمْ تَطْھِیْرًا یعنی اے اہلبیتؑ خدا یہ چاہتا ہے کہ تم سے گندگی کو دور کرے اور پاک و پاکیزہ کردے۔ بہت زیادہ پاکیزہ کرنا (پارہ ۲۲ سورہ احزاب رکوع ۲) اور اس آیۃ کے پہلے بھی خدا نے ازواج کا ذکر کیا ہے اور اسکے بعد بھی تو معلوم ہوا کہ اہلبیت سے ازواج رسول ہی مراد ہیں۔

حسینی بیگم۔ یہ بتاؤ کہ اس سورہ میں خدا نے اس آیۃ سے پہلے کتنی دفعہ ازواج کا ذکر کیا ہے۔ اور اس کے بعد کتنی مرتبہ۔

مولوی صاحب ۔ یہ تو قرآن مجید کھول کر گنا جائے تو معلوم ہو۔
حسینی بیگم ۔ مجھ سے سنو۔ اس سے اوپر خدا نے چھ مرتبہ اور اس کے بعد ایک مرتبہ ذکر کیا ہے۔ پہلے تو یہ کہا یا ایھا النبی قل لازواجک دوسرے ان کنتن تردن اللہ الآیہ تیسرے یانساء النبی من یات الآیہ چوتھے ومن یقنت پانچویں یانساء النبی لستن چھٹے وقرن اور آیہ تطہیر کے بعد صرف یہ واذکرن ما یتلی الآیہ ۔ اب دیکھو کہ آیہ تطہیر سے پہلے جو چھ مرتبہ خدا نے ازواج رسولؐ کا ذکر کیا اُن میں "ازواج" اور "نساء" کا لفظ لایا اور ضمیریں بھی سب مؤنث ہی کی لایا (۱) کُنْتُنَّ (۲) تُرِدْنَ (۳) تَعَالَیْنَ (۴) اُمَتِّعْکُنَّ (۵) اُسَرِّحْکُنَّ (۶) کُنْتُنَّ (۷) تُرِدْنَ (۸) مُحْسِنَاتِ (۹) مِنْکُنَّ (۱۰) مِنْکُنَّ (۱۱) لَہَا (۱۲) مِنْکُنَّ (۱۳) تَعْمَلْ (۱۴) نُؤْتِہَا (۱۵) اَجْرَہَا (۱۶) لَہَا (۱۷) لَسْتُنَّ (۱۸) اِتَّقَیْتُنَّ (۱۹) تَخْضَعْنَ (۲۰) قُلْنَ (۲۱) قَرْنَ (۲۲) بُیُوْتِکُنَّ (۲۳) تَبَرَّجْنَ (۲۴) اَقِمْنَ (۲۵) آتِیْنَ (۲۶) اَطِعْنَ اور آیہ تطہیر کے بعد بھی ضمیر مؤنث ہی کی لایا (۲۷) اُذْکُرْنَ (۲۸) بُیُوْتِکُنَّ کہو یہ میں نے صحیح حساب بتایا یا غلط۔
مولوی صاحب۔ مگر یہ تم صیغے کیا بیٹھی گردانے لگیں۔
حسینی بیگم ۔ یہ بتاؤ کہ اتنی دفعہ میں خدا نے کسی جگہ بھی مذکر کی ضمیر استعمال کی؟
مولوی صاحب ۔ نہیں۔
حسینی بیگم ۔ اب آیہ تطہیر کو دیکھو کہ کل آیت میں مذکر ہی کی ضمیر ہے (۱) عنکم (۲) یطہرکم ۔ اب یہ بتاؤ کہ تم خدا کا دماغ صحیح سمجھتے ہو یا خراب۔
مولوی صاحب ۔ معاذ اللہ یہ کیا کفر کی باتیں کرنے لگیں۔ خدا کا دماغ ہمیشہ ہی صحیح رہتا ہے
حسینی بیگم ۔ نہیں خدا کے تو دماغ ہی نہیں ہے۔ اپنی بولی میں کہتی ہوں کہ

اسکی کوئی بات جہل ـ بے قاعدہ اور غلط تو نہیں ہو سکتی ؟
مولوی صاحب ـ بے شک نہیں ہو سکتی ـ
حسینی بیگم ـ تو خدا نے جہاں جہاں ازواج نبی یا نساء نبی کہا وہاں مونث کی ضمیر کیوں لایا ـ اور خاص آیہ تطہیر میں مذکر کی ضمیر کیوں کر دی ؟
مولوی صاحب ـ چونکہ اہلبیت میں حضرت رسولؐ کی آل جناب علیؑ و فاطمہ و حسن و حسینؑ کو بھی رکھنا تھا ـ اس وجہ سے تغلیباً ضمیر مذکر کی لایا ـ
حسینی بیگم ـ تغلیباً کیا ؟
مولوی صاحب ـ یعنی مردوں کا غلبہ ظاہر کرنے کو ـ
حسینی بیگم ـ بس اب فیصلہ آسان ہے ـ مردوں کا غلبہ کیونکر ظاہر ہوتا ہے ـ
مولوی صاحب ـ اس لئے کہ تین مرد ہیں حضرت علیؑ حسنؑ حسینؑ ـ
حسینی بیگم ـ اور عورتیں کتنی ہیں ؟
اب تو مولوی صاحب چپ ہو گئے ـ
حسینی بیگم ـ بولو خاموش کیوں ہو گئے ـ اگر عورتوں سے زیادہ مردوں کی تعداد ہو تب مردوں کیلئے ضمیر مذکر لانا تغلیباً کہا جائیگا ـ یا کم ہونے کی صورت میں ـ
مولوی صاحب ـ ہاں جب زیادہ ہو تب صحیح ہوگا ـ
حسینی بیگم ـ اور تم کہتے ہو کہ آیہ تطہیر ازواج کے لئے آئی تو ازواج کتنی تھیں ؟
مولوی صاحب ـ آٹھ یا نو ـ
حسینی بیگم ـ اور جناب سیدہ بیٹی کو بھی شریک کر لو تو اس طرح نو یا دس بیویاں ہو گئیں انکے مقابلہ میں صرف تین مرد ہوتے ہیں بلکہ تین مرد بھی نہیں ایک مرد اور دو بچے کیونکہ امام حسنؑ اور امام حسینؑ تو آٹھ برس کے بھی نہیں تھے بتاؤ جس کام میں خدا دس عورتوں کے ساتھ صرف ایک مرد اور دو بچوں کو شریک کرے اسکے لئے مونث کی ضمیر لانا مناسب ہے یا مذکر کی ؟
مولوی صاحب ـ ہاں یہ اعتراض تو بہت زبردست ہے ـ

حسینی بیگم - اچھا اس کو بتاؤ کہ ایک گھر میں کسی شخص کی بہت سی عورتیں ہوں اور تین چار لڑکے بھی ہوں اور وہ شخص اُن لوگوں سے اس طرح کہے کہ بی بیو! دیکھو تم صبح کو اُٹھتی ہو تو نماز کے بعد قرآن پڑھا کرو - اور کھانا کھا کر ہاتھ دھوتی ہو تو پانی صحن میں گرایا کرو - اور رات کو سوتی ہو تو دروازے بند کر دیا کرو - اور گھر والو دیکھو اگر تم ملکر رہو گے تو مضبوط سمجھے جاؤ گے - اور ایمانداری سے بسر کرو گے تو عزت پاؤ گے - اور بی بیو خرچ کرتی ہو اسمیں فضول خرچی نہ کیا کرو" - تو یہ پورا کلام صرف بی بیوں سے سمجھا جائیگا؟

مولوی صاحب - نہیں اسمیں تو صاف ہے کہ "اٹھتی ہو" - "دھوتی ہو" "سوتی ہو" "خرچ کرتی ہو" - بی بیوں سے خطاب ہے - اور "رہو گے" "جاؤ گے" "کرو گے" "پاؤ گے" لڑکوں سے خطاب ہے -

حسینی بیگم - بس اسی طرح اس آیۃ میں بھی ہے - یعنی لیذھب عنکم اور یطھرکم میں جو مذکر کی ضمیریں ہیں اُن سے ازواج رسولؐ کیوں سمجھتے ہو؟

مولوی صاحب - تم نے تو ایسی مثال دی کہ زبان ہی بند کر دی -

حسینی بیگم - ایسی ہی ایک اور آیۃ پارہ ۱۲ سورۂ ہود رکوع ۷ میں ہے - کہ فرشتوں نے حضرت ابراہیمؑ کے گھر داخل ہو کر کہا اَتَعْجَبِيْنَ مِنْ اَمْرِ اللّٰهِ رَحْمَتُ اللّٰهِ وَبَرَكَاتُهٗ عَلَيْكُمْ اَهْلَ الْبَيْتِ یعنی اے حضرت ابراہیمؑ کی بیوی (سارہ) تم کو خدا کی قدرت سے یہ امر کچھ عجیب معلوم ہوتا ہے؟ اور اے ابراہیمؑ کے اہلبیت تم پر خدا کی رحمت اور اسکی برکتیں نازل ہوں - اس کے پہلے خاص حضرت ابراہیمؑ کی بیوی سے خطاب کیا کہ تم کو خدا کی قدرت سے بھی تعجب ہوتا ہے اسکے بعد حضرت ابراہیمؑ کے اہلبیت سے خطاب کر کے رحمۃ اور برکتوں کی خوشخبری دی اور اسکی وجہ یہ ہے کہ پہلا لفظ تعجبین صیغہ واحد مونث کا ہے - جو بیوی کے لئے ہے اور علیکم اہل البیت میں کُم ضمیر جمع مذکر کی ہے جو اُس سے علحدہ ہے - دیکھو تم ہی نے پہلے قرآن شریف سے بحث کا مسئلہ چھیڑا ہے -

تو ابھی حدیث سے نہ میں بحث کرتی ہوں نہ تم نام لو۔ پہلے قرآن شریف سے فیصلہ کر لو۔ اسکے بعد حدیث سے بھی بحث کر لیجائیگی۔

مولوی صاحب۔ واقعاً قرآن پاک سے تو یہی معلوم ہوتا ہے کہ تبرجن کا خطاب دوسرے سے ہے اور علیکم اہل البیت دوسرے لوگ تھے۔

حسینی بیگم۔ قرآن شریف میں ایک اور جگہ اہل البیت آیا ہے اسکو بھی دیکھو جب حضرت موسیٰؑ کو فرعون کی عورت نے دریا سے نکلوایا۔ تو خدا نے سب اناؤں کا دودھ آپ پر حرام کر دیا۔ اس وقت حضرت موسیٰؑ کی بہن نے فرعون کے لوگوں سے کہا هَلْ اَدُلُّكُمْ عَلٰٓى اَهْلِ بَيْتٍ يَّكْفُلُوْنَهٗ لَكُمْ یعنی کہو تو میں تم کو ایک خاندان کا پتہ بتاؤں کہ وہ تمہارے لئے اس بچہ کی پرورش کریں گے۔ (پارہ ۲۰ سورہ قصص رکوع ۱/۲) کہو یہاں بھی اہل بیت کا معنی بیویاں کہو گے؟ یہاں بھی اہل بیت کے لیے جو فعل یکفلون لایا ہے وہ صیغہ جمع مذکر کا ہے۔

مولوی صاحب۔ ہاں یہاں تو اہل بیت کا معنے بیویاں ہو ہی نہیں سکتا ہے۔ مگر عربی زبان میں اہل کے معنی تو زوجہ ہی ہے۔

حسینی بیگم۔ تو اہل بیت کے معنے ہوا گھر کی زوجہ؟

مولوی صاحب۔ ہاں۔

حسینی بیگم۔ (ہنسکر) کیا خوب۔ زوجہ آدمی کی ہوتی ہے یا گھر کی زوجہ؟ کوٹھی کی زوجہ؟ محل کی زوجہ؟ بنگلہ کی زوجہ؟ کسی نے بھی یہ سُنا ہے۔ اگر خدا نے اہلبیت سے ازواج کو مراد لیا ہوتا تو جس طرح یا نساء النبی۔ یا ازواجک کہا تھا اسیطرح کہتا اِنَّمَا يُرِيْدُ اللّٰهُ لِيُذْهِبَ عَنْكُمُ الرِّجْسَ اَهْلَ النَّبِیِّ وَيُطَهِّرَكُمْ تَطْهِيْرًا۔ تو کیا خدا نے اسی طرح فرمایا ہے۔

مولوی صاحب۔ نہیں یہ تو نہیں ہے۔

حسینی بیگم۔ پھر خدا کو کیا ہو گیا تھا کہ ازواجک اور نساء النبی کہتے کہتے اہل البیت کہہ دیا حالانکہ (تمہارے قول کے مطابق) اہل النبی کہنا چاہئے تھا

مولوی صاحب ۔ تو کیا بیوی کو اہل نہیں کہتے ہیں؟
حسینی بیگم ۔ ابھی تم نے خود اس بحث کو قرآن شریف ہی تک محدود رکھا ہے اس وجہ سے میں صرف اسی سے بحث کرتی ہوں۔
مولوی صاحب ۔ ہاں ہاں میں صرف قرآن پاک ہی سے اسکا فیصلہ چاہتا ہوں
حسینی بیگم ۔ تو قرآن شریف کی ان آیات کا کیا ترجمہ کروگے قُلْنَا احْمِلْ فِيهَا مِنْ كُلٍّ زَوْجَيْنِ اثْنَيْنِ وَأَهْلَكَ (پارہ ۱۲ سورہ ہود رکوع ۴)
مولوی صاحب ۔ اسکا ترجمہ تو سب قرآنوں میں یہ ہے کہ خدا نے حضرت نوح سے فرمایا کہ اپنی کشتی میں ہر قسم کے جانوروں سے دو دو جوڑے رکھ لو۔ اور اپنے گھر والوں کو رکھ لو۔
حسینی بیگم ۔ تو کیا یہاں اَهْلَكَ سے مراد حضرت نوح کی بیوی ہیں؟
مولوی صاحب ۔ نہیں وہ تو بیٹیں ہیں۔
حسینی بیگم ۔ اچھا اس آیہ کا ترجمہ کرو۔ وَنَادَىٰ نُوحٌ رَّبَّهُ فَقَالَ رَبِّ إِنَّ ابْنِي مِنْ أَهْلِي (پارہ ۱۲ رکوع ۴)
مولوی صاحب ۔ حضرت نوح نے اپنے پروردگار سے پکار کر کہا کہ میرا بیٹا میرے اہل سے ہے۔
حسینی بیگم ۔ یعنی وہ حضرت نوح کی بیوی تھے؟
مولوی صاحب ۔ لاحول ولاقوۃ ۔ کیا مہمل بولنے لگی ہو ۔ بیٹا کیسے بیوی ہوجائیگا؟
حسینی بیگم ۔ تم ہی نے دعویٰ کیا ہے کہ اہل بیوی کو کہتے ہیں۔ تو یہاں اہل ہی ہے اس کا معنے بیوی کیوں نہیں کہتے ۔ اچھا اس کا ترجمہ کرو ۔ قَالَ يَا نُوحُ إِنَّهُ لَيْسَ مِنْ أَهْلِكَ۔
مولوی صاحب ۔ خدا نے کہا اے نوح ۔ یہ تمہارا بیٹا تمہارے اہل سے نہیں ہے۔
حسینی بیگم ۔ یعنی تمہاری بیوی نہیں ہے؟

مولوی صاحب ۔ نہیں یہاں بھی اہل کا معنی بیوی نہیں ہو سکتا ہے ۔
حسینی بیگم ۔ اچھا اس کا ترجمہ کرو :۔ رَبَّنَا اَخْرِجْنَا مِنْ هٰذِهِ الْقَرْيَةِ الظَّالِمِ اَهْلُهَا (پارہ ۵ رکوع ۷)
مولوی صاحب ۔ اے اللہ مجھے اس گاؤں سے نکال جسکے لوگ ظالم ہیں
حسینی بیگم ۔ واہ لوگ کیوں ترجمہ کرتے ہو؟ بیویاں کیوں نہیں کہتے؟ کیا اُس گاؤں کی بھی شادی عورتوں سے ہوئی تھی جس سے خدا اُس گاؤں کی ازواج کے بارے میں کہتا ہے کہ ظالم ہیں؟
مولوی صاحب نہیں گاؤں کی شادی کیسے ہوگی اور گاؤں کی ازواج کیسے ہو سکتی ہیں؟
حسینی بیگم ۔ اچھا اس کا مطلب بتاؤ :۔ اِنْ خِفْتُمْ شِقَاقَ بَيْنِهِمَا فَابْعَثُوْا حَكَمًا مِّنْ اَهْلِهٖ وَحَكَمًا مِّنْ اَهْلِهَا (پارہ ۵ رکوع ۳)
مولوی صاحب ۔ اور اگر تم کو میاں بیوی میں اختلاف کا ڈر ہو تو مرد کے کنبے سے ایک پنچ اور عورت کے کنبے سے ایک پنچ مقرر کرو ۔
حسینی بیگم ۔ اب یہاں کنبہ کیوں ترجمہ کرتے ہو؟ لفظ تو اہل ہے اسکا ترجمہ کرو ۔ بیوی یعنی عورت کی بھی کوئی بیوی ہو ۔ کیوں عورت کی بھی کسی لڑکی سے شادی ہوتی ہے جس سے وہ لڑکی اُس عورت کی اہل یعنی بیوی ہو جائے؟ کیا آجتک تم نے یہ سنا ہے؟
مولوی صاحب ۔ نہیں یہاں بھی اہل کا معنی خاندان اور کنبہ ہے ۔ عورت کی بیوی کیسے ہوگی ۔ کیا کسی عورت کی شادی کسی لڑکی سے ہوتی ہے ۔
حسینی بیگم ۔ اچھا اس کا ترجمہ کرو ۔ اِنَّ اللّٰهَ يَاْمُرُكُمْ اَنْ تُؤَدُّوا الْاَمٰنٰتِ اِلٰٓى اَهْلِهَا (پارہ ۵ رکوع ۵)
مولوی صاحب ۔ اللہ تم کو حکم دیتا ہے کہ امانتیں امانت والوں کو لوٹا دو ۔
حسینی بیگم ۔ یہاں بھی کہدو کہ امانتوں کی شادی عورتوں سے ہوتی ہے ۔ انہیں بیویوں کو خدا کہتا ہے ۔ اچھا اس کا کیا مطلب ہے :۔ اِذَا اَخَذَتِ الْاَرْضُ

ثُمَّ رَدَدْنٰهَا اِذَا اَدَّتْ تِبْيَنَّتْ وَظَنَّ اَهْلُهَا اَنَّهُمْ قَادِرُوْنَ (پارہ ۱۱ رکوع ۸)

مولوی صاحب جب زمین نے اپنا سنگھار کرلیا اور خوشنمائی ہوئی اور کھیت والوں نے سمجھا کہ اب وہ اُس پر قابو پا گئے۔

حسینی بیگم ۔یہاں بھی کھیت والے کیوں ترجمہ کرتے ہو؟ کہدو کہ کھیت کی بھی شادی ہوتی ہے یعنی کھیت کی بیوی نے سمجھا۔ اچھا اس کا ترجمہ بتاؤ

قَالَ هِيَ رَاوَدَتْنِي عَنْ نَفْسِي وَشَهِدَ شَاهِدٌ مِنْ اَهْلِهَا

(پ ۱۲ رکوع ۱۳)

مولوی صاحب ۔حضرت یوسف نے کہا کہ زلیخا نے مجھے بہکانا چاہا اور زلیخا کے کنبے والوں سے ایک گواہ نے گواہی دی۔

حسینی بیگم ۔یہاں بھی تو اہلہا ہے تو کہدو زلیخا کی بھی کوئی زوجہ تھیں انھوں نے گواہی دی۔ اچھا اس کا ترجمہ کرو: ۔ وَاذْكُرْ فِي الْكِتَابِ مَرْيَمَ اِذِ انْتَبَذَتْ مِنْ اَهْلِهَا (پارہ ۱۶ رکوع ۵)

مولوی صاحب ۔اور قرآن میں مریم کا ذکر بھی سناؤ جب وہ اپنے گھر والوں سے الگ ہوئیں۔

حسینی بیگم ۔ یہاں بھی زوجہ ترجمہ کیوں نہیں کرتے کہ حضرت مریم اپنی زوجوں سے الگ ہوئیں۔ اچھا اس کا مطلب بتاؤ: ۔ فَاَنْجَيْنٰهُ وَاَهْلَهُ اِلَّا امْرَاَتَهُ

(پارہ ۸ رکوع ۷ او پارہ ۲ رکوع ۱۹)

مولوی صاحب ۔ ہم نے لوط کو اور اون کے گھر والوں کو بچایا مگر انکی بیوی کو نہیں بچایا۔

حسینی بیگم ۔ اب تو تم کو معلوم ہوا کہ اہل کا معنی بیوی ہو ہی نہیں سکتا۔ کیونکہ خدا نے اہل کو الگ کہا اور امرأۃ کو الگ اہل معنی گھر والے۔ امرأۃ معنی بیوی۔

مولوی صاحب ۔ واقعاً یہ آیۃ تم نے ایسی پیش کی کہ میری عقل جاتی رہی یہاں تو کوئی تاویل ہو ہی نہیں سکتی کہ خدا نے زوجہ کو الگ کرنے کیلئے

امرأة کہا اور گھروالوں کو اس سے الگ بتانے کو اہل کہا۔

حسینی بیگم۔ اچھا اس کا ترجمہ بتاؤ لننجينه و اهله الا امرأته (پ ۲۰ ع ۱۶)

مولوی صاحب۔ ہم اونکو اور انکے گھروالونکو بچالیں گے مگر انکی بیوی کو نہیں بچائیں گے

حسینی بیگم۔ دیکھا یہاں بھی خدا نے اہل کو الگ کہا اور بیوی کو الگ۔ اسی طرح قرآن میں بہت سی جگہ اہل کا لفظ ذکر کیا ہے اور اس سے کسی طرح بیوی مراد نہیں ہے بلکہ خدا نے جہاں جہاں بیوی کا ذکر کیا ہے وہاں امرأة۔ ازواج۔ نساء سے یاد کیا ہے۔ تمام قرآن شریف میں دیکھ جاؤ۔ اور دوسرے گھروالوں کو اہل کہا۔

مولوی صاحب۔ میرے پاس تمہاری ان دلیلوں کا کوئی جواب نہیں ہے۔

حسینی بیگم۔ یہ تو لفظ سے بحث تھی۔ اب معنی سے بھی دیکھو تو اہل بیت سے ازواج بھی کسی طرح مراد نہیں ہوسکتیں۔

مولوی صاحب۔ وہ کس طرح۔

حسینی بیگم۔ اسلئے کہ خدا نے اہلبیت کے بارے میں فرمایا کہ میں تم کو ہر برائی سے دور رکھوں گا اور تم کو پاک و پاکیزہ بنائے رہونگا مگر حضرت رسولخدا کی بیویوں کو برائی یا بدنامی سے نہیں بچایا۔ اگر خدا نے بیویوں کو پاک رکھنے کا ارادہ کیا ہوتا تو کبھی انکو بدنام ہونے نہیں دیتا نہ وہ بدنام ہوتیں۔ دنیا بھر ملجاتی جب بھی کوئی بیوی بدنام نہیں ہوسکتی تھی۔ کیونکہ اس سے خدا عاجز ثابت ہوتا ہے کہ اس نے تو ان کو ہر برائی سے بچانا چاہا مگر نہ بچا سکا۔ بدنامی بھی تو ایک برائی ہے۔ بتاؤ اگر مجھے کوئی کہدے کہ فلاں مرد سے ناجائز تعلق ہے تو میری بدنامی نہیں ہوگی۔

مولوی صاحب۔ خدا نہ کرے۔ پھر تو میں زندہ گڑ جاؤں گا۔ کسی کو منہ دکھانے کے قابل نہیں رہونگا مگر تم کیا کہنا چاہتی ہو۔

حسینی بیگم۔ یہ کہ اگر ازواج کو خدا نے پاک کیا ہوتا تو حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا ایسی بدنام نہ ہوتیں کہ دوسرے مرد سے متہم ہوگئیں اور تمام شہر مدینہ میں غل ہوگیا

اور حضرت رسولِ خدا نے بہت دنوں تک انکو چھوڑ دیا جو سب قرآن مجید میں موجود ہے (پارہ ۱۸ سورہ نور رکوع ۲)

مولوی صاحب ۔ ہاں حضرت عائشہ بدنام تو ضرور ہوئیں اور حضرت رسولِ خدا صلعم نے ان کو چھوڑ بھی دیا تھا۔

حسینی بیگم ۔ اب انصاف سے بتاؤ جسکو خدا پاک رکھنا چاہے اسکی شان یہی ہو سکتی ہے؟ میں ابھی تاریخ اور حدیث سے بحث نہیں کرتی ورنہ بتاتی کہ جنگ جمل میں بھی جا کر حضرت عائشہ نے کیا کیا اور اسکے بعد توبہ کرتی رہیں۔ اگر خدا نے انکو پاک کیا ہوتا تو نہ خدا و رسول کے حکم کے خلاف گھر سے نکلتیں۔ نہ جنگ جمل میں جاتیں جو حضرت علیؑ سے لڑنے کا شدید گناہ تھا۔ نہ جہاد کرتیں جو عورتوں پر حرام ہے۔ اور نہ اسکے بعد توبہ کرتیں کیونکہ جب گناہ نہیں کیا تھا تو توبہ کیوں کی۔

مولوی صاحب ۔ ہاں یہ واقعات تو بالکل صحیح ہیں۔

حسینی بیگم ۔ اب یہ بتاؤ کہ جسکو خدا اس اہتمام سے فرمائے کہ میں تم سے ہر گناہ کو دور رکھوں گا اور تم کو بالکل پاک و پاکیزہ بنائے رہونگا۔ کیا اُسی سے خدا یہ بھی فرمائے گا مَنْ یَّاتِ مِنْکُنَّ بِفَاحِشَۃٍ مُّبَیِّنَۃٍ یُّضٰعَفْ لَھَا الْعَذَابُ ضِعْفَیْنِ (اے رسولؐ کی بیویو تم میں سے جو کوئی کھلی بدکاری کریگی اسکو میں دوہرا عذاب کرونگا) کیا پاک پاکیزہ بیویوں سے کوئی یہ کہہ سکتا ہے؟ دیکھو چچا جان (یعنی تمہارے والد صاحب) مجھے کس قدر مانتے ہیں کہ برابر بیٹی بیٹی کئے رہتے ہیں۔ اور اپنے سب ملنے والوں سے کہتے رہتے ہیں کہ مجھے ایسی عالمہ۔ فاضلہ۔ پارسا۔ نیک سلیقہ والی عقلمند بہو ملی ہے کہ شاید ہی کسی کو ملی ہو۔ اب اگر وہی مجھ سے آکر کہیں کہ "بیٹی اگر تو چھنالا کرے گی تو میں تیری پوری سزا کروں گا" تو بتاؤ ان کے ملنے والے جن سے وہ میری وہ سب تعریف کرتے رہے ہیں کہیں گے یا نہیں کہ واہ واہ بہو

ایسی اچھی ہوتی جیسی یہ پہلے کہتے تھے تو اس سے اس طرح نہیں کہتے یا تو وہ ایسی اچھی نہیں ہے۔ یا حکیم صاحب کا اس سے یہ کہنا بالکل غلط ہے۔

مولوی صاحب۔ بے شک سب ہی کہیں گے یہ تو خلاف عقل ہے کہ تم سے ایسی بات کہی جائے۔

حسینی بیگم۔ پھر اگر خدا نے رسولؐ کی بیویوں کے پاک و پاکیزہ رکھنے کا ارادہ کیا تھا تو یہ کیوں کہا کہ جو تم سے بدکاری کریگی اس پر دوہرا عذاب کروں گا؟ اگر تم خدا کو بے عقل اور پاگل نہیں سمجھتے تو ماننا پڑیگا کہ خدا نے جن کو پاک و پاکیزہ رکھنا چاہا وہ اور لوگ ہیں اور جن سے فرمایا کہ "جو بدکاری کریگی" وہ دوسری ہیں۔

مولوی صاحب۔ ہاں عقل تو یہی کہتی ہے۔

حسینی بیگم۔ اب یہ بتاؤ کہ خدا جن ازواج رسولؐ کو پاک و پاکیزہ رکھنا چاہے کیا وہ خدا و رسولؐ کا راز فاش کرکے خدا و رسول کو غضبناک کر سکتی ہیں؟

مولوی صاحب۔ نہیں یہ تو نہیں ہو سکتا۔

حسینی بیگم۔ تو ازواج رسولؐ کا حال سنو۔ اِذْ اَسَرَّ النَّبِیُّ اِلٰی بَعْضِ اَزْوَاجِہٖ حَدِیْثًا فَلَمَّا نَبَّاَتْ بِہٖ وَاَظْہَرَہُ اللّٰہُ عَلَیْہِ یعنی جب رسولؐ نے اپنی ایک بیوی سے راز کی بات کہی اور اُس بیوی نے اُس راز کو فاش کر دیا اور انکی اس حرکت پر خدا نے رسولؐ کو مطلع کر دیا کہ فلاں بیوی نے تمہارا راز فاش کر دیا)۔ (پارہ ۲۸ سورہ تحریم)

مولوی صاحب۔ واقعاً اُن بیوی نے نہایت بُری حرکت کی۔

حسینی بیگم۔ تو کیا یہی وہ لوگ تھیں جن سے خدا نے ہر بُرائی کو دور رکھنے کا ارادہ کیا تھا؟ کیا یہ بُرائی نہیں تھی؟

مولوی صاحب۔ ضرور تھی اور یقینی تھی

حسینی بیگم۔ اچھا اب یہ بتاؤ کہ جن کو خدا پاک و پاکیزہ رکھنا چاہے کیا اُن کا دل کج ہو سکتا ہے اور اُن سے گناہ عظیم سرزد ہو سکتا ہے؟

مولوی صاحب۔ نہیں یہ تو ممکن نہیں ہے۔
حسینی بیگم۔ اور اگر ایسا ہو اتب؟
مولوی صاحب۔ تو ثابت ہوگا کہ خدا نے ہرگز انکو پاک پاکیزہ نہیں رکھنا چاہا۔ نہ اُن سے کسی برائی کو دور کیا۔ کیونکہ جب دل ہی کج ہوگیا تو انسان بھی گمراہ ہو گیا۔ اس لئے کہ انسان تو اپنے دل کا تابع ہے۔
حسینی بیگم۔ اب دیکھو خدا فرماتا ہے اِنْ تَتُوْبَا اِلَی اللّٰہِ فَقَدْ صَغَتْ قُلُوْبُکُمَا یعنی اے ازواج رسولؐ سے دونوں بی بیو! اگر تم دونوں توبہ کرو تو بہتر ہے کیونکہ تم دونوں کے دل ٹیڑھے ہو گئے ہیں (پ ۲۸ سورۂ تحریم رکوع ۱۹)
مولوی صاحب۔ واقعاً عقل پریشان ہے۔
حسینی بیگم۔ اچھا بتاؤ جو بیویاں رسولؐ کے خلاف سازش کریں اُن سے خدا غضبناک ہوگا یا نہیں؟
مولوی صاحب۔ معاذ اللہ۔ ضرور ضرور غضبناک ہوگا۔
حسینی بیگم۔ اور خدا فرماتا ہے وَاِنْ تَظٰهَرَا عَلَیْہِ اس کا ترجمہ مولانا حافظ نذیر احمد صاحب دہلوی یوں کرتے ہیں "اور اگر پیغمبروں کے خلاف میں سازشیں کرو گی" (پارہ ۲۸ سورہ تحریم رکوع ۱۹)
مولوی صاحب۔ میں کیا کہوں کچھ بولا نہیں جاتا۔
حسینی بیگم۔ اب یہ بتاؤ کہ خدا نے جن لوگوں کو پاک پاکیزہ رکھنا چاہا کیا اُن سے بھی ایسے لوگ ہو سکتے ہیں؟
مولوی صاحب۔ نہیں یہ تو ممکن ہی نہیں ہے۔
حسینی بیگم۔ اور خدا فرماتا ہے: عَسٰی رَبُّہٗ اِنْ طَلَّقَکُنَّ اَنْ یُّبْدِلَہٗ اَزْوَاجًا خَیْرًا مِّنْکُنَّ یعنی اے بی بیو اگر تم کو رسول طلاق دیدیں تو خدا اُن کو تم سے اچھی بیویاں دیگا (پ ۲۸ سورۂ تحریم ع ۱۹) معلوم ہوا کہ حضرت رسولخدا صلعم کے زمانہ میں جو عورتیں رسولؐ کی بیویاں نہیں تھیں وہ اُن عورتوں سے

بہتر اور اچھی تھیں جو آنحضرتؐ کی بیویاں تھیں۔ اگر وہ اچھی نہ ہوتیں تو خدا اُن عورتوں کو جو بیویاں نہیں تھیں اُن سے اچھی کیونکر کہتا؟

مولوی صاحب۔ بالکل ٹھیک کہتی ہو۔

حسینی بیگم۔ تو ماننا پڑیگا کہ اہل بیت دوسرے لوگ تھے اور ازواج دوسری تھیں۔ اور ازواج کسی طرح اہلبیتؑ میں داخل ہو ہی نہیں سکتی ہیں۔ اہلبیتؑ تو سب سے اعلےٰ درجہ پر تھے۔ اُنکے بعد اُن عورتوں کا درجہ تھا جو رسولؐ کے زمانہ میں تھیں مگر حضرتؐ کی بیویاں نہیں تھیں۔ اُنکے بعد ازواج رسولؐ کا درجہ تھا۔

مولوی صاحب۔ انصاف تو یہ ہے کہ تمہاری اِن منطقی باتوں کا جواب نہیں ہو سکتا۔

حسینی بیگم منطقی باتیں نہیں ہیں۔ حق باتیں ہیں۔ اور یقین رکھو کہ حق بات کا جواب ممکن ہی نہیں ہے۔

مولوی صاحب۔ تو پھر اہل بیت سے کون لوگ مراد ہیں؟

حسینی بیگم۔ کوئی بھی ہو مگر وہ یقیناً ازواج رسولؐ سے علحدہ ہی کچھ لوگ تھے۔

مولوی صاحب۔ قرآن پاک سے تم بتا سکتی ہو۔

حسینی بیگم۔ قرآن شریف میں نام تو صاف صاف لکھا نہیں ہے مگر جس عقل سے تم نے فیصلہ کیا کہ ازواج رسولؐ اہلبیتؑ میں داخل نہیں ہیں اُسی عقل سے کام لوگے تو معلوم ہو جائیگا۔

مولوی صاحب تم بتاؤ تو۔

حسینی بیگم۔ وہ آل محمد صلعم ہیں۔ اور قرآن سے اسکی دلیل یہ کیا کم ہے کہ جس طرح خدا پیغمبروں پر سلام بھیجتا ہے اُسی طرح حضرتؐ کی آل پاک پر بھی بھیجتا ہے۔ فرمایا ہے سَلَامٌ عَلٰی آلِ یَاسِیْنَ (حضرت یٰسین یعنی محمد مصطفےٰ صلعم کی آل پر خدا کا سلام ہو) (پارہ ۲۳ رکوع ۸) اگر یہ لوگ خوب پاک و پاکیزہ نہیں ہوتے تو خدا ان پر سلام نہیں کرتا۔

مولوی صاحب۔ ہاں تم نے تو پہلے ہی ثابت کر دیا ہے کہ خدا نے آل محمد صلعم پر سلام بھیجا ہے۔

حسینی بیگم۔ دوسری آیۃ مباہلہ بھی ہے جس میں خدا نے آنحضرتؐ کو حکم دیا کہ نصاریٰ کے مقابلہ میں اپنے لڑکوں عورتوں اور نفسوں کو لیجائیں تو جن لوگوں کو حضرت لے گئے وہ یقیناً خدا کے ہاں خوب پاک و پاکیزہ ہوں گے۔ ایسے خطرناک موقع پر وہ لوگ نہیں بھیجے جا سکتے تھے جنکی طہارۃ میں شک و شبہ ہوتا۔ پس جن کو آنحضرت صلعم مباہلہ کیلئے لے گئے وہ اہلبیت تھے۔

مولوی صاحب۔ مگر حدیثوں سے معلوم ہوتا ہے کہ ازواج بھی اہلبیت میں داخل ہیں۔

حسینی بیگم۔ یہ بتاؤ کہ جھوٹی اور موضوع حدیثیں بھی ہیں یا نہیں؟

مولوی صاحب۔ بہت ہیں۔ کل کتابوں میں کتنی کتنی غلط حدیثیں لکھی ہوئی ہیں۔

حسینی بیگم۔ پھر ان سے صحیح اور غلط کی تمیز کیونکر ہوتی ہے۔

مولوی صاحب۔ عقل سے۔

حسینی بیگم۔ پس اسی عقل سے فیصلہ کر لو کہ اہلبیتؑ کے متعلق بھی کون حدیثیں صحیح اور کون غلط ہیں۔

مولوی صاحب۔ یہی تو مشکل ہے۔

حسینی بیگم۔ نہیں کچھ مشکل نہیں۔ یہ بتاؤ کہ حضرت رسولخدا صلعم سے بہتر تو کوئی بتانے والا نہیں ہے۔

مولوی صاحب۔ بے شک نہیں ہے اور نہ ہو سکتا ہے۔

حسینی بیگم۔ تو آنحضرتؐ نے صحیح حدیثوں میں جن لوگوں کو اپنے اہلبیت بتایا ہو انکو مانو۔ دوسروں کو چھوڑ دو۔

مولوی صاحب۔ آنحضرت صلعم نے کس طرح بتایا ہے۔

حسینی بیگم - آنحضرت صلعم کی مشہور حدیث ہے کہ اِنّی تارِکٌ فیکُمُ الثقلین کتاب اللہ وعترتی اھل بیتی ما ان تمسکتم بھما لن تضلوا ابعدی یعنی میں تم لوگوں میں دو بڑی چیزیں چھوڑے جاتا ہوں۔ ایک قرآن شریف۔ دوسری میری عترت کہ وہی میرے اہلبیت ہیں۔ جب تک تم ان دونوں کی پیروی کرو گے گمراہ نہیں ہو سکتے (دیکھو تشفۃ الصادی ص١٧ وصواعق محرقہ ص٩٩ والاتحاف ص٦ واحیاء المیت مطبوعہ مصر ص١١ وینابیع المودۃ ص٣٨ وتفسیر درمنثور ج ٢ ص٦٠ ومشکوۃ شریف ج ٨ ص١٣٣ وغیرہ) مگر میں ان سب سے زیادہ معتبر کتاب کو پیش کرتی ہوں کنز العمال مطبوعہ حیدرآباد جلد اول ص٤٧ وغیرہ میں سیکڑوں جگہ یہ حدیث ہے جسمیں عترتی اھلبیتی (میری عترت جو میرے اہلبیت ہیں) موجود ہے۔ پھر مسند امام احمد بن حنبل کس قدر صحیح اور معتبر ہے کہ صحیح بخاری وصحیح مسلم کی حدیثیں اسی سے انتخاب کی گئی ہیں۔ اسکی سب جلدوں میں سیکڑوں جگہ یہ حدیث انہیں الفاظ میں موجود ہے۔ نیز وہ کتاب جو صحاح ستہ میں داخل اور صحیح بخاری وصحیح مسلم کے برابر سمجھی جاتی ہے۔ یعنی ترمذی شریف اسکے ص٦٦ و ص٤٦٨ مطبوعہ لکھنؤ میں بھی یہ حدیث موجود ہے کہ حضرت نے فرمایا عترتی اھلبیتی یعنی میری اولاد کہ وہی میرے اہلبیت ہیں۔

مولوی صاحب۔ ہاں میں جانتا ہوں کہ یہ حدیث ثقلین سیکڑوں بلکہ ہزاروں کتابوں میں ہے مگر اس سے یہ کیونکر معلوم ہو کہ حضرت کے اہلبیت کون تھے؟

حسینی بیگم۔ خود حضرت فرما رہے ہیں کہ میری عترت جو میرے اہلبیت ہیں جس سے معلوم ہوا کہ جو حضرت کی عترت ہیں وہی حضرت کے اہلبیت ہیں۔ اب عترت کس کو کہتے ہیں تو لغت میں دیکھو۔ عترۃ بالکسر خویشاں ونزدیکان مرد یعنی عترت مرد کے نزدیکی اور قرابتمندوں کو کہتے ہیں (صراح مطبوعہ لکھنؤ ص١٩٦) عترۃ بالکسر فرزندان واخص اقارب مرد یا اہلبیت قریب یا خویشاں او یعنی عترۃ مرد کے فرزندوں اور مخصوص قرابتمندوں یا قریب کے اہلبیت یا عزۃ کو کہتے ہیں

(منتہی الارب جلد ۳ صفحہ ۱۷۱) عترۃ الرجل نسلہ و رھطہ الادنون یعنی مرد کی عترۃ اسکی نسل اور قریبی رشتہ داروں کو کہتے ہیں (مختار الصحاح مطبوعہ مصر صفحہ ۱۳۲) العترۃ نسل الانسان قال الازھری و روی ثعلب عن ابن الاعرابی ان العترۃ ولد الرجل وذریتہ وعقبہ من صلبہ ولا تعرف العرب من العترۃ غیر ذلک یعنی عترۃ انسان کی نسل ہوتی ہے ۔ ازہری نے کہا اور ثعلب نے ابن الاعرابی سے روایت کی کہ عترت مرد کی اولاد اور اسکی ذریت اور اس کے ان فرزندوں کو کہتے ہیں جو اُسکے صلب سے پیدا ہوں ۔ عرب عترۃ کا معنی اسکے سوا اور کچھ جانتے ہی نہیں (مصباح منیر مطبوعہ مصر صفحہ ۱۸ جلد ۲) والعترۃ بالکسر نسل الرجل و رھطہ وعشیرتہ الادنون یعنی مرد کی نسل اور قریبی رشتہ داروں اور کنبے کو عترت کہتے ہیں (قاموس صفحہ ۲۷۵) دیکھو لغت کی ان کل عبارتوں سے معلوم ہوا کہ ازواج عترت نہیں ہو سکتیں جس طرح اردو میں "بیویوں" کو "اولاد" نہیں کہتے ۔ اسی طرح عربی میں "ازواج" کو "عترت" نہیں کہتے ۔ نہ کہہ سکتے ہیں ۔

مولوی صاحب ۔ یہ کیا تم مہمل بات سمجھانے لگیں ۔ کون پاگل کہتا ہے کہ عربی میں ازواج کو عترت کہتے ہیں ۔ سب کو معلوم ہے کہ جس طرح ازواج کو اولاد نہیں کہہ سکتے اسی طرح ازواج کو عترت بھی نہیں کہہ سکتے ۔ عترت وہ ہے جو انسان کی اپنی نسل سے ہو اور ازواج وہ ہیں جو دوسروں کی بیٹیاں شادی کر کے لائی جائیں ۔

حسینی بیگم ۔ اور آنحضرت صلعم نے بار بار عترت کی تفسیر کی ہے اہل بیت کے ساتھ تو معلوم ہوا کہ حضرت کی عترت یعنی اولاد ہی حضرت کے اہلبیت ہیں کوئی اور نہیں ۔

مولوی صاحب ۔ یہ کہئے ۔ اسی لئے آپ اس قدر زور دیتی تھیں کہ ازواج کو عترت نہیں کہتے ۔ خیر تم کہتی ہو سب درست ہو مگر اس کا کیا علاج ہے کہ ہمارے بعض علماء ازواج کو بھی اہلبیت میں داخل سمجھتے ہیں ۔

حسینی بیگم ۔ اگر ہمارے علماء کسی بات کو صحیح کہیں اور آنحضرت صلعم کے بڑے صحابہ اسی بات کو غلط کہیں تو کسکی بات مانی جائیگی ۔

مولوی صاحب ۔ یہ خوب پوچھا صحابہ کرام کے مقابلہ میں بیچارے علماء کس شمار میں ہو سکتے ہیں ۔

حسینی بیگم ۔ اور اگر وہ بڑے صحابہ اُسی بات کو قسم کھا کر بیان کریں تب؟

مولوی صاحب ۔ تب تو وہ بات قرآن کے بعد ہی سمجھی جائیگی ۔ پھر اسکے مقابلہ میں کسی کی بات نہیں ہو سکتی ۔

حسینی بیگم ۔ دیکھو مسلم شریف میں جو بخاری شریف کے برابر سمجھی جاتی ہے ۔ یہ حدیث موجود ہے کہ جناب زید بن ارقم صحابی کے پاس کچھ لوگ پہونچے اور اُن سے پوچھا مَنْ اَهْلَبَیْتِهٖ ۔ نِسَاؤُهٗ ۔ قَالَ لَا اَیْمُ اللّٰهِ اِنَّ الْمَرْأَةَ تَکُوْن مع الرجل العصر من الدهر ثم یطلقها فترجع الی ابیها وقومها ۔ اهل بیته اصله وعصبته الذین حرموا الصدقة بعده یعنی بتایئے کہ حضرت رسولخدا صلعم کے اہل بیت کون تھے ۔ کیا حضرتؐ کی بیویاں تھیں؟ تو جناب زید بن ارقم اتنے بڑے صحابی نے قسم اور وہ بھی خدا کی قسم کھا کر جواب دیا کہ خدا کی قسم حضرتؐ کی بیویاں حضرتؐ کے اہلبیت نہیں ہو سکتیں کیونکہ بیوی تو مرد کے ساتھ کچھ دنوں تک رہتی ہے ۔ پھر وہ اسکو طلاق دے دیتا ہے تو اپنے باپ اور اپنی قوم قبیلہ میں واپس جاتی ہے ۔ حضرتؐ کے اہلبیتؑ حضرتؐ کے خاندان والے اور آپکے وہ قرابتمند ہیں جن پر حضرتؐ کے علاوہ صدقہ حرام ہے (صحیح مسلم جلد ۲ صفحہ ۲۸۰) یہ حدیث اور بھی سیکڑوں کتابوں میں ہے مگر مسلم شریف کے برابر کون کتاب ہو سکتی ہے ۔

مولوی صاحب ۔ البتہ یہ بہت بڑی اور لاجواب دلیل اس بات کی ہے کہ ازواج یقیناً اہلبیتؑ میں داخل نہیں ہیں ۔

حسینی بیگم ۔ ایک اور دلیل سنو ۔ قال رسول اللهؐ النجوم امان لاهل السماء فاذا ذهب النجوم ذهب اهل السماء واهل بیتی امان لاهل الارض فاذا ذهب اهل بیتی ذهب اهل الارض یعنی آنحضرتؐ نے فرمایا کہ ستارے

آسمان والوں کے لئے امان ہیں کہ جب ستارے جاتے رہیں گے تو آسمان والے بھی جاتے رہیں گے اور میرے اہلبیتؑ زمین والوں کیلئے امان ہیں کہ جب میرے اہلبیت جاتے رہیں گے تو زمین والے بھی جاتے رہیں گے (رشفۃ الصادی ص۳۲ و صواعق محرقہ ص۱۱۹ وغیرہ) اب دیکھو کہ ازواج رسولؐ میں کوئی موجود ہے؟

مولوی صاحب۔ نہیں۔ مگر اس سے کیا مطلب۔

حسینی بیگم۔ یہ کہ اگر اہلبیتؑ سے ازواج مراد ہوتیں تو دنیا ختم ہوگئی ہوتی کیونکہ ازواج تو ختم ہوگئیں مگر چونکہ وہ مراد نہیں ہیں اس وجہ سے انکے ختم ہونے سے دنیا ختم نہیں ہوئی۔

مولوی صاحب۔ تو حضرتؐ کی آل بھی ختم ہوگئی۔

حسینی بیگم۔ نہیں حضرتؐ کی آل ختم ہو جاتی تو دنیا بھی یقیناً ختم ہو جاتی یہ ممکن نہیں تھا کہ حضرت کی آل ختم ہو جاتی اور دنیا باقی رہ جاتی۔ اسی وجہ سے حضرتؐ کی آل میں اب تک امام مہدیؑ موجود ہیں جن سے دنیا بھی موجود ہے۔

اچھا یہ بتاؤ اہل بیتی ھولاء اور ھولاء اہل بیتی میں کیا فرق ہے۔

مولوی صاحب۔ اہل بیتی ھولاء کا معنی یہ کہ میرے اہلبیت یہ ہیں اور ھولاء اہل بیتی کا مطلب یہ ہے کہ یہی میرے اہلبیت ہیں۔ ان کے سوا کوئی نہیں ہے۔ یعنی ھولاء کو پہلے لانے سے حصر کر دیا کہ صرف یہی لوگ اہلبیتؑ ہیں۔

حسینی بیگم۔ اور حضرت رسولخدا صلعم نے حضرت علیؑ حضرت فاطمہؑ و امام حسنؑ و امام حسین علیہم السلام کو چادر اوڑھا کر فرمایا کہ ھولاء اہلبیتی یعنی اے خدا میرے اہلبیتؑ صرف یہ ہیں (دیکھو تفسیر درمنثور ج ۵ ص۱۹۸ و فتح البیان جلد ۷ ص۲۷۴ و تفسیر ابن کثیر ج ۸ ص۲۰ وغیرہ سیکڑوں کتابیں)۔ یہ بھی دیکھو کہ علامہ ابن کثیر لکھتے ہیں کہ ان ام سلمۃ رضی اللہ عنہا حدثت قالت بینما رسول اللہؐ فی بیتی یوما اذ قالت الخادم ان فاطمۃ وعلیا رضی اللہ

عنہا بالسدۃ فقال صلی اللہ علیہ وسلم لی قومی فتنحی عن اہل بیتی قالت
فقمت فتنحیت فی البیت قریبا فدخل علیؑ وفاطمہ ومعہما الحسن
والحسین رضی اللہ عنہم یعنی جناب ام سلمہ بیان کرتی تھیں کہ ایک روز میرے
گھر رسولخداؐ تشریف رکھتے تھے کہ خادم نے آکر کہا "جناب فاطمہؑ اور علیؑ
تشریف لائے ہیں اور سائبان میں کھڑے ہیں"۔ تو حضرت نے مجھ سے فرمایا۔
"اٹھو میرے اہلبیتؑ کے پاس سے دور ہو جاؤ" تو میں اٹھی اور وہاں سے ہٹ
گئی تب حضرت علیؑ۔ فاطمہؑ حسنؑ و حسینؑ داخل ہوئے (تفسیر ابن کثیر مطبوعہ مصر جلد ۳
صفحہ ۴۸۵) اس حدیث میں غور کرو کہ حضرتؐ نے جناب ام سلمہ سے یہی تو فرمایا کہ "میرے
اہلبیتؑ کے پاس سے دور ہو جاؤ" اگر وہ بھی اہلبیتؑ میں داخل ہوتیں تو
حضرت یہ کیوں فرماتے؟ بلکہ پھر ام سلمہ بھی کہتیں کہ "میں بھی تو اہلبیت میں ہوں"
مگر آنحضرتؐ کا ان سے کہنا اور انکا الگ ہو جانا قطعی دلیل ہے کہ وہ اہلبیت
سے خارج تھیں۔ حضرت عائشہ کے ساتھ بھی یہی ہوا۔ یہی علامہ لکھتے ہیں۔

ابن حوشبؓ عن عم لہ قال دخلت مع ابی علی عائشۃؓ فسالتھا عن علیؓ فقالت
رضی تسألنی عن رجل کان من احب الناس الی رسول اللہ وکانت تحتہ
ابنتہ واحب الناس الیہ لقد رایت رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم
دعا علیا وفاطمہ وحسنا وحسیناؓ فالقی علیہم ثوبا فقال اللہم
ہولاء اہل بیتی فاذہب عنہم الرجس وطہرہم تطہیرا قالت فدنوت
منہم فقلت یارسول اللہؐ وانا من اہل بیتکؐ۔ فقال تنحی فانک علی خیر۔
یعنی ابن حوشب نے اپنے ایک چچا سے روایت کی ہے کہ میں اپنے باپ
کے ساتھ حضرت عائشہ کے پاس گیا اور حضرت علیؑ کے بارے میں ان سے
پوچھا۔ انھوں نے کہا تم مجھ سے اس شخص کے بارے میں پوچھتے ہو
جو رسولخداصلعم کو سب لوگوں سے زیادہ محبوب تھا۔ اور حضرت کی بیٹی انکی
بیوی تھیں۔ وہ بھی آنحضرتؐ کو سب سے زیادہ محبوب تھیں میں نے دیکھا کہ رسولخداؐ

نے حضرت علیؓ و فاطمہؓ و حسنؓ و حسینؓ کو بلایا اور اُنکو ایک چادر اُڑھا کر دعا کی کہ اے
اللہ یہی میرے اہلبیت ہیں۔ تو اِن سے ہر برائی کو دور رکھ اور ان کو پوری طرح
پاک و پاکیزہ بنائے رہ۔ میں بھی اُن لوگوں کے قریب گئی اور آنحضرتؐ سے عرض
کی کہ یا رسول اللہ کیا میں بھی آپ کے اہل بیت میں داخل ہوں؟ تو آنحضرتؐ
نے فرمایا "ہٹ جاؤ۔ تم بس صرف ایک خوبی پر ہو"۔ (تفسیر ابن کثیر جلد ۵ ص ۲۶)
اس سے معلوم ہوا کہ آنحضرت صلعم نے اہلبیت کے پاس سے حضرت ام سلمہ کو بھی
دور کر دیا اور حضرت عائشہ نے داخل ہونا چاہا تو انکو بھی ہٹا دیا بلکہ فرمایا کہ الگ
ہو جاؤ۔ یعنی تم لوگ کسی طرح اہلبیت میں داخل نہیں ہو سکتیں۔ اسکی تائید اس
روایت سے بھی ہوتی ہے کہ حضرت ام سلمہ بیان فرماتی ہیں کہ جب آنحضرتؐ نے
حضرت علیؓ و فاطمہؓ و حسنؓ و حسینؓ کو کملی اوڑھا کر فرمایا کہ "یہی اہل محمدؐ ہیں" اور ایک
روایت میں ہے کہ فرمایا "یہی آل محمدؐ ہیں تو اپنے صلوات اور برکات کو آل محمد
پر اس طرح نازل فرما جس طرح آل ابراہیمؑ پر نازل کرتا تھا"۔ اس وقت ام سلمہؓ
بیان فرماتی ہیں: فرفعت الکساء لادخل معھم فجذبہ من یدی وقال
انکِ علی خیر یعنی میں نے کمل اُٹھایا کہ میں بھی اسمیں چلی جاؤں تو حضرتؐ نے اس
کمل کو زور سے مجھ سے کھینچ لیا اور اسمیں کسی طرح جانے نہیں دیا اور فرمایا کہ
تم صرف ایک خوبی پر ہو (تفسیر در منثور جلد ۵ ص ۱۹۸)۔ اس سے زیادہ واضح
مضمون دوسری روایت میں ہے۔ عن ام سلمہ قالت نزلت ھذہ الآیۃ
فی بیتی انما یرید اللہ لیذھب عنکم الرجس اھل البیت ویطھرکم تطھیرا
وفی البیت سبعۃ جبریل ومیکائیل علیہما السلام وعلیؓ وفاطمۃؓ والحسنؓ
والحسینؓ رضی اللہ عنہم وانا علی باب البیت۔ قلت یا رسول اللہ الست من
اھل البیت قال انکِ الی خیر انکِ من ازواج النبیؐ یعنی حضرت ام سلمہ بیان فرماتی
ہیں کہ آیہ تطہیر میرے گھر میں اتری اُس وقت اس گھر میں صرف سات بزرگ تھے۔
(۱) رسول خداؐ (۲) جناب جبرئیلؑ (۳) جناب میکائیلؑ (۴) حضرت علیؓ (۵) حضرت فاطمہؓ

(۶) حضرت امام حسنؑ (۷) حضرت امام حسینؑ - اور میں گھر سے باہر دروازے پر تھی۔
میں نے پوچھا اے رسول اللہؐ کیا میں اہلبیتؑ میں نہیں ہوں؟ تو حضرتؐ نے یہ جواب
نہیں دیا کہ ہاں تم اہلبیتؑ میں ہو۔ بلکہ فرمایا کہ تم صرف ایک خوبی کیطرف ہو تم
رسولؐ کی بیویوں سے ہو (تفسیر در منثور جلد ۵ ص ۱۹۸) دیکھو بی بی ام سلمہ حضرتؐ سے
یہ نہیں پوچھتی ہیں کہ میں آپکی بیوی ہوں یا نہیں۔ کیونکہ وہ جانتی تھیں کہ بیوی
تو ضرور ہوں مگر یہ نہیں جانتی تھیں کہ اہلبیتؑ میں داخل ہیں یا نہیں۔ اور یہ کہ حضرتؐ
نے انکو اہلبیت میں شامل نہیں کیا تو پوچھا کہ یا حضرتؐ کیا میں آپ کے اہلبیتؑ
میں نہیں ہوں؟ تو حضرتؐ نے یہ نہیں فرمایا کہ ہاں تم اہلبیتؑ میں ہو۔ بلکہ فرمایا کہ
تم صرف ایک خوبی پر ہو۔ تم میری بیوی ہو۔ جس سے حضرتؐ نے کھول کر سمجھا دیا
کہ اہلبیتؑ دوسری جماعت ہے اور ازواج رسولؐ دوسری جماعت۔ جس طرح ازواج
رسولؐ میں اہلبیتؑ نہیں داخل ہوسکتے۔ اسی طرح اہلبیت میں ازواج رسولؐ نہیں
داخل ہوسکتیں جس طرح اردو میں ہے کہ بیویوں میں اولاد نہیں داخل ہوسکتی
اور اولاد میں بیویاں نہیں داخل ہوسکتیں۔

مولوی صاحب - مگر آنحضرتؐ نے حضرت ام سلمہ و حضرت عائشہ سے یہ تو فرمایا
تھا کہ انکِ علیٰ خیر (تم خیر پر ہو) جس سے انکی فضیلت نکلی۔

حسینی بیگم - ہاں اس سے کون انکار کرتا ہے مگر صرف ایک ہی فضیلت
اور وہ بھی بہت معمولی درجہ کی۔ کیونکہ حضرتؐ نے خیر کو نکرہ ذکر کیا ہے اور نکرہ کا معنی
ایک ہوتا ہے تو انکِ علیٰ خیر کا مطلب ہوا کہ تم صرف ایک خیر پر ہو۔ یعنی
تم میں صرف ایک خوبی ہے۔ اسکے سوا کچھ نہیں۔ اور وہ یہی کہ تم میری بیوی ہو۔
بس۔ غرض نہ تم اہلبیتؑ میں ہو۔ نہ تم سے خدا نے برائیوں کو دور کیا ہے۔ نہ تم کو
پاک و پاکیزہ کیا ہے۔ بلکہ تمہاری عزت صرف اتنی ہے کہ میری بیوی ہو جس طرح
پہلے انبیاء کی بیویاں اچھی بُری سب ہی رہی ہیں۔ اسی طرح تم بھی میری بیوی
ہو اور کچھ نہیں۔ مختصر یہ کہ آنحضرتؐ نے اپنے قول انکِ علیٰ خیر سے قطعی فیصلہ

کر دیا کہ ان لوگوں میں سوا ایک خیر آنحضرت صلعم کی بیوی ہونے کے کوئی دوسری
خوبی یا شرف یا خصوصیت ہو ہی نہیں سکتی ہے۔

مولوی صاحب۔ واقعی تم نے انک علی خیر کا وہ مطلب بیان کیا جو بالکل
عربی زبان کے قواعد کے مطابق ہے اور اسکے بعد کوئی اعتراض ہو ہی نہیں سکتا۔

حسینی بیگم۔ اب تو مانے کہ اہلبیت سے ازواج اس طرح الگ ہیں جس طرح دن سے
رات۔ اور آفتاب سے ماہتاب کہ وہ کبھی انمیں داخل ہی نہیں ہوئیں بلکہ حسرت
اور نہایت تمنا کر کے آنحضرتؐ سے درخواست بھی کرتی تھیں کہ مجھے ان میں
داخل کر لیجئے تو حضرت انکی درخواست نامنظور کر کے انکو جھڑک دیتے اور کمل
چھین لیتے تھے اور فرماتے تھے کہ ہٹ جاؤ تم کو اس سے کیا نسبت بس تمہارے لئے
یہی ایک خوبی بہت ہے کہ میری بیوی ہو۔ اس سے زیادہ کی آرزو نہ کرو۔

مولوی صاحب۔ مگر آنحضرتؐ کی بیوی ہونا کیا کم فضیلت تھی۔

حسینی بیگم۔ یہ نہ کہو۔ اگر آنحضرتؐ کی بیوی ہونا بڑی عزت ہوتی تو خدا یہ نہ
فرماتا کہ اے بیویو اگر تم بدکاری کرو گی تو تم پر دونا عذاب کرونگا۔ بس جیسی بیویاں
آنحضرتؐ کے قبل نبیوں کی تھیں کہ اچھی بھی تھیں بری بھی۔ اسی طرح آنحضرتؐ کی
بیویاں بھی اچھی بری ملی ہوئی تھیں۔

مولوی صاحب۔ تو سابق انبیاء کی بیویاں بھی بڑے درجہ کی تھیں۔

حسینی بیگم۔ ہاں ایسی ہی تھیں کہ خدا نے کہا ہے۔ ضَرَبَ اللّٰهُ مَثَلًا لِّلَّذِيْنَ
كَفَرُوا امْرَاَتَ نُوحٍ وَّامْرَاَتَ لُوطٍ كَانَتَا تَحْتَ عَبْدَيْنِ مِنْ عِبَادِنَا صَالِحَيْنِ
فَخَانَتٰهُمَا فَلَمْ يُغْنِيَا عَنْهُمَا مِنَ اللّٰهِ شَيْئًا وَّقِيْلَ ادْخُلَا النَّارَ مَعَ الدّٰخِلِيْنَ
(پ ۲۸ سورہ تحریم رکوع ۲/۲) تم شمس العلماء مولوی حافظ ڈپٹی نذیر احمد صاحب
دہلوی کے ترجمہ کو بہت مانتے ہو۔ ذرہ ان کے قرآن شریف سے اس کا ترجمہ تو
سناؤ۔ مولوی صاحب نے اپنی تلاوت کی حمائل نکالی اور کہا۔

مولوی صاحب۔ مولانا نذیر احمد صاحب لکھتے ہیں "کافروں کی عبرت پکڑنے کے

لئے خدا نوح کی بی بی اور لوط کی بیوی کی مثال دیتا ہے کہ یہ دونوں عورتیں ہمارے بندوں میں سے دو نیک بندوں کے نکاح میں تھیں۔ پھر ان دونوں نے انکو دغا دی کہ اپنے شوہروں کے خلاف کافروں سے ملی رہیں۔ تو دونوں کے شوہر باوجودیکہ پیغمبر تھے اللہ کے مقابلہ میں انکے کچھ کام بھی نہ آئے اور ان دونوں عورتوں کو حکم دیا گیا کہ جہاں اور لوگ جہنم میں داخل ہوئے ہیں تم بھی ان ہی کے ساتھ جہنم میں داخل ہو۔"
(حمائل نذیر احمد صاحب صفحہ ۸۹۶)

حسینی بیگم ۔ کیوں ۔ دیکھا نہ پیغمبروں کی بیویوں کا یہی درجہ ہے ۔ اس سے زیادہ زبان نہ کھلواؤ ۔

مولوی صاحب ۔ میری پوری تشفی تو ہوگئی ۔ مگر صرف ایک بات کھٹکتی ہے ۔

حسینی بیگم ۔ وہ کیا ؟

مولوی صاحب ۔ یہی کہ لفظ "اہل بیت" سنکر فوراً ذہن میں آتا ہے کہ اسکے معنے گھر والے ہے ۔ اور گھر والے بیوی کو کہتے ہیں ۔

حسینی بیگم ۔ اگر اہل بیت کا معنے وہی ہے جو تمہاری سمجھ میں آتا ہے تو ان مقاموں میں کیا مطلب ہے ۔ علامہ ابن حجر عسقلانی جو بہت بڑے محدث اور فرقۂ اہلحدیث کے کتنے بڑے پیشوا تھے صحابہ کے حالات میں جو بڑی کتاب اصابہ لکھی ہے اسمیں ایک صحابیہ حضرت آمنہ کے بارے میں لکھتے ہیں قال ابن سعد اسلمت قدیما بمکۃ وھاجرت مع اھل بیتھا الی المدینۃ یعنی علامہ ابن سعد نے لکھا ہے کہ آمنہ ابتداء میں مکہ میں مسلمان ہوئیں اور اپنے اہل بیت کے ساتھ مدینہ کو ہجرت کی (اصابہ جلد ۸ صفحہ ۳) کیا آمنہ رضی اللہ عنہا کی شادی بھی کچھ عورتوں سے ہوئی تھی جو آمنہ کی ازواج تھیں اور انھیں ازواج کے ساتھ آمنہ نے ہجرت کی ؟

مولوی صاحب ۔ نہیں عورت کی شادی عورت سے کیسے ہوگی ۔ یہاں اہلبیت سے گھر والے بھائی بند مراد ہیں ۔

حسینی بیگم ۔ ممدوح نے ایک اور جگہ لکھا ہے ۔ اھل بیت اربعۃ صحبوا النبیؐ

بشر وابناہ عبد اللہ وعطیہ واختہما الصماء یعنی ایک گھر والے چار شخص (۱) بشر اور انکے دو بیٹے (۲) عبد اللہ (۳) عطیہ اور (۴) انکی بہن صماء آنحضرت کے ساتھ ہوئے (اصابہ ص۳۱) کیا یہاں بھی بیویاں مراد لے سکتے ہو؟

مولوی صاحب۔ نہیں۔ یہاں بھی گھر والے مراد ہیں۔

حسینی بیگم۔ ایک اور صحابیہ کے حال میں لکھتے ہیں تقدم نسبہا فی ترجمۃ والدہا وہم اہل بیت صحابۃ شہدا الوھد واعمامہا بدرا یعنی ان کا نسب انکے باپ کے حال میں لکھا جا چکا اور یہ لوگ صحابہ کا ایک خاندان تھے ان (مریم) کے باپ اور چچا غزوہ بدر میں شریک ہوئے (ص۱۸۵) بتاؤ یہاں بھی کوئی زوجہ ہے جسکے لئے لفظ اہلبیت آیا؟

مولوی صاحب۔ نہیں۔ یہاں بھی باپ اور کئی چچا مراد ہیں۔

حسینی بیگم۔ یہی علامہ ایک اور صحابیہ کے حال میں لکھتے ہیں ام لیلی کانت من المبایعات وحدیثہا عند اہل بیتہا یعنی ام لیلی بیعۃ کرنے والی صحابیات سے تھیں اور انکی حدیث انکے گھر والوں کے ہاں ہے۔ بتاؤ کیا ام لیلی کی بھی شادی کچھ عورتوں سے ہوئی تھی جو انکی اہلبیت تھیں؟

مولوی صاحب۔ نہیں۔ یہاں بھی وہی باپ۔ بھائی۔ بیٹے وغیرہ مراد ہیں۔ میں مان گیا کہ یقیناً اہل بیت سے مراد ازواج نہیں ہیں اور نہ ہو سکتے ہیں اور جو لوگ ایسا کہتے ہیں وہ سخت غلطی پر ہیں۔ تم نے ایک ایک پہلو کو ایسا واضح کر دیا کہ اب اسکے بارے میں کوئی شک شبہ ہو ہی نہیں سکتا۔ اب رات زیادہ آگئی نیند آتی ہے۔ لمپ کی روشنی کم کردو۔

حسینی بیگم۔ میں تو چاہتی تھی کہ دس بارہ کتابوں کی عبارتیں اور دکھاتی کہ پوری طرح اتمام حجۃ ہو جاتا۔

مولوی صاحب۔ نہیں اب کوئی کسر باقی نہیں ہے۔ اسکے بعد کسی شخص کو اسکا وہم بھی نہیں ہوگا کہ ازواج بھی اہلبیت میں داخل ہو سکتی ہیں۔ جس طرح کوئی شخص

کہے کہ اولاد میں ازواج بھی داخل ہیں تو یا گل سمجھا جائیگا اسی طرح اہلبیت میں ازواج کو داخل کرنا یا سمجھنا بھی خلاف عقل اور عربی زبان سے بالکل بے خبری ہے۔ اب سو رہو۔

پانچواں باب ۵

آلِ محمدؐ پر درود بھیجکر دعا کرنیکا نتیجہ

ایک روز رات کے وقت مولوی صاحب اپنے کمرے میں پہونچے تو چہرہ سے شدید تردد اور رنج و افسوس ظاہر ہوتا تھا۔ اور وہ نہایت درجہ پریشان تھے۔ حسینی بیگم کچھ دیر انتظار کرتی رہیں کہ وہ خود کچھ بولیں گے لیکن وہ چپ ہی رہے تو ان سے نہ رہا گیا اور بولیں۔

حسینی بیگم۔ آج کیا ہے۔ کیسا مزاج ہے۔ کیوں اتنے فکرمند ہو۔

مولوی صاحب۔ کیا کہوں ایسا تردد پیدا ہو گیا کہ عقل کام ہی نہیں کرتی ہے۔

حسینی بیگم۔ ذرہ میں بھی تو سنوں کہ کیا بات ہے۔ ہر مصیبت میں انسان کو خدا پر بھروسہ رکھنا چاہیئے۔

مولوی صاحب۔ میرے ایک بڑے گہرے دوست مولوی حفیظ الدین صاحب ہیں انھوں نے اسلام کی حمایت میں ایک وعظ کہا مگر غلطی یہ کی کہ دوسرے بہت سے مذہبوں پر اعتراضات بھی کر دیئے جس سے ایک جماعت کے کچھ لوگوں نے فوجداری میں ان پر دعویٰ دائر کر دیا ہے۔ اور زیادہ مشکل یہ ہوئی کہ خفیہ پولیس کا ایک رپورٹر وہاں موجود تھا جس نے انکی تقریر رپورٹ کی تھی۔ اس تقریر میں اُن کے جو الفاظ ملے اُن سے مقدمہ میں بہت زور پیدا ہو گیا اور مولوی صاحب سخت پریشانی میں پڑ گئے ہیں۔

حسینی بیگم۔ تو اب کیا ہو رہا ہے۔
مولوی صاحب۔ ابھی تو بیچارے ضمانت پر ہیں مگر ایک ہفتہ کے بعد مقدمہ کی پیشی ہو گی اُسی کا خوف ہے۔
حسینی بیگم۔ یہ بتاؤ کہ دوسرے مذہبوں پر انھوں نے جو اعتراضات کئے تھے وہ صحیح ہیں یا غلط یعنی واقعاً وہ باتیں ان مذہبوں میں موجود ہیں۔ یا مولوی صاحب نے اپنے دل سے وضع کر کے بیان کر دیں۔
مولوی صاحب۔ نہیں وہ اعتراضات تو صحیح ہیں اور بیچارے نے ان لوگوں کو سمجھانے ہی کے لئے بیان بھی کیا تھا کہ ان خرابیوں کی وجہ سے اُس مذہب کو چھوڑیں اور دین اسلام قبول کریں۔
حسینی بیگم۔ کام تو اُنھوں نے حق کیا تھا۔ اِنکی ضرور مدد کرنی چاہیے اچھا میں ایک عمل بتاتی ہوں کہ وہ دو رکعت نماز پڑھکر یہ دعا پڑھیں یَا سَابِقَ الْفَوْتِ یَا سَامِعَ الصَّوْتِ۔ یَا کَاسِیَ الْعِظَامِ لَحْمًا بَعْدَ الْمَوْتِ صَلِّ عَلٰی مُحَمَّدٍ وَّعَلٰی آلِ مُحَمَّدٍ وَّاجْعَلْ لِّیْ مِنْ اَمْرِیْ فَرَجًا وَّمَخْرَجًا اِنَّکَ تَعْلَمُ وَلَا اَعْلَمُ وَتَقْدِرُ وَلَا اَقْدِرُ وَاَنْتَ عَلَّامُ الْغُیُوْبِ یَا اَرْحَمَ الرّٰحِمِیْنَ۔ مجھے توی امید ہے کہ وہ اس مصیبت سے نکل جائیں گے۔
مولوی صاحب۔ خیر میں کہونگا مگر شہادۃ زبردست ہے۔ اور اُس طرف مال بھی بہت ہے بڑے بڑے بیرسٹر کئے گئے ہیں۔ ادھر کوئی قوت نہیں کوئی مسلمان وکیل اپنی فیس تک نہیں کم کر رہا ہے۔ بیچارے کا بچنا دشوار ہے۔ یہ کہکر مولوی صاحب لحاف اوڑھکر سو رہے۔ صبح ہوئی تو مولوی حفیظ الدین صاحب سے پھر ملاقاۃ ہوئی اور اس نماز کو انھوں نے بتا دیا وہ ہنس دیئے کہ "ان دعاؤں سے کیا ہوتا ہے" مگر مولوی عبد الغفار صاحب نے سمجھایا کہ "اس طرح عمل کر لینے میں نقصان ہی کیا ہے"۔ چنانچہ وہ ہر روز نماز صبح اور نماز عشاء کے بعد اسی طرح دعا کرنے لگے۔ اور اپنے مذہب کے اچھے اچھے وکیلوں سے پیروی کرنے

کی درخواست بھی کرتے رہے مگر ہر وکیل اتنی فیس مانگتا تھا کہ بیچارے دے نہیں
سکتے تھے۔ وہ کہتے تھے کہ "وکیل صاحب دیکھئے یہ مذہبی معاملہ ہے میں آپ
ہی کے مذہب اسلام کے کام میں ماخوذ ہوا ہوں۔ اسمیں فیس کم کیجئے"۔ اور وہ جواب
دیتے کہ "جناب مولانا! مذہبی کام ہو یا دنیوی۔ ہم لوگ روٹی اسی کی کھاتے ہیں
بغیر پوری فیس لئے کام نہیں کرسکتے"۔ آخر بیچارے ایک مشہور وکیل کے پاس پہونچے
جو بڑے بڑے بیرسٹروں کا مقابلہ کرتے تھے مگر اسکے ساتھ سید تھے اور شیعے
پاس مولوی صاحب اسی خیال سے جاتے ہوئے کہتے تھے کہ وہ وکیل
صاحب ان کے خیال میں رافضی تھے۔ مولوی صاحب سمجھتے تھے کہ جب ہمارے
ہم مذہب وکیل پوری فیس چاہتے ہیں تو وہ شیعہ وکیل ڈبل فیس پر بھی شاید
ہی راضی ہوں۔ مگر جب کل وکیلوں سے مایوس ہوکر مولوی صاحب ان وکیل صاحب
کے پاس پہونچے اور پورا واقعہ بیان کیا تو انھوں نے جواب دیا۔

وکیل صاحب۔ یہ تو خود میرا کام ہے۔ میں اس مقدمہ کی ضرور پیروی کرونگا۔

مولوی حفیظ الدین صاحب۔ اور فیس کیا ہوگی؟

وکیل صاحب۔ فیس کیسی؟

مولوی حفیظ الدین صاحب۔ آپ کی زحمت اور پیروی کی۔

وکیل صاحب۔ واہ یہ خوب کہی۔ میں نے پہلے ہی کہہ دیا ہے کہ یہ میرا کام ہے یہ
بتائیے کہ آپ کا اس مقدمہ میں کیا خرچ ہوا ہوگا۔

مولوی حفیظ الدین صاحب۔ ابھی تو کچھ نہیں۔ کوئی اسی روپیہ خرچ
ہوئے ہونگے۔ مگر آیندہ تو بے حساب مصارف کا سامنا ہے۔

وکیل صاحب۔ نہیں آیندہ کی فکر نہ کیجئے۔ اور بکس کھول کر سو روپیہ کے
نوٹ نکالے اور مولوی صاحب کو دیکر کہا لیجئے یہ سو روپیہ ہے جو ابتک آپ
خرچ کرچکے ہیں۔ یہ میرا مقدمہ ہے۔ اس کے کل مصارف بھی میرے ہی
ذمہ ہیں۔

ان وکیل صاحب کا یہ برتاؤ دیکھکر مولوی صاحب حیرت [illegible]
انکی آنکھوں سے آنسو جاری ہو گئے [illegible]

مولوی صاحب۔ بیا بائی آپ نے [illegible]
اس مقدمہ میں آپنے کوئی فیس نہیں چاہی [illegible]
اٹھا سکتا۔ آپ اس روپیہ [illegible] معاف کیجئے

وکیل صاحب۔ نہیں آپ کو [illegible]
بھائی بھائی ہیں۔ آپکا مال میرا اور میرا مال آپکا ہے۔

مولوی صاحب اب کیا کرتے وہ روپیہ لئے ہوئے [illegible]
جانتے تھے کہ ہم لوگ رافضیوں کو کس قدر برا کہتے ہیں [illegible]
معلوم ہوتے ہیں۔ میں نے اپنے ہم مذہب وکیلوں سے [illegible]
ان لوگوں نے کیسا خشک جواب دیا اور ان وکیل صاحب [illegible]
کا وعدہ بھی کیا اور سو روپیہ بھی دیئے۔ سبحان اللہ [illegible]
عبدالغفار صاحب کے پاس پہونچے۔

مولوی حفیظ الدین صاحب۔ السلام علیکم

مولوی عبدالغفار صاحب۔ وعلیکم السلام [illegible]
مقدمہ کی خیریت بیان کیجئے۔

مولوی حفیظ الدین صاحب نے پورا واقعہ کہہ سنایا۔

مولوی عبدالغفار صاحب۔ معاف کیجئے تو ایک بات کہوں کہ یہ میری بیوی کے بتائے ہوئے عمل کا پہلا اثر ہے۔ انشاءاللہ آپ مقدمہ جیت جائینگے اور ضرور کامیاب ہونگے۔

جب مقدمہ کی تاریخ آئی تو سید وکیل صاحب نے ایسی زبردست بحث کی کہ کسی طرح مولوی حفیظ الدین صاحب کی تقریر جرم نہیں ثابت ہو سکی۔ آخر وہ بالکل بری ہو گئے جس کا تمام شہر میں غل ہو گیا اور مسلمانوں نے خوب ہی خوشیاں منائیں۔

شب کو مولوی عبدالغفار صاحب اپنے کمرے میں پہونچے تو حسینی بیگم سے اس طرح باتیں ہونے لگیں۔

مولوی صاحب ۔ مبارکباد۔ تمہارے بتائے ہوئے عمل کو مولوی حفیظ الدین صاحب نے کیا تو شہر کے نامی شیعہ وکیل نے بغیر فیس لئے اُنکے مقدمہ کی پیروی بھی کی۔ انھیں نے انکو سو روپیہ بھی دیئے اور ایسی زبردست بحث کی کہ مولوی صاحب بالکل بری ہو گئے۔ یہ عمل تم نے کس کتاب سے بتایا تھا۔

حسینی بیگم ۔ کتاب تحفۃ الصادق صفحہ ۵ میں لکھا ہے کہ خلیفہ مہدی عباسی ایک رات سو رہا تھا کہ گھبرا کر اُٹھا اور کوتوال کو بلا کر کہا کہ فلاں حسینی سید کو قید خانہ سے رہا کردو اور انکو ایک ہزار اشرفی دیکر کہدو کہ وہ چاہیں تو یہاں رہیں اور چاہیں تو اپنے وطن چلے جائیں۔ کوتوال نے ایسا ہی کیا۔ حسینی سید نے اپنے وطن جانا چاہا تو کوتوال نے سواری کا بھی سامان کردیا اور اُن سے کہا "حضور والا۔ خدائے رحیم نے آپ کو قید سے آزاد کرایا اس کا واسطہ بتایئے کہ آپ کو بھی کچھ معلوم ہوا ہے کیوں خلیفہ نے آپ کو آزاد کردیا؟"

حسینی سید ۔ ہاں خدا کی قسم مجھے معلوم ہے۔ میں سویا ہوا تھا تو خواب میں دیکھا کہ حضرت رسولخدا تشریف لائے اور فرمایا "بیٹا! تم پر ان لوگوں نے ظلم کیا ہے؟" میں نے عرض کی "ہاں یا رسول اللہ" حضرتؐ نے فرمایا "اٹھو اور دو رکعت نماز پڑھکر یہ دعا پڑھو۔" (وہی دعا جو میں نے مولوی حفیظ الدین صاحب کو بتائی تھی) میں نے وہ دعا پڑھی اور بار بار پڑھتا رہا۔ یہاں تک کہ تم نے آکر مجھے رہا کردیا۔

یہ سننے کے بعد جب کوتوال خلیفہ مہدی کے پاس پہونچا تو پورا واقعہ اس سے بیان کردیا۔ خلیفہ نے جواب دیا "ہاں ان سید نے سچ کہا۔ خدا کی قسم میں سو رہا تھا کہ خواب میں دیکھا ایک حبشی لوہے کا گرز لیکر آیا اور میرے سرہانے کھڑا ہو کر کہا کہ "ابھی اُن حسینی سید کو رہا کردو ورنہ میں تم کو قتل کرتا ہوں"۔ یہ خواب دیکھکر میں بہت ڈرا ہوا جاگ گیا اور جب تک ان حسینی سید کو رہا نہ کردیا مجھے نیند نہیں آئی۔

مولوی صاحب۔ واقعاً بڑا عبرت خیز واقعہ ہے۔
حسینی بیگم۔ کیوں نہ ہو حضرت رسولخداؐ اور آپکے اہلبیت خدا کے برگزیدہ بندے ہیں۔ مخلوق خدا کی ہدایت کے لئے کیا کیا مصائب اٹھائے ہیں ہر گناہ سے بچے رہے ہیں پھر ان پر درود پڑھکر دعا مانگی جائیگی تو اسمیں یہ اثر ہونا ہی چاہیئے۔

چھٹا باب

حضرات اہلبیتؑ کا ہر گناہ سے معصوم ہونا

مولوی صاحب۔ یہ تم نے کیا کہا۔ کیا اہلبیتؑ بھی ہر گناہ سے بچے رہے ہیں؟ کیا تم ان لوگوں کو بھی معصوم سمجھتی ہو؟
حسینی بیگم۔ کتابوں کے دیکھنے سے تو میں اسی نتیجہ پر پہونچی ہوں۔
مولوی صاحب۔ ہرگز ایسا نہیں ہے۔ میرا تو اعتقاد ہے کہ انبیاء کے سوا کوئی معصوم نہیں ہے۔
حسینی بیگم۔ یوں تو انبیاء کے بارے میں بھی اختلاف ہے کتنے بڑے بڑے پیشوایان دین نے حضرت رسولخداؐ تک کے معصوم ہونے سے انکار کیا ہے پھر حضرات اہلبیتؑ کی عصمت کو وہ لوگ کب مانتے۔
مولوی صاحب۔ خیر انبیاء کی عصمت کا مسئلہ تو مشکل ہے مگر اہلبیتؑ کی عصمت کا قول تو تم سے آج ہی سننے میں آیا جو بہت بڑی غلطی ہے۔
حسینی بیگم۔ ہو سکتا ہے میرے دماغ میں غلطی یہ نتیجہ پیدا ہوا ہو۔ مگر جب تک وہ دلیلیں جو میری نظر سے گزری ہیں رد نہیں کیجائینگی میری تشفی کیسے ہو سکتی ہے۔
مولوی صاحب۔ میں کہتا ہوں کہ ان لوگوں کی عصمت پر کوئی دلیل نہیں اور تم کہتی ہو کہ بہت سی دلیلیں ہیں مگر کسی دلیل کو بیان نہیں کرتیں کہ اسمیں غور کیا جاتا

... ثابت ہے۔

حسینی بیگم۔ مجھے تو اہلبیت کی عصمت قرآن [illegible] سے بھی ثابت ہوتی ہے

[illegible] ثابت [illegible] گی۔

مولوی صاحب۔ [illegible] آیت [illegible] ہے

حسینی بیگم۔ [illegible] تو ثابت ہو چکا [illegible] اور [illegible] کی۔ فاطمہ

[illegible]

مولوی صاحب۔ [illegible] تو تم [illegible] بتاؤ [illegible] مجھے بھی سمجھ [illegible]

[illegible] تو بڑا ثابت ہوگی۔

حسینی بیگم۔ [illegible] ان لوگوں کو [illegible] برائی سے [illegible] رکھنا چاہتا ہے تو کوئی برائی ان [illegible]

[illegible]

مولوی صاحب۔ [illegible] کہیے تو کوئی برائی نہیں ہو سکتی

حسینی بیگم۔ [illegible] برائی سے ہر برائی مراد ہے جسمیں گناہ بھی ہے۔

مولوی صاحب۔ اسکی کیا دلیل ہے۔

حسینی بیگم۔ بتاؤ رجس کا کیا معنی ہے۔

مولوی صاحب۔ نجاست۔ گندگی۔ برائی۔

حسینی بیگم۔ کیا گناہ نہیں ہے۔ ذرا لغت کی ان کتابوں کو دیکھو (۱) منتہی الارب
میں ہے رجس بالکسر پلیدی وگناہ وکفر یعنی رجس کا معنی پلیدی۔ گناہ اور کفر ہے۔
(۲) قاموس میں ہے الرجس بالکسر القذر والماثم وکل ما استقذر من العمل
والعمل المؤدی الی العذاب یعنی رجس کا معنی گندگی اور گناہ اور ہر وہ کام جو برا سمجھا
جائے اور وہ کام جو عذاب کا سبب ہے۔ (۳) انوار اللغۃ میں ہے رِجس یا رَجس یا
[illegible] خباثت۔ گناہ۔ وہ کام جس پر عذاب ہو اور تفسیروں میں بھی
رجس کے معنی گناہ دیا ہے۔ مگر وہ حدیث کی بحث شروع ہو جائیگی۔

مولوی صاحب۔ خیر تفسیروں کو بھی نکالو۔ اسی موقع پر دیکھ لی جائیں

حسینی بیگم۔ دیکھو علامہ بیضاوی لکھتے ہیں الرجس الذنب المدنس لعرضکم یعنی رجس کا معنے گناہ جو تمہارے آبرو کو خراب کرتے ویطہرکم عن المعاصی یعنی اللہ تم کو گناہوں سے پاک رکھیگا* الرجس الاثم یعنی رجس معنے گناہ ہے (تفسیر جلالین مطبوعہ مصر جلد ۲ صفحہ ۶۶) اور علامہ خازن لکھتے ہیں الرجس ای الاثم یعنی رجس معنے گناہ ہے (تفسیر خازن جلد ۳ صفحہ ۴۶۶) اور علامہ نسفی لکھتے ہیں یطہرکم تطہیرا من نجاسۃ الآثام یعنی اے اہلبیتؑ خدا تم کو گناہوں کی نجاست سے پاک رکھیگا (تفسیر مدارک التنزیل برحاشیہ تفسیر خازن جلد ۳ صفحہ ۴۶۶) اور علامہ نیشاپوری لکھتے ہیں فاستعار للذنوب الرجس یعنی خدا نے گناہوں کو رجس سے ذکر کیا ہے (تفسیر غرائب القرآن جلد ۲۲ صفحہ ۱ برحاشیہ تفسیر طبری) اور علامہ زمخشری لکھتے ہیں واستعار للذنوب الرجس یعنی خدا نے گناہوں کو لفظ رجس سے ذکر کیا ہے (تفسیر کشاف جلد ۲ صفحہ ۴۳۰) اور علامہ ابوسعود لکھتے ہیں الرجس ای الذنب المدنس یعنی رجس کا معنی وہ گناہ جو انسان کو گندہ کرے (تفسیر ابوسعود جلد ۲ صفحہ ۸۳) اور علامہ فخر الدین رازی لکھتے ہیں لیذھب عنکم الرجس ای یزیل عنکم الذنوب یعنی تم لوگوں سے کل گناہوں کو دور رکھیں (تفسیر کبیر جلد ۶ صفحہ ۷۸۳) اور مولانا صدیق حسن خانصاحب لکھتے ہیں والمراد بالرجس الاثم والذنب یعنی رجس سے مراد گناہ ہے استعار الرجس للمعصیۃ یعنی رجس کا استعارہ گناہوں کے لئے ہے۔ (تفسیر فتح البیان جلد ۷ صفحہ ۲۷۵) اسی طرح بہت سی حدیثوں میں ہے۔

مولوی صاحب۔ مگر اس سے تو یہی معلوم ہوا کہ خدا نے ان حضرات کو پاک یعنی معصوم رکھنے کا ارادہ کیا۔ اس سے یہ کیونکر ثابت ہوا کہ خدا کا ارادہ پورا بھی ہوا۔

حسینی بیگم۔ تو کیا یہ بھی ممکن ہے کہ خدا کا ارادہ پورا نہ ہو اور وہ بیٹھ رہے

* از تفسیر بیضاوی جلد ۲ صفحہ ۱۲۶ ، علامہ [illegible] احمد قرشی و خزانہ [illegible]

میں ناکامیاب رہے ؟

مولوی صاحب۔ نہیں مگر یہ کیونکر ثابت ہو کہ اس نے اپنا ارادہ پورا کیا۔

حسینی بیگم۔ خدا کے مقرر کردہ اصول سے۔

مولوی صاحب۔ وہ اصول کیا ہیں ؟

حسینی بیگم۔ اس نے فرمایا ہے:۔ اِنَّمَا اَمْرُہٗ اِذَا اَرَادَ شَیْئًا اَنْ یَّقُوْلَ لَہٗ کُنْ فَیَکُوْنُ یعنی اسکے اصول یہ ہیں کہ جب وہ کسی چیز کا ارادہ کرتا ہے تو بس وہ اس سے اتنا ہی فرما دیتا ہے کہ ہو جا اور وہ ہو جاتی ہے (پ ۲۳ رکوع ۴)

مولوی صاحب۔ ہاں یہ تو سچ ہے کہ اس کے ارادہ کرنے اور اس کام کے ہو جانے میں کچھ تاخیر ہی نہیں ہوتی ہے۔

حسینی بیگم۔ اسی وجہ سے حضرت رسولخدا صلعم نے صاف صاف فرما دیا ہے کہ حضرت اور حضرت کے اہل بیت کل گناہوں سے پاک کر دیئے گئے ہیں۔

مولوی صاحب۔ یہ کس کتاب میں ہے اور کس نے لکھا ہے۔

حسینی بیگم۔ خود علامہ سیوطی لکھتے ہیں کہ حضرت رسولخدا نے فرمایا کہ انا اتقی ولد آدم واکرمھم علی اللہ تعالیٰ ولا فخر ثم جعل القبائل بیوتا فجعلنی فی خیرھا بیتا فذالک قولہ انما یرید اللہ لیذھب عنکم الرجس اھل البیت ویطھرکم تطھیرا فانا واھل بیتی مطھرون من الذنوب یعنی اولاد آدم میں سب سے زیادہ متقی اور شریف میں ہوں اور اس پر کوئی فخر نہیں ہے۔ پھر خدا نے قبیلوں کو خاندانوں میں تقسیم کیا تو میرے خاندان کو سب سے بہتر کیا اسی کو خدا فرماتا ہے انما یرید اللہ الآیہ تو میں اور میرے اہل بیت کل گناہوں سے پاک و پاکیزہ ہیں (تفسیر درمنثور جلد ۵ ص ۱۹۹)

جناب مولانا صدیق حسن خاں صاحب نے بھی اس کو لکھا ہے (تفسیر فتح البیان جلد ۷ ص ۲۷۰) ان حضرات کا گناہوں سے پاک اور معصوم ہونا اور ان پر درود پڑھا جانا اس قدر مشہور ہو گیا کہ خلفائے بنی عباس کے زمانہ میں بھی شعراء نے

اپنے اشعار میں اس مضمون کو ادا کیا ہے۔
مولوی صاحب۔ شاعر تو کوئی ایسا نہیں معلوم ہوتا جس نے ان لوگوں کو معصوم لکھا ہو اور ان پر درود پڑھنے کا ذکر کیا ہو۔
حسینی بیگم۔ ابو نواس کو جانتے ہو؟
مولوی صاحب۔ ہاں ہاں وہ تو خلفائے بنی عباس کے زمانہ اور دربار کا مشہور اور بہت ہی مقبول شاعر گزرا ہے۔
حسینی بیگم۔ جب حضرت امام علی رضا علیہ السلام کو مامون نے اپنے پاس ولیعہدی کے لئے بلایا ہے تو بہت سے شاعروں نے حضرت کی مدح میں قصیدے لکھے مگر ابو نواس نے کوئی قصیدہ نہیں لکھا تو لوگوں نے اس سے شکایت کی کہ تم نے حضرت کی مدح میں کوئی شعر نہیں کہا تو اس نے جواب دیا ؎ قیل لی انت احسن الناس طرا۔ فی فنون من الکلام النبیہ + لک من جید القریض مدیح۔ یثمر الدر فی یدی مجتنیہ + فعلا ما ترکت مدح ابن موسی۔ والخصال التی تجمعن فیہ + قلت لا استطیع مدح امام۔ کان جبریل خادما لابیہ یعنی لوگ مجھ سے کہتے ہیں کہ تم اعلے درجۂ شاعری کے ہر فن میں سب لوگوں سے بڑھے ہوئے ہو۔ عمدہ اشعار میں تمہارا مدحی قصیدہ ایسا خوب ہوتا ہے کہ سننے والوں کو معلوم ہوتا ہے کہ موتی جھڑ رہے ہیں + باوجود ایسا کمال ہونے کے تم نے حضرت امام علی رضا اور اُن کے فضائل و مناقب میں کوئی قصیدہ نہیں لکھا؟ تو میں نے اُن لوگوں کا جواب دیا کہ میں ایسے جلیل القدر امام کی جن کے پدر بزرگوار کے خادم حضرت جبرئیل ایسے فرشتہ ہوں مدح کر ہی نہیں سکتا ہوں۔ اسکے بعد اسی شاعر نے حضرت کی مدح میں یہ اشعار بھی کہے ؎ مطہرون نقیات جیوبہم۔ تجری الصلوٰۃ علیہم اینما ذکروا + من لم یکن علویا حین تنسبہ۔ فمالہ فی قدیم الدہر مفتخر + اللہ لما برا خلقا فاتقنہ۔ صفاکم واصطفاکم ایہا البشر + فانتم الملأ الاعلی عندکم۔ علم الکتاب وما جاءت بہ السور یعنی یہ حضرات

اہلبیت پاک اور کل گناہوں سے معصوم ہیں اور انکے لباس بھی پاکیزہ اور متبرک ہیں۔ ان حضرات کا جہاں نام لیا جاتا ہے۔ وہاں ان پر درود ضرور پڑھا جاتا ہے + جو شخص نسب کے بیان ہوتے وقت سید معلوم ہوا اس کو زمانہ میں کوئی عزت اور فخر نہیں ہو سکتا + اے اہلبیت جب خدا نے مخلوق کو پیدا اور مضبوط کیا تو آپ لوگوں کو اس نے چن لیا اور سب پر برگزیدہ کردیا + تو آپ ہی ملاء اعلیٰ ہیں اور آپ ہی کے پاس قرآن مجید اور اس کی تفسیر کا علم ہے (وفیات الاعیان مشہور بہ تاریخ ابن خلکان مطبوعہ مصر جلد ۲ صـ ۳۲۲)

مولوی صاحب۔ سبحان اللہ۔ خدا نے تم میں سب خوبصورتی جمع کردی ہے عربی شعر بھی اس خوبی سے پڑھتی ہو کہ جی چاہتا ہے سنتا ہی جاؤں۔

حسینی بیگم۔ اب بات کو ادھر ادھر ٹالو نہیں۔ تم کو معلوم ہوا کہ حضرات اہلبیت ہر گناہ سے پاک اور ویسے ہی معصوم ہیں جیسے حضرت رسولخدا صلعم تھے۔

مولوی صاحب۔ ہاں قرآن مجید اور اسکی تفسیر ول سے تو تم نے ثابت کردیا مگر ابھی حدیث باقی ہے

حسینی بیگم۔ حدیثوں میں ایک حدیث ثقلین ہی کیا کم ہے جسکو میں بیان کرچکی ہوں کہ حضرت نے فرمایا اے مسلمانو! میں تم میں دو بڑی چیزیں چھوڑے جاتا ہوں کہ جب تک تم ان دونوں کی پیروی کروگے گمراہ نہیں ہوسکتے۔ ایک قرآن مجید ہے اور دوسری ... اہلبیت جو میری عترت ہیں۔

مولوی صاحب۔ ہاں یہ حضرت رسولخدا کی حدیث ہے اور چند کتابوں میں موجود ہے

حسینی بیگم۔ تم بات کو مختصر نہیں ہونے دیتے۔ یہ حدیث ثقلین کیا چند ہی کتابوں میں ہے؟

مولوی صاحب۔ تو اور کیا؟

حسینی بیگم۔ سیکڑوں کتابوں میں ہے۔ میں صرف چند کتابوں کے نام بتا دیتی ہوں دیکھ لینا (الف) حدیثوں کی کتابیں (۱) صحیح مسلم (۲) مسند احمد بن حنبل (۳) صحیح ترمذی (۴) کنز العمال (۵) مستدرک امام حاکم (۶) معجم صغیر طبرانی (۷) مشکوٰۃ شریف

(۸) جامع صغیر سیوطی (۹) مرقاۃ شرح مشکوۃ (۱۰) اشعۃ اللمعات شرح مشکوۃ (۱۱) سراج وہاج (ب) سیرۃ کی کتابیں (۱) خصائص نسائی (۲) مفتاح النجا (۳) احیاء المیت (۴) تذکرہ خواص الامہ (۵) ازالۃ الخفاء (۶) اسد الغابہ (۷) مطالب السئول (۸) خصائص کبری (۹) مواہب لدنیہ (۱۰) صواعق محرقہ (۱۱) سیرۃ حلبیہ (۱۲) مدارج النبوۃ (۱۳) وسیلۃ النجاۃ (۱۴) سعادۃ الکونین (۱۵) مشارق الانوار (۱۶) ینابیع المودۃ (ج) تفسیر کی کتابیں (۱) درمنثور (۲) تفسیر کبیر آیہ واعتصموا بحبل اللہ (۳) تفسیر ابن کثیر (۴) تفسیر حسینی (۵) سراج منیر (د) لغت کی کتابیں (۱) لسان العرب (۲) قاموس (۳) تاج العروس (۴) منتہی الارب (لغت کی کتابوں میں لفظ ثقل و عترت میں دیکھنا)۔ اب خود غور کرو کہ اگر اہلبیتؑ معصوم نہیں ہوتے تو حضرت یہ نہیں فرماتے کہ "جب تک تم انکی پیروی کرو گے اُس وقت تک گمراہ نہیں ہو سکتے"۔ جس سے معلوم ہوتا ہے کہ ان حضرات کی جس بات میں پیروی کیجائیگی انسان گمراہی سے بچا ہی رہیگا۔ پس اگر ان سے گناہ ہو سکتا تو اسکی پیروی کرنے سے انسان ضرور گمراہ ہو جاتا اور کبھی گمراہی سے بچ نہیں سکتا۔

مولوی صاحب ۔ تم اپنا مطلب ذرہ صاف بیان کرو۔

حسینی بیگم ۔ حضرت رسولخدا صلعم نے قرآن اور اہلبیتؑ دونوں کے بارے میں فرمایا ہے کہ مسلمانو جب تک تم ان دونوں کی پیروی کرو گے گمراہ نہیں ہو گے۔ اب اگر قرآن میں کوئی بات گمراہی کی ہو تو کیا اس صورت میں بھی اسکی پیروی کرنے سے انسان گمراہ نہیں ہوگا۔

مولوی صاحب ۔ نہیں اس صورت میں تو وہ بھی گمراہ ہو جائیگا۔ مگر نہ قرآن شریف میں کوئی گمراہی کی بات ہے نہ انسان اسکی کسی بات کی پیروی کرنے سے گمراہ ہوگا۔

حسینی بیگم ۔ اسی طرح اہلبیت کے بارے میں بھی بتاؤ کہ اگر ان سے کوئی گناہ ہو تو کیا اہلبیتؑ کی پیروی میں اس گناہ کے کرنے سے بھی انسان گمراہ نہیں ہوگا۔

مولوی صاحب ۔ نہیں اس صورت میں تو وہ ضرور گمراہ ہو جائیگا۔

حسینی بیگم ۔ حالانکہ آنحضرتؐ نے فرمایا ہے کہ جب تک تم لوگ انکی پیروی کرو گے گمراہ

ہو ہی نہیں سکتے۔ اس کا لازمی نتیجہ یہ ہے کہ خدا اور رسولؐ کو معلوم تھا کہ اہلبیتؑ معصوم ہیں۔
اُن سے کوئی گناہ ہو ہی نہیں سکتا ہے بلکہ وہ جو کام کرینگے حکم خدا و رسولؐ کے مطابق ہی ہوگا۔
ان سے کوئی بات حکم خدا و رسولؐ کے خلاف ہونا ممکن ہی نہیں ہے۔ اس
وجہ سے یہ پیشین گوئی کی جب تک مسلمان انکے پیرو رہیں گے گمراہ نہیں ہونگے۔

مولوی صاحب۔ ہاں تمہارا دعویٰ صحیح ہے۔ یقیناً ان حضرات کی عصمت کو ماننا پڑیگا ورنہ یا اس حدیث کو جھوٹی کہنا ہوگا یا معاذ اللہ حضرت رسولخداؐ صلعم کی بات غلط ہوگی۔ مگر حدیث بھی صحیح ہے اور حضرتؐ کا ارشاد بھی درست۔

حسینی بیگم۔ اسکے علاوہ آنحضرتؐ نے حضرت علیؑ کے بارے میں فرمایا ہے فھو سید الاوصیاء اللحوق بہ سعادۃ والموت فی طاعتہ شہادۃ واسمہ فی التوراۃ مقرون الی اسمی وزوجتہ الصدیقۃ الکبریٰ بنتی۔ وابناہ سید اشباب اھل الجنۃ ابنای وھو وھما والائمۃ من بعدھم حجج اللہ علی خلقہ بعد النبیین وھم ابواب العلم فی امتی۔ من تبعھم نجا من النار ومن اقتدی بھم ھدی الی صراط مستقیم۔ یعنی علی کل وصیوں کے سردار ہیں اُن سے ملا رہنا سعادۃ اور اونکی پیروی میں مرنا شہادۃ ہے۔ توراۃ میں میرے نام سے ملا ہوا اُن کا نام بھی لکھا ہے۔ اونکی بیوی صدیقہ کبریٰ میری بیٹی ہیں اور اُن کے دونوں بیٹے جو جوانان اہل بہشت کے سردار ہیں میرے فرزند ہیں۔ وہ اور ان کے دونوں بیٹے اور جو باقی امام انکے بعد ہونگے وہ سب انبیاء کے بعد مخلوق پر خدا کی حجتیں ہیں اور میری امت میں وہی علم کے دروازے ہیں۔ جو انکی پیروی کریگا وہ ضرور جہنم سے بچیگا اور جو انکے مذہب پر رہیگا وہی صراط مستقیم پر ہوگا (ینابیع المودۃ ص۵۲) اس سے بھی ثابت ہوا کہ یہ حضرات معصوم ہیں۔ اسی وجہ سے انکی پیروی میں انسان ضرور جہنم سے بچ جائیگا۔ اور انکے مذہب پر رہنے میں ضرور صراط مستقیم پر ہوگا۔

ایک اور حدیث میں فرمایا ہے:۔ علی اخی ووارثی ووصیی وولی کل مومن من بعدی ثم ابنی الحسن ثم الحسین ثم التسعۃ من

ولد الحسین ۔ القرآن معهم وهم مع القرآن لا یفارقونه ولا یفارقهم حتی
یردوا علی الحوض یعنی علی میرے بھائی میرے وارث میرے وصی اور میرے بعد ہر مومن کے
پیشوا ہیں۔ انکے بعد میرے بیٹے حسنؑ پھر حسینؑ ۔ پھر حسینؑ کی اولاد سے نو امام
ہونگے ۔ قرآن ہمیشہ ان کے موافق رہیگا اور یہ ہمیشہ قرآن کے مطابق ہونگے
نہ یہ لوگ کسی وقت قرآن سے الگ ہونگے اور نہ قرآن کبھی ان سے جدا ہوگا۔
یہاں تک کہ سب میرے پاس حوض کوثر پر پہونچ جائیں گے (ینابیع المودۃ صفحہ ۹۲)
اس سے بھی عصمت معلوم ہوئی کیونکہ اگر ان سے گناہ ہو سکتا تو حضرت یہ نہیں
فرماتے کہ یہ کسی وقت قرآن سے الگ نہ ہونگے۔ اس لئے کہ گناہ کے وقت تو انسان
ضرور قرآن سے الگ ہو جاتا ہے ۔ مگر ان حضرات کے کسی وقت الگ نہ ہونے کی
پیشین گوئی بتاتی ہے کہ ان سے کبھی گناہ ہوگا ہی نہیں اور یہی عصمت ہے بلکہ
حضرتؐ نے صاف صاف فرمادیا ہے فانا واهل بیتی مطهرون من الذنوب یعنی
میں اور میرے اہلبیت کل گناہوں سے پاک و پاکیزہ ہیں (ینابیع المودۃ صفحہ ۱۳) اور علامہ
سید علی ہمدانی لکھتے ہیں قال رسول اللہ الائمة من ولدی فمن اطاعهم فقد
اطاع الله ومن عصاهم فقد عصی الله هم العروة الوثقی وهم الوسیلة الی الله
تعالی یعنی حضرت رسولخدا صلعم نے فرمایا کہ میری اولاد ہی مسلمانوں کے امام ہونگے جو لوگ
انکی اطاعت کرینگے وہی خدا کی بھی اطاعت کرینگے اور جو انکی نافرمانی کرینگے وہ یقیناً
خدا کی نافرمانی بھی کرینگے ۔ وہی لوگ عروۃ وثقی (ہدایت کا مضبوط ذریعہ) اور خدا
تک پہونچنے کی راہ ہیں قال رسول الله تمسکوا بطاعة ائمتکم فان طاعتهم طاعتی
وبغضهم معصیتی یعنی حضرت رسولخدا صلعم نے فرمایا کہ اپنے ان اماموں کی اطاعت
مضبوطی سے کرنا اسلئے کہ انکی اطاعت بعینہ میری اطاعت اور انکا بغض میری نافرمانی
ہے ۔ پھر لکھتے ہیں قال رسول الله معرفة آل محمد برائة من النار وحب
آل محمد جواز علی الصراط والولایة لآل محمد امان من العذاب یعنی حضرت
رسولخدا نے فرمایا کہ آل محمدؐ کی معرفت جہنم سے بچنے کی سند۔ اور آل محمدؐ کی

محبت پل صراط سے گزر جانے کا پروانہ - اور آل محمدؐ کی ولایت عذاب سے امان ہے (مودۃ القربیٰ ص۱۹) عن عبد اللہ ابن عباسؓ قال سمعت رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم یقول انا وعلی والحسن والحسین وتسعۃ من ولد الحسین مطهرون معصومون یعنی حضرت عبد اللہ بن عباسؓ ایسے جلیل القدر صحابی روایت کرتے ہیں کہ میں نے سنا حضرت رسولخداؐ فرماتے تھے کہ میں اور علیؑ اور حسنؑ وحسینؑ اور حسینؑ کی اولاد سے نو امام پاک پاکیزہ اور معصوم ہیں (مودۃ القربیٰ مطبوعہ بمبئی ۱۴۳) اور تمہارے مذہب کے بہت بڑے پیشوا اور امام جناب مولانا وحید الزماں خانصاحب وقار نواز جنگ حیدر آبادی تحریر فرماتے ہیں" الامام منا لایکون الا معصوما امام زین العابدینؑ نے فرمایا امام ہم اہلبیت میں سے معصوم ہوگا - مجمع البحرین میں ہے معصوم وہ ہے جو حرام کاموں سے بچا رہے اور اللہ کی رسی یعنی قرآن کو تھامے رہے - کیونکہ قرآن اور امام قیامت تک جدا نہ ہونگے - جیسے دوسری حدیث میں ہے لن یتفرقا حتی یردا علی الحوض - صاحب دراسات اللبیب جو علمائے اہل حدیث سے ہیں ائمہ اہلبیت علیہم السلام کا معصوم ہونا ثابت کرتے ہیں - اور جمہور اہل سنت کا یہ قول ہے کہ پیغمبروں کے سوا کوئی معصوم نہیں - مترجم کہتا ہے صحیح یہ ہے کہ معصوم کے کئی معنی ہیں - ایک یہ کہ جس سے دین کے مسائل میں خطا نہ ہوتی ہو - اگر خطا ہو جائے تو فی الفور اللہ تعالیٰ اوس کو مطلع کر دے - اس معنی کر عصمت انبیاء کا خاصہ ہے - کیونکہ غیر نبی پر وحی نہیں اترتی - دوسرے یہ کہ حرام اور فحش کاموں سے بچا رہے - اس معنی کر ائمہ اثنا عشر علیہم السلام بے شک معصوم تھے - اب رہے عام صحابہ تو وہ معصوم نہ تھے - ان میں بعضوں سے کبیرہ گناہ جیسے زنا، خون ناحق، شرب خمر وغیرہ صادر ہوئے ہیں - اور اہلسنت جو کہتے ہیں الصحابہ کلہم عدول اس کے یہ معنی نہیں ہیں کہ سب صحابہ معصوم تھے بلکہ اس کا مطلب یہ ہے کہ حدیث کی روایت کرنے میں وہ سچے تھے - اگر صحابہ سب معصوم ہوں تو پھر اہلبیت علیہم السلام کو تو ضرور معصوم ہونا چاہیئے - حالانکہ اہل سنت اسکے قائل نہیں ہیں - تاریخ ابن جریر کو ملاحظہ کرو تو

معلوم ہوگا کہ مغیرہ اور معویہ اور عمرو بن عاص نے کیا کیا گل کئے ہیں جو وہ بیہ اونکو ہرگز معصوم نہیں کہہ سکتے" (انوار اللغۃ پارہ ۱۸ صفحہ ۱۲۹)۔ اور ایک اور مقام پر تحریر فرماتے ہیں اللھم ھولاء اھل بیتی فاذھب عنھم الرجس وطھرھم تطھیرا یا اللہ یہ لوگ میرا اہل بیت ہیں یعنی حضرت علیؑ اور فاطمۂ اور حسنین علیہم السلام تو ان سے پلیدی دور کردے۔ انکو پاک کردے۔ اس حدیث سے امامیہ نے اہلبیت کی عصمت عن الخطا پر دلیل لی ہے ... علمائے اہلسنت میں سے صاحب دراسات اللبیب نے ائمہ اثنا عشر کی معصومیت کو تسلیم کیا ہے" (انوار اللغۃ پارہ ۲ صفحہ ۸)۔

ساتواں باب

امام حسنؑ و امام حسینؑ کا سردار جوانان اہل بہشت ہونا

دسویں ماہ رمضان المبارک کو مولوی عبدالغفار صاحب عصر کی نماز ایک مسجد میں پڑھاکر باہر نکلے تو ایک شخص نے انھیں ایک چھپا ہوا اشتہار دیا جسمیں یہ بھی لکھا تھا کہ "۱۴ ماہ رمضان المبارک بعد نماز مغرب بمحلہ دریا آباد میں سردار جوانان اہل بہشت حضرت امام حسن علیہ السلام کے فضائل و مناقب کی مجلس منعقد ہوگی۔ کل مسلمانوں سے التماس ہے کہ شریک بزم ہوں اور بعد کو ماحضر تناول فرماکر شکر گزار کریں"۔ اشتہار دیکر اس شخص نے کہا امید ہے کہ آپ بھی ضرور تشریف لائیں گے اور اپنی شرکت سے شکر گزار کرینگے"۔ مولوی صاحب نے کہا "اچھا دیکھا جائیگا" اور اسکے بعد اپنے مکان پر واپس آئے جب شب کو افطار اور کھانے وغیرہ سے فارغ ہوکر آرام کیلئے اپنے کمرے میں گئے اور حسینی بیگم بھی پہونچیں تو حسب ذیل باتیں ہونے لگیں۔

مولوی صاحب ۔ رافضی سب بھی عجیب عجیب حرکتیں کرتے رہتے ہیں۔ ان لوگوں کا نہ ایمان ہی کچھ معلوم ہوتا ہے نہ عقل ہی کا کچھ پتہ چلتا ہے۔ لاحول ولاقوۃ کیسے مہمل لوگ ہیں اور کیسی کیسی باتیں ایجاد کرتے رہتے ہیں۔

حسینی بیگم - کیا ہوا۔ ہندوستان میں تو بہت سے مذہب کے لوگ ہیں۔ مسلمانوں میں حنفی وہابی۔ قادیانی۔ چکڑالوی۔ مالکی شافعی سب ہی ہیں۔ اسی طرح سنی اور شیعہ بھی ہیں جنکو ہم لوگ رافضی کے نام سے پکارتے ہیں۔ مگر آج انکی کون بات تم کو بُری معلوم ہوئی ہے؟

مولوی صاحب - آج میں نماز عصر پڑھکر مسجد سے باہر نکلا تو دریا آباد کے ایک رافضی نے یہ اشتہار دیا۔ تم خود پڑھ لو کیسے کفر کی باتیں لکھی ہیں اور صرف کفر ہی نہیں بلکہ خلاف عقل بھی۔

حسینی بیگم نے اشتہار لیا اور شروع سے آخر تک پڑھ گئیں مگر انکی سمجھ میں نہیں آیا کہ مولوی صاحب انکی کس بات پر تیز ہو رہے ہیں۔ پھر اس کو پڑھ گئیں۔ اب بھی کوئی بات نہیں ملی تو کہا میں دن بھر روزہ رہی اور شام کو تمہارے افطار وغیرہ کے سامان میں پریشان ہونے سے معلوم ہوتا ہے کہ میرا دماغ کام نہیں کر رہا ہے۔ میں نے اشتہار تو پڑھا مگر اسکی بات جو تم کو بُری معلوم ہوئی اُس کا پتہ مجھے نہیں لگتا۔ تم خود ہی بتاؤ کہ کیا ہے۔

مولوی صاحب کیا خوب؟ کیا تم کو نظر نہیں آتا کہ اس کمبخت رافضی نے یہ کیسے کفر کا کلمہ لکھا ہے "سردار جوانان اہل بہشت کے فضائل و مناقب" حضرت حسن رضی اللہ عنہ جوانان اہل بہشت کے سردار کیسے ہوجائیں گے؟

حسینی بیگم - کیا صرف اسی بات پر تم کو اتنا غصہ آیا۔

مولوی صاحب - کیا یہ بات کم ہے کہ کل جوانان اہل بہشت کا سرداران کو کہہ دیا گیا؟ اس کو تم معمولی کفر سمجھتی ہو؟

حسینی بیگم - معمولی کفر؟ میں تو اس کو کفر ہی نہیں سمجھتی۔ معاذ اللہ جو بات حضرت رسولخدا ارشاد فرمائیں اسکو کوئی شخص غلط کہہ دے تو وہی کافر ہوجائیگا چہ جائیکہ حضرتؐ کے بتائے ہوئے کلام کو کفر کہہ دیا جائے۔ تم لوگ ہر بات کو جو ذرہ بھی تم لوگوں کی خواہش کے خلاف ہو کفر کہہ دیتے ہو۔ تم تو خدا کے فضل سے علم سے آراستہ

ہو۔ جلدی کسی بات کو کفر نہ کہ دیا کرو۔

مولوی صاحب ۔ تو کیا حضرت رسولخداؐ نے اسکو کبھی فرمایا ہے؟ کیا ہمارے ہاں کی کسی کتاب میں بھی یہ ہے؟ یا صرف رافضیوں کے چانڈو خانوں کی گپیں ہیں؟

حسینی بیگم ۔ نہیں نہیں رافضیوں کی گپیں کیوں ہونے لگیں۔ یہ حدیث ہمارے ہاں بہت مشہور ہے اور بڑے بڑے مورخین و محدثین نے اسکو لکھا ہے۔ دیکھو علامہ سیوطی لکھتے ہیں قال رسول اللہ الحسنؑ والحسینؑ سید اشباب اہل الجنۃ یعنی حضرت رسولخداؐ نے فرمایا ہے کہ حسنؑ اور حسینؑ کل اہل بہشت کے جوانوں کے سردار ہیں (تاریخ الخلفاء ص ۱۲۵)

مولوی صاحب ۔ ہاں مگر کسی بڑے محدث نے نہیں لکھا ہوگا۔

حسینی بیگم ۔ کیا خوب! تمہاری باتیں بھی نرالی ہوتی ہیں۔ علامہ سیوطی کتنے بڑے محدث تھے جنکی کتاب جمع الجوامع احادیث کا عظیم الشان ذخیرہ ہے پھر تفسیر درمنثور انکی بے مثل و نظیر تفسیر قرآن ہے۔ خیر ان سے بڑے محدث کا بیان سنو یعنی علامہ ابن حجر عسقلانی جنہوں نے صحیح بخاری شریف کی شرح فتح الباری لکھی ہے اور جنکے بارے میں شمس العلما مولوی شبلی صاحب نعمانی نے لکھا ہے "حافظ ابن حجر کو جنکے کمال فن حدیث پر زمانہ کا اتفاق ہے" (سیرۃ النبی جلد ا ص ۱۷۶) وہ لکھتے ہیں "ومن حدیث حذیفہ رفعہ الحسنؑ والحسینؑ سید اشباب اہل الجنۃ ولہ طرق ایضا یعنی حذیفہ کی روایت ہے کہ حضرت رسولخداؐ نے فرمایا کہ حسنؑ اور حسینؑ کل جوانان اہل بہشت کے سردار ہیں (اصابہ مطبوعہ مصر جلد ۲ ص ۱۲) اور مشکوٰۃ شریف ہمارے مذہب کی کیسی مشہور اور معتبر کتاب ہے کہ گھر گھر پھیلی رہتی ہے اسمیں بھی لکھا ہے عن ابی سعید قال قال رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم الحسنؑ والحسینؑ سید اشباب اہل الجنۃ یعنی حضرت رسولخداؐ نے فرمایا ہے کہ حسنؑ و حسینؑ دونوں سردار ہیں بہشت کے جوانوں کے (مشکوٰۃ شریف مطبوعہ

ہور جلد ۸ صفحہ ۲۳۵) اور ترمذی شریف جو صحاح ستہ کی کتاب ہے یعنی بخاری شریف و مسلم شریف کے برابر جس کا درجہ سمجھا جاتا ہے۔ اسمیں بھی لکھا ہے کہ حضرت رسولخدا صلعم نے جناب حذیفہ صحابی سے فرمایا ہذا ملک لم ینزل الارض قط قبل ہذہ اللیلۃ استاذن ربہ ان یسلم علی و یبشرنی بان فاطمۃ سیدۃ نساء اہل الجنۃ و ان الحسن والحسین سید اشباب اہل الجنہ یعنی اے حذیفہ یہ فرشتہ وہ ہے جو آج رات سے پہلے زمین پر کبھی نہیں آیا تھا۔ اس نے خدا سے اجازت حاصل کی کہ یہاں آکر مجھ پر سلام کرے اور مجھے اس بات کی خوش خبری سنائے کہ بہشت کی کل عورتوں کی سردار فاطمہؑ۔ اور بہشت کے کل جوانوں کے سردار حسنؑ و حسینؑ ہیں۔ (دیا معہ ترمذی مطبوعہ لکھنؤ صفحہ ۵۴۶) اسی طرح یہ حدیث کنز العمال جلد ۷ صفحہ ۱۰۷ و ۱۰۸ و صواعق محرقہ صفحہ ۱۱۴ و اسد الغابہ و استیعاب جلد ۱ صفحہ ۱۴۵ وغیرہ سیکڑوں کتب احادیث و سیر و تاریخ میں موجود ہے۔ اور بعض روایتوں میں ہے کہ اس کے بعد حضرتؐ نے یہ بھی فرمایا کہ وابوہما خیر منہما یعنی ان دونوں کے باپ حضرت علیؑ ان دونوں سے بھی بہتر و افضل ہیں (صواعق محرقہ صفحہ ۱۱۴ وغیرہ)

مولوی صاحب۔ واقعاً مجھ سے غلطی ہوئی کہ اس اشتہار میں اس حدیث کو دیکھکر میں اس قدر حد سے گزر گیا۔

آٹھواں باب

حضرت امام حسنؑ و امام حسینؑ کا فرزندان رسولؐ ہونا

حسینی بیگم۔ اور میں تو کہتی ہوں کہ اگر حضرت صلعم یہ حدیث اپنی زبان مبارک سے بھی ارشاد فرمائے ہوتے جب بھی حضرت رسولخدا صلعم کے فرزندوں سے زیادہ کس کو اس بات کا حق ہو سکتا ہے کہ بہشت کے جوانوں کا سردار بنے۔

مولوی صاحب۔ مگر حضرت حسنؑ و حسینؑ تو آنحضرتؐ کے نواسے تھے حضرت کے فرزند نہیں ہو سکتے۔ نواسے اور فرزند میں فرق ہوتا ہے۔

حسینی بیگم - یہ تو بہت بڑی بحث تم نے چھیڑ دی - امام حسن و حسین علیہما السلام آنحضرت صلعم کے نواسے تھے اس سے کون انکار کر سکتا ہے - مگر یہی دونوں آنحضرت صلعم کے فرزند بھی تھے جو قرآن شریف سے بھی ثابت ہے اور حدیث سے بھی -

مولوی صاحب - اچھا ذرہ قرآن مجید کی وہ آیت پڑھو جس سے تم اس خلاف عقل بات کو ثابت کر سکتی ہو -

حسینی بیگم - میں خود کیوں کوئی آیت پڑھوں - ایک مشہور تاریخی اور بہت ہی دلچسپ واقعہ بیان کر دوں اسی سے تم کو سب معلوم ہو جائیگا - مگر یہ واقعہ تو تم نے خود بھی تفسیر کی کتابوں میں ضرور پڑھا ہوگا -

مولوی صاحب - خیر تم سناؤ اگر میں نے دیکھا ہوگا تو تمہاری زبان سے سنکر قند مکرر کا مزہ ملے گا -

حسینی بیگم - تم جانتے ہو کہ حجاج خلفاے بنی امیہ کا کیسا زبردست اور ظالم گورنر تھا جس نے سنہ ۷۲ھ سے سنہ ۹۵ھ تک دنیاے اسلام میں ظلم اور خونریزی کا طوفان قائم کر رکھا تھا اس کا واقعہ علامہ فخر الدین رازی لکھتے ہیں عن الشعبی کنت عند الحجاج فاتی بیحیی بن یعمر فقیہ خراسان من بلخ مکبلا بالحدید فقال له الحجاج انت زعمت ان الحسنؑ والحسینؑ من ذریة رسول الله صلی الله علیه وسلم فقال بلی فقال الحجاج لتاتینی بها واضحة بینة من کتاب الله او لاقطعنك عضوا عضوا فقال آتیك بها واضحة بینة من کتاب الله یا حجاج قال فتعجبت من جرأته بقوله یا حجاج - فقال له ولا تاتنی بهذه الاية ندع ابناءنا وابناءكم فقال آتیك بها واضحة من کتاب الله وهو قوله ونوحا هدینا من قبل ومن ذریته داؤد وسلیمان الی قوله وزکریا ویحیی وعیسی فمن کان ابو عیسی وقد الحق بذریة نوح قال فاطرق ملیا ثم رفع راسه فقال کانی لم اقرء هذه الاية من کتاب الله خلوا وثاقه واعطوه من المال کذا - یعنی شعبی کا بیان ہے کہ میں ایک دفعہ حجاج کے دربار میں موجود تھا تو میرے سامنے

ہی لوگ خراسان کے مشہور فقیہ یحییٰ بن نعیم کو بلخ سے بیڑیاں پہنائے ہوئے لائے تو اس سے اور یحییٰ سے اس طرح باتیں ہونے لگیں۔

حجاج۔ کیوں یحییٰ تمہارا دعویٰ یہ ہے کہ حسنؑ اور حسینؑ حضرت رسولخدا صلے اللہ علیہ وسلم کی اولاد سے ہیں؟

یحییٰ ابن نعیم۔ ہاں میرا یہ دعویٰ ہے۔

حجاج۔ اچھا تم اپنے اس دعویٰ کی کوئی واضح دلیل قرآن مجید سے پیش کرو ورنہ میں ابھی تمہاری بوٹی بوٹی کاٹ ڈالتا ہوں۔

یحییٰ۔ اے حجاج! میں ابھی تمہارے سامنے ہی قرآن مجید ہی سے اس دعوی کی واضح دلیل پیش کرتا ہوں۔

(شعبی کا بیان ہے کہ میں نے جو یحییٰ کو اس طرح یا حجاج (اے حجاج) کہتے ہوئے سنا (کہ نہ حضور کہا نہ سرکار نہ اے امیر نہ اے مالک۔ بلکہ صرف نام لیکر خطاب کیا) تو مجھے انکی اس دلیری سے بڑا تعجب ہوا)

حجاج۔ ہاں! ہاں!! جلد وہ آیۃ پڑھو ذرہ میں بھی تو سنوں۔ مگر خبردار آیۃ مباہلہ ندع ابناءنا وابناءکم کو نہ پڑھنا۔

یحییٰ۔ نہیں! نہیں!! میں اس آیۃ کو نہیں پڑھونگا بلکہ اسکے علاوہ دوسری صاف اور بالکل بے جھول آیۃ پڑھتا ہوں سنو خدا ارشاد فرماتا ہے:۔ ونوحاً ھدینا من قبل ومن ذریتہ داؤد وسلیمان وایوب ویوسف وموسیٰ وھارون وکذلک نجزی المحسنین وزکریا ویحییٰ وعیسیٰ یعنی ان سے پہلے نوح کو بھی ہم نے راہ راست دکھائی اور اُن ہی کی نسل میں سے داؤد اور سلیمان اور ایوب اور یوسف اور موسیٰ اور ہارون سب کو ہم نے راہ راست دکھائی اور خلوص دل سے نیک کام کرنے والوں کو ہم ایسے ہی صلے عطا فرمایا کرتے ہیں اور علے ہذا القیاس زکریا اور یحییٰ اور عیسیٰ کو (پارہ ۷ سورہ انعام رکوع ۱۶) اے حجاج ذرہ بتاؤ تو کہ حضرت عیسیٰ کے باپ کہاں تھے جسکی وجہ سے خدا نے حضرت عیسیٰ کو بھی حضرت نوحؑ کی اولاد میں داخل کیا (یعنی

اگر نواسا اپنے نانا کی اولاد نہیں کہا جا سکتا تو حضرت عیسٰیؑ کو خدا نے حضرت نوحؑ کی
اولاد میں کیسے کر دیا۔ اگر کہو کہ حضرت عیسٰیؑ کے دادا کا سلسلہ حضرت نوحؑ تک
پہونچتا ہے تو حضرت عیسٰیؑ کے باپ کہاں تھے جن کے والد حضرت کے دادا کہے جاتے؟
وہ تو خدا کے کلمہ سے پیدا ہوئے۔ غرض اونکا جو رشتہ تھا وہ صرف آپکی ماں حضرت
مریم کا یعنی ننہالی۔ اور اسی ننہالی رشتہ سے حضرت نوحؑ حضرت عیسٰیؑ کے نانا ہوئے
جنکی اولاد میں آپ کو بھی خدا نے اسی طرح ذکر کیا جس طرح حضرت نوحؑ کے پوتوں
کو ذکر کیا ہے) شعبی نے بیان کیا کہ یحییٰ کے اس استدلال کو سنکر حجاج نے سر
جھکا لیا۔ اور دیر تک سوچتا رہا۔ پھر اپنا سر اوٹھا کر کہا "معلوم ہوتا ہے کہ میں نے
اس آیۃ کو آج تک پڑھا ہی نہیں تھا" (پھر اپنے درباریوں سے خطاب کر کے کہا) "اب
یحییٰ کی بیڑیاں آتار دو اور انکو اس قدر مال دیدو"۔ (تفسیر کبیر جلد ۱ صفحہ ۴۰۹) تفسیر
درمنثور میں بھی یہ روایۃ اسطرح موجود ہے کہ حجاج نے کہا "میں نے قرآن مجید کو شروع
سے آخر تک پڑھ لیا ہے مگر کہیں مجھے یہ مضمون نہیں ملا جس سے معلوم ہوتا کہ امام حسینؑ
حضرت رسولخداؐ کی اولاد میں ہو سکتے ہیں"۔ تب یحییٰ نے پوچھا "کیا تم نے سورہ انعام میں
یہ آیۃ نہیں پڑھی ہے"؟ حجاج نے کہا "ہاں پڑھی تو ہے"۔ یحییٰ نے کہا "کیا اس میں حضرت
عیسٰیؑ کو خدا نے حضرت ابراہیمؑ کی اولاد میں نہیں ذکر کیا ہے؟ حالانکہ حضرت عیسٰیؑ کے
باپ نہیں تھے۔ صرف ماں ہی تھیں۔ انھیں کے رشتہ سے وہ اپنے نانا حضرت
ابراہیمؑ کی اولاد میں داخل ہوئے"۔ حجاج نے کہا "ہاں تم نے سچ کہا"۔ اور دوسری
روایت میں ہے کہ جب یحییٰ نے حضرت امام حسینؑ کا ذکر کیا تو حجاج نے کہا "نہیں وہ حضرت
رسولخدا صلعم کی اولاد میں نہیں ہو سکتے"۔ اس پر یحییٰ نے حجاج سے کہا "تم جھوٹ
کہتے ہو"۔ حجاج نے کہا "اچھا تم دلیل پیش کرو"۔ اس پر انھوں نے یہی آیت پڑھی
اور کہا "اے حجاج دیکھو کہ خدا اس میں حضرت عیسٰیؑ کو حضرت ابراہیمؑ کی اولاد میں ذکر
کرتا ہے۔ تو حضرت ابراہیمؑ حضرت عیسٰیؑ کے نانا ہی تو تھے"۔ حجاج کو ماننا پڑا کہ "تم
سچ کہتے ہو"۔ (درمنثور جلد [illegible] صفحہ [illegible]) اس روایت کو تمہارے مولانا نواب صدیق حسن

خاں صاحب نے بھی لکھا ہے جسکے بعد تحریر فرمایا ہے وقد رویت ھذہ القضیۃ بالفاظ وطرق وفیہ دلیل علی ان النسب یثبت من قبل الام ایضا لانہ جعلہ من ذریۃ نوح وھو لا یتصل بہ الا بالام یعنی حجاج اور یحیٰ بن یعمر کا یہ واقعہ مختلف عبارتوں سے اور بہت طریقوں سے بیان کیا گیا ہے اور اسمیں اس بات کی دلیل ہے کہ نسب ماں کیطرف سے بھی ثابت ہوتا ہے اسلئے کہ خدا نے حضرت عیسےؑ کو حضرت نوحؑ کی ذریت میں ذکر کیا ہے اور اُن کا کوئی باپ تھا ہی نہیں پھر ان کی ماں ہی کی وجہ سے تو خدا نے انکو حضرت نوح کی ذریت میں ذکر کیا (تفسیر فتح البیان مطبوعہ مصر جلد ۳ صفحہ ۱۸۷) اور علامہ ابن کثیر دمشقی لکھتے ہیں وفی ذکر عیسیٰ فی ذریۃ ابراھیم او نوح علی القول الاخر دلالۃ علی دخول ولد البنات فی ذریۃ الرجل لان عیسیٰ انما ینسب الی ابراھیم لامہ مریم علیھا السلام فانہ لااب لہ یعنی خدا نے حضرت ابراہیمؑ یا حضرت نوحؑ کی اولاد میں حضرت عیسیٰؑ کو ذکر کیا ہے تو اس سے ثابت ہوا کہ بیٹی کی اولاد (نواسے نواسیاں) بھی انسان (نانا) کی اولاد میں داخل ہوتی ہیں۔ اس لئے کہ حضرت عیسےؑ کو حضرت ابراہیمؑ کی اولاد میں انکی ماں جناب مریم ہی کی وجہ سے تو بیان کیا ہے۔ کیونکہ حضرت عیسےٰ کے باپ تو تھے ہی نہیں۔ پھر چند سطروں کے بعد لکھتے ہیں ویدخل بنو البنات فیھم لما ثبت فی صحیح البخاری ان رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم قال للحسن بن علی ان ابنی ھذا سید یعنی نواسے بھی اپنے نانا کی اولاد میں اس دلیل سے داخل ہیں کہ حضرت رسولخدا صلعم نے اپنے نواسے امام حسنؑ کے بارے میں فرمایا تھا کہ یہ میرا بیٹا سردار ہے (تفسیر ابن کثیر مطبوعہ مصر صفحہ ۹۳) مورخ جلیل علامہ ابن خلکان نے اس واقعہ کو زیادہ تفصیل سے لکھا ہے کہ یحیٰ بن یعمر خراسان میں رہتے تھے اور وہاں لوگوں سے بیان کیا کرتے کہ امام حسنؑ و حسینؑ حضرت رسولخدا صلعم کی اولاد ہیں۔ اس واقعہ کی اتنی شہرت ہوئی کہ عراق میں حجاج کو معلوم ہوا تو اُس نے خراسان کے گورنر قتیبہ بن مسلم کو لکھا کہ میرے پاس یحیٰ ابن یعمر کو گرفتار کرکے بھیج دو۔ جب وہ آ گئے ہیں

توحجاج نے اُن سے کہا "اگر تم اپنے دعوی کی مضبوط دلیل نہیں دوگے تو میں تمہارا سر اڑادونگا" اس پر یحییٰ نے وہی آیت پڑھی۔ پھر کہا "اے حجاج دیکھو حضرت عیسیٰؑ حضرت ابراہیمؑ کی کتنی پشتوں کے بعد پیدا ہوئے انکو تو خدا اُنکی اولاد کہتا ہے پھر امام حسنؑ و امام حسینؑ تو حضرت رسولخداؐ کے سامنے پیدا ہوئے (اور حضرتؐ کی گود میں پلے) وہ کیوں نہ حضرتؐ کی اولاد ہونگے؟ اس پر حجاج نے کہا "بے شک تم نے ایسی دلیل پیش کی جس سے تمہاری جان بخش دیگی۔ خدا کی قسم میں نے اس آیت کو پڑھا مگر کبھی اس کا یہ مطلب نہیں سمجھا" اسکے بعد علامہ ابن خلکان اپنا قول لکھتے ہیں

هذا من الاستنباطات البديعة الغريبة العجيبة فلله دره ما احسن ما استخرج وادق ما استنبط یعنی یحییٰ کا یہ استدلال عجیب و غریب اور نہایت خوبصورت اور قابل قدر استدلال اور پھڑکا دینے والا احتجاج ہے۔ اللہ انکو جزائے خیر دے کیسی اچھی بات پیدا کی اور کیسا دقیق نکتہ نکالا ہے (تاریخ ابن خلکان مطبوعہ مصر جلد ۲ صفحہ ۲۲۷ و مرآۃ الجنان جلد ا صفحہ ۲ مطبوعہ حیدرآباد)

مولوی صاحب۔ البتہ یحییٰ اور حجاج کا یہ مناظرہ بڑا ہی زبردست اور نہایت دلچسپ ہے

حسینی بیگم۔ حجاج کا مناظرہ ہی کیا ہوا اسکے ہاتھ میں تو تلوار تھی اسی سے اس نے مناظرہ کیا کہ کہا اگر دلیل نہیں لاؤگے تو سر اڑادونگا۔ البتہ یحییٰ کے دماغ کی تعریف بے ساختہ زبان سے نکل جاتی ہے کہ کس بلا کا ذہن پایا تھا اور خدا نے حاضر جوابی کا مادہ کس قدر پیدا کردیا تھا اور لطف یہ کہ تلوار سامنے رکھی ہوئی تھی۔ ایسی حالت میں موٹی اور واضح بات بھی انسان بھول جاتا اور سامنے کی چیزیں بھی اس کو نظر نہیں آتی ہیں چہ جائیکہ ایسا دقیق نکتہ پیدا کرنا۔ یقیناً خدا کی خاص تائید ان کے ساتھ تھی۔ اس واقعہ سے یہ بھی ظاہر ہوتا ہے کہ حجاج کو حضرات اہلبیتؑ سے کیسی سخت عداوت تھی کہ یحییٰ کا صرف یہ جرم سنکر کہ وہ امام حسنؑ و حسینؑ کو فرزندان رسولؐ کہتے ہیں۔ اس نے اس قدر اہتمام کیا کہ خراسان کے گورنر کو لکھا۔ اور وہیں یحییٰ کو گرفتار کرایا۔ انکے پاؤں میں بیڑیاں ڈلوائیں اور کئی آدمیوں کی حراست میں انکو خراسان

سے کوفہ تک نہ معلوم کتنی صعوبات برداشت کرکے صرف اس غرض سے بلایا کہ انکو قتل کردے مگر انھوں نے ایسی دلیل پیش کردی کہ حجاج کا وہ سب اہتمام غائب ہوگیا۔ اور مجبوراً انکو رہا کردینا پڑا۔

مولوی صاحب۔ کیا خوب وہ یحییٰ بن یعمر کا نکتہ تھا۔ یہ تمہارا نکتہ ہوا۔ واقعاً اس بات سے حجاج نے اپنے تعصب اور عداوت کو حد سے زیادہ مشہور کردیا۔

حسینی بیگم۔ اور بعض کتابوں سے معلوم ہوتا ہے کہ خود شعبی سے بھی حجاج نے اس مضمون پر ایک دفعہ مناظرہ کیا تھا۔ چنانچہ علامہ کمال الدین محمد بن طلحہ شافعی لکھتے ہیں۔ جس کا صرف ترجمہ میں بیان کرتی ہوں کہ شعبی (جو ایک بڑے عالم اور مذہبی پیشوا تھے) دل سے حضرات اہلبیت کی طرف مائل تھے اور جب انکا ذکر کرتے تو کہتے کہ وہ اولاد رسولؐ ہیں۔ اس بات کی خبر لوگوں نے حجاج تک پہونچادی تو وہ نہایت غضبناک ہوا اور ایک روز انکو دربار میں بلا بھیجا۔ جس وقت شعبی دربار میں پہونچے تو کوفہ اور بصرہ کے علماء۔ حافظان قرآن اور اعیان سلطنت بھرے ہوئے تھے۔ شعبی نے وہاں حاضر ہوکر حجاج کو سلام کیا مگر حجاج اس درجہ انکے خلاف ہورہا تھا کہ انکی طرف توجہ کی نہ باقاعدہ سلام کا جواب دیا۔ جب شعبی بیٹھ چکے تو حجاج نے اس طرح کلام کیا۔

حجاج۔ شعبی! یہ کیسی خبریں مجھ تک پہونچتی ہیں کہ تم جہالت کی باتیں کیا کرتے ہو۔

شعبی۔ اے امیر آپ کس بات کو فرماتے ہیں؟ میں نے کون سا امر جہالت کا کیا؟

حجاج۔ کیا تم کو معلوم نہیں ہے کہ آدمی کی اولاد صرف وہ لوگ ہوتے ہیں جو اسکے نسب میں داخل ہوں۔ اور نسب صرف باپ ہی سے قائم ہوتا ہے۔ پھر تم کو کیا ہوگیا ہے کہ علیؑ کے لڑکوں (حسنؑ و حسینؑ) کو رسول خداؐ کے فرزند اور حضرتؐ کی اولاد کہتے ہو؟ کیا تمکو خبر نہیں ہے کہ انکو جو کچھ رشتہ حضرت رسول خدا صلعم کے ساتھ صرف انکی ماں فاطمہؑ کے ذریعہ سے ہے۔ اور معلوم ہے کہ نسب کا تعلق بیٹیوں سے نہیں بلکہ صرف بیٹوں سے ہوتا ہے۔

حجاج اسی طرح غصہ میں خوب چیخ چیخ کو بولتا چلا جاتا تھا اور شعبی سر جھکائے خاموش بیٹھے تھے۔ جب وہ اچھی طرح اپنا غیظ و غضب ظاہر کرچکا اور جو کچھ دل میں آیا بولتا رہا۔ مگر شعبی

نے کچھ جواب نہیں دیا تو انکے سکوت سے اُس نے اور نفع اُٹھایا اور اب بیچارے کو ڈانٹنا اور جھڑکنا شروع کیا۔ تب شعبی بولے۔

شعبی۔ اے امیر میں دیکھتا ہوں کہ آپ اس شخص کیطرح گفتگو کر رہے ہیں جو قرآن مجید اور احادیث حضرت رسالت مآبؐ سے بالکل جاہل ہو اوران دونوں کو پس پشت ڈال کر باتیں کرے۔

یہ سُننا تھا کہ حجاج غصہ سے سرخ ہو گیا اور آگ ہو کر بولا۔

حجاج۔ ارے کمبخت! کیا میرے ایسے حاکم سے تو اس طرح باتیں کرتا ہے؟

شعبی۔ ہاں! یہ کوفہ اور بصرہ کے حافظانِ قرآن اور مفسرین وعلماء یہاں موجود ہیں اور سب جانتے ہیں کہ میں جو کہتا ہوں یہی حق اور صحیح ہے۔ آپ ہی بتائیے کہ خدا نے جب دنیا بھر کے آدمیوں سے کوئی بات قرآن مجید میں کہی ہے تو کیا ان سب کو بنی آدم (اے آدم کی اولاد) نہیں کہا ہے؟ اسی طرح حضرت اسرائیل وابراہیمؑ کی اولاد کو یا بنی اسرائیل (اے اسرائیل کی اولاد) یا ذریت ابراہیم نہیں کہا ہے جن میں حضرت عیسےٰؑ بھی تھے۔ غرض جب خدا نے بنی آدم۔ بنی اسرائیل ذریتہ ابراہیم ذکر کر کے ان میں حضرت عیسیٰ کو بھی کہا تو ثابت ہوا کہ کسی شخص کی بیٹی کی اولاد بھی اسکی اولاد ہوتی ہے۔ اس لئے کہ حضرت عیسےٰؑ کے تو کوئی باپ تھا ہی نہیں صرف وہ اپنی ماں حضرت مریم کی وجہ سے اولاد آدم۔ اولاد اسرائیل اور ذریت حضرت ابراہیم میں داخل ہوئے۔ رہی حدیث تو یہ روایت صحیح طریقوں سے ثابت ہے کہ حضرت رسولخدا صلعم بار بار حضرت امام حسنؑ کے بارے میں فرمایا کرتے تھے ان ابنی ھذا اسید یعنی یقیناً میرا یہ بیٹا سردار ہے۔ جب حجاج نے شعبی کی تقریر سُنی تو شرمندہ ہو کر دیر تک سر جھکائے رہا پھر اپنی غلطی مان کر شعبی کے ساتھ مہربانی کی باتیں کرنے لگا اور حاضرین سے اسکو سخت شرمندگی ہوئی (مطالب السئول ص۱۳۱)

مولوی صاحب۔ حجاج کی پیش بندی بھی خوب تھی کہ خراسان سے یحییٰ بن یعمر کو بلایا تو شروع ہی میں ان سے یہ بھی کہ دیا کہ دیکھو حسنؑ وحسینؑ کے فرزندان رسولؐ

ہونے پر آیۂ مباہلہ سے دلیل نہ لانا۔

حسینی بیگم۔ یہ بھی اُس نے انتہا درجہ کی چالاکی کی اسلئے کہ وہ جانتا تھا کہ اصل یہ ہے یقیناً امام حسنؑ و حسینؑ فرزندان رسولؐ ہیں۔ اگر یحییٰ اس سے استدلال کرینگے تو میں شرمندہ ہو جاؤں گا۔

مولوی صاحب۔ نہیں اسکو اس قدر ڈرنا نہیں تھا۔ کیونکہ وہ کہہ سکتا تھا کہ اس آیۃ میں صرف ابناءنا و ابناءکم ہے۔ جس سے حسنؑ و حسینؑ کا مقصود ہونا ضروری نہیں ہے۔

حسینی بیگم۔ پھر تفسیروں کو کیا کرتا۔ کیا اُن سے اسکی جہالت علم طور پر نہیں واضح ہو جاتی

مولوی صاحب۔ اُن سے انکار کردینا آسان تھا

حسینی بیگم۔ سبحان اللہ انکار کو آسان کہہ دینا تمہارا ہی کام ہے۔ حجاج تو ان تفسیری روایتوں کو ایسے پہاڑ جانتا تھا کہ یحییٰ سے گفتگو کرنے کے پہلے اُن سے کہدیا کہ اس آیۃ کا ذکر نہ کرنا اور تم انکار کو آسان بتاتے ہو! اگر ان روایتوں سے انکار کردیا جائے تو اسلام کی ہر بات سے انکار کردینا آسان ہو جائیگا۔ کیونکہ جن کتابوں میں اسلام کی اور ضروری باتیں لکھی ہیں انھیں میں اس آیۃ کی تفسیر بھی موجود ہے۔ پھر جب ان تفسیری روایتوں سے انکار آسان ہو جائیگا تو دوسری روایتیں کیونکر بچ جائینگی

مولوی صاحب۔ تم بہت مبالغہ کرتی ہو یہ مناسب نہیں ہے۔

حسینی بیگم۔ مگر میرا تو خیال ہے کہ امر حق میں مبالغہ ہی بہتر ہے۔ خدا کی توحید حضرت رسولخدا صلعم کی رسالت نماز روزہ کے وجوب میں مبالغہ کرنا بہتر ہے یا نہیں۔

مولوی صاحب۔ تو کیا وہ تفسیری روایتیں بھی اس کثرت سے ہیں جنکا انکار مشکل ہے

حسینی بیگم۔ بے شک ایک دو کتابوں میں ہو تو خیر۔ یہ روایتیں تو ہزاروں کتب تفسیر و حدیث و تاریخ میں بھری ہوئی ہیں۔ میں چند حوالے ذکر کرتی ہوں۔ علامہ جلال الدین اس آیۃ کی تفسیر میں لکھتے ہیں خرج و معہ الحسنؑ والحسینؑ و فاطمہؑ و علیؑ و قال لھم اذا دعوت فامنوا یعنی حضرت رسولخدا صلعم مباہلہ کو گئے تو اپنے ساتھ حسنؑ و

حسینؑ وفاطمہؑ وعلیؑ کو بھی لے لیا تھا اور ان سے فرمایا کہ جب میں دعا کروں تو تم لوگ
آمین کہنا (تفسیر جلالین مطبوعہ مصر صفحہ ۳۲) اور علامہ بیضاوی لکھتے ہیں فاتوا رسول اللہ
صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم وقد غدا محتضنا الحسینؑ اخذا بید الحسنؑ و
فاطمۃ تمشی خلفہ وعلی رضی اللہ عنہ خلفہا وھو یقول اذا انا دعوت فامنوا
یعنی نصاریٰ حضرت رسول خداؐ کے پاس آئے اور حضرت مسیح کو مباہلہ کے لئے اس شان
سے نکلے کہ حسینؑ کو گود میں لئے تھے حسنؑ کا ہاتھ پکڑے تھے۔ فاطمہؑ حضرتؐ کے پیچھے
اور حضرت علیؑ سب کے بعد تھے اور حضرت صلعم ان لوگوں سے فرماتے تھے کہ جب میں
دعا کروں تو تم لوگ آمین کہتے جانا (تفسیر بیضاوی جلد ا صفحہ ۱۱۸) علامہ علی بن احمد نے
بھی اس روایت کو لکھا ہے (تفسیر تبصیر الرحمان مطبوعہ مصر جلد ا صفحہ ۱۱۱) علامہ زمخشری
نے بھی اسکو لکھا ہے (تفسیر کشاف جلد ا صفحہ ۳۰۷) اور علامہ خازن نے بھی اسکو لکھا ہے
ساتھ ہی یہ بھی تحریر کیا ہے اراد بالابناء الحسنؑ والحسینؑ وبالنساء فاطمۃؑ وبالنفس
نفسہ وعلیاً یعنی خدا کا مقصود آنحضرتؐ کے ابناء سے حسنؑ وحسینؑ اور نساء سے فاطمہؑ
اور نفس سے خود آنحضرتؐ اور حضرت علیؑ ہیں (تفسیر خازن جلد ا صفحہ ۲۴۲) یہی
روایت علامہ نسفی نے بھی لکھی ہے (تفسیر مدارک برحاشیہ تفسیر خازن جلد ا صفحہ ۲۴۲)
اور جناب نواب مولانا صدیق حسن خان صاحب بھوپالی نے تحریر فرمایا ہے قال جابر
انفسنا وانفسکم رسول اللہ وعلیؑ وابنائنا الحسنؑ والحسینؑ ونساءنا فاطمۃ
یعنی جابر سے روایت ہے کہ اس آیۃ میں انفسنا سے مراد حضرت رسول خداؐ و حضرت علیؑ ہیں
اور ابنائنا سے مراد حسنؑ وحسینؑ ہیں اور نسائنا سے مراد حضرت فاطمہؑ ہیں پھر لکھتے
ہیں لما نزلت ھذہ الآیۃ قل تعالوا دعا رسول اللہ علیا وفاطمۃ وحسنا وحسینا
فقال اللھم ھولاء اھلی یعنی جب یہ آیۃ قل تعالوا نازل ہوئی تو حضرت رسول خدا
نے حضرت علیؑ وفاطمہؑ وحسنؑ وحسینؑ کو پاس بلا کر خدا سے کہا کہ اے اللہ میرے اہل بیت
یہی ہیں (تفسیر فتح البیان جلد ۲ صفحہ ۵۵)۔ علامہ ابن کثیر دمشقی نے بھی یہی لکھا ہے
(تفسیر ابن کثیر جلد ۲ صفحہ ۲۳۶) علامہ سیوطی نے بھی ان روایتوں کو تفصیل سے لکھا ہے (در منثور جلد ۲

(۳) اور علامہ فخرالدین رازی نے اس آیۃ کی تفسیر میں لکھا ہے وکان رسول اللہ صلعم خرج وعلیہ مرط من شعر اسود وکان قد احتضن الحسین واخذ بید الحسن وفاطمۃ تمشی خلفہ وعلی رضی اللہ عنہ خلفہا وھو یقول اذا دعوت فامنوا فقال اسقف نجران یا معشر النصاری انی لاری وجوھا لو سالوا اللہ ان یزیل جبلا من مکانہ لازالہ بہا فلا تباھلوا فتھلکوا ولا یبقی علی وجہ الارض نصرانی الی یوم القیمۃ یعنی حضرت رسول خدا اس شان سے میدان مباہلہ میں تشریف لائے کہ آپ ایک کالا کمل اوڑھے حسینؑ کو گود میں لئے اور حسنؑ کا ہاتھ پکڑے تھے حضرت کے پیچھے فاطمہؑ اور انکے بعد حضرت علیؑ تھے اور حضرت ان لوگوں سے فرماتے تھے کہ جب میں دعا کروں تو تم لوگ آمین کہنا ان لوگوں کو دیکھکر نصاری نجران کے سردار نے کہا کہ اے عیسائیو! یقیناً میں ایسے چہرے دیکھ رہا ہوں جو اگر خدا سے دعا کریں کہ وہ پہاڑ کو زمین سے ہٹا دے تو خدا ضرور اسکو ہٹا دیگا لہذا تم لوگ ان حضرات سے ہرگز مباہلہ نہ کرو ورنہ ہلاک ہو جاؤگے اور پھر قیامت تک روئے زمین پر کوئی عیسائی نہیں بچیگا۔ پھر لکھتے ہیں:۔ انہ علیہ السلام لما خرج فی المرط الاسود فجاء الحسن رض فادخلہ ثم جاء الحسین رض فادخلہ ثم فاطمۃ رض ثم علی رض ثم قال انما یرید اللہ لیذھب عنکم الرجس اھل البیت ویطھرکم تطھیرا واعلم ان ھذا کالروایۃ کالمتفق علی صحتہا بین اھل التفسیر والحدیث یعنی حضرت رسول خدا جب کالا کمل اوڑھے نکلے تو حسنؑ آئے حضرتؐ نے انکو کمل میں لے لیا پھر حسینؑ آئے انکو بھی لے لیا پھر فاطمہؑ پھر علیؑ آئے انکو بھی لے لیا اسکے بعد آیۃ تطہیر کی تلاوت فرمائی کہ اے اہلبیت خدا تم لوگوں سے ہر برائی کو دور رکھنا اور تم کو پاکیزہ قرار دیئے رہنا چاہتا ہے مسلمانوں کو جاننا چاہیئے کہ علمائے تفسیر و حدیث کو گویا اس بات پر اتفاق ہے کہ یہ روایت صحیح ہے۔ اسکے بعد لکھا ہے۔ ھذہ الایۃ دالۃ علی ان الحسنؑ والحسینؑ علیہما السلام کانا ابنی رسول اللہ صلعم وعد ان یدعو ابنائہ فدعا الحسنؑ والحسینؑ فوجب ان یکونا ابنیہ ومما یؤکد ھذا قولہ تعالی فی سورۃ الانعام ومن ذریتہ

داؤد و سلیمان الی قولہ و زکریا و یحییٰ و عیسیٰ و معلوم ان عیسیٰؑ انما انتسب الی ابراہیم بالام لا بالاب فثبت ان ابن البنت قد یسمی ابنا واللہ اعلم یعنی یہ آیہ اس بات کا یقینی ثبوت ہے کہ حضرت حسن و حسین علیہما السلام حضرت رسولخدا صلعم کے فرزند تھے حضرتؐ نے وعدہ کیا تھا کہ اپنے بیٹوں کو مباہلہ کیلئے لائیں گے۔ جسکے بعد انھیں حسنؑ و حسینؑ کو بلایا تو واجب ہوا کہ یہ دونوں حضرات آنحضرت صلعم کے فرزند ہوں۔ اس بات کی تاکید اس سے بھی ہوتی ہے کہ سورہ انعام میں خدا نے فرمایا ہے کہ حضرت نوحؑ کی نسل میں سے حضرت داؤد اور سلیمان اور ایوب اور یوسف اور موسیٰ اور ہارون سب کو ہم نے راہ راست دکھائی اور خلوص دل سے نیک کام کرنے والوں کو ہم ایسے ہی صلے عطا فرمایا کرتے ہیں اور زکریا اور یحییٰ اور عیسیٰ کو (پ ۷ ع ۱۴) اور معلوم ہے کہ حضرت عیسیٰ صرف اپنی ماں کی وجہ سے حضرت ابراہیمؑ کی نسل میں ہیں نہ باپ کی وجہ سے۔ تو ثابت ہوا کہ نواسے کو بھی بیٹا کہتے ہیں واللہ اعلم (تفسیر کبیر جلد ۲ صفحہ ۷۰۰)

مولوی صاحب۔ اس آیہ کا تو ابھی اوپر ذکر ہو چکا ہے۔

حسینی بیگم۔ ہاں اس تفسیر کی پوری عبارت پڑھنی تھی۔ اس وجہ سے میں نے دہرا کر اسکو بھی پڑھ دیا۔ اسکے بعد ایک اور دلچسپ واقعہ انھیں علامہ فخر الدین رازی نے لکھا ہے۔

مولوی صاحب۔ وہ کیا؟

حسینی بیگم۔ لکھتے ہیں کہ ملک رے میں ایک شخص محمود بن حسن حمصی رہتا تھا جو اثنا عشری فرقہ کا معلم تھا اور یہ کہتا تھا کہ حضرت علی علیہ السلام حضرت رسولخدا صلعم کے سوا باقی کل پیغمبروں سے افضل ہیں وہ اپنے اس دعوی کی دلیل یہ بیان کرتا تھا کہ خدا نے آیہ مباہلہ میں انفسنا و انفسکم کہا ہے تو انفسنا سے حضرت رسولخدا کا نفس مراد ہو ہی نہیں سکتا اس لئے کہ خدا نے حضرتؐ کے ذریعہ سے فرمایا ہے کہ تم اپنے نفس کو بلاؤ ہم اپنے نفس کو بلائیں تو کوئی شخص خود اپنے نفس کو نہیں بلا سکتا۔ لہذا یقیناً کوئی دوسرا شخص مراد ہوگا۔ اور مسلمانوں کا اس بات پر اجماع ہے کہ وہ دوسرا شخص جو حضرت رسولخدا کا نفس تھا حضرت علیؑ ہی تھے۔ لہذا اس آیۃ نے اس بات کو ثابت کر دیا کہ حضرت علیؑ کا نفس

ہی حضرت رسولخداؐ کا نفس تھا۔ اور یہ ممکن نہیں کہ خدا کی مراد اس آیۃ سے یہ ہو کہ واقعاً
حضرت علیؑ کا نفس بعینہ حضرت رسولخدا صلعم کا نفس ہے تو اب خدا کی مراد یہی ہو سکتی ہے کہ
حضرت علیؑ کا نفس بالکل حضرت رسولخداؐ کے نفس ایسا ہے یعنی خدا نے حضرت علیؑ کو
حضرت رسولخداؐ کا نفس کہا اس کا مطلب یہ ہے کہ حضرت علیؑ کا نفس حضرت رسولخدا کے
نفس کے مثل ہے جس کا نتیجہ یہ ہوا کہ حضرت علیؑ کا نفس نبوت اور افضلیت کے سوا ہر
بات میں حضرت رسولخداؐ کے نفس کے برابر ہو کیونکہ اس بات کی دلیلیں موجود ہیں کہ
حضرت رسولخداؐ نبی تھے اور حضرت علیؑ نبی نہیں تھے اور اس بات پر بھی مسلمانوں
کا اجماع ہے کہ حضرت رسولخداؐ حضرت علیؑ سے افضل تھے تو ان دونوں باتوں (نبی اور
سب سے افضل ہونے) کو چھوڑ کر باقی کل باتوں میں حضرت علیؑ کا نفس حضرت رسولخدا صلعم
کے نفس کے برابر ہوا۔ پھر مسلمانوں کے اجماع سے یہ بھی معلوم ہے کہ حضرت رسولخداؐ باقی
کل انبیاء و مرسلین سے افضل تھے تو ضروری ہے کہ حضرت علیؑ بھی باقی کل انبیاء و مرسلین
سے افضل ہوں۔ یہ تو آیہ مباہلہ سے حضرت علیؑ کی افضلیت باقی کل انبیاء و مرسلین پر
ثابت ہوئی اور اس آیۃ اور دعوی کی تائید حضرت رسولخدا صلعم کی اس حدیث سے
بھی ہوتی ہے جو موافق اور مخالف سب کے ہاں مشہور اور مقبول ہے کہ حضرت صلعم نے
فرمایا من اراد ان یری آدم فی علمہ و نوحا فی طاعتہ و ابراھیم فی خلتہ و موسیٰ
فی ھیبتہ و عیسیٰ فی صفوتہ فلینظر الی علی ابن ابیطالب رضی اللہ عنہ (جو
شخص چاہے کہ حضرت آدمؑ کو انکے علم میں حضرت نوحؑ کو انکی اطاعۃ میں حضرت ابراہیمؑ کو انکی
خلۃ میں حضرت موسیٰؑ کو انکی ہیبت میں اور حضرت عیسیٰؑ کو انکی صفوۃ میں دیکھے اس کو
چاہیئے کہ حضرت علی بن ابیطالبؑ کی طرف نظر کرلے) یہ حدیث اس بات کو بتاتی ہے کہ
جو فضیلتیں دوسرے پیغمبروں میں الگ الگ تھیں وہ سب حضرت علیؑ میں جمع ہوگئی ہیں
بس یہی اس بات کی واضح دلیل اور کافی ثبوت ہے کہ حضرت علیؑ سوا حضرت رسولخداؐ
کے کل انبیاء و مرسلین سے افضل ہیں۔ یہ تو خاص ان عالم محمود بن حسن حمصی
کا دعوے تھا۔ لیکن باقی شیعہ تو وہ شروع سے اس وقت تک اس آیۃ سے

اس بات کو ثابت کرتے آئے ہیں کہ حضرت علیؓ کل صحابہ سے افضل تھے۔ اس لئے کہ یہ آیت ثابت کرتی ہے کہ حضرت علیؑ کا نفس حضرت رسولخداؐ کے نفس ایسا ہے اور معلوم ہے کہ حضرت رسولخداؐ کا نفس کل صحابہ سے افضل تھا تو ضروری ہے کہ حضرت علی کا نفس بھی تمام صحابہ سے افضل ہو (تفسیر کبیر جلد ۲ صفحہ ۷)

مولوی صاحب ۔ کیا علامہ رازی نے صرف شیعوں کی اس دلیل کو ذکر کیا اور اور اس کا کچھ جواب نہیں دیا؟

حسینی بیگم ۔ جواب دیا ہے مگر ایسا جس کو ایک بچہ بھی غلط کہہ دیگا۔ اور امام رازی صاحب کے بارے میں تو علماء میں مشہور ہے کہ انکا اعتراض نقد ہوتا ہے اور جواب اُدھار

مولوی صاحب ۔ خیر۔ مگر رافضیوں کے اس استدلال کا کیا جواب دیا ہے۔

حسینی بیگم ۔ لکھا ہے کہ اس تقریر کا جواب یہ ہے کہ جس طرح مسلمانوں کا اجماع اس بات پر ہے کہ حضرت محمد صلعم حضرت علیؑ سے افضل ہیں اسی طرح انکا اجماع اس بات پر ہے کہ نبی افضل ہوتا ہے غیر نبی سے۔ اور اس پر بھی لوگوں کا اجماع ہے کہ حضرت علیؑ نبی نہیں تھے۔ تو لازم آیا کہ حضرت علیؑ دوسرے انبیا سے افضل نہیں تھے (تفسیر کبیر جلد ۲ صفحہ ۷)

مولوی صاحب ۔ بس؟ کیا اسی قدر جواب دیا ہے؟

حسینی بیگم ۔ کتاب موجود ہے دیکھ لو کہ اس سے زیادہ بھی کچھ ہے۔

مولوی صاحب ۔ مگر اس جواب کو تم غلط کیوں کہتی ہو۔

حسینی بیگم ۔ یہ بتاؤ کہ تمہارا مذہب اہلحدیث اور میرا مذہب حنفی ہے کوئی بھی مسئلہ ہو اور تمہارے مقابلہ میں اسکی دلیل میں یہ پیش کروں کہ حضرت امام ابوحنیفہ رضی اللہ عنہ نے یہ فرمایا ہے تو تم اس جواب کو صحیح مانوگے؟

مولوی صاحب ۔ نہیں میں تو غیر مقلد ہوں۔ امام ابوحنیفہ صاحب کی بات کیوں مانونگا۔

حسینی بیگم ۔ اسی طرح شیعوں کے مقابلہ میں سنیوں کی دلیل (کہ اس بات پر اجماع ہے کہ نبی افضل ہوتا ہے غیر نبی سے) کیونکر صحیح ہوسکتی ہے۔ یہ تو سنیوں کا اجماع ہوا کہ ہر نبی

ہر غیر نبی سے افضل ہوتا ہے مگر شیعہ تو اس کو نہیں مانتے بلکہ کہتے ہیں کہ انکے بارہ امام
حضرت رسولخداؐ کے سوا دنیا بھر کے لوگوں سے افضل ہیں۔ پھر انکے اعتراض کا جواب
کیا ہوا۔ اور وہ اس جواب کو کیوں مانیں گے؟ اگر تم اُن سے کہو کہ حضرت ابوبکر خلیفہ
رسولؐ تھے اسلئے کہ سنیوں کا اس پر اجماع ہو گیا تو کیا وہ مان لیں گے؟

مولوی صاحب۔ نہیں۔ یہی تو سنیوں اور شیعوں میں اختلاف ہے۔

حسینی بیگم۔ بس اسی طرح اس مسئلہ میں بھی سنیوں کے اجماع سے شیعوں کا جواب
کیا ہو سکتا ہے۔ اسکے علاوہ اجماع سے تو وہاں کوئی بات ثابت کیجاتی ہے جہاں
قرآن و حدیث سے اسکے خلاف کوئی بات نہ ثابت ہو۔ خاصکر اہلحدیث جماعت تو قرآن
و حدیث کے مقابلہ میں اجماع کو کوئی چیز ہی نہیں جانتی ہے۔ انکا مشہور اصول ہے ؎

اصل دیں آمد کلام اللہ معظم داشتن ... پس حدیث مصطفےٰ بر جان مسلم داشتن

یعنی دین کی اصل یہ ہے کہ قرآن مجید کو معظم جانیں اسکے بعد حضرت رسولخدا صلعم کی
حدیث کو جان پر مسلم رکھیں (اخبار اہلحدیث امرتسر وغیرہ) تمہارے مولانا ثناء اللہ صاحب
امرتسری لکھتے ہیں "اہلحدیث تو بموجب اصول مسلمہ حدیث کو دوم درجہ قرآن سے
سمجھکر قرآن شریف کے تلاش مسائل کے وقت پہلی نظر حدیث پر ڈالتے ہیں۔ پس
اگر با قاعدہ حدیث سے وہ مسئلہ مل گیا تو پھر انھیں اس بات کی پرواہ نہیں رہتی
کہ اس مسئلہ میں کسی کا کیا مذہب ہے اور کسی کا کیا خیال؟ زید کیا کہتا ہے اور عمر کیا فرماتا
ہے بلکہ وہ بے کھٹکا اس پر عمل کر لیتے ہیں" (اہلحدیث کا مذہب ص۶) پھر لکھتے ہیں "اہلحدیث
کے مذہب کا خلاصہ لا الہ الا اللہ محمد رسول اللہ ہے یعنی جو تعلیم سید الانبیاء حضرت محمد مصطفےٰ
احمد مجتبےٰ صلے اللہ علیہ وسلم نے بذریعہ قرآن شریف اور احادیث صحیحہ کے مخلوق کو فرمائی
ہے اسکا اتباع کرنا ہمارا مذہب ہے اور بس ؎ کسی کا ہو رہے کوئی نبی کے ہو رہیں ہم"
(اہلحدیث کا مذہب ص۹۷) اور ممدوح اجماع کے متعلق تحریر فرماتے ہیں "اسلامت میں مجتہدین
کا ایک زمانہ میں کسی امر شرعی پر اتفاق کرنا اجماع ہے۔ یہ تو ہے تعریف اجماع کی۔ اس تعریف ہی
سے اجماع کی مشکلات محسوس ہو رہی ہیں کہ امت محمدیہ کے ایک زمانہ کے تمام مجتہدین

ایک وقت میں کسی شرعی امر پر اتفاق کریں۔ یہ امر کیسا ایک فرضی اور ذہنی ہے۔ تمام مجتہدین کا علم کس کو؟ پھر وہ ایک جگہ بیٹھ کر یا ایک کی بات دوسرے سے سنکر اتفاق کیسے کریں؟ امام احمد رضی اللہ عنہ نے انہی مشکلات پر نظر کر کے کہا کہ من ادعی الاجماع فھو کاذب (مسلم الثبوت اعلام الموقعین) جو شخص اجماع کا مدعی ہو وہ جھوٹا ہے.....

انہیں مشکلات کی وجہ سے بعض النظامیہ والشیعہ انہ محال ولو سلم فالعلم بہ محال ولو سلم فنقلہ الینا محال۔ یعنی بعض نظامی اور شیعہ کہتے ہیں کہ اجماع کا تحقق محال ہے۔ اور اگر ہو بھی تو ہم کو اس کا علم حاصل ہونا محال ہے۔ اور اگر علم محال نہ ہو تو ہم تک اُس کا نقل ہونا تو ضرور ہی محال ہے ۔۔ ہمارے نزدیک بلکہ کل اہل علم کے نزدیک کسی قول کے صحیح ہونے کی دلیل یہ نہیں کہ وہ اجماع یا جمہور کے موافق ہو اور غلط ہونے کی یہ وجہ نہیں کہ اجماع یا جمہور کے مخالف ہو" (اتباع سلف ص ۱۶) اب تو غالباً تم مان لو کہ امام فخر الدین رازی صاحب کے جواب کی دھجیاں ایک بچہ بھی اُڑا سکتا ہے۔

مولوی صاحب۔ ہاں مگر جب اُن کا جواب قرآن و حدیث کے خلاف ہو۔

حسینی بیگم۔ قرآن و حدیث کے خلاف ہونے میں کیا شبہ رہا۔ قرآن سے تو اس طرح کہ اسمیں کسی نبی کو حضرت رسولخدا کا نفس نہیں کہا گیا بلکہ صرف حضرت علیؑ کو آنحضرتؐ کا نفس فرمایا ہے تو خدا نے جس بزرگ کو حضرت رسولخدا صلعم کے نفس ہونیکا فخر عطا فرمایا وہ کیا اُن لوگوں سے افضل نہیں ہوگا جو اس شرف سے محروم رہے۔

نواں باب ۹

حضرت علیؑ کے کل انبیاء و مرسلین سے افضل ہونیکی حدیثیں

رہی حدیث تو سیکڑوں حدیثوں سے حضرت علیؑ کا باقی کل انبیاء و مرسلین سے افضل ہونا ثابت ہو سکتا ہے۔ مثلاً ارشاد نبوی ہے انت منی وانا منک اے علی تم مجھ سے ہو اور میں تم سے ہوں (کنز العمال جلد ۶ ص ۱۵۳) بتاؤ کسی نبی کو یہ درجہ ملا ہے کہ

آنحضرتؐ نے انکے بارے میں فرمایا ہو کہ میں فلاں نبی سے ہوں۔ فرمایا ذکر علی عبادۃ
علیؑ کا ذکر عبادۃ ہے (〃) بتاؤ کسی اور کو یہ عزت ملی کہ اس کا ذکر بھی خدا کی عبادۃ ہو جائے؟
فرمایا النظر الی وجہ علی عبادۃ۔ علیؑ کی صورت دیکھ لینا بھی عبادۃ ہے (〃) یہ شرف بھی
کسی نبی کو ملا تھا؟ علی منی بمنزلۃ راسی من بدنی علیؑ کو مجھ سے وہ نسبت ہے جو میرے
سر کو میرے بدن سے ہے (〃) کسی پیغمبر کو بھی یہ فضیلت ملی کہ حضرت رسولخداؐ کے بدن
مبارک کا سر قرار دیئے گئے ہوں؟ اس حدیث کو دیکھو جس سے یقین ہو جائیگا کہ دنیا بھر
کے لوگوں میں حضرت رسولخداؐ کے بعد حضرت علیؑ ہی کا درجہ ہے نہ کسی نبی کا نہ کسی رسول کا
حضرت فاطمہؑ سے ارشاد ہوتا ہے۔ اما ترضین انی زوجتک اول المسلمین اسلاما
واعلمہم علما۔ فانک سیدۃ نساء امتی کما سادت مریم قومہا اما ترضین یا
فاطمۃ ان اللہ اطلع علی اہل الارض فاختار منہم رجلین فجعل احدہما اباک
والآخر بعلک۔ یعنی اے فاطمہ کیا تم اس سے خوش نہیں ہوتی ہو کہ میں نے تمہاری
شادی اس بزرگ سے کی جو مسلمانوں میں سب سے پہلے اسلام لایا اور ان سب سے زیادہ علم
رکھتا ہے۔ اے فاطمہ کیا تم اس بات سے خوشی نہیں ہوتی کہ خدا کل زمین والوں کیطرف متوجہ
ہوا تو انمیں سے دو شخص کو چن لیا ایک کو (یعنی مجھے) تمہارا باپ کیا اور دوسرے (علی) کو تمہارا
شوہر بنایا (کنز العمال جلد ۶ صفحہ ۱۵۳) دیکھو اس سے صاف معلوم ہوا کہ خدا نے دنیا بھر کے
لوگوں میں دو شخصوں کو سب سے افضل سمجھکر چن لیا۔ ایک حضرت رسولخداؐ اور حضرتؐ
کے بعد حضرت علیؑ۔ ایک بیوی سے حضرتؐ نے فرمایا ام سلیم ان علیا لحمہ من لحمی و
دمہ من دمی یعنی اے ام سلیم علیؑ کا گوشت میرے گوشت سے اور انکا خون میرے خون
سے ہے (〃 صفحہ ۱۵۴) کبھی کسی نبی کو بھی یہ خصوصیت حاصل ہوئی ہے؟ اس حدیث
کو بھی دیکھو انا وعلی من شجرۃ واحدۃ والناس من اشجار شتی یعنی میں اور علیؑ ایک
درخت سے ہیں باقی سب لوگ دوسرے درخت سے ہیں (〃) بتاؤ جب حضرت رسولخداؐ
اور حضرت علیؑ ایک درخت سے اور باقی سب لوگ دوسرے درختوں سے ہیں تو ان
باقی لوگوں میں انبیاء و مرسلین بھی ہیں یا نہیں؟

مولوی صاحب۔ ہاں اس حدیث سے تو یہی ماننا پڑتا ہے۔

حسینی بیگم۔ پھر جس درخت سے حضرت رسولخداؐ ہونگے وہ افضل ہوگا یا وہ درخت جس سے دوسرے انبیا و مرسلین ہونگے؟

مولوی صاحب۔ نہیں وہی افضل ہوگا جس سے حضرت رسولخدا صلعم ہونگے۔

حسینی بیگم۔ اور اس درخت سے حضرت علیؑ بھی تھے تو پھر حضرت علیؑ باقی کل انبیاء و مرسلین سے افضل ہوئے یا نہیں؟

مولوی صاحب۔ ہاں اب تو ماننا پڑتا ہے۔

حسینی بیگم۔ اس حدیث کو بھی دیکھو ان الملائکة صلت علیّ وعلی علیّ سبع سنین قبل ان یسلم بشر یعنی کسی شخص کے مسلمان ہونے سے سات برس پہلے سے ملائکہ مجھ پر اور علیؑ پر درود بھیجتے رہے (ررصـــ ۱۵۶) بتاؤ یہ عزت کسی اور نبی کو ملی ہے؟ یہ بھی دیکھو مکتوب فی باب الجنة قبل ان یخلق السموات والارض بالفی سنة لا الٰہ الا اللہ محمد رسول اللہ ایدتہ لعلی یعنی اللہ نے جب آسمان اور زمین کو پیدا کیا اس سے دو ہزار برس پہلے بہشت کے دروازے میں لکھدیا تھا کہ لا الٰہ الا اللہ محمد رسول اللہ ایدتہ بعلی (اللہ کے سوا کوئی معبود نہیں۔ محمد اسکے پیغمبر ہیں اور میں نے انکی مدد علیؑ سے کی ہے) رائت لیلة اسری بی مثبتاً علی ساق العرش انی انا اللہ لا الٰہ غیری خلقت جنة عدن بیدی محمد صفوتی من خلقی ایدتہ بعلی نصرتہ بعلی یعنی حضرت رسولخدا صلعم فرماتے ہیں کہ جس رات کو مجھے معراج ہوئی عرش کے ساق پر لکھا دیکھا کہ میں اللہ ہوں میرے سوا کوئی معبود نہیں ہے۔ میں نے عدن کی بہشت کو پیدا کیا ہے میری خلق میں محمد مصطفیٰ برگزیدہ ہیں انکی حمایت میں علیؑ سے کروں گا (ررصـــ ۱۵۹) اور سنو علی خیر البشر فمن ابی فقد کفر حضرت علیؑ سب آدمیوں سے افضل ہیں جو انکار کرے وہ کافر ہے۔ من لم یقل علی خیر البشر فقد کفر جو علیؑ کے سب آدمیوں سے افضل ہونیکا اعتقاد نہ رکھے وہ کافر ہے (ررصـــ ۱۵۹) نیز اس حدیث کو بھی دیکھو رسول اللہ صلے اللہ

علیہ وسلم یقول علی منی بمنزلتی من ربی یعنی علیؑ کو مجھ سے وہ درجہ ہے جو مجھے خدا سے ملا ہے (ریاض نضرہ جلد ۲ صفحہ ۱۶۳) بتاؤ کسی پیغمبر کو بھی یہ عزت ملی ہے؟ قال رسول اللہ ما من نبی الا ولہ نظیر فی امتہ وعلی نظیری یعنی حضرت رسولخدا نے فرمایا کہ ہر امت میں اُسکے نبی کی کوئی نظیر ضرور ہوئی ہے اور میری نظیر علیؑ ہیں (ریاض نضرہ جلد ۲ صفحہ ۱۶۴) بتاؤ جو بزرگ حضرت رسولخدا صلعم کی نظیر ہوں وہ سب انبیاء و مرسلین سے افضل ہونگے یا نہیں؟ رسول اللہ یقول کنت انا و علی نوراً بین یدی اللہ تعالیٰ قبل ان یخلق آدم بار بعۃ عشر الف عام یعنی حضرت رسولخدا فرماتے تھے کہ حضرت آدمؑ کے پیدا ہونے سے چودہ ہزار برس پہلے میں اور علیؑ ایک نور خدا کے سامنے تھے (ریاض نضرہ جلد ۲ صفحہ ۱۶۴) بتاؤ جس بزرگ کا نور حضرت آدم کی خلقت سے چودہ ہزار برس پہلے حضرت رسولخدا کے ساتھ ساتھ تھا اُسکے تمام لوگوں سے افضل ہونے میں کیا شک ہو سکتا ہے؟ ان کل حدیثوں کے دیکھنے کے بعد تم ہی انصاف سے بتاؤ کہ حضرت علیؑ کو باقی کل انبیاء و مرسلین سے افضل ماننا پڑیگا یا نہیں؟

مولوی صاحب۔ کیا کہوں کچھ عقل کام نہیں کرتی ہے۔

حسینی بیگم۔ ہاں میں بھی ان حدیثوں کو دیکھکر بہت حیران و پریشان ہوتی ہوں۔ ان حدیثوں سے زیادہ تو یہ حدیث ہے عن ابن عباسؓ قال رسول اللہ لو ان الاشجار اقلام والبحر مداد والجن حساب والانس کتاب ما احصوا فضائل علی ابن ابیطالب یعنی سب درخت کے قلم اور سمندر کی روشنائی اور کل جنات حساب کرنے والے اور کل انسان لکھنے والے بنا دیئے جائیں جب بھی یہ لوگ حضرت علی کے فضائل کو شمار نہیں کر سکتے (ینابیع المودۃ صفحہ ۹۹) اس سے بڑھی ہوئی حدیث یہ ہے لولا ان تقول فیک طوائف من امتی ما قالت النصاریٰ فی عیسیٰ بن مریم لقلت فیک مقالا لاتمر علی ملاء من المسلمین الا اخذوا من تراب رجلیک وفضل طہورک یستشفون بہ یعنی اے علیؑ اگر یہ ڈر نہ ہوتا کہ میری امت کے لوگ تمہارے بارے میں بھی وہی اعتقاد کرلیں گے جو نصاریٰ نے حضرت عیسیٰ کے بارے میں کیا تو میں تمہارے متعلق وہ باتیں کہدیتا جسکے بعد جہاں سے تم گزرتے مسلمان تمہارے دونوں پاؤں کے نیچے کی خاک اور تمہاری طہارت کا پانی اپنے مریضوں کے علاج کیلئے لیجاتے (مسند احمد بن حنبل جلد ۱ صفحہ — وینابیع المودۃ صفحہ ۱۰۰)

دسواں باب

مجلسوں کے فضائل

۱۴ ماہ رمضان المبارک کو مولوی صاحب عشاء کی نماز پڑھکر گھر میں آئے اور کھانا کھاکر وہ اور حسینی بیگم دونوں سو رہے۔ سحر کے وقت آنکھ کھلی تو سحری کھاکر مولوی صاحب نے گھڑی دیکھی ابھی صرف تین بجے تھے۔ اس پر انھوں نے چاے کی خواہش کی حسینی بیگم سماور دھو اسمیں آگ اور پانی ڈال۔ اپنے کمرے میں لے چلی آئیں اور تخت پر رکھکر پانی طیار ہونے کا انتظار کرنے لگیں کہ دفعتہً یہ خیال آیا جس پر اس طرح باتیں ہونے لگیں۔

حسینی بیگم۔ اُس روز دریا آباد کی مجلس کا تم نے اشتہار دکھایا جس پر علمی باتیں چھڑ گئیں پھر کچھ نہیں معلوم کہ تم نے کیا ارادہ کیا۔ مجلس میں جاؤگے یا نہیں۔

مولوی صاحب۔ واہ مجھ سے مجلس میں جانیکی بھی خوب پوچھی۔ میں نہیں جاسکتا۔

حسینی بیگم۔ خیر جانے نہ جانے کا تم کو اختیار ہے مگر میرے پوچھنے میں کیا برائی تھی جو تم نے اعتراض کردیا۔

مولوی صاحب۔ اس لئے کہ مجلس رافضیوں کا کام ہے جو بالکل بدعت ہے۔ اس میں شریک ہونا جائز نہیں ہے۔

حسینی بیگم۔ اگر رافضیوں کا کام ہونے کی وجہ سے اسمیں شرکت جائز نہیں تو انکی شادی بیاہ میں تم لوگ کیوں شریک ہوتے ہو۔ انکی انجمن میں کیوں جاتے ہو اور اگر بدعۃ ہونے کی وجہ سے شریک نہیں ہوتے تو ذرہ بتاؤ یہ بدعۃ کیوں ہے۔

مولوی صاحب۔ اس لئے کہ یہ رافضیوں نے ایجاد کیا ہے۔

حسینی بیگم۔ یہ بتاؤ کہ بدعۃ کس کو کہتے ہیں۔

مولوی صاحب۔ کیا تم نہیں جانتیں کہ بدعۃ کیا ہے۔ بحث کرنے میں تو مجھے

بھوت کر دیتی ہو۔ پھر کیا تمہیں بدعۃ کی تعریف نہیں معلوم ہوگی؟
حسینی بیگم۔ مجھے جو معلوم ہے اس سے تو مجلس کسی طرح بدعۃ نہیں ثابت ہوتی۔
مولوی صاحب۔ اچھا تم ہی بتاؤ کیسے مجلس بدعۃ نہیں ہے۔
حسینی بیگم۔ سنو تمہارے بہت بڑے عالم جناب مولوی وحید الزماں خاں صاحب وقار الملک حیدرآبادی مرحوم نے تحریر فرمایا ہے "بِدْعٌ نئی چیز جسکی کوئی مثال پہلے سے نہ ہو۔ بِدْعَۃٌ اُس کا مونث.... نعمت البدعۃ یہ حضرت عمرؓ نے تراویح کی ایک جماعۃ کرنے کی نسبت کہا یعنی یہ بدعۃ اچھی ہے۔ بدعۃ دو قسم کی ہے۔ ایک بدعۃ ضلالۃ جس کو بدعۃ سیئہ بھی کہتے ہیں۔ دوسری بدعۃ ہدایت جس کو بدعۃ حسنہ بھی کہتے ہیں۔ جو بدعۃ اللہ اور رسولؐ کے احکام کے خلاف میں ہو وہی بدعۃ ضلالت اور سیئہ ہے اور جو بدعۃ اللہ اور رسولؐ کے احکام کے موافق ہو گو اوسکی کوئی مثال پہلے سے نہ ہو۔ مثلاً سخاوت کی نئی شکلیں یا عمدہ اور بہتر کاموں کی نئی صورتیں (جیسے کوئی یتیم خانہ یا بیوہ گھر۔ یا بیت المساکین۔ یا بیت المعذورین۔ یا کتبخانہ۔ یا قرض حسنہ کا بینک یا مدرسہ صنعت و حرفت و تجارت و زراعت و علوم دینیہ یا مدرسہ تعلیم طب و علاج و ادویہ قائم کرے) وہ بدعۃ حسنہ ہے اور اُس پر ثواب کی امید ہے بدلیل دوسری حدیث کے مَنْ سَنَّ سُنَّۃً حَسَنَۃً کَانَ لَہٗ اَجْرُھَا وَ اَجْرُ مَنْ عَمِلَ بِھَا وَ مَنْ سَنَّ سُنَّۃً سَیِّئَۃً کَانَ عَلَیْہِ وِزْرُھَا وَ وِزْرُ مَنْ عَمِلَ بِھَا[۵۱] اور حضرت عمر نے جو تراویح کو بدعۃ فرمایا وہ اسی معنی کر ہے یعنی بدعۃ حسنہ ہے کیونکہ افعال خیر میں داخل ہے اور اللہ اور رسولؐ کے احکام کے موافق ہے۔ اور بدعۃ اسکو اس لئے کہا کہ آنحضرتؐ نے تراویح اس انتظام کے ساتھ نہیں پڑھی تھی جو انتظام حضرت عمر نے کیا تھا بلکہ کئی راتیں پڑھکر اوس کو چھوڑ دیا تھا۔ ابوبکر صدیق کے زمانہ میں بھی ایسا ہی رہا۔ حضرت عمرؓ نے اپنے زمانہ میں سب لوگوں کو ایک قاری

---

۵۱ یعنی جو شخص کوئی اچھی راہ نکالے اُس کو اُس کا بھی اچھا اجر ملیگا اور جو لوگ اس پر عمل کرینگے اُن کا بھی اجر ملیگا۔ اور جو شخص بُرائی نکالے اس پر اس کا بھی وبال ہوگا اور ان لوگوں کا وبال بھی جو اس پر عمل کرینگے۔

کے پیچھے جمع کیا اور روزانہ تراویح پڑھنے کے لئے رغبت دلائی۔ اسی لئے اسکو بدعۃ کہا فی الحقیقۃ وہ سنۃ ہے"۔ (انوار اللغات جلد ۲ صفحہ ۱۹)

مولوی صاحب۔ اس تعریف سے بھی مجلس بدعۃ سیئہ ہی ثابت ہوتی ہے۔

حسینی بیگم۔ وہ کس طرح۔

مولوی صاحب۔ اس لئے کہ یہ بدعۃ ضلالۃ ہے۔

حسینی بیگم۔ تو کیونکر یہ بدعۃ ضلالۃ ہے۔ اسکو کیوں نہیں بتاتے۔

مولوی صاحب۔ تو کیا تمہارے خیال میں یہ بدعۃ حسنہ ہے۔

حسینی بیگم۔ میرے خیال میں تو بدعۃ ہی نہیں بلکہ عبادۃ خدا ہے۔ ایسی عبادۃ جس کا حکم خدا نے قرآن مجید میں دیا اور حضرت رسولخدا صلعم کی حدیثوں میں بھی اسکی مدح بھری ہوئی ہے۔

مولوی صاحب۔ تم تو ایسی عجیب غریب باتیں کرتی ہو جن سے عقل حیران ہو جاتی ہے۔

حسینی بیگم۔ اگر انصاف کو راہ دیا کرو تو کوئی چیز حیرانی کی نہ ہو دیکھو خدا نے قرآن شریف میں فرمایا ہے فاذکرونی اذکرکم یعنی تم میرا ذکر کرو میں تم لوگوں کا ذکر کرونگا۔ (پ ۲ سورہ بقر آیت ۱۵۲) اس سے یہ تو معلوم ہوا کہ خدا ہم لوگوں کو حکم دیتا ہے کہ اسکو یاد کیا کریں۔ اور ظاہر ہے کہ اس کو یاد کرنا نماز۔ دعا کے علاوہ کسی اور طرح ہونا چاہیئے

مولوی صاحب۔ ہاں یہ ٹھیک ہے۔

حسینی بیگم۔ نہیں میری بات نہ مانو بلکہ آنحضرتؐ کے قول سے سمجھو یعنی اس آیۃ کے متعلق آنحضرت صلعم کی حدیثیں سن لو۔ انکے ذریعہ سے بحث آسانی سے ختم ہو سکے گی۔ ہمارے اور تمہارے بہت معتبر اور مسلم الثبوت علامہ سیوطی لکھتے ہیں ان رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم قال یقول اللہ یوم القیامۃ سیعلم اھل الجمع الیوم من اھل الکرم۔ فقیل ومن اھل الکرم یا رسول اللہ قال اھل مجالس الذکر یعنی حضرت رسولخدا صلعم نے فرمایا کہ خدا قیامت میں فرمائے گا آج

مجمع والے جان لیں گے کہ کون لوگ عزت اور شرف والے ہیں۔ صحابہ نے پوچھا یا حضرت عزت و شرف والے کون لوگ ہونگے؟ حضرتؐ نے فرمایا وہ لوگ جو ذکر کی مجلسوں کو کرتے اور ان میں شریک ہوتے ہیں۔ پھر علامہ موصوف تحریر فرماتے ہیں عن انس عن رسول اللہ قال ما من قوم اجتمعوا ایذکرون اللہ لا یریدون بذلک الا وجھہ الا ناداھم مناد من السماء ان قوموا مغفورا لکم قد بدلت سیئاتکم حسنات یعنی آنحضرتؐ نے فرمایا کہ جو لوگ خدا کی خوشی حاصل کرنے کی غرض سے ایک جگہ جمع ہو کر خدا کا ذکر کریں اُنکو آسمان سے ایک منادی ندا دیگا کہ جب تم لوگ یہاں سے اُٹھکر جاؤ گے تو تمہارے سب گناہ بخش دیے جائیں گے اور تمہاری کل برائیاں خوبیوں سے بدل دی جائینگی۔ پھر لکھتے ہیں عن ابی ھریرۃ قال ان اھل السماء لیرون بیوت اھل الذکر تضیئی لھم کما یضیئی الکوکب لاھل الارض یعنی حضرت رسولخدا صلعم نے فرمایا کہ آسمان والے ان گھروں کو دیکھیں گے جنمیں خدا کا ذکر ہوگا۔ وہ فرشتوں کو ایسے چمکتے اور روشن معلوم ہونگے جیسے ستارے زمین والوں کو چمکتے دکھائی دیتے ہیں۔ پھر لکھتے ہیں عن ابن عمر قال قلت یا رسول اللہ ما غنیمۃ مجالس الذکر قال غنیمۃ مجالس الذکر الجنۃ یعنی حضرت ابن عمر نے حضرت رسولخداؐ سے پوچھا کہ جن مجلسوں میں ذکر ہوگا ان میں شریک ہونے کا ثواب کیا ہوگا؟ فرمایا بہشت ہی مل جائیگی۔ پھر لکھتے ہیں قال رسول اللہ لیبعثن اللہ اقواما یوم القیامۃ فی وجوھھم النور علی منابر اللؤلؤ یغبطھم الناس لیسوا بانبیاء ولا شھداء فقال اعرابی یا رسول اللہ حلھم لنا لعرفھم۔ قال ھم المتحابون فی اللہ من قبائل شتی وبلاد شتی یجتمعون علی ذکر اللہ یذکرونہ یعنی آنحضرتؐ نے فرمایا کہ خدا قیامت میں ایسے لوگوں کو مبعوث کرے گا۔ جن کے چہروں میں نور ہوگا۔ وہ موتی کے منبروں پر ہونگے جنکی شان دیکھکر دوسرے لوگ رشک اور غبطہ کریں گے۔ حالانکہ وہ نبی نہ ہونگے۔ نہ شہید۔ اس پر ایک اعرابی نے عرض کی کہ یا حضرتؐ ہم سے ان لوگوں کا حلیہ بیان فرمادیں تاکہ ہم ان کو

پہچان سکیں۔ فرمایا یہ وہ لوگ ہونگے جو خدا کے لئے ایک دوسرے سے دوستی رکھیں گے
وہ مختلف خاندانوں اور مختلف شہروں کے ہونگے خدا کا ذکر کرنے کے لئے مجلسوں میں
جمع ہوا کریں گے (تفسیر درمنثور جلد ۱ ص ۱۵۱) اب بتاؤ کہ یہ حدیثیں صحیح ہیں یا غلط؟
یقیناً کہو گے اور ہر مسلمان یہی کہیگا کہ صحیح ہیں تو اب سوال یہ ہے کہ پھر یہ مجلسیں
دنیا کے کس مذہب میں ہوتی ہیں؟ ان کا ہونا ضروری ہے ورنہ حدیث غلط
ہو جائیگی جو محال ہے اب تلاش کرو کہ سوا انھیں مجالس کے جنمیں خدا کا ذکر
قرآن مجید کی تفسیر احکام خدا کا بیان۔ نواہی اللہ کا تذکرہ حضرت رسول خدا
صلعم کے مناقب۔ دین اسلام کے محاسن بیان ہوتے ہیں۔ اور کیا چیزیں
ایسی ہیں جو ان احادیث کی مصداق قرار پائیں۔ دیکھو اہلحدیث بھائیوں کے ہاں تو
کوئی مجلس ہوتی ہی نہیں رہے ہم لوگ (حنفی جماعت) تو ہمارے ہاں یا مولود ہوتا ہے
یا عرس یا مجلس امام حسینؑ۔ مولود کے وہ جلسے جنمیں احکام خدا و تفسیر قرآن شریف وغیرہ
بیان ہوتی ہے وہ تو ضرور ان احادیث کے مصداق ہیں۔ مگر زیادہ تر مولود ایسے ہوتے
ہیں جنمیں نہ تو ذکر خدا ہی ہوتا ہے نہ احکام رسولؐ بیان ہوتے ہیں بلکہ کسی میں غزل پڑھی
جاتی ہے۔ کسی میں مثنوی کسی میں کچھ۔ لہذا اس قسم کے مولود بھی ذکر خدا کی مجلسیں
نہیں کہے جا سکتے۔ اور اسی وجہ سے تم لوگ ان مولودوں کو بدعت اور باعث ناراضی
خدا و رسولؐ کہتے ہو۔ رہے عرس تو انمیں بھی گانا بجانا۔ ناچنا۔ کودنا وغیرہ
حرکات ایسے ہوتے ہیں جن کو کوئی شخص ذکر خدا نہیں کہہ سکتا۔ پس جب یہ سب چیزیں
ذکر خدا ہی نہیں ہیں تو مذکورہ بالا حدیثوں کا مصداق بھی نہیں ہو سکتیں۔ اب تم
ہی بتاؤ سوا وہ کون سی مجالس ہیں جو دنیا میں ہوتی ہیں اور ان میں شریک ہونے
والوں کا اس قدر ثواب حدیثوں میں مذکور ہے؟ وہابیوں اور حنفیوں وغیرہ سے
کوئی بھی اپنے کسی کام کو نہیں کہتا کہ وہ ان حدیثوں کا مصداق ہے اور اس کام میں
شرکت کرنے والوں کے لئے یہ سب ثواب ہے۔ اور یقینی ہے کہ دنیا میں ایسی کوئی
مجلس ضروری ہے جس میں شریک ہونے والوں کو قیامت میں اس قدر ثواب ملے گا۔

پس سوا حضرت امام حسنؑ یا امام حسینؑ یا حضرت علیؑ وغیرہ کی مجلس کے اور تو کوئی چیز میری سمجھ میں ان حدیثوں کا مصداق نہیں معلوم ہوتی۔ یہی مجلسیں وہ مجالس ذکر خدا ہیں جنمیں ذاکر منبر پہ جاتے ہی اعوذ باللہ من الشیطان الرجیم (میں بھاگے ہوئے راندہ شیطان سے خدا کی پناہ حاصل کرتا ہوں) پڑھتا ہے کہ یہ ذکر خدا ہے۔ پھر بسم اللہ الرحمن الرحیم (اللہ کے نام سے شروع کرتا ہوں جو مہربان اور رحم والا ہے) پڑھتا ہے کہ یہ بھی ذکر خدا ہے۔ پھر خطبہ پڑھتا ہے جسمیں حمد و ثنائے خدا و نعت حضرت رسالت مآب صلعم ہوتا ہے کہ یہ بھی ذکر خدا ہے۔ پھر کسی آیۃ کی تلاوت کرتا ہے کہ یہ بھی ذکر خدا ہے۔ پھر اسکی تفسیر بیان کرتا ہے۔ یہ بھی ذکر خدا ہے پھر توحید و نبوت کے دلائل بیان کرتا ہے۔ اسلام کے محاسن ذکر کرتا۔ معجزات کا امکان سمجھاتا ہے قدرت خدا کی تصویر کھینچتا۔ مخالفین اسلام کے اعتراضات کے جواب دیتا۔ احکام خدا و رسولؐ کی عقلی خوبیاں دکھاتا ہے۔ یہ سب ذکر خدا ہے۔ پھر آنحضرتؐ کے ذاتی حالات و واقعات۔ استقلال حمایۃ دین وغیرہ ذکر کرتا ہے اور یہ سب ذکر خدا ہے۔ لہذا مجالس حضرت علیؑ و امام حسنؑ و امام حسینؑ وغیرہ شروع سے آخر تک ذکر خدا ہی سے بھری رہتی ہیں بس میرے خیال میں تو وہی مذکورہ بالا حدیثوں کی مصداق ہوسکتی ہیں اور انھیں میں شرکت کرنے والوں کا اس قدر ثواب بیان ہوا ہے۔

مولوی صاحب۔ مگر صرف قرآن و حدیث ہی کی باتیں وہاں بیان ہوتی ہیں؟ یا تبرا بھی ہوتا ہے؟ حضرت علیؑ کے فضائل بیان ہوتے ہیں؟ ان سب باتوں کو کیوں چھوڑتی جاتی ہو؟

حسینی بیگم۔ شیعوں کی بہت سی مجلسوں میں بھی شریک ہوئی ہوں۔ میرے سامنے تو اغیر تبرا نہیں ہوتا ہے نہ میرے کانوں نے اسکو سنا ہے۔ اور حضرت علیؑ کے فضائل کا بیان تو حقیقت میں حدیث ہی کا بیان ہے۔ اور اس کی اتنی فضیلت ہے کہ حضرت رسول خداؐ نے بیان فرمایا ہے عن عائشہ ذکر علی عبادۃ یعنی حضرت

عائشہ بیان کرتی تھیں کہ جناب رسالت مآب صلعم نے فرمایا ہے کہ علیؑ کا ذکر عبادۃ ہے۔ دوسرے صحابی کا قول بھی سنو۔ عن ابن مسعود النظر الی وجہ علی عبادۃ یعنی ابن مسعود صحابی بیان کرتے تھے کہ حضرت رسولخدا صلعم نے فرمایا ہے کہ علیؑ کی طرف دیکھنا بھی عبادۃ ہے (کنز العمال جلد ۶ صفحہ ۱۵۲) اس وجہ سے انصاف پسند علماے اہل سنت کے ہاں بھی برابر مجالس امام حسینؑ ہوتی اور اسمیں ان حضرات کا ذکر ہوتا ہے۔

مولوی صاحب ۔ عوام کے ہاں تو میں انکار نہیں کر سکتا مگر علماء اہلسنت کے ہاں تو مجلس نہیں ہوتی ہے۔

حسینی بیگم ۔ نہیں یہ کیا کہتے ہو ہمارے مذہب کے کتنے بڑے عالم جناب مولانا شاہ محمد سلیمان صاحب پھلواروی دام ظلہ ہیں۔ انکے گھر کا حال سنو۔ مولانا ممدوح کے صاحبزادے جناب مولانا حسن میاں شاہ مرحوم نے لکھا ہے "الغرض یہ حزن والم عشرہ محرم میں صوفیوں کے ہاں ہمیشہ سے معمولات سے ہے اور محبت اہلبیتؑ کا اثر اس قوم پر سب سے زیادہ رہا ہے اور رہیگا۔ اور ہمارے خاندان میں تو اہلبیتؑ کی محبت گھٹی میں پڑی ہے سبب مجھے اپنے خاندان کے معمولات بیان کرنے کی ضرورت نہیں۔ ادنیٰ اثر اس کا یہ ہے کہ میں یہ کتاب اسی داستان غم افزا وحادثہ روح گزا کی قوم کے سامنے پیش کر رہا ہوں اور اس غم میں رونے اور رلانے کو ثواب عظیم جانتا ہوں۔ **اور عشرہ محرم میں ذکر اہلبیتؑ کے سوا دوسرا ذکر نہیں کرتا ہوں** ۔ جیسا کہ میرے حضرت قبلہ والد ماجد صاحب مدظلہ العالی کا معمول ہے۔ اللہ تعالیٰ مجھے قبول کرے اور محبان اہلبیتؑ میں محشور کرے۔ آمین۔

واللھم صل علی نبینا محمد سید الثقلین مادمعت العینؑ علی الحسینؑ ۰ الٰہی بحق بنیؐ وفاطمہؑ کہ بر قول ایماں کنم خاتمہ" (کتاب غم حسین مطبوعہ لکھنؤ صفحہ ۔)

لہ یعنی اے اللہ جب تک آنکھیں امام حسینؑ پر آنسو بہاتی ہیں تو حضرت محمدؐ پر درود نازل کرتا رہ ۱۲

اودھ اخبار سرفراز لکھنؤ میں جناب شاہ عبدالعزیز صاحب دہلوی کا ایک خط اسی مجلس امام حسینؑ کے متعلق چھپا ہے جو شمس العلماء مولانا شبلی صاحب نعمانی مرحوم کے دارالمصنفین اعظم گڈھ کے ماہوار علمی و دینی رسالہ معارف سے نقل کیا گیا ہے وہ مضمون بھی پڑھنے کے قابل ہے۔

مولوی صاحب - سناؤ کیا لکھا ہے۔

حسینی بیگم - وہ مضمون حسب ذیل ہے۔

محقق شاہ عبدالعزیز صاحب کا ایک گران قدر مکتوب

عزاداری و مجالس کے متعلق

موجودہ زمانہ میں مختلف حلقوں سے عزاداری حسینؑ کے مٹانے کی پیہم کوششیں کیجارہی ہیں۔ کبھی اس ناپسندیدہ مقصد کے حاصل کرنے کے لئے تحریر و تقریر دونوں سے کام لیا جا رہا ہے۔ کبھی ان طریقوں کو بدعت بتایا جاتا ہے۔ کبھی انھیں شکست اسلام کا موجب قرار دیا جاتا ہے۔ اصل میں کچھ بھی نہیں ہے "اموی جنبہ داریوں" کا جذبہ آل رسولؐ کے تذکروں کا فروغ ایک لحظہ کے لئے گوارا نہیں کرسکتا۔ حسینؑ کے زبردست سرفروشانہ اقدام نے اموی سیاست کو اُسکے اصلی رنگ میں دنیا کے سامنے پیش کردیا تھا۔ ایسی صورت میں جن افراد کو اموی خاندان سے مادی یا روحانی وابستگی ہے وہ اسے کیونکر پسند کرسکتے ہیں کہ ہر سال اس اموی سیاست کا تار و پود اپنے موثر عنوان سے بکھیرا جائے۔ درحقیقت جو صحیح العقیدہ سُنی ہیں اور اس اموی پروپیگنڈے کا شکار نہیں بن گئے ہیں۔ انھیں ان "ناپسندیدہ مساعی" سے کوئی ہمدردی نہیں ہے۔ وہ مجلسیں کرتے ہیں۔ عزاداری کرتے ہیں حسینؑ اور اہلبیتؑ سے محبت کرنا وہ صرف شیعوں ہی کا حق نہیں سمجھتے ہیں۔

ہمیں مولانا سید شاہ محمد فخر عالم صاحب سجادہ نشین خانقاہ بھاگلپور کا ممنون ہونا چاہیئے کہ انھوں نے اپنے قدیمی کتابوں اور خطوں کے ذخیرہ میں سے شاہ عبدالعزیز صاحب

محدث دہلوی کا ایک پرانا مکتوب عزاداری و مجالس کے متعلق حاصل کر کے معارف اکتوبر ۱۹۳۲ء آثار علمیہ و ادبیہ کے تحت میں شایع کر دیا ہے۔

شاہ عبدالعزیز صاحب تحفہ اثنا عشریہ کے مصنف ہیں اور اس لئے سنیوں کے واجب الاحترام پیشوا۔ انھیں شیعوں سے جس قدر شدید مخالفت تھی وہ انکی کتاب تحفہ سے ظاہر ہے۔ ایسی حالت میں عزاداری و مجالس کے متعلق شاہ صاحب کا اتنا فرمانا بہر حال بیحد اہمیت کا استحقاق رکھتا ہے۔ ضرورت ہے کہ انکے اس مکتوب کی اشاعت کثیر تعداد میں کیجائے تا کہ حنفی بھائیوں کے عقائد میں مجلس عزاداری کے متعلق وہابی پروپیگنڈے سے تغیر نہ پیدا ہو۔

ناظرین سرفراز کی اطلاع کیلئے اُس خط کو مع مولانا سید شاہ محمد فخر عالم صاحب کی تمہید کے ذیل میں درج کرنا چاہتا ہوں۔ خط فارسی میں ہے۔ اس لئے عام فائدہ کی غرض سے اس کا ترجمہ بھی آخر میں پیش کیا جاتا ہے۔ فقط (اختر تلہری)

اوراق پارینہ کی جستجو اور تلاش کا یوں تو پہلے ہی سے شوق تھا لیکن اب ان کرم خوردہ اوراق کی قدر و منزلت اور بھی بڑھ گئی ہے۔ خاندانی اور پرانے گھروں میں اب تک سیکڑوں ایسی چیزیں موجود ہیں جن کو اگر منصۂ شہود پر لایا جائے تو یقیناً صاحب تحقیق و تدقیق کے لئے اضافہ معلومات۔ نیز سنے ابواب پر بحث و تمحیص کے دروازے کھل جائیں اور ایسی بہت سی یادگاریں جو ہمارے بزرگوں کے لئے سرمایۂ فخر و دانش تھیں اور جن کے نہ ہونے سے اسلاف کے تاریخی حالات تاریکی میں پڑے ہوئے ہیں۔ انکا انکشاف و اظہار دونوں کے لئے باعث تعریف و شکریہ بنے۔ لیکن اس خیال کے لوگ ہیں بھی تو معدودے چند اور اگر کہیں نظر بھی آگئے تو وہ ان نادر مجموعوں کی اشاعت تو علیحدہ چیز ہے۔ کسی کو دکھانا تک پسند نہیں فرماتے جس کا نتیجہ یہ ہوتا ہے کہ نادر کتابیں اور مخطوط الماریوں اور صندوقوں میں پڑے پڑے کرم خوردہ ہو کر دریا یا آگ کی نظر ہو جاتے ہیں۔

یوں تو ہمارے ہاں کے نادرات بھی تلف ہو گئے لیکن خدا کا شکر ہے کہ ہم

ہوش سنبھالتے ہی ان قابل قدر یادگاروں کو سینے سے لگانے لگا قلمی کتابیں
اور پرانے مخطوطات جہاں بھی پاتا بہ حفاظت تمام رکھ چھوڑتا۔
رفتہ رفتہ وہ منتشر اوراق ایک جگہ جمع ہونے لگے۔ اور آخر کار ان قدیم کتابوں اور
خطوں کا کافی ذخیرہ مہیا ہو گیا۔ چنانچہ انہیں ذخائر میں ایک تاریخی خط بھی مل گیا جو
حضرت شاہ عبدالعزیز صاحب محدث دہلوی کا لکھا ہوا ہے۔

یوں تو مراسلہ نگار کی ذات ہی اس قابل ہے کہ جو کچھ بھی آپ کی تصنیف تالیف کا
مل جائے ہم لوگوں کے لئے باعث صد نازش ہو چہ جائیکہ ایسے موضوع پر کہ جسکے عمل کی
وجہ سے صوفیائے کرام کا گروہ ہدف ملامت ہوتا آرہا ہے۔ آپ جیسے متقدمین
متبحر فاضل و محدث کا لکھا ہوا خط جس میں وہ اپنے عمل اور معمولات کو ظاہر کرتے ہیں کیونکر
قابل قدر و لائق مطالعہ نہ ہو۔

اس لئے ارباب تحقیق کی دلچسپی کیلئے اس نمیقہ انیقہ کو درج ذیل کرتا ہوں:

نقل خط حضرت شاہ عبدالعزیز صاحب قدس سرہ بنام محمد یار خاں صاحب ساکن گنج گھگرا

فقیر عبدالعزیز بعد سلام مسنون مکشوف ضمیر محبت تخمیر باد کہ عنایت نامہ سامی بار دیگر
در مقدمہ مرثیہ خوانی وغیرہ رسیدہ بود جواب آنچہ دریں باب معمول فقیر است می نویسد از
ہمیں جا قیاس باید کرد در تمام سال دو مجلس در خانہ فقیر منعقد میشود۔ یکے مجلس
ذکر وفات شریف و دوم مجلس ذکر شہادت حسین علیہ السلام و مردم روز عاشورا یا یک روز
دو روز پیشتر از ان قریب چہار صد یا پانصد کس بلکہ گاہے قریب ہزار کس فراہم می آیند
و درود میخوانند بعد ازاں فقیر می برآید و می نشیند ذکر فضائل حسنین علیہ السلام کہ در
حدیث شریف وارد شدہ در بیان می آید۔ وآنچہ در احادیث اخبار شہادت ایں
بزرگوار و بد حالی قاتلان ایشاں وارد شدہ نیز مذکور می شود و بایں تقریب بعضے
شدائد کہ بر جناب ایشاں گزشتہ از روئے احادیث معتبر بیان کردہ میشود و ہم دریں
ضمن مرثیہ ہائیکہ از مردم جن یعنی جن و پری حضرت ام سلمہ و دیگر صحابہ شنیدند

نیز مذکور میشود بعد ازاں ختم قرآن و پنج آیت خوانده. بر ماحضر فاتحه نموده می آید و دریں
وقت اگر شخصے خوش الحان سلام میخواند یا مرثیه مشروع شروع میکند۔ اتفاق شنیدن
می شود و ظاہر است کہ دریں اکثر حضار مجالس و ایں فقیر را ہم رقت و بکا لاحق
می شود پس اگر ایں چیزہا نزد فقیر بہمیں وضع جائز نمی بود اقدام برآں اصلا نمی کرد
و آنچه امور دیگر نامشروع است حاجت بیان نه دارد و امام شافعیؒ میفرماید
لوکان رفضا حب آل محمد فلیشہد الثقلان انی رافضی زیادہ بجز توفیق حسنات
چه برنگارد ۔ مہر

هو العزیز الولی الرحیم

ترجمہ مکتوب

فقیر عبدالعزیز کیطرف سے بعد سلام مسنون کے واضح رائے عالی ہو کر جناب کا گرامی نامہ
دوسری مرتبہ مرثیہ خوانی وغیرہ کے متعلق موصول ہوا۔
اس بارہ میں فقیر کا جو کچھ معمول ہے اسے لکھا جاتا ہے اس سے آپ اندازہ
کر سکتے ہیں۔
پورے سال میں فقیر خانہ پر دو مجلسیں منعقد ہوتی ہیں۔ ایک وفات شریف کی مجلس
دوسرے شہادت حسینؑ کے ذکر کی مجلس جو عاشورہ کے دن یا اس سے ایک دو دن
پہلے چار سو پانچ سو اور کبھی کبھی ہزار کے قریب لوگ جمع ہوتے ہیں اور درود پڑھتے
ہیں۔ اور جب فقیر باہر آتا ہے اور بیٹھتا ہے تو حسینؑ کے وہ فضائل جو احادیث
میں مذکور ہیں بیان کیے جاتے ہیں۔ ان بزرگواروں کی شہادت کے متعلق
اور ان کے قاتلوں کی بدانجامی کے متعلق جو کچھ اخبار و احادیث میں ہے چند
وہ بھی بیان کیا جاتا ہے۔ اس سلسلہ میں ان شہدائے مصائب کا بھی تذکرہ
ہو جاتا ہے جو احادیث معتبرہ کی رو سے آپ حضرات پر گزرے ہیں اور وہ مرثیے
بھی ذکر کیے جاتے ہیں جنھیں حضرت ام سلمہ اور دوسرے صحابیوں نے جنوں اور پریوں سے
سنا ہے اسکے بعد ختم قرآن اور پنج سورہ پڑھا جاتا ہے اور ماحضر پر فاتحہ

کیا جاتا ہے اسوقت میں اگر کوئی خوش الحان شخص سلام یا مرثیہ شروع کرتا ہے تو اسکے سُننے کا اتفاق ہوتا ہے اور ظاہر ہے کہ اس حالت میں اکثر حاضرین مجلس اور خود فقیر پر گریہ و بکا طاری ہو جاتا ہے اگر یہ سب چیزیں فقیر کے نزدیک اسی طریقہ سے جائز نہ ہوتیں تو کبھی ان پر اقدام نہ کرتا اور دوسرے جو غیر شرعی امور ہیں انکے بیان کی حاجت نہیں ہے۔ امام شافعی فرماتے ہیں اگر آل محمدؐ کی دوستی کا نام رفض ہے تو دونوں جہان گواہ رہیں میں رافضی ہوں" فقط

(گزشتہ سال کے سرفراز محرم نمبر میں شاہ صاحب کے اس خط کا ترجمہ ایک مضمون بعنوان "عزاداری شہید کربلا و ایڈیٹر مدینہ کا گمراہ کن فتویٰ" شایع ہو چکا ہے اس مضمون کے مطالعہ سے ظاہر ہوتا ہے کہ شاہ صاحب کا یہ خط اونکی فقہ کی کتاب موسومہ فتاوی عزیزیہ مطبوعہ مجتبائی دہلی کے صفحہ ۱۰۱ پر موجود ہے۔ محرم نمبر کے مضمون میں خط مذکور کا بزبان اردو ترجمہ تھا لیکن معارف اور شاہ صاحب کی فقہ کی کتاب میں فارسی کی مندرجہ بالا اصل عبارت بھی نقل کی گئی جسکی اصل تحریر جناب شاہ فخر عالم صاحب نے ڈھونڈھ نکالی ہے (ایڈیٹر)

(اخبار سرفراز مورخہ ۱۹ جمادی الثانیہ ۱۳۵۱ھ ص ۲)

مولوی صاحب۔ سرفراز تو شیعوں کا اخبار ہے۔

حسینی بیگم۔ یہ مضمون تو رسالہ اصلاح کھجوا میں بھی خاص شاہ صاحب کی کتاب فتاوی عزیزی سے اس سے کئی برس پہلے سے متعدد مرتبہ نقل کیا جا چکا ہے۔ مگر میں نے سرفراز سے اس وجہ سے بیان کیا کہ اس میں رسالہ معارف اعظم گڑھ سے نقل کیا گیا ہے جو ہمارے بہت بڑے علمی مرکز دار المصنفین کا ارگن ہے۔ جس سے معلوم ہوتا ہے کہ یہ اس قدر معتبر واقعہ ہے کہ ایسے محققانہ رسالہ نے بھی اسکے شایع کرنے میں تامل نہیں کیا۔

مولوی صاحب ۔ میری کتابوں میں بھی تو حضرت شاہ صاحب رحمۃ اللہ علیہ
کی کتاب فتاوی عزیزی موجود ہے ۔ ذرہ اسمیں اسکو تلاش تو کرو۔
حسینی بیگم اُٹھ کر گئیں اور الماری سے کتاب "فتاوی عزیزی" نکال لائیں جو ۱۳۲۲ھ
میں مطبع مجتبائی دہلی میں چھپی تھی اور کچھ دیر ورق اُلٹ کر بولیں۔
حسینی بیگم ۔ یہ کیا جلد اول کے صفحہ میں یہ عبارت موجود ہے ۔
مولوی صاحب ۔ اب تو کچھ بولا ہی نہیں جاتا ہے جب حضرت مولانا
شاہ عبدالعزیز صاحب دہلوی قدس سرہ ایسے امام اہلسنت بھی مجلس کرتے اور
اسمیں شریک ہوتے ہوں تو ہم لوگ کیسے عذر کر سکتے ہیں ۔
حسینی بیگم ۔ تو میری رائے ہے کہ آج شب کو تم بھی دریا آباد کی مجلس میں ضرور جاؤ۔
مولوی صاحب ۔ نہیں مجھ سے نہیں جایا جائیگا ۔
حسینی بیگم ۔ خیر تمہاری خوشی ۔ مگر میں اس خیال سے کہتی تھی کہ تم بڑے عالم ہو
تمہارے علم و فضل اور وعظ و تقریر کا ڈنکہ بج رہا ہے تم وہاں جاتے تو ان لوگوں
کی مجلسوں کی اصل حقیقت ظاہر ہوجاتی کہ واقعا کیا بیان کرتے اور کس طرح اسکو انجام
دیتے ہیں ۔ اسمیں کون کون باتیں قابل اعتراض ہوتی ہیں ۔ کون کون باتیں ہمارے
مذہب کے خلاف نظر آتی ہیں ۔ اور کن اسباب سے وہ ترک کرنے کے قابل
ہے۔
مولوی صاحب ۔ اچھا تمہارا اصرار ہے تو میں ضرور جاؤنگا ۔ اگرچہ وہاں
میرا دل نہیں لگیگا اور جو سنوں گا بھی ادھر توجہ نہیں ہوگی۔
حسینی بیگم ۔ کیوں ۔
مولوی صاحب ۔ اس لئے کہ تم جانتی ہو کہ آج کئی ہفتہ سے آریوں نے ہم لوگوں
کو پریشان کر رکھا ہے ۔ کانپور ۔ رامپور ۔ سہارنپور ۔ دیوبند ۔ میرٹھ ۔ دہلی
امرتسر ۔ لاہور وغیرہ کے بڑے بڑے زبردست علمائے کرام تشریف لائے ہوئے ہیں مگر
آریوں نے معجزات حضرت رسولخدا صلعم کے متعلق ایسے ایسے اعتراضات کر رکھے ہیں کہ ہم لوگ

جواب دیتے دیتے تھک گئے مگر انصاف یہ ہے کہ انکے اعتراضات کا واقعی جواب
اب تک ہوا ہی نہیں مشکل یہ ہے کہ یہ زمانہ سائنس اور فلسفہ کا ہے - آریئے جو
کہتے ہیں اسکو پڑھے لکھے مسلمان بھی دل سے صحیح سمجھ لیتے ہیں اور ہم لوگوں کا جواب
آریہ تو آریہ خود مسلمانوں کی تشفی نہیں کرتا - بلکہ اُن لوگوں کا شبہ اور بڑھ جاتا ہے۔

حسینی بیگم - افسوس یہ ہے کہ میں ٹھہری پردہ نشین - ورنہ کم از کم آریوں کی تقریر
تو سُن لیتی اور انکے اعتراضات پر خود بھی غور کرتی -

مولوی صاحب - تم بیچاری کیا ہو - جب ہندوستان کے کل بڑے زبردست
اور مسلم الثبوت علمائے حنفی و اہلحدیث اس اہتمام سے انجمن میں بلائے گئے ہیں اور اس قدر
صرف کثیر کرکے انکو ٹھہرایا گیا اور فیصلہ کن مناظرہ کا ارادہ کرلیا گیا ہے - پھر بھی ہم
لوگوں کے بنائے کچھ نہیں بنتی اور لطف یہ ہے کہ ہم سب دن بھر آریوں سے مناظرہ
کرنے کے بعد شب کو جامع مسجد میں اکٹھے ہوتے اور نماز عشاء کے بعد دیر تک
آپس میں رائے و مشورہ بھی کرتے ہیں کہ فلاں اعتراض کا کیا جواب دیا جائے اور آریہ یہ
کہیں تو ہم کیا کہیں - ہر قسم کی کتابیں بھی اُلٹی جاتی ہیں - غرض ۲۳ مشہور مناظر اور عالم
آج کئی ہفتہ سے اسلام کی اس مصیبت کو دفع کرنے کے لئے ایڑی چوٹی کا زور خرچ کر رہے
ہیں مگر مناظرہ کسی طرح ختم ہی نہیں ہوتا ہے - اور چونکہ اس شہر کے اہلحدیث میں مجھ ہی کو
لوگ ممتاز سمجھتے ہیں اس وجہ سے مجھے زیادہ پریشانی رہتی ہے کہ مقامی رکن میں ہی ہوں جب
دل و دماغ اس قدر تھکا ہوا ہو اور پھر دن بھر روزہ کی صعوبت بھی اُٹھانی پڑے تو اب
رات کو مجلس میں کیا دل لگیگا لیکن یہ بات تم نے اچھی کہی کہ شیعہ اپنی مجلسوں
کی تعریف میں بہت مبالغہ کرتے ہیں وہاں جانے ہی سے اس کی
حقیقت واضح ہو جائیگی - انشاء اللہ جاؤں گا -

حسینی بیگم - تو مغرب کی نماز جلد پڑھکر یہاں چلے آنا کہ کھانے سے فوراً
فراغت کرلو - معلوم نہیں وہاں کب تک رہنا ہو -

مولوی صاحب - نہیں میرا کھانا نہ پکانا - وہیں کھانے کی دعوت بھی تو ہے

اور اشتہار دیگران صاحب نے یہ بھی کہا تھا کہ کھانا وہیں کھائیگا۔

حسینی بیگم - ہاں پھر یہی مناسب ہے کہ وہیں کھاؤ اسلامی اخلاق کا حکم بھی یہی ہے

مولوی صاحب - خیر دیکھو وہاں جانے پر کیا ہوتا ہے۔ مجھے تو ہر نئے کام سے وحشت ہوتی ہے۔ اپنی عمر میں کبھی مجلس میں شریک ہوا ہی نہیں۔ جس سے طبیعت رکتی ہے۔

غرض ۱۴ ماہ رمضان المبارک کا دن کسی طرح ختم ہوا۔ مولوی صاحب نے روزہ افطار کر کے نماز مغرب پڑھی اور کچھ دیر کے بعد نماز عشاء سے فراغت کر کے گاڑی منگائی اور دریاآباد روانہ ہو گئے۔

گیارہواں باب

دریاآباد کی مجلس شب ۱۵ ماہ صیام

مولوی صاحب دریاآباد مجلس میں پہونچے تو نہایت شاندار اہتمام دیکھا گیس کی روشنی سے امامباڑہ بقعۂ نور بنا ہوا تھا اور وہ اس طرح آراستہ کیا گیا تھا کہ اگر اسکی تفصیل کیجائے تو کئی ورق اسمیں صرف ہو جائیں۔ مولوی صاحب کی گاڑی پہونچی تو کئی معزز میزبان دوڑے ہوئے آئے اور سلام و مزاج پرسی کے بعد نہایت پرتپاک الفاظ میں زحمت تشریف آوری کا شکریہ ادا کیا۔ اسکے بعد اُس کمرے کی طرف لے جانا چاہا۔ جہاں افطار کا سامان چنا ہوا تھا اور ہر آنے والے سے اصرار کیا جاتا تھا کہ مجلس کے پہلے کچھ افطار کر لیں۔ پھر مجلس کے بعد کھانا کھائیں گے۔ مگر مولوی صاحب نے عذر کیا کہ میں افطار کر چکا ہوں ابھی کچھ نہیں کھا سکتا تب آپ کے گلے میں پھولوں کا ہار پہنایا۔ عطر لگایا اور پان دیا گیا۔ پھر آپکو لا کر منبر کے قریب ایک قیمتی قالین پر بٹھایا گیا۔ وہاں بانی مجلس کچھ دیر تک رسمی باتیں (شکریہ وغیرہ کی) کرتے رہے۔ پھر حقہ اور چاء حاضر کیگئی۔ مولوی صاحب

نے پینا شروع کیا جب ایک پیالی ختم ہو گئی تو اصرار کیا گیا کہ ایک اور حاضر کیجائے
مگر انھوں نے انکار کیا۔ ساڑھے آٹھ بجے مجلس شروع ہوئی۔ لکھنؤ سے ایک عالم جلیل فضائل
بیان کرنے کے لیے تشریف لائے تھے۔ وہ منبر پر تشریف لے گئے تو درود
کی آواز سے پورا امام باڑہ گونج گیا۔ مولانا صاحب نے اولاً عربی زبان میں نہایت
فصاحت سے ایک طویل خطبہ پڑھا جس سے مولوی صاحب بہت محظوظ ہوئے
اور وجد میں جھومتے رہے اسکے بعد ممدوح نے سورہ قمر (پارہ ۲۷) کی آیت وَاِنْ
یَّرَوْا اٰیَۃً یُّعْرِضُوْا وَیَقُوْلُوْا سِحْرٌ مُّسْتَمِرٌّ (یعنی جب کفار کوئی معجزہ دیکھتے
ہیں تو اس سے منہ پھیر لیتے ہیں اور کہتے ہیں کہ یہ تو بڑا زبردست جادو ہے) کی
تلاوت کی۔ پھر اس کا ترجمہ کرکے اسکی تفسیر بیان کرنے لگے جو معجزات کے امکان
اور اسکے وقوع کی مفصل شرح تھی۔ مولانا نے اس بحث میں معجزات کے متعلق ایسے
فلسفی اور حکمی مسائل بیان کئے کہ تمام مجمع جسمیں جدید تعلیم یافتہ حضرات کا کافی
حصہ تھا پھڑکتا اور فرطِ مسرت میں درود سے اظہار جذبات کرتا رہا۔ مگر مولوی صاحب
کی حالت تو بیان ہی نہیں ہو سکتی معلوم ہوتا تھا کہ وہ علم و حکمت کی ایک نئی دنیا
میں پہونچ گئے ہیں۔ وہ اس محویت سے ایک ایک لفظ کو سنتے تھے کہ اگر رات بھر
وہ تقریر جاری رہتی تو انھیں خبر بھی نہیں ہوتی کہ کس قدر وقت گزر گیا۔ مولانا نے
اسی بحث میں معجزہ شق القمر پھر معراج کے بارے میں ایسے ایسے نکتے اور اس قدر
زبردست اور واجب القبول دلیلیں بیان کیں کہ مولوی صاحب مبہوت ہو گئے اور
کل اہلِ مجلس کمال اشتیاق سے متوجہ رہے۔ کامل ایک گھنٹہ تک مولانا نے معجزات ہی
کی عقلی دلیلیں بیان کیں اور اسکی ذیل میں موجودہ سائنس و فلسفہ کیطرف
سے جو جو اعتراضات ہوتے یا ہو سکتے تھے ان سب کو تفصیل سے نقل
کرتے اور پھر ایک ایک کی دھجیاں اُڑاتے گئے۔ بہت سے بی۔ اے اور ایم۔ اے
وکیلوں بیرسٹروں اور پروفیسروں کی حالت یہ تھی کہ ایک دوسرے کا منہ تکتے تھے
اور معلوم ہوتا تھا کہ مولانا صاحب وہ علمی جادو کر رہے ہیں جس سے سب کے سب بے ہوش

ہو رہے ہیں اور انکے استدلال کی قوت اس قدر زبردست تھی کہ ان لوگوں کی زبان سے واہ واہ۔ واہ۔ سبحان اللہ۔ جزاک اللہ۔ بارک اللہ کی آواز بلند ہو جاتی تھی۔
کتنے تعلیم یافتہ تو درمیان میں یہ بھی بولتے گئے کہ بے شک ایسے زمانہ میں ایسے ہی واعظوں کی ضرورت ہے اور آپ ہی حضرات کے ذریعہ سے اسلام کی حفاظت ہو سکتی ہے۔ کئی معزز تعلیم یافتہ ہندو حضرات تھے وہ سب بھی ان رلل بیانات سے بیخود ہو رہے تھے۔ غرض معلوم ہوتا تھا کہ واقعاً مولانا سحر کر رہے ہیں۔
جس موقع پر چاہا ہنسا دیا جس وقت چاہا لوگوں کو متحیر کر دیا۔ جس وقت چاہا سب سے بے اختیار درود پڑھوا دیا۔ بانی مجلس اس محفل کا رنگ دیکھکر مارے خوشی کے پھولے نہیں سماتے تھے۔ معجزات کے بعد مولانا نے خلافت کا مسئلہ شروع کیا اور ایسی خوبصورتی سے اس پر تقریر شروع کی کہ اپنے مذہب کی حقیت کی ہر بات کہتے گئے اور کسی کو بری نہیں معلوم ہوئی۔ اسکے بعد حضرت امام حسنؑ کے حالات زندگی اور فضائل و مناقب اس خوبی سے بیان کئے کہ پورا مجمع وجد میں جھومتا رہا۔ تقریباً دو گھنٹہ بیان کر کے مولانا ممدوح منبر سے نیچے تشریف لائے تو ہر طرف سے سبحان اللہ سبحان اللہ کیا قدرۃ کلام ہے۔ کیا اعجاز بیان ہے۔ کیا مطالب عالیہ آپ نے ارشاد فرمائے۔ کیسی آپ نے حمایۃ اسلام فرمائی۔ کس قدر ایمان کی جلا ہو گئی۔ وغیرہ آوازیں دیر تک بلند رہیں۔ مومنین ایک دوسرے سے بغلگیر بھی ہو رہے تھے۔ کچھ دیر کے بعد بانی مجلس نے لوگوں کو کھانے پر تشریف لے چلنے کی خواہش کی (سوا ہندو یا چند مسلمانوں کے جنہوں نے بعض معقول عذر کر کے معافی مانگی) سب لوگ اس بڑے کمرے میں گئے جہاں دسترخوان بچھا ہوا اور نہایت پرتکلف کھانے چنے ہوئے تھے۔ مولوی صاحب بھی تشریف لائے اور لکھنوی مولانا صاحب کی بغل میں بیٹھے۔ انھوں نے بھی مولانا صاحب کی بہت مدح و ثنا کی اور تعریف کے پل باندھ دیئے اور واقعاً مولوی صاحب ان مولانا صاحب کی قابلیت اور کمال کا کلمہ پڑھنے لگے تھے اور دل میں سوچتے تھے کہ کسی طرح مولانا صاحب کو دو

روز کے لئے روک کر مناظرہ میں لیچلیں تاکہ آریوں کے اعتراضات کی مصیبت دفع ہو
مگر انکی زبان سے یہ بات کسی طرح نکلتی نہیں تھی جب کھانے سے فراغت ہوگئی تو
کئی اہل سنت تعلیم یافتہ حضرات نے مولوی صاحب کو علحدہ لیجاکر یہ مشورہ کیا کہ کسی
طرح مولانا صاحب کو آریوں کے مناظرہ میں لے چلنا چاہیے۔ یقین ہے کہ یہ ایسا
جواب دینگے جس سے آریوں کی شکست ہو جائیگی"۔

مولوی صاحب۔ میرے دل میں بھی یہی خیال دیر سے ہو رہا ہے مگر جب تک اپنے
علمائے اعلام سے میں دریافت نہ کرلوں اُس وقت تک مولانا صاحب سے کیونکر
کہہ سکتا ہوں۔

تعلیم یافتہ حضرات۔ اُن لوگوں سے دریافت کرنیکی تو کچھ ایسی ضرورت نہیں
معلوم ہوتی۔ آپ کی تحریک کافی ہوگی۔ آپ ہی یہاں کے رکن اعظم اور اس
مناظرہ کی روح رواں ہیں۔

مولوی صاحب۔ نہیں جب کئی ہفتہ سے اُن لوگوں کے ذمہ یہ کام کردیا گیا
تو بغیر انکی راے کے کوئی جدید انتظام کرنا مناسب نہیں ہے۔

تعلیم یافتہ حضرات۔ اگر مولانا صاحب کل صبح لکھنؤ واپس گئے تو کیا ہوگا۔

مولوی صاحب۔ ہاں یہی تردد مجھے بھی ہے۔

تعلیم یافتہ حضرات۔ پھر کیوں نہ اس وقت یہ وعدہ لے لیا جائے کہ مولانا صاحب
کل شب کو اپنا کچھ وقت ہم لوگوں کو دیں۔ اگر راے ہوگئی تو آریوں سے مناظرہ
فرمائیں۔ ورنہ اسی مناظرہ کے میدان میں صرف معجزات پر ایک زبردست تقریر
فرمائیں جو آج سے زیادہ مبسوط اور جامع ہو۔

مولوی صاحب۔ یہ تدبیر بہتر ہے۔

یہ مشورہ کر کے سب حضرات مولانا صاحب کے پاس پہونچے اور اسی بات کو ذکر
کیا۔ مولانا صاحب نے اپنی عدیم الفرصتی کا عذر کیا مگر ادھر زیادہ اصرار ہوا اور بانی
مجلس نے بھی بہت زور دیا کہ "یہ اسلام کی بڑی خدمت کا وقت ہے اور اس وقت

آریوں کے اعتراضات سے مسلمان بہت شرمندہ ہو رہے ہیں۔ اگر آپ ان لوگوں کی تشفی کر دینگے تو بہت بڑا احسان بھی ہوگا اور حمایتِ ایمان بھی ہوگی"۔ تو مولانا صاحب ایک روز اور رہنے پر راضی ہو گئے جس سے بانیٔ مجلس بھی نہایت شکر گزار ہوئے۔

بارہواں باب ۱۲

آریوں سے لکھنوی مولانا صاحب کا مناظرہ

جس وقت مولانا صاحب نے آریوں سے مناظرہ کرنے کا وعدہ کرلیا اس وقت ان تعلیم یافتہ حضرات اور خصوصاً مولوی عبد الغفار صاحب کو جو خوشی ہوئی بیان نہیں ہو سکتی۔ سب نے دیر تک ممدوح کا شکریہ ادا کیا اور اپنے اپنے گھر واپس آئے چونکہ مولوی صاحب شب کو بہت دیر کرکے مکان پہونچے اس وجہ سے آج حسینی بیگم سے اس مجلس کے متعلق کوئی بات نہیں ہوئی۔ صبح جلد اٹھکر مولوی صاحب اُن علمائے کرام کے پاس پہونچے جو ہندوستان کے مختلف مقامات سے آریوں کے ساتھ مناظرہ کرنے کو آئے تھے۔ اور شب کا پورا واقعہ بیان کیا۔ پھر اُن سے کہا کہ "آپ حضرات اگر اجازت دیں تو لکھنوی مولانا صاحب کو بھی مناظرہ میں شریک کرلیا جائے۔ میرے خیال میں معجزات کے متعلق وہ بہت زبردست سلاح ہیں اور آریوں کا دنداں شکن جواب دیں گے"۔ مگر جب کوئی بات کسی مجمع میں برائے رائے و مشورہ پیش کیجاتی ہے تو آسانی سے طے نہیں ہوتی اور مختلف باتیں نکلنے لگتی ہیں۔ اس تجویز کے متعلق بھی ایک پورا مباحثہ شروع ہوگیا۔ کوئی صاحب کچھ کہتے تھے کوئی صاحب کچھ ارشاد فرماتے تھے۔ بیچارے مولوی عبد الغفار صاحب ٹھہرے اکیلے۔ اور اُدھر بہت سے جلیل القدر علماء اور وہ بھی ایسے جن سب کا احترام ضروری۔ مولوی صاحب ہر شخص کا مناسب جواب دیتے تھے مگر تنہا کیا کر سکتے تھے غرض بہت دیر تک گفتگو کرنے کے بعد بھی بات طے نہیں ہوئی۔ اور یہ مسئلہ

یوں ہی رہ گیا۔ دو تین گھنٹہ تک محنت شاقہ کرنے کے بعد مولوی صاحب اپنے مکان
پر واپس آئے اور کھانا کھا کر نماز ظہر کے لئے مسجد میں گئے۔ اس سے فراغت کرکے
پھر میدان مناظرہ میں پہونچے۔ آج مناظرہ ۲ بجے دن سے مقرر تھا ٹھیک وقت
پر شروع ہوا۔ کل جو اعتراضات آریوں نے کئے تھے اور جن کے کافی جوابات
اُس روز علماء نہ دے سکے تھے ان کا جواب شروع کیا گیا مگر ہر جواب پر پھر آریوں
نے ایسے ایسے اعتراضات کئے کہ علماء اسلام اُن کا مفصل جواب نہ دے سکے۔ غرض ۵
بجے شام تک دونوں فریق پوری قوت سے مقابلہ کرتے رہے مگر کسی طرح بحث طے
نہیں ہوئی تب مناظرہ دوسرے دن کے لئے ملتوی کردیا گیا۔ اس وقت وہ تعلیم یافتہ
حضرات بھی جو شب کو دریاآباد کی مجلس میں گئے تھے اور مولوی عبدالغفار صاحب
سے اصرار کرتے تھے کہ لکھنوی مولانا صاحب کو بھی مناظرہ میں شریک کرلیا جائے
اپنے اپنے کاموں سے فارغ ہو کر مکان پر پہونچ گئے اُن سب کو معلوم ہوا کہ آج بھی
مسلمانوں نے آریوں کا تشفی بخش جواب نہیں دیا اور مناظرہ ختم نہیں ہو سکا تو وہ
حضرات خود ان علمائے اسلام کے پاس گئے اور بہت آرزو منت کی کہ آج شب
کو پھر مناظرہ کیا جائے اور اسمیں لکھنوی مولانا صاحب ضرور شریک کئے جائیں۔
بہت دیر تک سمجھانے کے بعد ان حضرات کو راضی کیا۔ اس کے بعد کل حضرات
آریہ مناظرین کے پاس پہونچے اور اُن سے کہا کہ اتفاق سے ایک مولانا صاحب لکھنو
سے آگئے ہیں۔ ہم لوگوں کی خواہش ہے کہ انکو بھی مناظرہ میں شریک کرلیا جائے۔
اور آج شب کو بھی اسی میدان میں مناظرہ ہو تاکہ ہم لوگ بھی شریک ہو سکیں۔ آریہ
حضرات نے پہلے تو کچھ عذر کیا مگر زیادہ اصرار کرنے سے راضی ہو گئے۔ اسی وقت
بڑی کوشش کرکے مسلمانوں کو مطلع کردیا گیا کہ آج شب کو ۸ بجے پھر آریوں سے
مناظرہ شروع ہوگا۔ گو وقت کم ہونے کی وجہ سے دور دور کے محلوں میں خبر نہیں
پہونچ سکی مگر ذی اثر مسلمانوں کے متوجہ ہو جانے کی وجہ سے بہت بڑا مجمع ہو گیا
اور خاص کر اہل علم مسلمان اور ہندو تو کافی تعداد میں جمع ہو گئے۔ ٹھیک ۸ بجے

مناظرہ شروع ہوا۔ لکھنوی مولانا صاحب نے کہا کہ "پہلے آریہ حضرات معترض آپ کے متعلق اپنے کل اعتراضات کا خلاصہ ایک تقریر میں بیان کردیں تاکہ میں سمجھ سکوں ہمارے اور انکے درمیان کن امور پر بحث ہوگی"۔ اسکو سب نے پسند کیا اور آریہ جماعت کے ایک تجربہ کار مناظر نے ۳۰ منٹ تک تقریر کرکے اپنے اعتراضات ذکر کئے۔ جب وہ صاحب اپنی تقریر ختم کرکے بیٹھے تو لکھنوی مولانا صاحب اُٹھے اور کہا کہ حاضرین جلسہ تسلیم میں آج اس صحبت میں پہلی دفعہ حاضر ہوا ہوں اور آخری دفعہ بھی ہے کیونکہ مجھے کل صبح ہی لکھنؤ واپس جانا ضروری ہے۔ لہذا اپنے معزز آریہ بھائیوں کے اعتراضات کے متعلق میں ایک معقول تقریر کرنی چاہتا ہوں جو شاید ایک گھنٹہ میں ختم ہوسکے امید ہے کہ آپ حضرات بحث کو جلد ختم کرنے کے لئے مجھے اسکی اجازت دیں گے جب میں اپنی تقریر تمام کرلوں تب ہر شخص کو اختیار رہوگا کہ اس پر جو اعتراض چاہے پیش کرے۔ اگر مجھ سے ممکن ہوگا تو پھر جواب الجواب عرض کروں گا ورنہ ان اعتراضات کو مان کر سپر انداختہ ہوجاؤں گا"۔ اس پر مجمع سے آواز آئی کہ "ہاں آپ پہلی تقریر بے تکلف ایک گھنٹہ تک کرسکتے ہیں"۔ جسکے بعد مولانا صاحب موصوف نے اپنا بیان شروع کیا اور مجمع کی یہ حالت تھی کہ ہر منٹ پر بڑھتا ہی جاتا تھا کیونکہ مسلمانوں نے کوشش کی تھی کہ دس بجے شب تک دور دور کے محلوں کے مسلمانوں کو خبر ہوتی رہے خواہ کوئی آئے یا نہ آئے۔ مگر چونکہ کئی ہفتہ سے اس مناظرہ نے شہر کے مسلمانوں میں ایک عام بے چینی پیدا کر رکھی تھی اس وجہ سے جسکو جس وقت بھی خبر ہوجاتی تھی گاڑی موٹر۔ لوری کرکے وہاں پہونچا جاتا تھا۔ غرض لکھنوی مولانا صاحب کی تقریر کے شروع ہوتے وقت کئی ہزار مسلمانوں کا مجمع ہوچکا تھا۔ آپکا بیان ایسا سلجھا ہوا اور عام فہم تھا کہ ہر طرف سے واہ واہ۔ سبحان اللہ کے نعرے بلند ہوتے اور تھوڑی تھوڑی دیر پر اللہ اکبر کی آواز مسلمانوں کے دلی جذبات کی ترجمانی کرتی تھی آریہ حضرات بت بنے ہوئے سُن رہے تھے۔ مولانا کا عنوان خطاب اس قدر مہذب شیریں اور دوستانہ تھا کہ کل غیر مسلم حضرات نہایت دلچسپی سے ایک

ایک لفظ سُننے اور خوش بیانی کا پورا مزہ اُٹھا رہے تھے۔ محویت کی یہ حالت تھی کہ جو شخص جس طرح کھڑا یا بیٹھا تھا اسی طرح رہا زانو پہ ٹیکنے کا خیال نہ ہوا معلوم ہوتا تھا کہ مولانا ممدوح کا بیان مقناطیسی خزانہ ہے جو سب مخاطبین کو اپنی طرف جذب کرتا جاتا ہے۔ ایک گھنٹہ تقریر ہوگئی مگر لوگوں کے اشتیاق کی یہ حالت تھی کہ سب اسکے جاری رہنے کیلئے بے چین تھے۔ اب مولانا رُکے اور فرمایا "حضرات! آپ نے مجھے ایک گھنٹہ کی اجازت دی تھی۔ اگرچہ میرا اپنا پورا مطلب واضح نہ کرسکا مگر وعدہ کی پابندی میں اپنا بیان ختم کرتا ہوں۔ اب جن حضرات کو اعتراض کرنا ہو تقریر فرمائیں" یہ کہکر آپ بیٹھ گئے اس پر ہر طرف سے تعلیم یافتہ ہندو اور آریوں نے شور کیا کہ "نہیں نہیں آپ بیان فرمائیں۔ ہم لوگوں کی پیاس باقی ہے کسی کو کچھ کہنا نہیں ہے سبحان اللہ آپ تو علمی و عقلی باتوں کے دریا بہا رہے ہیں۔ آپ تو بحث و استدلال کی عجیب و غریب دنیا کی سیر کرا رہے ہیں۔ خدا نے کیا قابلیت آپ کو عنایت کی ہے اور آپکے دماغ کو کیسی لیاقت عطا کی ہے۔ آپ ایک نکتہ غیر متر قبہ ثابت ہیں ہو۔ خدا کے واسطے ابھی اور بیان فرمائیں۔ ابھی ہم لوگوں کی سیری نہیں ہوئی ہے" غرض دیر تک اسی قسم کی آوازیں بلند رہیں تو مولانا صاحب پھر اُٹھے اور کہا "اچھا حضرات آپکی مجھ غریب الوطن پر اس قدر مہربانی ہے تو میں پھر سمع خراشی کرتا ہوں مگر اب کسی وقت کی تعیین نہیں کرسکتا۔ میں اپنی بیچ بیچ زبان سے جو ہوسکتا ہے پھر ادا کرتا ہوں۔ جو صاحب جس وقت چاہیں میرے بیان پر اعتراض کردینگے میں اسی وقت جواب دینے کی کوشش کرونگا اور جو صاحب میری تقریر سے گھبرا جائیں وہ فوراً بے تکلف مجھ سے فرمادینگے میں خاموش ہو جاؤں گا" اسکے بعد پھر تقریر شروع کی اور سائنس و فلسفہ کی رو میں وہ باتیں بیان کرنے لگے کہ بہت سے حضرات جو بی۔ ایس سی ایم۔ ایس سی کی ڈگریاں حاصل کرچکے تھے اور بہت سے وہ طلبہ جو سائنس و فلسفہ کے اعلے درجوں میں پڑھتے تھے اس تقریر پر مبہوت ہو رہے تھے۔ ایسی ایسی مثالیں ذکر فرمائیں جن کا جواب ممکن ہی نہیں ہے اور ایسے ایسے مناظر عالم کی

تشریح کی جسکی حقیقت سمجھنے سے انسانی عقلیں عاجز نظر آتی ہیں۔ غرض اس دفعہ پورے ۲½ گھنٹہ تک آپ نے وہ زبردست تقریر کی کہ الہ آباد کی زمین میں مدت دراز تک یاد رہیگی۔ ہر طرف سے واہ واہ سبحان اللہ سبحان اللہ کی آواز بلند تھی اور کئی آریہ حضرات نے کہا کہ حضرت! واقعاً ہم نے مان لیا کہ جب آپ ایسا مقرر دنیا میں ہو سکتا ہے جو خود ایک معجزہ معلوم ہوتے ہیں تو اب معجزات کے متعلق شک و شبہہ کی گنجائش نہیں۔ خدا نظر بد سے بچائے۔ آپ پوجنے کے لائق ہیں اور ہماری جماعت میں اگر آپ ایسا فلسفی ہو تو ہم لوگ اسکے پاؤں تلے اپنی آنکھیں بچھائیں۔

تیرہواں باب ۱۳

حدیث حُسَینٌ مِنّی وَاَنَا مِنَ الحُسَین کا مطلب

(حسینؑ مجھ سے ہے اور میں حسینؑ سے ہوں)

لکھنوی مولانا صاحب کی دونوں تقریروں کا مولوی عبد الغفار صاحب پر ایسا زبردست اثر ہوا کہ کئی روز تک انکو انھیں باتوں کا تصور رہا اور وہ اسکی کوشش کرتے رہے کہ جو کچھ مولانا صاحب نے بیان کیا ان سب مطالب کو قلمبند کر لیں چنانچہ بہت کچھ انھوں نے نوٹ بھی کر لیا۔ مگر سُنی ہوئی باتیں کل کیونکر لکھ لی جا سکتی ہیں۔ جب اس واقعہ کو کئی دن گزر گئے تو ایک روز سحری کھانے کے بعد ان سے اور حسینی بیگم سے اس طرح باتیں ہونے لگیں۔

حسینی بیگم۔ جب سے تم دریاآباد کی مجلس گئے ایسے متردد اور متفکر رہے کہ مجھے اس مجلس کا حال پوچھنے کا موقع بھی نہ ملا۔ کہو وہاں کیا دیکھا اور کیا پایا۔

مولوی صاحب جو کچھ تم نے کہا تھا سب کو درست دیکھا اور صحیح پایا۔

حسینی بیگم۔ کیا مذاق کر رہے ہو۔

مولوی صاحب۔ نہیں بقسم کہتا ہوں کہ تمہاری کل باتیں سچی ثابت ہو گئیں۔

ہملوگ محض ناواقف ہونے سے مجلس کو اتنی بری سمجھتے تھے۔ ورنہ حقیقت میں وہ علوم دینیہ کی تعلیم کی ایک اعلیٰ جگہ ہے اور جو لوگ بڑی کتابوں کو دیکھ نہیں سکتے یا دقیق مضامین کو خود نہیں سمجھ سکتے انکے لئے یہ مجلسیں بہترین استاد ہیں جو ایک دو گھنٹہ میں اتنی باتیں بتا دیتی ہیں کہ مہینوں میں لوگوں کو معلوم نہیں ہو سکتیں۔ میرا آریوں کے مناظرہ سے کس قدر پریشان تھا اور کتنے بڑے بڑے علماء کرام مختلف مقامات سے آئے تھے وہ سب بھی عاجز ہو رہے تھے مگر اس مجلس میں معجزات ہی کے متعلق مولانا صاحب نے ایسی تقریر کی کہ میری آنکھیں کھل گئیں اور خدا نے جو فرمایا ہے ان من البیان لسحرا یعنی یقیناً بیان میں جادو کا اثر ہے اسکی تصدیق ہو گئی۔ اس وجہ سے دوسرے روز انھیں مولانا صاحب کو لا کر آریوں کے مقابلہ میں پیش کیا گیا۔ انھوں نے تین گھنٹہ سے زیادہ ایسی مدلل مفصل جامع محققانہ اور شیریں تقریر کی کہ ہزاروں ہندو مسلمان مولانا صاحب کا کلمہ پڑھکر اُٹھے اور کسی ایک آریہ کو بھی اس پر کوئی اعتراض نہیں ملا۔ سب کے سب بُت بنے ہوئے سُن رہے تھے۔ انکا بیان اس قدر زبردست تھا کہ کسی کو پائخانہ پیشاب تک کا حس نہیں ہوا۔ عجیب دماغ پایا ہے اور نہ معلوم کس قدر قوۃ خدا نے انکے ذہن اور زبان میں پیدا کر دی ہے۔

حسینی بیگم۔ یہ بات نہیں ہے۔ وہ لوگ چونکہ برابر اس فن میں مشغول رہتے ہیں اور انکو اچھے اچھے مضامین بیان کرنے کی مشق ہوتی رہتی ہے۔ اس وجہ سے مضامین عالیہ ہی اُن سے نکلتے ہیں اور پھر انکی نیت بھی تو خالص صرف مذہب کی حمایۃ ہوتی ہے اس وجہ سے خدا اُن کی مدد بھی کرتا ہے۔

مولوی صاحب۔ البتہ مولانا صاحب نے ایک حدیث یہ بھی بیان فرمائی تھی کہ آنحضرت صلعم نے فرمایا ہے حسین منی وانا من الحسین۔ یہ حدیث میں نے بھی تو کہیں دیکھی ہے مگر اس کا مطلب نہیں معلوم ہوتا کہ حضرت رسولخدا صلعم امام حسینؑ سے کیونکر ہوئے۔

حسینی بیگم۔ یہ حدیث تو بہت مشہور اور کئی صحابیوں اور کئی طریقوں سے موجود ہے

علامہ شبلنجی کی کتاب نور الابصار صفحہ ۱۲۶ علامہ ابن حجر مکی کی کتاب صواعق محرقہ صفحہ ۱۱۴
مولانا صدر الدین صاحب کی کتاب روائح المصطفیٰ صفحہ ۴۳ اور خود مشکوۃ شریف جلد ۸
صفحہ ۱۳۶ جامع ترمذی شریف صفحہ ۴۶۶ وکنز العمال جلد ۶ صفحہ ۲۲۰ وغیرہ میں موجود ہے۔ اسی
طرح ہزاروں کتابوں میں ہے بلکہ شاید ہی کوئی کتاب ایسی ہو جس میں حضرت امام حسینؑ کے
فضائل لکھے ہوں اور یہ حدیث نہ لکھی ہو۔ مگر اس حدیث کے متعلق تم کو تردّد
کیا ہے۔

مولوی صاحب۔ یہ کہ حضرت امام حسینؑ کا حضرت رسولخداؐ سے ہونا تو ظاہر ہے
کہ آپ حضرتؐ کے نواسے تھے تو آپکا وجود حضرتؐ ہی کی وجہ سے ہوا کہ اگر آنحضرت صلعم
نہ ہوتے تو نہ جناب فاطمہؑ پیدا ہوتیں نہ حضرت حسینؑ موجود ہوتے۔ مگر حضرتؐ نے اپنے کو
کس معنی سے فرمایا کہ میں حسینؑ سے ہوں۔ باپ سے بیٹا اور نانا سے نواسا ہوتا
ہے۔ مگر نواسے سے نانا کیسے ہو سکتا ہے۔ یہ بات تو کسی طرح عقل میں نہیں آتی
ہے۔ حالانکہ حضرت رسولخدا صلعم کا قول ہے جو کسی طرح غلط نہیں ہو سکتا اور نہ
کسی وجہ سے بے معنی ہو سکتا ہے۔ اسمیں کوئی راز ضرور ہے جو ہم لوگوں کی
سمجھ میں نہیں آسکتا۔

حسینی بیگم۔ البتہ حضرت صلعم کی یہ حدیث عقلوں کی حیران کر دینے والی ہے۔ اس
حدیث کو امام ترمذی نے اپنی کتاب میں لکھا ہے تو اسکے حاشیہ پر اسکی شرح اسطرح
لکھی گئی ہے حسین منی وانا من حسین کانہ صلی اللہ علیہ وسلم علم
بنور الوحی ما سیحدث بینہ وبین القوم فخصہ بالذکر وبین انھما کالشئ
الواحد فی وجوب المحبۃ وحرمۃ التعرض والمحاربۃ واکد ذالک بقولہ احب
اللہ من احب حسینا فان محبتہ محبۃ الرسول ومحبۃ الرسول محبۃ اللہ (جامع
ترمذی جلد ۲ صفحہ ۴۶۶ مطبوعہ لکھنؤ) بعینہ یہی مضمون علامہ ملا علی قاری کی شرح مشکوۃ مطبوعہ
مصر جلد ۵ صفحہ ۶۰۵ میں بھی ہے اس کا ترجمہ یہ ہوا کہ حضرتؐ نے جو فرمایا کہ حسینؑ مجھ سے
ہیں اور میں حسینؑ سے ہوں تو گویا آنحضرت صلعم کو نور وحی و نبوت سے معلوم ہو گیا تھا

کہ امام حسینؑ اور حضرتؐ کی امت کے درمیان کیا واقع ہونے والا ہے اس وجہ سے حضرتؐ نے امام حسینؑ کو خاص طور پر ذکر کیا اور واضح فرمایا کہ حضرت رسولِ خداؐ اور امام حسینؑ محبت کے واجب ہونے اور انکی مخالفت کے حرام ہونے اور ان سے جنگ کے ممنوع ہونے میں ایک چیز ایسے ہیں اور خدا نے اس بات کی تاکید بعد والے جملہ سے کی۔ کہ اللہ دوست رکھیگا اس کو جو دوست رکھیگا حسینؑ کو۔ اس لئے کہ امام حسینؑ کی محبت بعینہ رسولؐ کی محبت اور رسولؐ کی محبت بعینہ اللہ کی محبت ہے۔

مولوی صاحب۔ مگر اس حدیث کا یہ مطلب تو دل کو لگتا نہیں ہے۔

حسینی بیگم۔ کیوں؟

مولوی صاحب۔ اس لئے کہ اگر صرف خصوصیت محبت ہی ظاہر کرنا تھی تو حضرتؐ کی دوسری حدیثیں اس مضمون کے واضح کرنے کے لئے کافی تھیں۔ جیسے فرمایا۔ اللھم انی احبھما فاحبھما واحب من یحبھما یعنی اے اللہ میں ان دونوں کو دوست رکھتا ہوں تو بھی انکو دوست رکھ اور جو لوگ ان دونوں کو دوست رکھیں۔ انکو بھی دوست رکھ (جامع ترمذی ص۴۶۶)۔ بس اسی سے معلوم ہو جاتا کہ وجوب محبت میں حضرت رسولِ خداؐ اور امام حسینؑ ایک چیز ہیں۔ علاوہ بریں اگر حضرتؐ کا یہی مطلب ہوتا تو جناب سیدہ اور حضرت حسنؑ کے بارے میں بھی حضرتؐ یہی مضمون ذکر فرمائے ہوتے۔

حسینی بیگم۔ ہاں میرا بھی خیال ہے کہ حضرتؐ کا مطلب یہ نہیں تھا بلکہ کچھ اور تھا اور وہ بہت گہرا مضمون ہے۔

مولوی صاحب۔ وہ کیا۔ کوئی نیا نکتہ تم نے ایجاد کیا؟

حسینی بیگم۔ میرا ذہن دو باتوں کیطرف جاتا ہے۔ ایک یہ کہ حضرت صلعم کے اعلیٰ کمالات میں ایک شہادۃ کا درجہ باقی رہ گیا تھا جس سے خدا نے حضرتؐ کو محروم رکھا اور اس وجہ سے حضرتؐ کی افضلیت ناقص رہی جاتی تھی تو خدا نے حضرتؐ کو امام حسینؑ کے ذریعہ سے یہ کمال عطا فرمایا جس سے حضرتؐ کو درجہ شہادۃ بھی حاصل ہو گیا

اور وہ نقص جاتا رہا۔ اس مضمون کو حضرت مولانا شاہ عبدالعزیز صاحب دہلوی رحمۃ اللہ علیہ نے زیادہ واضح لکھا ہے تحریر فرماتے ہیں اعلم رحمک اللہ تعالیٰ ان الکمالات التی افترقت فی الانبیاء قد اجتمعت فی نبینا فقد اعطی الخلافۃ کما اعطی آدمؑ وداؤدؑ واعطی الملک کما اعطی سلیمانؑ واعطی الحسن کما اعطی یوسفؑ واعطی الخلۃ کما اعطی ابراہیمؑ واعطی الکلام کما اعطی موسیٰؑ واعطی العبادۃ کما اعطی یونسؑ واعطی الشکر کما اعطی نوحؑ وقد زیدت لہ کمالات اخر من انواع الولایات والمحبوبیۃ المطلقۃ والاصطفاء المطلق والرؤیۃ والقرب الاتم والشفاعۃ العظمی والجہاد مع اعداء اللہ الی غیر ذلک من الکمالات کالعلم الوسیع والعرفان الاتم والقضاء والفتیا والاجتہاد والاحتساب والقراءۃ وغیرھا۔ لکن بقی لہ کمال لم یحصل لہ بنفسہ وھی الشہادۃ۔ والسر فی عدم حصولہا لہ بنفسہ انہ لو استشہد فی الحروب ادی ذلک الی کسر شوکۃ الاسلام واختلال الدین ولو استشہد غیلۃ وسرا کما وقع لبعض خلفائہ لم یتم امر شہادتہ بل لا تتمت الشہادۃ لان تمام الشہادۃ ان یقتل الرجل فی الغربۃ والکربۃ وان یعفر جوادہ ویلقی جثتہ مطروحۃ ویقتل حولہ جمع کثیر من اعزۃ اصحابہ واقاربہ وان ینھب ما لہ وان توسر نسائہ وایتامہ کل ذلک فی ذات اللہ فاقتضت حکمۃ اللہ تعالیٰ ان یلحق ھذا الکمال العظیم بسائر کمالاتہ بعد وفاتہ وانقضاء ایام خلافتہ التی ھی شانہ فی المغلوبیۃ والمظلومیۃ برجال من اھل بیتہ بل باقرب اقاربہ واعز اولادہ ومن یکون فی حکم ابنائہ حتی تلحق حالھم بحالہ ویندرج کمالھم فی کمالہ۔ فتوجہت عنایۃ اللہ تعالیٰ بعد انقضاء ایام الخلافۃ الی ھذا الالحاق فاستنابت الحسنین علیہما السلام مناب جدھما علیہ افضل الصلوات والتحیات وجعلتہما مرآتین للاحظتہ وخدین لجمالہ۔ یعنی اے مسلمانو! اللہ تم پر رحم کرے اس بات کو جان لو کہ جو کمالات انبیاء میں الگ الگ تھے وہ سب ہمارے پیغمبر (حضرت رسول خدا صلعم) میں مجتمع ہو گئے تھے۔ جیسے حضرت آدم و داؤد کو

خلافت دی گئی تھی حضرتؑ کو بھی دی گئی۔ اور جیسے حضرت سلیمانؑ کو بادشاہت دی گئی تھی حضرتؑ کو بھی دی گئی۔ اور جیسے حضرت یوسفؑ کو خوبصورتی دی گئی تھی حضرتؑ کو بھی دی گئی۔ اور جیسے حضرت ابراہیمؑ کو خلت (دوستی) دی گئی تھی حضرتؑ کو بھی دی گئی۔ اور جیسے حضرت موسیٰؑ کو کلام دیا گیا حضرتؑ کو بھی مرحمت ہوا۔ اور جیسے حضرت یونسؑ کو عبادۃ دی گئی حضرتؑ کو بھی عطا کی گئی۔ اور جیسے حضرت نوحؑ کو شکر دیا گیا حضرتؑ کو بھی عنایت کیا گیا۔ اور ان سب کے علاوہ بھی بہت سے کمالات حضرتؑ کو زیادہ دیئے گئے جیسے ولایتوں کی مختلف قسمیں۔ محبوبیۃ مطلقہ اصطفاء مطلق رویۃ۔ پورا قرب۔ شفاعۃ عظیمہ۔ دشمنان خدا کے ساتھ جہاد۔ علم وسیع عرفان کامل فیصلہ قضایا فتاوی۔ اجتہاد۔ احتساب۔ قرأۃ وغیرہ۔ لیکن ان سب کمالات کے بعد بھی حضرتؑ میں ایک کمال باقی رہ گیا تھا جو حضرتؑ کو بنفسہ نہیں حاصل ہوا۔ اور وہ شہادۃ ہے۔ اور اس کا راز کہ خود حضرتؑ ہی کو یہ فضیلت کیوں نہ حاصل ہوئی یہ ہے کہ اگر حضرتؑ خود کسی جہاد میں شہید ہوجاتے تو آپکی شہادۃ سے شوکت اسلام جاتی رہتی اور دین الہی میں بڑی خرابی پیدا ہوجاتی۔ اور اگر حضرتؑ اپنی جگہ اس طرح شہید ہوجاتے کہ کوئی دشمن آپ کو دھوکے سے اور چھپکر قتل کر دیتا جیسا کہ بعض خلفاء رسولؐ کے بارے میں واقع ہوا تو حضرتؑ کی شہادۃ کا واقعہ مشہور نہیں ہوتا۔ اور شہادۃ کا درجہ بھی پورا نہیں ہوتا۔ اسلئے کہ کمال شہادۃ تو یہ ہے کہ کوئی شخص عالم مسافرت اور حالت کرب و مصیبت میں قتل کیا جائے اور اسکی سواری کا گھوڑا پے کر دیا جائے اور اسکا بدن زمین پر چھوڑ دیا جائے اور اسکے گرد اسکے عزیز صحابہ اور اقربہ سے بڑی جماعۃ قتل ہو کر پڑی رہے اور اس کا مال و اسباب لوٹ لیا جائے اور اسکی عورتیں اور یتیم بچے قیدی بنا دیئے جائیں اور اسکو یہ سب مصیبتیں خدا کی راہ میں پہونچیں تو خدا کی حکمت اس بات کو مقتضی ہوئی کہ یہ کمال عظیم حضرتؑ کے باقی کمالات میں حضرتؐ کی وفات کے بعد اضافہ ہو اور حضرتؑ کی خلافۃ کی مدۃ تمام ہونیکے بعد یہ فضیلت حضرت حاصل کریں تاکہ حضرتؑ کی مغلوبیۃ و مظلومیتہ کے منافی ہو۔ اور اس کو بھی حکمۃ الہی

مقتضی ہوئی کہ حضرت کو یہ شرف حضرت کے اہلبیت کے کچھ لوگوں بلکہ حضرت کے نہایت قریبی رشتہ داروں بلکہ عزیز ترین اولاد کے ذریعہ سے حاصل ہو وہ اولاد جو حضرت کے فرزندوں کے حکم میں تھی تاکہ ان لوگوں کا حال واقعاً حضرت کے حال سے ملحق ہو جائے اور ان لوگوں کا کمال حضرت کے کمال میں درج ہو جائے اسی وجہ سے حضرت کی خلافت کا زمانہ گزرنے کے بعد خدا کی عنایت اس طرف متوجہ ہوئی کہ یہ کمال بھی حضرت کے کمالات میں بڑھا دیا جائے۔ اسی غرض کے لئے خدا کی عنایت نے حضرت امام حسن وامام حسین علیہما السلام کو حضرت کے جد بزرگوار کا قائم مقام بنا دیا۔ اور ان دونوں حضرات کو حضرت کے کمالات وفضائل کے ملاحظہ کا دو آئینہ اور حضرت کے جمال کا دو رخسارہ قرار دیا تاکہ حضرت کے کمال شہادۃ کی تصویر ان دونوں کی شہادۃ میں نظر آئے۔ اسکے بعد تحریر فرمایا ہے۔ لما کانت الشہادۃ علی قسمین شہادۃ سر وشہادۃ علانیۃ قسمت علیہما فاختص السبط الاکبر بالقسم الاول۔ ولما کان امرہا مستورا لم یظہر لہا ذکر فی الوحی وانبائهم امرها عند الوقوع الصا حتی وقعت علی ید زوجتہ۔ والنذ وجیۃ من علائق المحبۃ دون العداوۃ وکل ذلک لانہ مبنی علی الستر والاخفاء ولذلک لم یخبر بہ النبی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم ولا امیر المومنین علیہ التحیۃ والثناء ولا غیرہما۔ واختص السبط الاصغر بالقسم الثانی ولما کان مبنیٰ امرہ علی الشہرۃ والاعلان انزل اولا فی الوحی علی لسان جبرئیل وغیرہ من الملائکۃ ثم تعیین المکان وتسمیتہ وتعیین الزمان وہو راس الستین۔ ثم اشتہارہ واعلن ذکرہ علی لسان امیر المومنین کرم اللہ وجہہ فی سفرہ الی صفین۔ ثم لما وقعت واقعۃ الشہادۃ اشتہر امرہا بانقلاب التربۃ دما وامطار الدم من السماء وہتف الہواتف بالمراثی ونوح الجن وبکائہم وطوف السباع حافظات لجثۃ ودخول الحیات فی مناخر قاتلیہ الی غیر ذلک من اسباب الشہرۃ لیطلع الحاضرون والغائبون علی قدرھا

بل بابقاء البکاء والحزن المستمر فتلک کربلاء الوقائع الهائلة فی امته الی یوم القیامة فقد بلغت نهایة الشهرة فی الملاء اعلیٰ والاسفل والغیب والشهادة والجن والانس والناطق والصامت یعنی چونکہ شہادۃ کی دو قسمیں ہیں۔ ایک چھپی ہوئی شہادۃ۔ دوسری کھلی ہوئی شہادۃ۔ اس وجہ سے خدا نے آنحضرت صلعم کی شہادۃ کو ان دونوں صورتوں پر تقسیم کردیا اس طرح کہ پہلی قسم (چھپی ہوئی) شہادۃ کیلئے حضرتؐ کے بڑے نواسے امام حسنؑ اختیار کئے گئے۔ مگر چونکہ اس شہادۃ کا حال پوشیدہ رہا اس وجہ سے وحی میں بھی اس کا کوئی ذکر نہیں ہوا اور اُسکے واقع ہونے وقت اس کا حال بھی لوگوں پر مشتبہ رہا یہاں تک کہ امام حسنؑ کی یہ شہادۃ حضرتؐ کی زوجہ ہی کے ہاتھوں واقع ہوئی اور معلوم ہے کہ زوجیت محبت کے تعلقات سے ہے نہ کہ عداوۃ کے علاقوں سے۔ اور یہ سب اسی سبب سے ہوا کہ اس شہادۃ کی بناء ہی رازداری اور پوشیدگی پر تھی کہ کوئی جاننے نہ پائے اور یہ بات چھپی رہے۔ اسی وجہ سے حضرت رسولخدا صلعم یا حضرت امیرالمومنین علیہ السلام نے بھی اس (امام حسن علیہ السلام کی) شہادت کی خبر نہیں دی۔ نہ کسی اور ذریعہ سے اسکی پیشین گوئی کی گئی۔ اور دوسری (کھلی ہوئی) شہادۃ کے لئے حضرتؐ کے چھوٹے نواسے امام حسینؑ کا انتخاب ہوا۔ اور چونکہ اس شہادۃ کی بناء اسکو اچھی طرح مشہور اور اعلان کردینے اور ہر جگہ پھیلا دینے پر تھی۔ اس وجہ سے پہلے اسکی پیشین گوئی حضرت جبرئیلؑ وغیرہ فرشتوں کی زبان پر وحی کی صورت میں نازل کی گئی۔ پھر اس جگہ کی تعیین کی گئی جہاں یہ واقع ہونے والی تھی۔ پھر اس جگہ کا نام بتایا گیا پھر وہ زمانہ بھی بتایا گیا جب یہ واقع ہونے والی تھی جو سنہ ۶۱ ہجری کا شروع تھا۔ پھر اس شہادۃ کا حال خوب اچھی طرح مشتہر کیا گیا اور اسکے ذکر کا اعلان کیا گیا۔ اس طرح کہ حضرت امیرالمومنین علیہ السلام جنگ صفین کو جاتے وقت کربلا میں اُترے اور اس پیشین گوئی سے لوگوں کو باخبر کردیا۔ پھر جب یہ واقعہ شہادۃ واقع ہوگیا تب اسکے حال کا اشتہار (خدا کی طرف سے) اس طرح دیا گیا کہ مٹی خون بن گئی۔

اور آسمان سے خون کی بارش ہوئی۔ اور غیبی ہاتفوں نے حضرت کے مرثیے کہے
اور جنات نے حضرت پر نوحہ پڑھا اور گریہ و بکا کیا۔ اور حضرت کے جسم مبارک کی
حفاظت کرنے کے لئے شیر اور دوسرے درندے اسکے گرد گھومتے رہے اور حضرت
کے قاتلوں کے نتھنوں میں زندہ سانپ گھستے اور نکلتے رہے۔ اسی طرح اور
بہت صورتوں سے اس واقعہ کو مشہور کیا گیا تاکہ سب لوگ اس شہادت سے مطلع
ہو جائیں۔ اور جو لوگ اس موقعہ پر موجود تھے وہ بھی اور جو غائب تھے وہ سب بھی
جان جائیں کہ یہ شہادت عظیمہ واقع ہوگئی۔ بلکہ حضرت نے اپنی امت میں اس تدبیر کو جو
جاری کیا کہ لوگ ہمیشہ اس پر رویا اور نوحہ و ماتم کیا کریں اور قیامت تک اس پر حزن
وغم کریں اور ان ہولناک مصیبتوں کو ذکر کیا کریں اسکی غرض بھی یہی ہے کہ اس
واقعہ کا اچھی طرح اشتہار ہوتا رہے تو یہی نتیجہ بھی حاصل ہوا اور اس واقعہ کی نہایت
درجہ شہرت ہوگئی اور آسمان و زمین اور حاضر و غائب اور جن و انس و انسان و
حیوانات سب اس سے باخبر ہوگئے (رسالہ سر الشہادتین درج رسالہ شہادتین
مطبوعہ لکھنؤ صفحہ ۲۰ تا ۲۷) اب اس حدیث کا مطلب اس بیان سے ملاؤ تو صاف سمجھ میں
آجائیگا کہ حضرت صلعم نے فرمایا کہ میں حسینؑ سے ہوں یعنی میری نبوت و رسالت کا ایک
بڑا کمال شہادت جس سے میں خود محروم رہا میرے فرزند حسینؑ کے ذریعہ سے مجھے حاصل
ہوگا یعنی میری رسالت حسینؑ کی وجہ سے کامل ہوگی کیونکہ اگر حسینؑ نہ ہوتے تو حضرت
رسول خدا صلعم کی نبوۃ ناقص رہ جاتی حضرت امام حسینؑ نے اسکو پورا کر دیا جس سے حضرت
میں وہ تمام کمالات جمع ہوگئے جو دوسرے انبیاء میں تھے اور اب کوئی نبی یا کوئی رسول
حضرتؐ سے بڑھنے نہیں پایا نہ حضرتؐ پر وہ فخر کر سکیگا۔ مختصر یہ کہ اس حدیث کا معنے
یہ ہوا کہ میں حسینؑ کے ذریعہ سے ہی کامل ہوا۔ میں حسینؑ کے سبب سے جمیع کمالات نبوۃ کا
جامع ہوا۔ میں حسینؑ کے ذریعہ سے اس قابل ہوا کہ اب کوئی نبی یا رسول کسی صفت
میں مجھ سے بڑھنے نہیں پائے۔

مولوی صاحب۔ ہاں اس حدیث کا یہ مطلب اس مطلب سے کہیں بہتر اور

حسینیہ ہے جو ترمذی شریف کے حاشیہ کا تم نے پہلے بیان کیا۔ اس میں تو شک نہیں کہ حضرت رسول خدا صلعم کو شہادۃ نہیں حاصل ہوا۔ اور جب حضرت شاہ عبدالعزیز صاحب دہلوی رحمۃ اللہ علیہ ایسے امام جلیل اسکی وجہ یہ بیان کریں اور حضرت حسین رضی اللہ عنہ کے ذریعہ سے اس کا حاصل ہونا ثابت کریں تو کس کو عذر ہوسکتا ہے اور دنیا بھی اس کو تسلیم کرتی ہے کہ شاگرد کا فضل حقیقت میں استاد کا فضل کہا جاتا ہے اور بیٹے کا کارنامہ واقعی باپ کی طرف منسوب ہوتا ہے۔

چودہواں باب ۱۴

حدیث انا من الحسین کا دوسرا مطلب

حقاکہ بنائے لا الہ است حسینؑ کی شرح

مولوی صاحب ۔ تم نے کہا تھا کہ اس حدیث کے مطلب میں تمہارا ذہن دو باتوں کیطرف جاتا ہے۔ ایک تو تم نے بیان کیا۔ اب دوسری کو بھی بتاؤ۔

حسینی بیگم ۔ حضرت رسالتمآبؐ کی خلقت اور بعثت محض اس لئے ہوئی کہ آپ آدمیوں کے بُرے حالات کی اصلاح فرمائیں۔ انکی خرابیاں دفع کریں۔ انکی جہالت مٹائیں۔ انکو ہدایت کریں علم و حکمت سکھائیں اور انکے اخلاق و طرز زندگی کو درست کریں چنانچہ خود خدا تعالیٰ نے حضرتؐ کے بارے میں ارشاد فرمایا ہے کہ ھو الذی بعث فی الامیین رسولا منھم یتلوا علیھم آیاتہ ویزکیھم ویعلمھم الکتاب والحکمۃ وان کانوا من قبل لفی ضلال مبین یعنی وہ خدا وہی ہے جس نے جاہل لوگوں میں ایک پیغمبر انھیں میں سے بھیجا جو انکو خدا کی آیتیں پڑھ پڑھکر سناتا اور انکو پاکیزہ کرتا ان کے اخلاق سنوارتا اور انھیں کتاب و حکمت کی تعلیم دیتا ہے (پ ۲۸ سورہ جمعہ)۔ اور خود حضرتؐ نے بھی اپنی خلقت اور بعثت کی علت یہ بیان فرمائی ہے کہ انما بعثت لاتمم مکارم الاخلاق یعنی میرے پیغمبر بنا کر بھیجے جانیکی غرض صرف یہ ہے کہ میں لوگوں کی

ہدایت اور انکی خرابیوں کی اصلاح کروں اور مکارم اخلاق کو اعلٰے درجہ تک پہونچا دوں
(جامع صغیر صفحہ ۵ و منتخب کنز العمال جلد ۱ صفحہ ۱۳۲) اور اس غرض کے حاصل کرنے کے
لئے حضرت نے دنیا کی تمام لذتیں چھوڑ دیں۔ کل نعمتوں سے باز رہے۔ سب خوشیوں سے محروم رہے
بلکہ انکے عوض آپکو ساحر کذاب۔ مجنون کہا گیا۔ آپکے دوست احباب نے آپکو چھوڑ دیا
آپکا چچا ابولہب تک آپکا دشمن ہوگیا۔ آپ پر کوڑا پھینکا جاتا۔ ڈھیلا پتھر مارا جاتا۔
آپ سے تمام تعلقات قطع کر دیئے گئے حتی کہ آپ شعب ابیطالب میں پناہ گزیں ہوگئے
اس قید نے حضرت اور حضرت کے ساتھیوں کو ایسی اذیت میں مبتلا کر دیا کہ یہ حضرات بھوک کے مارے
درختوں کے پتے کھانے لگے۔ غرض دنیا کے ہر آرام سے محروم اور ہر مصیبت و پریشانی میں مبتلا
ہونا حضرت نے پسند کیا۔ صرف اس لئے کہ لوگ سیدھے راستہ کو اختیار کر کے اپنی
حالت درست کریں۔ اپنی برائیوں کو چھوڑ دیں اور اپنے اخلاق کو ترقی دیں۔ اس کوشش
میں حضرت کو اپنے پیارے وطن مکہ معظمہ سے ہمیشہ ہمیشہ کیلئے چھوڑنا پڑا۔ اگر حضرت نے
اس بات کو پسند نہ کیا کہ آپکی قوم اور ملک والے جس اخلاقی پستی میں چلے آرہے ہیں
اسی میں پڑے رہیں اور جن مفاسد کے مٹانے کے لئے آپ بھیجے گئے تھے وہ انہیں
باقی رہ جائیں۔ اسلئے آپ عمر بھر اس خدمت کو انجام دیتے رہے اور اسمیں بہت بڑی حد تک
کامیاب بھی ہوئے۔ مگر حضرت کو علم نبوت سے یہ بھی معلوم تھا کہ تھوڑے ہی زمانہ
کے بعد اسلام کی صورت پھر بگاڑ دی جائیگی اور جن خرابیوں کو حضرت مٹا رہے ہیں وہ
دوبارہ پیدا ہوجائینگی اور جن اخلاق کو حضرت درست کر رہے ہیں وہ جلد ہی پھر برے
ہوجائیں گے اور اس وقت پھر میری غرض بعثت (یعنی مکارم اخلاق کو ترقی دینے
اور لوگوں کو سیدھی راہ بتانے کا کام) حسینؑ انجام دینگے اور وہ اپنی شہادۃ قبول
کرنے تک باطل کو آشکار کر دینگے اور شیطانی راستوں سے الٰہی راہوں کو چھانٹ
دینگے۔ اسی سبب سے حضرت نے فرمایا انا من الحسین یعنی میری خلقت و بعثت کی غرض
جو ہے حسینؑ سے دوبارہ پوری ہوگی اور انہیں سے لوگ ایمان کو پھر پائیں گے اس وجہ
میں زندہ ہوں یعنی میری کامیابی انکے واسطے سے ہے کہ انہیں کی شہادۃ میری

نبوت کو ہمیشہ باقی رکھنا قیامت تک کیلئے [illegible] سب بنا یہ تھی مختصر یہ کہ آنحضرت صلعم کے دنیا میں
تشریف لانے کی غرض اور رسالت سے تمام فرائض کی ضرورت صرف دو تھی ایک یہ کہ حضرتؐ
آنے ہونے کو بری باتوں سے الگ کر دیں دوسرے یہ کہ ان کو اچھی باتوں میں لگا دیں اور حضرتؐ
اپنی زندگی کے آخری وقت تک انھیں دونوں امور کی کوشش فرماتے رہے مگر خدا نے
حضرتؐ کو علم نبوت کے ذریعہ سے آگاہ کر دیا تھا کہ تمہارے انتقال کے کچھ دنوں کے
بعد یہ دونوں باتیں بدل دیجائینگی اور تمہاری محنت ضائع کر دی جائے گی اُس
وقت تمہارا فرزند حسینؑ ان لوگوں کی اطاعت نہیں کریگا اور نہ انکی باتوں کو گوارا ہوگی
آخر وہ اپنا شہید ہونا اختیار کریگا جس سے آپکی اصلی غرض کو پھر زندہ کریگا جس سے لوگوں
کو حق و باطل کی تمیز ہو جائیگی اور اچھے برے کی شناخت کرنے لگیں گے۔ اسی وجہ سے
حضرتؐ نے فرمایا حسینؑ سے ہوں یعنی میرے دنیا میں آنیکی غرض حسینؑ سے پوری
ہوگی اور میرے مبعوث ہونے کا اصلی نفع حسینؑ سے حاصل ہوگا۔

مولوی صاحب حضرتؐ کے آنیکی دونوں غرض کیونکر بدل دی گئی۔

حسینی بیگم معویہ کا عہد حکومت تو درکنار یزید میں اس قدر اسلام شکن باتیں پھیل گئیں کہ
تمام دنیائے اسلام پر فتنہ چھا گیا۔ اسی وجہ سے حضرت رسولخدا صلعم کو اسلام
کی یہ خراب صورت خواب میں دکھائی گئی علامہ [illegible] لکھتے ہیں رای رسول اللهؐ بنی
فلان ینزون علی منبرہ نزو القردۃ فساءہ ذلک فما استجمع ضاحکا حتی مات
وانزل اللہ وما جعلنا الرؤیا التی اریناک الا فتنۃ للناس یعنی حضرت رسولخداؐ
نے خواب میں بنی فلاں کو دیکھا کہ حضرتؐ کے منبر پر بندروں کی طرح اچک رہے ہیں تو
حضرتؐ کو بڑی اذیت ہوئی۔ اسکے بعد حضرت پیغمبر خدا تک ہنستے ہوئے نہیں دیکھے
گئے اور خدا نے یہ آیت نازل کی کہ جو خواب ہم نے تم کو دکھایا ہے وہ لوگوں کیلئے فتنہ
ہے۔ اب بنی فلاں کون تھے اسکی تصریح اسی کے بعد کی روایتوں میں اس طرح ہے
قال رسول اللہؐ اریت بنی امیہ علی منابر الارض وسیملکونکم فتجدونہم ارباب
سوء واہتم رسول اللہ لذلک فانزل اللہ وما جعلنا الآیہ یعنی حضرت

رسولخداؐ نے فرمایا کہ مجھے خواب میں دکھایا گیا کہ بنی امیہ منبروں پر ہیں اور وہ بہت جلد تم لوگوں کے بادشاہ بن جائیں گے۔ تم انکو شرارتوں کے سردار اور مالک پاؤ گے اس خواب سے حضرت رسولخداؐ محزون و مغموم رہتے تھے تب خدا نے یہ آیت نازل کی کہ اے رسولؐ جو خواب ہم نے تم کو دکھایا ہے الخ۔ اسکے بعد ہی یہ روایت بھی ہے ان رسول اللہؐ اصبح وھو مھموم فقیل مالکؐ یا رسول اللہ فقال انی اریت فی المنام کان بنی امیۃ یتعاورون منبری ھذا فقیل یا رسول اللہ لا تھتم فانھا دنیا تنالھم فانزل اللہ وما جعلنا الآیہ یعنی حضرت رسولخداؐ ایک صبح کو محزون و مغموم اٹھے لوگوں نے عرض کی یا حضرتؐ آج کس بات کا غم ہے؟ حضرتؐ نے فرمایا میں نے خواب میں دیکھا ہے کہ بنی امیہ بار بار میرے منبر پر چڑھتے اور اترتے ہیں لوگوں نے کہا یا حضرتؐ جانے دیجئے اسکا افسوس نہ کیجئے۔ کیونکہ یہ دنیا ہی تو ہے جو انکو ملیگی اس پر خدا نے وہ آیۃ نازل کی (تفسیر در منثور جلد ۴ صفحہ ۱۹۱) اسی وجہ سے خدا نے اس خاندان کو والشجرۃ الملعونہ (لعنت کیا ہوا درخت) فرمایا ہے (پ ۱۵ ع ۶) چنانچہ خود حضرت عائشہ نے بنی امیہ کے رکن مروان بن حکم سے فرمایا تھا کہ سمعت رسول اللہؐ یقول لابیکؐ وجدک انکم الشجرۃ الملعونۃ یعنی میں نے حضرت رسولخدا صلعم سے سنا کہ تیرے باپ دادا کے بارے میں فرماتے تھے کہ تم لوگ لعنت کئے ہوئے درخت ہو (تفسیر در منثور جلد ۴ صفحہ ۱۹۱) اور علامہ طبری نے بھی لکھا ہے۔ فما لعنھم اللہ بہ علی لسان نبیہؐ وانزل بہ کتابا قولہ والشجرۃ الملعونۃ فی القرآن و نخوفھم فما یزیدھم الا طغیانا کبیرا ولا اختلاف بین احد انہ ارادبھا بنی امیہ یعنی ان باتوں سے جن سے خدا نے اپنے رسولؐ کے ذریعہ ان لوگوں پر لعنت کی اور اس لعنت کو اپنی کتاب میں بھی نازل فرمایا خدا کا یہ قول والشجرۃ الملعونہ ہے یعنی وہ درخت جس پر قرآن میں لعنت کی گئی ہے۔ غرض باوجودیکہ ان لوگوں کو ہم ڈراتے رہے لیکن ہمارا ڈرانا انکی سرکشی کو اور کئی درجہ زیادہ کرتا رہا۔ اور کسی کو اس بات میں اختلاف نہیں ہے کہ خدا کی مراد اس شجرہ ملعونہ سے بنی امیہ ہیں۔

(تاریخ طبری مطبوعہ مصر جلد ۱۱ صفحہ ۳۵۶ تفسیر کبیر جلد ۵ صفحہ ۶۰۶ میں بھی یہ مضمون ہے بلکہ بہت سی تفسیروں میں موجود ہے) اب زمانہ معویہ کی دو ایک حکایتیں سنو کہ اسلام کی روح کس درجہ پائمال کردی گئی تھی۔ علامہ مسعودی لکھتے ہیں ان رجلا من اھل الکوفۃ قد دخل علی بعیر لہ الی دمشق فی حال منصرفھم عن صفین فتعلق بہ رجل من دمشق فقال ھذہ ناقتی اخذت منی بصفین فارتفع امرھما الی معویۃ واقام الدمشقی خمسین رجلا بینۃ یشھدون انھا ناقتہ فقضی معویۃ علی الکوفی وامرہ بتسلیم البعیر الیہ فقال الکوفی اصلحک اللہ انہ جمل ولیس بناقۃ۔ فقال معویہ ھذا حکم قد مضی ودس الی الکوفی بعد تفرقھم فاحضرہ وسألہ عن ثمن بعیرہ فدفع الیہ ضعفہ وبرہ واحسن الیہ وقال لہ ابلغ علیا انی اقابلہ بمائۃ الف ما فیھم من یفرق بین الناقۃ والجمل یعنی جب کوفہ کے لوگ جو حضرت علیؑ کے ساتھ جنگ صفین میں گئے تھے وہاں سے واپس آنے لگے تو انہیں کا ایک شخص اپنے اونٹ پر سوار شہر دمشق میں داخل ہوا۔ اسکے پہونچتے ہی شامی ایک شخص اس سے لپٹ گیا اور کہا "یہ تو میری ہی اونٹنی ہے جب کو تو نے جنگ صفین میں مجھ سے چھین لی تھی"۔ اس کوفہ والے نے اس سے انکار کیا۔ اور کہا کہ "نہیں یہ میرا اونٹ ہے"۔ بات بڑھ گئی تو فیصلہ کے لئے یہ مقدمہ معویہ کے پاس پہنچایا گیا۔ وہ بیچارہ کوفی اکیلا تھا وہاں گواہ کہاں سے لاتا مگر شامی نے پچاس آدمیوں کو گواہی کے لئے کھڑا کر دیا جن سبنے گواہی دی کہ "یہ اونٹنی اسی شامی کی ہے"۔ اس پر معویہ نے فیصلہ دیدیا کہ بے شک یہ اونٹنی اسی شامی کی ہے اسکے حوالہ کر دیا جائے۔ اس پر وہ کوفی چلایا کہ اے امیر خدا آپکی اصلاح کرے یہ بھی تو دیکھئے کہ یہ لوگ اس کے اونٹنی ہونے کی گواہی دیتے ہیں۔ مگر یہ تو اونٹ ہے۔ اونٹنی ہی نہیں۔ اس کو آپ کیسے دلواتے ہیں؟ معویہ نے کہا "اب فیصلہ ہو چکا۔ اسکی کوئی اپیل نہیں سنی جا سکتی"۔ غرض وہ شامی وہ اونٹ لیکر چلا گیا اور کوفی بیچارہ منہ تکتا رہا۔ جب سب لوگوں کا مجمع وہاں سے ہٹ گیا اور معویہ اکیلا ہوا تب کسی شخص کو آہستہ سے اس کوفی کے پاس

بھیجکر اُسے بلایا اور پوچھا کہ "بتاؤ تمہارے اونٹ کی کیا قیمت تھی؟" اُس نے بتادی اس پر معویہ نے اسکی دگنی رقم اس کو دیدی اور اسکے ساتھ اور بھی احسان کیا اور کان میں کہا کہ "بھائی اب جاکر علیؑ سے کہدینا کہ میں اُن سے ایسے ایک لاکھ آدمیوں سے لڑونگا جو ایسے اندھے ہیں کہ اونٹ اور اونٹنی تک میں تمیز نہیں کرتے ہیں" (مروج الذہب جلد ۶ صفحہ ۱۰۶ بر حاشیہ تاریخ کامل) اس اندھیر کو تم نے دیکھا کہ پچاس آدمی اونٹ کو اونٹنی بنارہے ہیں اور اسکی گواہی دے رہے ہیں مگر معویہ صاحب اس کو مان لیتے اور اس کوفی کے خلاف فیصلہ کردیتے ہیں۔

مولوی صاحب ۔ مگر بعد کو تنہائی میں بلاکر اسکی دوگنی قیمت تو دیدی۔ اب کیا اعتراض ہوسکتا ہے۔

حسینی بیگم ۔ تم بھی کیا باتیں کرتے ہو۔ کسی کا مال غصب کرلینے کے بعد اسکی قیمت اسکو دےدینا کسی شریعت میں جائز ہے؟ کیا اسلام نے یہی تعلیم دی تھی؟ اس ایک واقعہ میں معویہ نے اسلام کے خلاف کتنی باتیں کیں (۱) کوفی کا مال زبردستی دوسرے کو دلوایا جو اس کوفی پر ظلم ہوا (۲) شامی کو غصبی مال پر تصرف کرنے کا موقع مہیا کردیا (۳) پچاس مسلمانوں کو جھوٹی گواہی دیتے دیکھا مگر اس سے منع نہیں کیا (۴) اس کوفی کو جو حق پر تھا اتنے مسلمانوں کے سامنے ذلیل اور شرمندہ کیا (۵) اس جھوٹے شامی کی جو باطل پر تھا پیٹھ ٹھوک دی اور اس کو اس پر جری کردیا کہ آئندہ بھی وہ اسی طرح دوسروں کے مال پر ڈاکا ڈالا کرے اور مسلمانوں سے جھوٹی گواہیاں دلوایا کرے۔ حالانکہ خدا نے قرآن شریف میں ایسی باتوں سے صاف صاف منع فرمادیا ہے ارشاد ہوتا ہے تعاونوا علی البر والتقوی ولا تعاونوا علی الاثم والعدوان یعنی نیکی اور پرہیزگاری کے کاموں میں ایک دوسرے کے مددگار بنو اور گناہ اور زیادتی کے کاموں میں ایک دوسرے کے مددگار نہ بنو (پ ع ۵) معویہ نے بالکل اسکے الٹا کیا کہ نیکی اور پرہیزگاری کا جو کام تھا (اس کوفی شخص کے دعوی کی تصدیق) اسمیں تو مددگار نہیں بنا اور

گناہ اور زیادتی جو کام تھا (اس شامی کے غلط دعوی کی تائید) اسکی اتنی مدد کی کہ اسی کے حق میں فیصلہ کر دیا۔ یہی علامہ مسعودی یہ واقعہ بھی لکھتے ہیں ولقد بلغ من امرھم فی طاعتھم لہ انہ صلی بھم عند مسیرھم الی صفین الجمعۃ فی یوم الاربعاء یعنی شام والوں کی حالت معویہ کی اطاعۃ و فرماں برداری میں اس حد تک پہونچ گئی تھی کہ جنگ صفین کو جاتے وقت معویہ نے چہار شنبہ ہی کے روز ان فوجیوں کو نماز جمعہ پڑھا دی اور سب نے آنکھ بند کرکے نماز پڑھ لی (بیچارا)

بتاؤ یہ واقعہ بھی بالکل ویسا ہی بلکہ اس سے بڑھا ہوا ہے یا نہیں۔ کیونکہ پہلے واقعہ میں تو صرف پچاس شامیوں نے اونٹنی کو اونٹ کر دیا اور اسکی زور دار گواہی دیدی مگر یہاں ایک لاکھ سے زیادہ مسلمان معویہ کے ساتھ جنگ صفین میں جارہے ہیں اور ان سب کو بدھ کے روز نماز جمعہ پڑھائی جارہی ہے اور سب آنکھ بند کرکے پڑھ لیتے ہیں ان میں کوئی بھی ایسا نہیں نکلا جو کچھ بھی چون و چرا کرتا اور مسعودی ذکر بعض الاخباریین انہ قال لرجل من اھل الشام من زعمائھم و اھل الرأی و العقل منھم من ابو تراب ھذا الذی یلعنہ الامام علی المنبر قال اراہ لصا من لصوص الفتن یعنی بعض مورخین نے بیان کیا ہے کہ شام کے ایک شخص نے اپنے بعض سرداروں سے جو صاحب علم و عقل تھے پوچھا کہ یہ ابو تراب جس پر ہم لوگوں کا امیر (معویہ) برابر منبر پر لعنت کرتا ہے کون تھا؟ تو ان بزرگ نے جواب دیا کہ میں سمجھتا ہوں وہ کوئی ڈاکو تھا (مروج الذہب جلد ۶ صفحہ ۱)

مولوی صاحب ۔ یہ تو اس شخص کی جہالت تھی۔ اس سے امیر معویہ پر کیا الزام ہوا؟

حسینی بیگم ۔ واہ یہ کتنا بڑا الزام ہے کہ شام والوں کو انھوں نے اس درجہ جاہل کر رکھا تھا کہ لوگوں کو یہ تک نہ جاننے دیتے تھے کہ حضرت علیؑ کون ہیں خدا کے ہاں انکا کیسا درجہ تھا حضرت رسولخداؐ سے کیا قرابۃ تھی۔ اسلام پر ان کے کتنے احسانات ہیں بلکہ حضرت رسولخدا صلعم تک سے لوگوں کو بے خبر اور ناواقف بنا رکھا تھا۔ یہی علامہ مسعودی لکھتے ہیں۔ وحکی الجاحظ قال سمعت رجلا من

العامة وهو حاج وقد ذکر له البیت یقول اذا اتیته من یکلمنی منه وانه اخبرہ صدیق له انه قال له رجل منهم وقد سمعه یصلی علی محمد ما تقول فی محمد هذا ا ربنا هو یعنی جاحظ نے بیان کیا ہے کہ میں نے شامی عامہ سے ایک شخص کو جو حج کے ارادے سے جا رہا تھا۔ اسکے سامنے خانہ کعبہ کا ذکر کیا گیا تو وہ پوچھنے لگا کہ بتاؤ جب میں وہاں پہونچوں گا تو کون شخص اسکی طرف سے مجھ سے باتیں کرے گا (یعنی اس حاجی نے خیال کیا کہ خانہ کعبہ بھی کوئی بادشاہ ہے جسکے دربان اور مترجم مقرر ہیں جو اسکی طرف سے لوگوں سے باتیں کرتے ہیں)۔ اور اس کے ایک دوست نے اس سے بیان کیا کہ شام والوں سے ایک شخص کے سامنے اس نے حضرت رسولخدا صلعم پر درود پڑھا تو وہ شامی اس سے پوچھنے لگا کہ یہ محمدؐ کون تھے؟ کیا یہی ہمارے خدا ہیں (مروج الذہب جلد ۲ صفحہ ۱۰۱) یہی علامہ یہ بھی لکھتے ہیں کہ ایک دفعہ کچھ لوگ بیٹھے حضرت ابوبکر و عمر و علیؑ و معویہ کے بارے میں بحث کرتے تھے ان میں ایک بوڑھا شامی بھی ہوئی جسکی ڈاڑھی بڑی تھی اور ان لوگوں سے کہا کہ "کب تک تم لوگ علیؑ و معویہ کے بارے میں بحث کرتے رہو گے"۔ ایک شخص نے اس سے کہا "اچھا تم ہی بتاؤ تم ان لوگوں کے بارے میں کیا کہتے ہو"۔ اس بوڑھے نے پوچھا "کس کے متعلق سوال کرتے ہو"۔ اس شخص نے کہا "علیؑ ہی کے بارے میں بتاؤ کہ تم کیا کہتے ہو"۔ اس بوڑھے شامی نے کہا "وہی علیؑ جو فاطمہؑ کے باپ تھے؟" اس شخص نے پوچھا "فاطمہ کون تھیں؟" اس شامی نے کہا "تھیں کون۔ حضرت رسولخدا صلعم کی بیوی اور عائشہ کی بیٹی تھیں اور عائشہ معویہ کی بہن تھیں"۔ تب اس شخص نے پوچھا کہ "پھر علی کا کیا ہوا" اس شامی نے کہا "وہ تو حضرت رسولخدا کے سامنے غزوہ حنین میں شہید ہو گئے"۔ (مروج الذہب جلد ۲ صفحہ ۱۰۱)

یہ سنکر مولوی صاحب اس قدر ہنسے اس قدر ہنسے کہ کئی منٹ تک لوٹتے رہے

پھر کہا "واللہ عجیب آدمی تھا۔ کیسی بے پر کی اُڑاتا رہا۔ واقعاً بیچارے سخت جہالت میں ڈال دیئے گئے تھے"۔

حسینی بیگم ۔ اس سے زیادہ جرأت دیکھو۔ ایک دفعہ عمرو عاص جو معویہ کیطرف سے مصر کا حاکم تھا۔ مصر سے کچھ لوگوں کو لیکر معویہ سے ملنے کے لئے آیا۔ مگر معویہ کے دربار میں پہونچنے سے پہلے مصر والوں سے کہا کہ "دیکھو معویہ کو خلیفہ کہکر سلام نہ کرنا بلکہ جہاں تک تم سے ہو سکے اسکو چھوٹا اور حقیر ظاہر کر کے سلام بھی کرو اور بات بھی کرو۔ ایسا کرنے سے وہ سمجھیگا کہ تم لوگ بڑی عزت والے اور اتنے بڑے ہو کہ اس کو کوئی چیز نہیں سمجھتے۔ اس سے اسکے دل میں تم لوگوں کی بڑی ہیبت پیدا ہو جائیگی مگر معویہ تو عمرو عاص کا بھی استاد تھا۔ اسکے پاس جب یہ لوگ پہونچے تو اس نے صورت ہی سے پہچان لیا کہ عمرو عاص نے ان لوگوں کو ایسی بات سکھائی ہے تو اس نے اپنے درباریوں سے کہا "مجھے انداز ہوتا ہے کہ عمرو عاص نے ان لوگوں کی نظر میں مجھے حقیر کرنا چاہا ہے۔ اسکے عوض تم لوگ یہ کرو کہ جب یہ میرے قریب آئیں تو میری نہایت درجہ تعظیم کر کے ان کو ایسا گھبرا دو کہ سب جو اس ہو کر مجھ کو سلام کریں۔ درباروالوں نے ایسا ہی کیا جس کا یہ اثر ہوا کہ مصر والوں کی نظر میں معویہ کی اتنی عظمت بڑھ گئی کہ اُن کا پہلا شخص جو معویہ کے پاس پہونچا۔ اس نے بجائے خلیفہ کہکر سلام کرنے کے اس طرح سلام کیا السلام علیک یارسول اللہ۔ اے خدا کے پیغمبر آپ پر میرا سلام ہو۔ اس شخص کی زبان سے اس سلام کا نکلنا تھا کہ سب مصریوں نے اسی طرح معویہ کو سلام کیا جب سب باہر نکلے تو عمرو عاص ان لوگوں پر بگڑا کہ واہ میں نے تم لوگوں سے کہا تھا کہ معویہ کو خلیفہ کہکر سلام نہ کرنا۔ اسکے الٹا تم سب نے اس کو رسول اللہ کہکر سلام کر دیا۔ (تاریخ کامل جلد ۴ ص۵)۔ علامہ ابن اثیر نے یہ بھی لکھا ہے کہ ۵۰ھ ہجری میں معویہ نے یہ حکم دیا کہ حضرت رسولخدا کا منبر مدینہ سے شام منگا لیا جائے چنانچہ لوگ اسکے ہٹانے کے لئے گئے۔ جب منبر کو شہر مدینہ سے جنبش دی گئی تو ایسا سورج

گہن لگا کر دن کو تارے نظر آنے لگے۔ اس حادثہ کو دیکھ کر لوگ ڈرے اور منبر کے لیجانے سے باز رہے (تاریخ کامل جلد ۳ صفحہ ۱۸۳) بتاؤ کیسی کیسی بے ادبی کا سامان اسنے کیا۔ حد ہو گئی کہ حلال خدا کو حرام اور حرام خدا کو حلال کر دیا۔ ابوسفیان نے زمانہ جاہلیت میں کسی فاحشہ عورت سے زنا کیا تھا اس سے زیاد پیدا ہوا جو اس فاحشہ عورت کے شوہر کا بیٹا سمجھا جاتا تھا معویہ نے اسکو اپنا بھائی بنا کر شریعت اسلام کو مٹا دیا (تاریخ کامل جلد ۳ صفحہ ۱۸۷) جناب مولانا وحید الزماں خاں صاحب وقار الملک حیدر آبادی نے اسکے بارے میں تحریر فرمایا ہے جب زیاد بن ابیہ کے نسب کا دعوی کیا گیا تو میں ابوبکرہ صحابی سے ملا اور میں نے کہا یہ تم لوگوں نے کیا کیا۔ اس کا مختصر قصہ یہ ہے کہ ... معویہ کو زیاد کی طرف سے بڑی فکر ہوئی اس لئے کہ ایران کے قلعے مضبوط اور مستحکم اور خزانے بھرپور تھے جو زیاد کے قبضہ میں تھے وہ معویہ سے بخوبی لڑ سکتا تھا معویہ تھے پولیٹکل آدمی انھوں نے کیا تدبیر نکالی کہ مغیرہ کو زیاد کے پاس بھیجا اور بڑی مہربانی اور محبت آمیز باتیں کہلائیں۔ آخر مغیرہ زیاد کو لے کر معویہ کے پاس آگئے۔ اس وقت معویہ نے زیاد سے کہا تو تو میرا بھائی ہے۔ زیاد نے نہ مانا۔ تب معویہ نے اپنی بہن جویریہ بنت ابی سفیان کو زیاد کے پاس بھیجدیا وہ اوسکے سامنے بے پردہ ہو گئی اور اپنے بال کھول ڈالے اور کہنے لگی تو تو میرا بھائی ہے میرے باپ نے خود مجھ سے یہ بیان کیا تھا۔ آخر زیاد ابوسفیان کا بیٹا بننے پر راضی ہو گیا تب معویہ زیاد کو لیکر جامع مسجد میں آئے اور زیاد چار گواہ بنا کر لایا انھوں نے یہ گواہی دی کہ ابوسفیان نے اوسکی ماں سمیہ سے زنا کی تھی اور زیاد ابوسفیان ہی کا نطفہ ہے اوسوقت معویہ نے یہ فیصلہ سنا دیا کہ زیاد ابوسفیان کا بیٹا ہے اور میرا بھائی ہے اس پر ایک شخص نے اعتراض کیا۔ معویہ نے اوسکو برا بھلا کہا گالیاں دیں ....
اہل سنت کی کتابوں میں اکی تصریح ہے کہ معویہ دنیاوی بادشاہوں میں سے تھے۔ نہ خلفاے راشدین میں سے۔ اس لئے کہ خلافت راشدہ امام حسن پر ختم ہو گئی۔ اور حدیث سفینہ کا بھی یہی مضمون ہے۔ اور حضرت شیخ عبدالقادر جیلانی نے جو لکھا ہے

اما خلافۃ معویۃ فصحیحۃ ثابتۃ بعد خلع الحسن بن علی تو یہ حدیث نبوی کے خلاف ہے الخلافۃ بعدی ثلثون سنۃ اس وجہ سے ہم حضرت شیخ کا قول قبول نہیں کر سکتے۔ اور جب معویہ باوجود قریشی ہونے کے خلیفہ نہ ہوئے تو اور کوئی مغل یا ایرانی یا افغانی جو اڑتی سنڈا شرع کے خلاف چلنے والا کیونکر خلیفۃ المسلمین ہو سکتا ہے" (انوار الفتہ پارہ ۵ ص ۴۹) ممدوح نے اسکے خلاف اور بہت لکھا ہے۔

معویہ نے اپنے کارناموں میں یہ بھی اضافہ کیا کہ یزید کو اپنا ولی عہد بنا دیا جس نے اور زیادہ اسلام کی صورت بدل ڈالی۔ اسی وجہ سے حضرت امام حسینؑ نے یزید کی بیعۃ نہیں کی۔ اور اپنی شہادۃ قبول کر کے لوگوں پر واضح کر دیا کہ یزید اور اسکو خلیفہ مقرر کرنے والا (اسکا باپ معویہ) دونوں اسلام کے خلاف چل رہے ہیں۔ پس چونکہ حضرت نے اپنی شہادۃ سے ان لوگوں کا باطل پر ہونا ظاہر کر دیا اور حقیقی اسلام کی طرف لوگوں کو متوجہ کیا اس وجہ سے حضرت رسول خدا نے فرمایا تھا کہ انا من الحسین یعنی میں حسینؑ سے ہوں۔ یعنی میرے دنیا میں آنے کی غرض اور پیغمبر ہونے کا مقصود حسینؑ سے پورا ہوگا کہ وہ دین اسلام کو جو مردہ ہو گیا ہوگا دوبارہ زندہ کر دینگے اور اسلام کے درخت کو جو سوکھ کر مرجھا گیا ہوگا اپنے اور اپنے ساتھیوں کے خون سے سینچکر ہرا کر دینگے اس مضمون کا جوہر حضرت خواجہ معین الدین چشتی علیہ الرحمہ اجمیری نے اپنی اس رباعی میں کھینچ دیا ہے ؎

شاہ است حسینؑ بادشاہ است حسینؑ
دین است حسینؑ دین پناہ است حسینؑ
سر داد و نہ داد دست در دست یزید
حقا کہ بنائے لا الہ است حسینؑ

مولوی صاحب۔ ہاں تم سچ کہتی ہو۔ اسی وجہ سے یزید نے بھی سب سے پہلا کام اپنی بادشاہت شروع ہوتے ہی یہ کیا کہ حاکم مدینہ کو فوراً آنحضرتؑ کی بیعۃ لینے کا حکم بھیجا۔ اس خیال سے کہ جب حضرت میرے تابع ہو جائینگے تو پھر میرے کسی کام پر کوئی اعتراض نہیں کر سکیگا۔ ورنہ ایسی جلدی کیا پڑی تھی کیا بعد کو اطمینان سے اس بات کی کوشش نہیں کر سکتا تھا۔

پندرہواں باب ۱۵

امام حسینؑ کی شہادۃ کی پیشین گوئیاں

مولوی صاحب۔ مگر امام حسینؑ تو ۶۱ھ میں شہید ہوئے اور حضرت رسولخداؐ نے ۱۱ھ میں وفات پائی۔ اس قدر قبل حضرت آپکی شہادۃ کیونکر جانتے جسکی وجہ سے انا من الحسین فرمایا؟ ہم لوگ تو اسکے قائل ہی نہیں ہیں کہ حضرت کو علم غیب حاصل تھا۔

حسینی بیگم۔ خود خدا تعالیٰ نے آنحضرتؐ کو اسکی خبر کردی تھی۔ ایک دو دفعہ نہیں بلکہ کئی مرتبہ فرشتے آتے اور حضرتؐ کو اطلاع دیتے رہے۔ مثال کیلئے چند حدیثیں نہایت معتبر کتابوں سے بیان کرتی ہوں (۱) حضرت شاہ عبدالعزیز صاحب دہلوی نے تحریر فرمایا ہے اما اخبار النبیؐ بھذہ الواقعۃ الھائلۃ من جھۃ الوحی اوبواسطۃ جبرئیل وغیرہ من الملائکۃ فمشھور متواتر یعنی حضرت رسولخداؐ کا جناب جبرئیل اور دوسرے فرشتوں کے واسطے سے اس ہولناک حادثہ کی خبر دینا مشہور اور متواتر ہے (سر الشہادتین ص۵) (۲) اخرج ابوداؤد والحاکم عن ام الفضل بنت الحارث ان النبیؐ قال اتانی جبرئیل فاخبرنی ان امتی ستقتل ابنی ھذا یعنی الحسینؑ واتانی بتربۃ حمراء یعنی امام ابوداؤد و امام حاکم نے روایت کی ہے کہ بی بی ام الفضل جو حارث کی صاحبزادی تھیں بیان کرتی تھیں کہ حضرت رسولخداؐ نے فرمایا کہ میرے پاس جبرئیل نے آکر خبر دی کہ میری امت میرے اس بیٹے حسینؑ کو جلد قتل کردیگی اور وہ میرے پاس (انکے قتل گاہ کی) سرخ مٹی بھی لائے تھے (صواعق محرقہ ص۱۹۶ و کنز العمال جلد ۶ ص۲۲۲ و سر الشہادتین ص۸۲) اور امام احمد بن حنبل کی مسند کو جانتے ہو کہ کس قدر معتبر ہے۔ علامہ سیوطی نے اسکے متعلق لکھا ہے ما کان فی مسند احمد فھو مقبول یعنی جس قدر حدیثیں مسند احمد بن حنبل میں ہیں وہ سب مقبول ہیں (جمع الجوامع خطبہ جلد ۱ ص۳) اور

علامہ شوکانی نے لکھا ہے قد ذکر جماعة من ائمة الحدیث ان هذا الکتاب من احسن الکتب یعنی فن حدیث کے اماموں کی ایک جماعت نے کہا کہ کتاب مسند احمد حدیث کی بہترین کتابوں سے ہے (نیل الاوطار) اور جناب مولانا شاہ ولی اللہ صاحب دہلوی رحمۃ اللہ علیہ نے صحاح ستہ کے ذکر کے بعد لکھا ہے وکاد مسند احمد یکون فی جملة هذه الطبقة فان الامام احمد جعله اصلا یعرف به الصحیح والسقیم قال مالیس فیه فلا تقبلوه یعنی مسند احمد بن حنبل صحاح ستہ کے برابر ہے اس لئے کہ امام احمد نے اس کو ایک اصل قرار دیا ہے جس کے ذریعہ سے صحیح اور غلط حدیثوں کی پہچان ہو جاتی ہے۔ انھوں نے فرمایا ہے کہ جو حدیث اس مسند میں نہ ہو اسے قبول نہ کرو (حجۃ اللہ البالغہ مطبوعہ مصر جلد ۱ صفحہ) اب ایسی عظیم الشان اور معتبر کتاب حدیث سے چند پیشین گوئیاں سنو (۳) عن عبد الله بن نجی عن ابیه انه سار مع علیؓ وکان صاحب مطهرته فلما حاذی نینوی وهو منطلق الی صفین فنادی علیؓ اصبر یا ابا عبد الله بشط الفرات - قلت وما ذا - قال دخلت علی النبیؐ ذات یوم وعیناه تفیضان - قلت یا نبی الله اغضبك احد - ما شان عینیك تفیضان - قال بل قام من عندی جبرئیل قبل فحدثنی ان الحسین یقتل بشط الفرات - قال فقال هل لك الی ان اشمك من تربته - قال قلت نعم - فمد یده فقبض قبضة من تراب فاعطانیها فلم املك عینی ان فاضتا یعنی عبد اللہ نجی نے اپنے باپ سے روایت کی ہے کہ وہ حضرت علیؓ کے ساتھ صفین کی طرف سفر میں جا رہے تھے اور حضرت علیؓ کا سامان طہارت وغیرہ انھیں کے پاس رہتا تھا جب حضرت علیؓ مقام نینوی کے سامنے پہونچے تو بلند آواز سے امام حسین علیہ السلام کو پکار کر فرمایا کہ اے ابو عبد اللہ (امام حسینؑ) دیکھو تم فرات کے کنارے صبر کرنا۔ نجی بیان کرتے ہیں کہ حضرت علیؓ کی یہ عجیب بات سنکر میں نے عرض کی کہ اے حضرت یہ آپ نے کیا فرمایا ہ حضرت نے جواب دیا کہ میں ایک دفعہ حضرت رسول خداؐ کے پاس گیا تو دیکھا کہ حضرت کی آنکھوں سے آنسو جاری ہیں میں نے عرض کی

یا رسول اللہ کیا کسی نے آپکو غضبناک کیا ہے؟ حضور کی چشم مبارک سے آنسو کیوں بہتے ہیں؟ تو حضرتؐ نے فرمایا کسی نے غضبناک نہیں کیا۔ بلکہ ابھی جبرئیلؑ میرے پاس سے اٹھے ہیں انھوں نے بیان کیا کہ حسینؑ فرات کے کنارے قتل کئے جائینگے پھر مجھ سے جبرئیلؑ نے کہا کہ کیا میں وہاں کی مٹی لاکر اسے آپ کو سونگھا دوں؟ میں نے جواب دیا ہاں؟ اس پر انھوں نے ہاتھ دراز کیا اور ایک مٹھی مٹی مجھے دی۔ جس پر مجھ سے ضبط نہ ہو سکا اور میں اپنے رونے کو نہ روک سکا۔

(مسند احمد بن حنبل مطبوعہ مصر جلد ا صفحہ ۸۵) اسی کتاب میں یہ بھی ہے (۴)

عن انس بن مالک ان ملک المطر استاذن ربه ان یاتی النبیؐ فاذن له فقال لام سلمة املکی علینا الباب لا یدخل علینا احد۔ قال وجاء الحسینؑ لیدخل فمنعته فوثب فدخل فجعل یقعد علی ظهر النبیؐ وعلی منکبه وعلی عاتقه قال فقال الملک للنبیؐ اتحبه قال نعم قال اما ان امتک ستقتله وان شئت اریتک المکان الذی یقتل فیه فضرب بیده فجاء بطینة حمراء فاخذتها ام سلمة فصرتها فی خمارها قال ثابت بلغنا انها کربلاء یعنی حضرت انس بن مالک نے روایت کی ہے کہ بارش والے فرشتے نے خدا سے اجازت چاہی کہ حضرت رسولخداؐ کی خدمت میں حاضر ہو۔ تو خدا نے اجازت دیدی۔ وہ آیا تو آنحضرتؐ نے حضرت ام سلمہؓ سے فرمایا کہ تم دروازہ پر ٹھہرو اور کسی کو میرے پاس آنے دو۔ جناب ام سلمہ دروازہ پر چلی گئیں۔ اتنے میں امام حسینؑ آئے اور اندر حضرتؐ کے پاس جانا چاہا۔ ام سلمہ نے انکو روکا مگر وہ کود کر اندر چلے گئے اور آنحضرتؐ کے پاس پہونچکر کبھی حضرتؐ کی پشت مبارک پر کبھی دوش پر کبھی گردن پر بیٹھ جاتے تھے۔ اس پر اس فرشتے نے حضرتؐ سے پوچھا کہ کیا آپ اس صاحبزادے کو بہت پیار کرتے اور دوست رکھتے ہیں؟ حضرتؐ نے فرمایا ہاں۔ فرشتے نے کہا یا حضرتؐ بہت جلد آپ ہی کی امت اسکو شہید کریگی۔ اور اگر آپ چاہیں تو میں آپکو وہ جگہ دکھا دوں جہاں یہ قتل ہونگے۔ اسکے بعد اس فرشتے نے ہاتھ مارا اور تھوڑی سی سرخ مٹی لایا۔ جناب

ام سلمہؓ نے وہ سرخ مٹی لے لی اور اپنے دوپٹے میں باندھ لیا۔ ثابت کہتے تھے کہ ہمیں
معلوم ہوا ہے کہ وہ جگہ (امام حسینؑ کی قتل گاہ) کربلا ہے (مسند احمد جلد ۳ صفحہ ۲۴۲)
اسی کتاب میں یہ بھی ہے (۵) عن عائشۃ او ام سلمۃ ان النبیؐ قال لاحدھما
لقد دخل علی البیت ملکؑ لم یدخل علی قبلھا فقال لی ان ابنک ھذا
حسینؑ مقتول وان شئت اریتک من تربۃ الارض التی یقتل بھا قال
فاخرج تربۃ حمراء یعنی حضرت عائشہ یا حضرت ام سلمہ سے حضرت رسولخداؐ نے فرمایا کہ
میرے پاس اس گھر میں اس وقت ایک ایسا فرشتہ آیا جو آج سے پہلے کبھی میرے پاس
نہیں آیا تھا۔ اس نے مجھ سے کہا کہ آپ کا یہ فرزند حسینؑ قتل کیا جائیگا۔ اگر آپ چاہیں
تو میں اس جگہ کی مٹی بھی آپ کو دکھا دوں جہاں یہ قتل ہونگے۔ پھر اس نے
وہیں کی سرخ مٹی نکال کر دکھا دی (مسند احمد جلد ۶ صفحہ ۲۹۴) اور (۶) امام حاکم نے
بھی ان روایتوں کو اپنی کتاب مستدرک میں درج کیا ہے جس میں یہ روایت بھی ہے۔
عن ابن عباس قال اوحی اللہ الی محمدؐ انی قتلت بیحیی بن زکریا سبعین الفا
وانی قاتل بابن بنتکؑ سبعین الفا وسبعین الفا یعنی حضرت ابن عباسؓ
نے بیان فرمایا ہے کہ خدا نے حضرت رسولخداؐ پر وحی نازل کی کہ میں نے حضرت یحییٰ ابن زکریا
پیغمبر کے قتل ہونے پر انکے خون کے بدلے میں ستر ہزار آدمیوں کو قتل کیا تھا اب
تمہارے نواسے حسینؑ کے خون کے عوض اس کا دوگنا یعنی ایک لاکھ چالیس ہزار آدمیوں
کو قتل کروں گا (مستدرک امام حاکم بحوالہ منتخب کنز العمال برحاشیہ مسند احمد جلد ۵ صفحہ ۱۱۱)
(۷) اور امام عبد بن حمید کشی نے روایت کی ہے۔ قالت ام سلمۃ کان النبیؐ نائما
فجاء حسینؑ یدرج قالت فقعدت علی الباب فامسکتہ مخافۃ ان
یدخل فیوقظہ قالت ثم غفلت فی بیتی فدب فدخل فقعد علی بطنہ۔
قالت فسمعت نحیب رسول اللہؐ۔ قالت فجئت فقلت یا رسول اللہ واللہ
ما علمت بہ۔ فقال انما جاءنی جبرئیل وھو علی بطنی قاعد فقال اتحبہ
فقلت نعم۔ قال امتکؑ ستقتلہ۔ الا اریک التربۃ التی یقتل بھا

قال فقلت بلیٰ۔ فضرب بجناحہ فاتانی بھذہ التربۃ۔ قالت واذا فی یدہٖ تربۃ حمراء وھو یبکی ویقول مالیت شعری من یقتلک بعدی۔ یعنی ام المومنین حضرت ام سلمہ فرماتی تھیں کہ حضرت رسولخداؐ میرے گھر میں آرام فرما رہے تھے اتنے میں آہستہ آہستہ امام حسینؑ وہاں چلے آئے۔ وہ بیان کرتی ہیں کہ انکو دیکھکر میں دروازے پر بیٹھ گئی اور انکو اندر جانے سے روکا اس خیال سے کہ یہ وہاں پہونچکر حضرتؐ کو جگا دیں گے۔ وہ کہتی ہیں کہ پھر میں اپنے گھر میں غافل ہو گئی تو وہ آہستہ آہستہ اندر چلے آئے اور حضرت صلعم کے شکم مبارک پر بیٹھ گئے جسکے بعد میں نے حضرت رسولخداؐ کے رونے کی آواز سُنی جس پر میں فوراً وہاں گئی اور حضرتؐ سے عرض کی یا رسول اللہ مجھے انکے آنے کی خبر نہیں ہوئی۔ اس پر آنحضرتؐ نے فرمایا کہ جب حسینؑ میرے پیٹ پر بیٹھے تھے تو جبرئیلؑ آئے اور کہنے لگے کہ یا حضرتؐ کیا آپ انکو بہت دوست رکھتے اور ان سے محبت فرماتے ہیں؟ میں نے کہا ہاں۔ اس پر انھوں نے کہا کہ بہت جلد آپ کی امت انکو قتل کریگی۔ کیا میں اُس جگہ کی مٹی جہاں یہ قتل ہونگے آپ کو نہ دکھا دوں؟ میں نے کہا اچھا دکھاؤ۔ پس انھوں نے اپنا بازو مارا اور اس جگہ کی یہ مٹی مجھے اٹھا کر دے دی۔ ام سلمہ فرماتی ہیں کہ میں نے دیکھا کہ حضرتؐ کے ہاتھ میں سرخ مٹی تھی اور آپ روتے جاتے تھے اور امام حسینؑ سے فرماتے تھے (اے بیٹا) کاش مجھے معلوم ہوتا کہ میرے بعد کون شقی تم کو قتل کریگا (مسند کشی جس کا نسخہ خانبہادر مولوی خدا بخش صاحب وکیل مرحوم کے مشہور کتبخانہ میں بمقام پٹنہ موجود ہے)۔ یہ کتاب امام ابو محمد عبدالحمید بن حمید بن نصر کشی رحمۃ اللہ علیہ معروف بہ عبد حمید کی ہے جو تیسری صدی ہجری کے بہت جلیل القدر محدث بلکہ امام فن حدیث اور بہت بڑے رکن مذہب اہلسنت تھے۔ سنہ ۲۴۹ھ یا سنہ ۲۶۰ھ ہجری میں انتقال کیا۔ انکی جلالۃ قدر اس سے واضح ہوتی ہے کہ وہ اصحاب صحاح ستہ کے شیوخ میں سے تھے

حضرت شاہ عبدالعزیز صاحب کی کتاب بستان المحدثین میں انکا حال لکھا ہے۔
جناب مولانا نواب صدیق حسن خانصاحب بھوپالی رحمۃ اللہ علیہ انکے بارے
میں تحریر فرماتے ہیں مسلم و ترمذی و دیگر محدثین اجلہ از وے روایت دارند و بخاری
در دلائل النبوۃ از صحیح خود تعلیقاً از وے روایت کردہ و نامش عبدالحمید بردہ یعنی
امام مسلم و ترمذی اور دوسرے بڑے محدثین نے ان سے روایت کی ہے۔
اور امام بخاری نے بھی اپنی صحیح بخاری کے دلائل النبوۃ میں تعلیقاً ان سے روایت
کی اور انکا نام عبدالحمید بتایا ہے (کتاب اتحاف النبلاء ص۳۱) یہ بزرگ صاحب
مسند ہیں انکی کتاب مسند کشی کے نام سے مشہور ہے (۹) اور امام ابونعیم تحریر فرماتے
ہیں عن انس بن مالک قال استاذن ملک المطر ان یاتی النبیؐ فاذن لہ فقال
لام سلمۃ احفظی علینا الباب لا یدخل احد قال فجاء الحسین بن علی فوثب
حتی دخل فجعل یصعد علی منکب النبیؐ فقال لہ الملک اتحبہ فقال النبی صلعم
نعم۔ قال فان من امتک من یقتلہ وان شئت اریتک المکان الذی
یقتل فیہ۔ فضرب بیدہ فاراہ تراباً احمر فاخذتہ ام سلمۃ رضی اللہ
عنہا وفی روایۃ سلیمان بن احمد فشمہا رسول اللہ وقال ریح کرب و بلاء
فقال کنا نسمع انہ یقتل بکربلا ہو یعنی حضرت انس بن مالک بیان کرتے تھے
کہ بارش والے فرشتے نے خدا سے اجازت چاہی کہ حضرت رسولخداؐ کی خدمت
میں آئے۔ اجازت مل گئی تو حضرت نے جناب ام سلمہؓ سے فرمایا کہ دروازے
پر رہو تاکہ کوئی اندر نہ آنے پائے۔ اتنے میں امام حسینؑ آ گئے اور اچھل کر حضرت
صلعم کے پاس پہونچ گئے اور وہاں حضرتؐ کے کاندھے پر چڑھنے لگے تو
حضرتؐ سے اس فرشتے نے پوچھا کہ کیا آپ ان سے محبت فرماتے ہیں حضرت
رسولخدا صلعم نے فرمایا ہاں۔ تب اس فرشتہ نے کہا آپکی امت میں
ایسے لوگ بھی ہونگے جو ان کو قتل کریں گے اور اگر آپ پسند کریں تو آپکو
میں وہ جگہ بتادوں جہاں یہ ذبح کئے جائیں گے۔ اسکے بعد اس نے ہاتھ

مارا اور حضرت کو سرخ مٹی دکھا دی جسکو پھر حضرت ام سلمہ نے لے لیا۔ اور سلیمان بن احمد کی روایت میں ہے کہ پھر اس مٹی کو حضرت رسولخدا صلعم نے سونگھا اور فرمایا کہ اس مٹی سے تو کرب وبلا کی بو آتی ہے حضرت انس نے بیان کیا کہ ہم لوگ سنا بھی یہی کرتے تھے کہ حضرت کربلا میں شہید ہونگے۔
(کتاب دلائل النبوۃ جزو ثالث صـ۲۰۲ مطبوعہ حیدرآباد دکن) یہ امام ابونعیم احمد بن عبداللہ اصفہانی رحمۃ اللہ علیہ چوتھی صدی کے اکابر محدثین اور اجلہ علماے اہلسنت سے ہیں بستان المحدثین وغیرہ میں انکی بہت مدح وثنا مرقوم ہے۔ اور جناب مولانا نواب صدیق حسن خانصاحب بھوپالی رحمۃ اللہ نے اُنکے بارے میں تحریر فرمایا ہے از اعلام محدثین واکابر حفاظ دین و ثقات صوفیہ متقین ست در سنہ سہ صد وشش متولد شدالخ یعنی امام ابونعیم بڑے معتبر اور معزز محدثین اور اعلےٰ درجہ کے حافظان حدیث اور موثقین صوفیہ متقین سے ہیں سنہ ۳۰۶ ہجری میں پیدا ہوئے (اتحاف النبلاء صـ۱۹۸)۔ ان کی بہت سی تصنیفات ہیں جنمیں یہ کتاب دلائل النبوۃ بھی ہے جو اپنے فن کی ایک لاجواب اور بے مثل ونظیر کتاب ہے (۹) اور ملا علی متقی رحمۃ اللہ علیہ نے تحریر فرمایا ہے مقتل الحسینؑ اخبرنی جبرئیل ان حسینا تقتیل بشاطی الفرات یعنی حضرت رسولخدا صلعم نے فرمایا کہ جبرئیل نے مجھے خبر دی ہے کہ حسینؑ دریاے فرات کے کنارے قتل کئے جائیں گے (۱۰) اتانی جبرئیل فاخبرنی ان امتی ستقتل ابنی ھذا یعنی الحسینؑ واتانی بتربۃ من تربۃ حمراء یعنی آنحضرتؐ نے فرمایا کہ میرے پاس جبرئیل آئے اور خبر دی کہ میری امت جلد میرے اس بیٹے حسینؑ کو قتل کریگی۔
(۱۱) اخبرنی جبرئیل ان ابنی الحسین یقتل بعدی بارض الطف وجاءنی بھذہ التربۃ واخبرنی ان فیھا مضجعہ یعنی آنحضرتؐ نے فرمایا کہ جبرئیل

نے مجھ سے بیان کیا ہے کہ میرا بیٹا حسینؑ میرے بعد زمین طف میں قتل کیا جائیگا اور میرے پاس یہ مٹی لائے ہیں اور کہا ہے کہ حسینؑ کا مزار اسی زمین میں ہوگا (۱۲) اخبرنی جبرئیل ان ابنی الحسینؑ یقتل بارض العراق فقلت لجبرئیل ارنی تربة الارض التی یقتل فیھا فجاء فھذہ تربتھا یعنی جبرئیلؑ نے مجھ سے بیان کیا کہ میرا بیٹا حسینؑ زمین عراق پر قتل کیا جائیگا۔ اس پر میں نے جبرئیل سے کہا کہ مجھے اس زمین کی مٹی دکھا دو جہاں یہ قتل ہونگے۔ تو وہ آئے اور یہ وہاں کی مٹی ہے (۱۳) ان جبرئیل اخبرنی ان ابنی الحسین یقتل وھذہ تربة تلک الارض یعنی جبرئیل نے مجھے خبر دی کہ میرا بیٹا حسینؑ قتل کیا جائیگا اور یہ اس زمین کی مٹی ہے (۱۴) ان جبرئیل کان معنا فی البیت فقال اتحبہ یعنی الحسین فقلت اما فی الدنیا فنعم فقال ان امتک ستقتل ھذا بارض یقال لھا کربلا فتناول جبرئیل من تربتہ فارانیہ یعنی آنحضرتؐ نے فرمایا کہ جبرئیل میرے ساتھ اس گھر میں تھے تو انھوں نے مجھ سے پوچھا کہ آپ ان حسینؑ سے محبت کرتے ہیں؟ میں نے کہا ہاں۔ اس پر وہ بولے کہ آپکی امت عنقریب ان کو قتل کریگی اس زمین پر جس کو کربلاء کہتے ہیں۔ پھر جبرئیلؑ نے وہاں کی مٹی لی اور مجھے دکھادی (۱۵) ان جبرئیل اخبرنی ان ابنی ھذا یقتل وانہ اشتد غضب اللہ علی من یقتلہ یعنی ارشاد نبیؐ ہے کہ جبرئیلؑ نے مجھے خبر دی ہے کہ میرا یہ بیٹا حسینؑ قتل کیا جائیگا اور جو اوس کو قتل کرے گا اس پر اللہ کا غضب بہت ہی سخت ہوگا (۱۶) ان جبرئیل اتانی واخبرنی ان ابنی ھذا یقتلہ امتی فقلت فارنی تربتہ فاتانی بتربة حمراء یعنی فرمایا آنحضرتؐ نے کہ جبرئیلؑ میرے پاس آئے تھے اور مجھے خبر دی کہ میرے اس بیٹے حسینؑ کو میری امت قتل کریگی۔ تو میں نے کہا مجھے وہاں کی مٹی دکھا دو اس پر انھوں نے یہ سرخ مٹی دی۔

(۱۷) ان جبرئیلؑ ارانی التربۃ التی یقتل علیھا الحسین فاشتد غضب اللہ علی من یسفکؑ دمہ فیا عائشہ والذی نفسی بیدہٖ انہ لیحزننی فمن ھذا من امتی یقتل حسینا بعدی یعنی آنحضرتؐ نے فرمایا کہ جبرئیلؑ نے مجھے وہ مٹی دکھائی جس پر حسینؑ قتل کیا جائیگا۔ اسکی وجہ سے اللہ کا غضب اس شخص پر بہت شدید ہوگا جو ان کا خون بہائیگا۔ اے عائشہ خدا کی قسم اس خبر سے مجھے بڑا رنج وصدمہ ہے۔ یہ کون شخص میری امت کا ہے جو میرے بعد حسینؑ کو قتل کرے گا (۱۸) اوحی اللہ الی انی قتلت بیحیی بن زکریا سبعین الفا وانی قاتل بابن بنتکؑ سبعین الفاو سبعین الفا یعنی آنحضرتؐ نے فرمایا کہ خدا نے مجھ پر وحی نازل کی کہ میں نے یحیٰی بن زکریاؑ کے خون کی وجہ سے ستر ہزار شخصوں کو قتل کیا۔ اور اب تمہارے نواسے حسینؑ کے خون کی وجہ سے ایک لاکھ چالیس ہزار دشمنوں کو قتل کرونگا (۱۹) قام عندی جبرئیل من قبل فحدثنی ان الحسینؑ یقتل بشط الفرات وقال ھل لکؑ ان اشمکؑ من تربتہ۔ قلت نعم۔ فمد یدہ فقبض قبضۃ من تراب فاعطانیھا فلم تملکؑ عینی ان فاضتا یعنی آنحضرتؐ نے فرمایا کہ میرے پاس سے ابھی جبرئیلؑ اٹھکر گئے۔ وہ بیان کرتے تھے کہ حسینؑ دریائے فرات کے کنارے قتل کیئے جائیں گے۔ اور انھوں نے مجھ سے یہ بھی پوچھا کہ کیا آپ اسکو پسند کرینگے کہ میں آپ کو ان کے قتل گاہ کی مٹی سونگھا دوں۔ میں نے کہا ہاں۔ اس پر انھوں نے اپنا ہاتھ بڑھایا اور ایک مٹھی مٹی لے کر مجھے دی۔ اس پر میری آنکھیں نہ رک سکیں اور ان سے بے اختیار آنسو جاری ہوگئے (۲۰) کانی انظر الی کلب القع یلغ فی دماء اھل بیتی یعنی حضرت امام حسینؑ خود فرماتے تھے کہ رسولخداؐ نے فرمایا کہ گویا میں ایک چتلا کتا دیکھ رہا ہوں جو میرے اہلبیت کے خون میں منہ ڈالتا اور انکا لہو چاٹتا ہے (کنز العمال جلد ۶ صـــ ۲۲۲ و ۲۲۳)

یہی ملا علی متقی رحمۃ اللہ علیہ دوسری جلد میں بھی تحریر فرماتے ہیں (۲۱) قتل الحسین رضی اللہ عنہ عن علی لما احیط بالحسین بن علیؑ قال ما اسم الارض قیل کربلاء فقال صدق رسول اللہؐ ارض کرب وبلاء یعنی حضرت امام زین العابدین علیہ السلام سے روایت ہے کہ جب حضرت امام حسینؑ کو دشمنوں نے گھیر لیا تو حضرتؑ نے پوچھا اس زمین کا نام کیا ہے؟ لوگوں نے عرض کی کربلاء۔ تو آپ بول اٹھے کہ سچ فرمایا تھا حضرت رسولِ خدا نے یہ کرب و بلاء کی زمین ہے (۲۲) عن محمد بن عمر بن حسین قال کنا مع الحسین بنھر کربلا فنظر الی شمر ذی الجوشن فقال صدق اللہ و رسولہ قال رسول اللہ کانی انظر الی کلب ابقع یلغ فی دماء اھل بیتی وکان شمر ابرص یعنی محمد بن عمر بن حسین بیان کرتے تھے کہ ہم لوگ کربلاء میں حضرت امام حسینؑ کے ساتھ تھے۔ جب آپؑ نے وہاں شمر ذی الجوشن کو دیکھا تو کہا کہ سچ فرمایا اللہ اور اسکے رسولؐ نے کیونکہ آنحضرتؐ نے ارشاد فرمایا تھا کہ گویا میں ایک سفید داغ والے کتے کو دیکھتا ہوں کہ وہ میرے اہلبیتؑ کے خون میں منہ ڈالتا اور ان کا لہو چاٹتا ہے۔ راوی کہتا ہے کہ شمر واقعاً ابرص (سفید داغ والا) تھا (۲۳) عن علی قال لیقتلن الحسین قتلا وانی لاعرف تربۃ الارض التی بھا یقتل قریبا من النھرین یعنی حضرت علیؑ فرماتے تھے کہ حسینؑ بہت سختی سے قتل کئے جائیں گے اور میں اس زمین کی مٹی تک کو پہچانتا ہوں جہاں یہ قتل ہونگے۔ وہ جگہ مقام نہرین کے قریب ہے (کنز العمال جلد ۷ صلا)۔ اور مشکوٰۃ شریف میں بھی یہ پیشین گوئی بہت دردناک عنوان سے موجود ہے۔ (۲۴) عن ام الفضل بنت الحارث انھا دخلت علی رسول اللہؐ فقالت یا رسول اللہؐ انی رایت حلما منکرا اللیلۃ قال وما ھو۔ قالت انہ شدید۔ قال وما ھو۔ قالت رایت کان قطعۃ من جسدک قطعت ووضعت فی حجری۔ فقال رسول اللہؐ رایت خیرا تلد فاطمۃ ان شاء اللہ غلاما یکون فی حجرک فولدت فاطمۃ الحسین فکان فی

حجری کما قال رسول اللہؐ۔ فدخلت یوما علی رسول اللہؐ فوضعتہ
فی حجرہ ثم کانت منی التفاتۃ فاذا عینا رسول اللہؐ تھرایقان الدموع
قالت فقلت یا نبی اللہ بابی انت وامی مالکؐ قال آتانی جبرئیلؑ
فاخبرنی ان امتی ستقتل ابنی ھذا۔ فقلت ھذا؟ قال نعم و
اتانی بتربۃ من تربتہ حمراء یعنی حارث کی بیٹی ام الفضل[1] بیان کرتی
تھیں کہ ایک دفعہ میں حضرت رسولخدا صلعم کی خدمت میں حاضر ہوئی اور عرض کی
کہ اے رسولخدا میں نے ایک برا خواب پچھلی رات کو دیکھا ہے۔ حضرتؐ
نے پوچھا کیا دیکھا تھا؟ میں نے کہا یا حضرتؐ وہ بہت سخت ہے حضرتؐ نے فرمایا
کچھ بتاؤ بھی تو کہ کیا دیکھا۔ میں نے کہا یہ دیکھا کہ گویا آپ کے جسم مبارک کا ایک ٹکڑا
کاٹا گیا اور میری گود میں رکھ دیا گیا ہے۔ یہ سنکر حضرت رسولخدا صلعم نے فرمایا
یہ خواب تو تم نے بہت ہی اچھا دیکھا ہے۔ انشاء اللہ فاطمہؑ کے ہاں ایک
بیٹا پیدا ہوگا جو تمہاری گود میں رہیگا تم اسکو دودھ پلاؤگی۔ واقعاً ایسا ہی
ہوا کہ جناب فاطمہؑ کے ہاں حضرت امام حسینؑ پیدا ہوئے جو حضرت رسولخداؐ کی پیشین
گوئی کے مطابق میری گود میں پرورش پانے لگے۔ ایک روز ایسا اتفاق ہوا کہ میں
(امام حسینؑ کو لیکر) حضرت رسولخداؐ کی خدمت میں حاضر ہوئی اور حسینؑ کو حضرتؐ
کی گود میں دیدیا پھر دوسری طرف دیکھنے لگی۔ اسکے بعد جو ادھر پھری تو کیا
دیکھتی ہوں کہ حضرت رسولخدا صلعم کی دونوں آنکھوں سے آنسو کے دو دریا
جاری ہیں۔ وہ کہتی تھیں کہ یہ دیکھکر میں (گھبرائی اور) حضرتؐ سے پوچھا
کہ یا رسول اللہ میرے باپ ماں حضور پر نثار ہو جائیں کیا ہوا آپ کیوں
رونے لگے؟ حضرتؐ نے فرمایا کہ ابھی میرے پاس جبرئیل علیہ السلام آئے تھے۔

---

[1] یہ ام الفضل حضرت رسولخدا صلعم کی چچی بھی تھیں اور سالی بھی۔ چچی اس طرح کہ حضرتؐ
کے چچا جناب عباس بن عبدالمطلب کی بیوی تھیں۔ اور سالی اس طرح کہ آنحضرت صلعم
کی بیوی جناب میمونہ کی اپنی بہن تھیں (اصابہ جلد ۸ صفحہ ۲۶۶ مطبوعہ مصر)

اور مجھے خبر دی کہ میری ہی امت میرے اس بیٹے کو بہت جلد قتل کریگی۔ میں نے (گھبرا کر) پوچھا کیا اس صاحبزادے کو؟ حضرتؐ نے فرمایا ہاں۔ اور مجھ کو ان کے قتل گاہ کی سرخ مٹی بھی دی ہے (مشکوٰۃ شریف باب مناقب اہلبیتؑ مطبوعہ لاہور جلد ۸ صفحہ ۱۴۰)

مولوی صاحب۔ اب بس بھی کرو گی یا پڑھے ہی چلی جاؤ گی؟ ایک ہی مضمون کو سیکڑوں کتابوں سے پڑھنے میں تمہارا دل نہیں گھبراتا؟

حسینی بیگم۔ چونکہ تم نے کہا تھا کہ آنحضرت صلعم سنہ ۱۱ ہجری میں انتقال فرما گئے تھے پھر حضرت امام حسینؑ کی شہادۃ کی خبر کیسے دی جو سنہ ۶۱ ہجری میں واقع ہوئی۔ اس وجہ سے میں نے حدیث ہی کی اتنی بڑی اور معتبر کتابوں سے اس روایۃ کو بیان کر دیا کہ تم کو یا کسی کو اسکے بارے میں کچھ بھی کہنے یا شک و شبہ کرنے کی گنجائش نہ رہے بات ایک ہی تھی مگر مختلف علماء و محدثین کی متعدد کتابوں میں اور اسی طرح مختلف صحابہ کرام و تابعین کی روایتوں سے ہے اس وجہ سے سب کو ذکر کر دیا۔ اگرچہ میں دیکھتی تھی کہ تم اس طول بیان سے گھبرا رہے ہو۔ جب خدا نے آنحضرتؐ پر اسکی وحی نازل فرمائی تھی تو کیا یہ خبر کبھی غلط ہو سکتی تھی؟

مولوی صاحب۔ ایک ہی بات اگرچہ سیکڑوں کتابوں میں ہو مگر کئی دفعہ سننے سے دل نہیں لگتا اور وہ بات بھی خلاف فصاحۃ معلوم ہوتی ہے۔

حسینی بیگم۔ مگر جو ضروری بات ہو اس کا بار بار کہے جانا عین فصاحۃ ہے دیکھو خدا نے قرآن مجید سورہ رحمان (پ ۲۷) میں ایک دو آیۃ کے بعد فبای آلاء ربکما تکذبان (اے جن و انس تم اپنے پروردگار کی کون کون سی نعمتوں سے انکار کرو گے) فرمایا ہے۔ اس چھوٹی سورہ میں جسمیں صرف ۷۸ آیتیں ہیں ۳۰ مرتبہ سے زیادہ خدا نے اسی آیۃ کو ذکر کیا ہے۔ تو کیا وہ بھی معاذ اللہ خلاف فصاحۃ ہی ہے۔

مولوی صاحب۔ تم تو ہر بات میں مجھے ہرا دیتی اور میری زبان بند کر دیتی ہو۔

قرآن کو کوئی شخص خلاف فصاحت کیسے کہ سکتا ہے اور یہ بھی ٹھیک ہے کہ سورہ رحمٰن میں خدا نے تقریباً ہر آیت کے بعد اس آیت کو بیان فرمایا ہے۔

حسینی بیگم ۔ تم گھبرا گئے تو میں بھی اب ان پیشینگوئیوں کو ختم کرتی ہوں اگرچہ ابھی بہت باقی رہ گئی ہیں اور سب ذکر کیجائیں تو سو سے کم نہ ہونگی مگر میں آخر میں صرف ایک پیشین گوئی اور بیان کر کے اسکو تمام کرونگی (۲۵) حضرت غوث اعظم محبوب ربانی غوث صمدانی حضرت شیخ محی الدین عبدالقادر جیلانی رضی اللہ عنہ کو تو خوب جانتے ہو حضرت ممدوح نے بھی اپنی مشہور کتاب میں تحریر فرمایا ہے۔

روی عن ام سلمہؓ انہا قالت کان رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم فی منزلی اذا دخل علیہ الحسینؓ فطالعت علیہما من الباب واذا الحسینؓ علی صدر النبی صلی اللہ علیہ وسلم یلعب وفی ید النبی صلی اللہ علیہ وسلم قطعۃ من طین ودموعہ تجری فلما خرج الحسینؓ دخلت فقلت بابی انت وامی یا رسول اللہؐ طالعت علیکؐ وفی یدک طینۃ وانت تبکی فقال صلی اللہ علیہ وسلم لی لما فرحت بہ وھو علی صدری یلعب آتانی جبرئیل ؑ وناولنی الطینۃ التی یقتل علیہا فلذلک بکیت یعنی حضرت ام سلمہؓ بیان کرتی تھیں کہ ایک روز حضرت رسولخدا میرے گھر تشریف رکھتے تھے۔ اتنے میں حضرت کے پاس حسینؓ پہنچ گئے۔ میں دروازہ سے دونوں صاحبوں کو جھانک کر دیکھنے لگی تو کیا دیکھتی ہوں کہ حضرت رسولخدا کے سینہ پر حسینؓ چڑھے ہوئے کھیل رہے ہیں اور حضرت رسولخدا صلعم کے ہاتھ میں تھوڑی مٹی ہے اور حضرت ؐ کی آنکھوں سے آنسو جاری ہیں جب حسینؓ وہاں سے نکل آئے تو میں حضرت ؐ کی خدمت میں گئی اور عرض کی اے رسولخدا میرے باپ اور ماں حضور پر نثار ہو جائیں میں نے در سے جھانک کر حضور کو دیکھا تو آپ کے ہاتھ میں مٹی تھی اور آپ روتے تھے۔ وہ مٹی کیسی تھی اور حضور کیوں روتے تھے؟ اس پر حضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا کہ جب حسینؓ میرے سینہ پر کھیل رہے تھے اور میں انکی کھیل سے باغ

باغ ہو رہا تھا تو جبریل علیہ السلام میرے پاس آئے اور مجھے اس جگہ کی مٹی دی جہاں میرا فرزند حسینؑ ذبح کیا جائیگا اسی سبب سے میں رو رہا ہوں (کتاب غنیۃ الطالبین مصنفہ حضرت شیخ عبدالقادر جیلانی رضی اللہ عنہ مطبوعہ دہلی صفحہ ۶۸۳) ۔ کہو تو میں ابھی اور سیکڑوں کتابوں سے اس پیشینگوئی کو بیان کروں ۔

مولوی صاحب ۔ نہیں بس کرو ۔ اب بالکل ضرورت نہیں ہے ۔ یقیناً حضرت صلعم نے حسین رضی اللہ عنہ کی شہادت کی پیشینگوئی کی تھی ۔ اسمیں وہی عذر کرے گا جو آنکھ اور عقل دونوں کا اندھا ہو ۔

سولہواں باب ۱۶

کیا امام حسین علیہ السلام یقیناً شہید ہوئے

مولوی صاحب ۔ مگر حضرت حسین رضی اللہ عنہ کیا ضرور قتل ہی ہوئے ۔

حسینی بیگم ۔ اس سے تمہارا کیا مطلب ؟ کیا اسمیں بھی کسی کو شبہ ہو سکتا ہے ؟

مولوی صاحب ۔ ہو کیوں نہیں سکتا ۔ اگر کوئی انکار کرے تو تم روک سکتی ہو ؟

حسینی بیگم ۔ نہیں انکار کرنے کو میں کیا کوئی نہیں روک سکتا ۔ یہ بتاؤ اگر کوئی شخص تم سے کہے کہ یہ زمین نہیں ہے ۔ دن کو آفتاب نکلا ہو اور وہ کہے کہ نہیں ہے ۔ رات کو چاند چمکتا ہو اور وہ کہے نہیں ۔ یہ بھی کہے کہ یہ مکان نہیں ہے ۔ یہ تخت نہیں بچھا ہے ۔ یہ لوٹا نہیں رکھا ہے تو اسکی زبان کو کون پکڑ سکتا ہے ؟

مولوی صاحب ۔ مگر یہ چیزیں تو ایسی ہیں جن سے کوئی انکار کریگا تو پاگل سمجھا جائیگا

حسینی بیگم ۔ پھر کیا جو شخص حضرت امام حسین علیہ السلام کی شہادت سے انکار کرے وہ عاقل مانا جائیگا ۔ یہ بتاؤ اگر کوئی شخص کہے کہ حضرت رسولخدا محمد مصطفےٰ صلعم پیدا ہی نہیں ہوئے تھے تو اس کا کیا علاج ہو سکتا ہے ۔

مولوی صاحب ۔ اس سے کہا جائیگا کہ حضرتؐ کے کلمہ گو آج کروڑوں دنیا میں موجود ہیں اور کروڑوں مر گئے ۔ اگر حضرت پیدا نہیں ہوتے تو اتنے مسلمان حضرتؐ کو

پیغمبر کیونکر مانتے ؟

حسینی بیگم ۔ پس جتنے مسلمان آج موجود ہیں اور جس قدر مرگئے وہ سب جس طرح حضرت رسولخدا کو پیغمبر مانتے رہے یہ بھی کہتے رہے کہ حضرتؐ کے نواسے امام حسین علیہ السلام کربلا میں شہید ہوئے ہیں ۔ کوئی عاقل ایسا نہیں ملیگا جو حضرت رسولخدا کے پیدا ہونے کو مانے اور حضرت امام حسین علیہ السلام کی شہادت سے انکار کرے ۔ اور جس طرح دنیا کی صحیح ترین کتابوں میں رسولخدا صلعم کا پیدا ہونا اور پیغمبری کا دعویٰ کرنا اور مکہ شریف سے مدینہ شریف ہجرت کرنا لکھا ہے ۔ بالکل اسی طرح انھیں کتابوں میں حضرت امام حسین علیہ السلام کا جناب رسولخدا کا نواسا ہونا ۔ نیز سنہ ۶۱ھ میں شہید ہونا اور کربلا میں دفن ہونا لکھا ہے ۔ ذرہ برابر دونوں میں فرق نہیں ہے بلکہ یہ حضرت رسولخدا صلعم کی تاریخ ولادۃ سے زیادہ یقینی ہے ۔

مولوی صاحب ۔ ہاں ہے تو ایسا ہی ۔ مگر دہلی میں ایک صاحب مرزا حیرت پیدا ہوئے تھے جو اخبار کرزن گزٹ دہلی کے اڈیٹر تھے ۔ انھوں نے سنہ ۱۹۰۵ء مطابق سنہ ۱۳۲۳ ہجری میں رافضیوں کے چڑانے کو لکھدیا تھا کہ امام حسین رضی اللہ عنہ شہید نہیں ہوئے ۔

حسینی بیگم ۔ ایسے ہی لوگوں کی باتوں کی طرف توجہ کیجائے تو مجھے یقین ہے کہ اگر تمہارے دوست کہدیں کہ تمہارے کان ہی نہیں ہے تو تم اپنے کو واقعاً کن کٹا مان لوگے ۔

مولوی صاحب ۔ تم تو مذاق کرنے لگیں ۔

حسینی بیگم ۔ اسمیں مذاق کیا ہے ۔ تم خود کہتے ہو کہ مرزا حیرت نے رافضیوں کے چڑانے کو حضرت امام حسین علیہ السلام کی شہادۃ سے انکار کردیا ۔ اسی طرح میں بھی کہتی ہوں کہ اگر کوئی تمہیں چڑانے کو کہدے کہ تمہارے کان نہیں ہیں تو تم اس کو سچا کہدوگے ۔

مولوی صاحب ۔ لیکن فرض کرو کہ رافضیوں کے چڑانے کو نہیں بلکہ واقعاً

تحقیقی طور پر کوئی شخص کہے کہ میں امام حسینؑ کی شہادت کو نہیں مانتا تو اس کو کیا جواب دیا جائیگا؟

حسینی بیگم۔ اس سے پوچھا جائیگا کہ مسلمان ہے یا غیر مسلم۔ اگر مسلمان ہے تو مسلمانوں کی صحیح ترین کتابوں کو دکھایا جائیگا اور غیر مسلم ہے تو ان لوگوں کی کتابوں سے سمجھا دیا جائیگا۔

مولوی صاحب۔ مسلمانوں کی کتابیں تو زیادہ تر عربی زبان میں ہیں جن کو مولوی لوگ سمجھ سکتے ہیں تو یہ لوگ ایسے واقعہ سے انکار ہی کیوں کرینگے۔ البتہ جو لوگ صرف اردو سمجھتے ہیں انکو کیونکر یقین کرایا جاسکتا ہے۔

حسینی بیگم۔ واہ یہ خوب کہی۔ اردو میں بھی بہت سی کتابیں بڑے بڑے علمائے کرام کی ہوگئی ہیں۔ انہیں تلاش کرنے سے حضرت امام حسین علیہ السلام کی شہادت کا واقعہ ضرور مل جائیگا۔

اردو کتابوں میں واقعۂ شہادت کا ثبوت

مولوی صاحب۔ تمہارے پاس کوئی کتاب ہو تو دکھاؤ۔

حسینی بیگم اٹھکر گئیں اور الماریوں سے چند کتابیں نکال لائیں۔ پھر اس طرح باتیں ہونے لگیں۔

حسینی بیگم۔ تم شمس العلماء حافظ مولوی ڈپٹی نذیر احمد صاحب دہلوی کو تو خوب جانتے ہو جن کا مترجم کلام شریف مسلمانوں میں پھیلا ہوا ہے۔ تم بھی تو انھیں کی مترجم حمائل میں تلاوت کرتے ہو۔ انکی کتابوں میں اگر یہ واقعہ لکھا ہو تو یقین ہوگا یا نہیں؟

مولوی صاحب۔ ہاں ہاں ضرور ہوگا۔ ایسے محقق اور مستند علماء اب پیدا کہاں ہوتے ہیں۔ ان لوگوں کی تحقیق اور علمی و دینی خدمات کا تو ڈنکا بج رہا ہے وہ بڑے قابل اور قابل تعریف معلومات کے بزرگ گزرے ہیں۔ وہ گورنمنٹ اور پبلک دونوں میں ایسے معزز اور جلیل القدر عالم مانے گئے کہ ہندوستان بھر میں عربی علوم کا جو سب سے بڑا سرکاری امتحان "مولوی فاضل" پنجاب یونیورسٹی

میں ہوتا ہے ۔ اسمیں عربی علم ادب کے ممتحن وہ مرتے وقت تک ہوتے رہے ۔ کیا عجب
ہمارے شیر پنجاب اور سردار فرقہ اہلحدیث مولانا ثناء اللہ صاحب مولوی فاضل اڈیٹر
اخبار اہلحدیث امرت سر کے امتحان مولوی فاضل میں بھی وہ ممتحن رہے ہوں
اور انکا بھی امتحان انھیں نے لیا ہو۔

حسینی بیگم ۔ بس بس اس سے زیادہ انکی قابلیت کی اور کیا دلیل چاہیے دیکھو
وہ اپنی کتاب میں لکھتے ہیں علیؓ کے نام کے ساتھ ہمارا ذہن فاطمہؓ کی طرف منتقل
ہوتا ہے اور فاطمہؓ کے خیال کے ساتھ یہ بات بھی خواہی نخواہی خیال میں
آتی ہے کہ پیغمبرؐ کے انتقال سے اُسوقت کے ہر ایک مسلمان کو کیا مرد کیا عورت
کیا اپنے کیا پرائے ۔ کیا مہاجرین کیا انصار سبھی کو قلق ہوا ہوگا مگر قلق قلق
میں فرق تھا ۔ بڑا قلق فاطمہؓ کا تھا کہ ان کے حق میں گویا مصیبت کا آسمان ٹوٹ پڑا
تھا اونھوں نے باپ کے مرنے کا تاسف کیا اور کرنا ہی تھا کہ چھ مہینے کے اندر
ہی اندر گھل گھل کر مر گئیں اور جتنے دن جئیں ہنسا تو در کنار مسکرائی تک نہیں ہمکو
جب فاطمۃ الزہراؓ کا خیال آتا ہے تو بے اختیار جی چاہتا ہے کہ علیؓ کو خلافت ملجاتی
تو غمزدہ فاطمہؓ کی کچھ تو دلجوئی ہو جاتی ۔ یہ خیال اور بھی زیادہ تکلیف دیتا
ہے جب دیکھا جاتا ہے کہ پہلے انتخاب میں علیؓ کی ناکامی نے پیغمبر صاحب کی نسل
کی اسلامی دخت کو کم کرتے کرتے آخر کو بالکل زائل کر دیا ۔ اب جو کچھ بھی اسلامی وقعت
پیغمبر صاحب کی نسل کی رہ گئی ہے وہ یہی ہے کہ درود میں آل محمدؐ کا نام برائے نام
ابھی تک باقی چلا جاتا ہے ہم تو دیکھتے ہیں کہ ایک شخص قوم کو کسی طرح کا فائدہ
پہونچاتا ہے تو لوگ اوسکی نسلوں تک اُسکا احسان مانتے ہیں ۔ ایک پیغمبر صاحب تھے کہ
جھگڑوں لیٹروں کو بادشاہ ۔ بدمعاشوں کو بھلا مانس بت پرستوں کو خدا پرست
نالائقوں کو لائق ۔ وحشیوں کو مہذب ۔ جانوروں کو انسان بنا گئے اُن کے
ان تمام احسانات کا بدلہ اُن ہی کی امت نے اُنکے نواسے نواسیوں بہو بیٹیوں کو
جو دیا اور جیسا دیا اُس کا رونا آج تک اسلامی دنیا میں رو دیا جا رہا ہے

اور قیامت تک رویا جائیگا - قطعہ اَتَرْجُوا اُمَّةٌ قَتَلَتْ حُسَيْنًا - شَفَاعَةَ جَدِّهٖ يَوْمَ الْحِسَابِ + فَلَا وَاللّٰهِ لَيْسَ لَهُمْ شَفِيْعٌ - وَهُمْ يَوْمَ الْقِيَامَةِ فِي الْعَذَابِ (جس امت نے حسینؑ کو قتل کیا کیا وہ اس بات کی امید رکھتی ہے کہ قیامت کے روز اُنکے نانا کی شفاعت اُسے نصیب ہوگی - قسم خدا کی اُس روز اُن کا کوئی سفارشی نہ ہوگا اور وہ قیامت کے دن مبتلائے عذاب ہونگے) پیغمبرؐ کی نسل کے ساتھ اُن کی امت کا برتاؤ جو کچھ بھی اور جیسا کچھ بھی ہوا نامناسب ہوا بیجا ہوا"

(کتاب امہات الامہ مطبوعہ دہلی صفحہ ۹۴) اس عبارت میں مجھے صرف اس جملے سے مطلب ہے "جس امت نے حسینؑ کو قتل کیا" جس سے معلوم ہوا کہ ممدوح نے امام حسینؑ کے قتل کو مانا - پھر ممدوح لکھتے ہیں" علیؓ اور معویہ کی نزاع کا انجام یہ ہوا کہ مقام صفین میں دونوں کے لشکر صف آرا ہوئے اور طرفین کے تیس ہزار آدمی مارے گئے - اور آخرکار ابوموسیٰ اشعری علیؓ کیطرف سے اور عمرو بن العاص معویہ کی طرف سے حکم قرار پائے کہ جس کو خلیفہ قرار دیں وہی خلیفہ - عمرو بن العاص معویہ کا وزیر تھا اور وہ بھی معویہ کیطرح بڑے جوڑ توڑ کا آدمی تھا ع وزیرے چنیں شہریارے چناں اس نے ابوموسیٰ کو دھوکا دیکر اپنے تیئں حکم مستقل بنایا اور علیؓ کو خلافت سے معزول کردیا - علیؓ اور کوفیوں نے جو علیؓ کے مددگار تھے عمرو بن العاص کے فیصلہ کو نہ مانا اور خلافت بدستور دو عملی میں رہی - کوفیوں کے خلیفہ علیؓ اور عراقیوں اور شامیوں کے معویہ - یہاں تک کہ علیؓ عبدالرحمان بن ملجم کے ہاتھ سے شہید ہوئے - اور ادھوری اور متنازع فیہ خلافت کے لئے کوفیوں نے حسنؓ کے ہاتھ پر بیعت کی - آخر حسنؓ نے خلافت کے دردسر کو اپنی اور عامہ مسلمین کی عافیت میں خلل انداز سمجھکر یہ کانٹا بدمعویہ کے سر ماری - پھر بھی معویہ کو نسل اہلبیت کیطرف سے کھٹکا لگا رہا - اور اُس نے اپنے بیٹے یزید کے لئے بیعت لینی شروع کی - حسینؓ نے کیا انکار دونوں میں لڑائی ٹھنی - اس لڑائی کا جو کچھ انجام ہوا آج تک مسلمان اس کو روتے ہیں - اور اس کے سوا وہ کر بھی کیا سکتے ہیں ؎

نہ ماند ستمگار بد روزگار | بماند برو لعنۃ پایدار
پنداشت ستمگر کہ جفا بر ما کرد | بر گردن او بماند و بر ما بگذشت"

(دیکھو امہات الامہ صـ۱۳۱)

مولوی صاحب۔ اس شعر میں تو یزید وغیرہ پر لعنۃ بھی کردی اور مولانا نذیر احمد صاحب نے اسکو نقل کر کے بتایا کہ وہ بھی سبھوں پر لعنت کرتے ہیں۔

حسینی بیگم۔ مولانا ممدوح ہی یہ بھی تحریر فرماتے ہیں "علیؓ کے دوسرے فرزند حسینؓ نے معویہ کے بیٹے یزید کی خلافۃ کو تسلیم نہیں کیا اور کوفہ میں آکر اپنی خلافۃ پر لوگوں سے بیعۃ لی جسکا نتیجہ وہ ہوا جو سب کو معلوم ہے۔ ... حسینؓ قتل ہوئے جیچھے عبدالملک بن مروان نے انکے صاحبزادے زین العابدینؓ کو قید میں رکھا اور آخر کار زہر دیکر مار ڈالا۔" (امہات الامہ صـ۹۵)۔ ایک جگہ اور تحریر فرماتے ہیں "بی بی ام سلمہ کا انتقال شوال کے مہینہ ۶۲ سنہ ہجری میں ہوا اس وقت انکی عمر ۸۴ برس کی تھی۔ ازدواج مطہرات میں سب سے آخر میں ان ہی کا انتقال ہوا انکے انتقال سے کچھ پہلے ۶۱ سنہ ہجری میں حسینؓ بن علیؓ موضع کربلا میں شہید ہوئے بی بی ام سلمہ نے مدینہ میں اُسی روز اس واقعے کی خبر شایع کردی تھی۔ چنانچہ ترمذی میں ابورافع کی بیوی سلمیٰ سے روایت ہے کہ میں ایک روز بی بی ام سلمہ کے پاس گئی دیکھتی ہوں کہ وہ زار وقطار رو رہی ہیں۔ میں نے رونے کا سبب پوچھا تو لگیں کہنے میں نے ابھی جناب پیغمبر صلی اللہ علیہ وسلم کو خواب میں دیکھا اور اس وحشتناک حالت میں دیکھا کہ آپ کے سر اور ڈاڑھی مبارک کے تمام بال خاک آلود ہو رہے ہیں۔ فرمایا ام سلمہ! میں ابھی ابھی مقتل حسینؓ میں گیا تھا اور وہیں سے آرہا ہوں سلمیٰ کا بیان ہے کہ اس واقعہ کے چند روز بعد میں نے سُنا کہ قتل حسینؓ کی خبر مدینے کے ہر چہار طرف گشت کر رہی ہے۔" (امہات الامۃ صـ۱۳۱)۔ ایک اور مقام پر لکھا ہے "پیغمبر صاحب کی صاحبزادی فاطمۃ الزہراؓ آپ کے چچا زاد بھائی علی ابن ابیطالبؓ سے بیاہی گئیں اور ان سے تین صاحبزادے

حسن حسین محسن رضی اللہ عنہم اور دو صاحبزادیاں ام کلثوم اور زینب پیدا ہوئیں محسن تو حالت رضاعت ہی میں انتقال کر گئے اور حسن و حسین بڑے ہو کر صاحب اولاد ہوئے حسنؓ نے آخر میں زہر کے صدمے سے وفات پائی اور حسینؓ معرکہ کربلا میں شہید ہوئے (امہات الامہ ص۵۴) ۔ اور مولانا ابوالکلام آزاد دہلوی کو بھی تم خوب جانتے ہو جنکی قابلیت کا شہرہ ہے ۔ انھوں نے اخبار وکیل امرتسر ۔ اپنے اخبار الہلال و البلاغ کلکتہ وغیرہ میں بہت سے مضامین حضرت کی شہادۃ پر لکھے ہیں ۔ حال میں اخبار حقیقت لکھنؤ نے بھی موصوف کا ایک مضمون "فلسفہ شہادت" کی سرخی سے شایع کیا ہے (دیکھو اخبار حقیقت لکھنؤ مورخہ ۵ و ۶ ارمحرم ۱۳۵۱ ہجری) ہمارے شیر پنجاب مولانا ثناء اللہ صاحب امرتسری مولوی فاضل و اڈیٹر اخبار اہلحدیث و سردار فرقہ اہلحدیث نے بھی اپنے اخبار اہلحدیث امرتسر میں بیسیوں مضمون شہادۃ پر لکھے ہیں جن سب میں اقرار کیا ہے کہ امام حسین علیہ السلام ۱۰ محرم ۶۱ ہجری کو کربلا میں شہید ہوئے ۔ اور جناب مولانا شاہ سلیمان صاحب پھلواروی نے جو کیسے محترم رکن مذہب اہلسنت کے ہیں اس بحث میں ایک مستقل کتاب ہی لکھدی ہے جس کا نام ہے "شہادت حسینؑ" اسکے پہلے صفحہ پر یہ عبارت لکھی ہے "شہادت حسین یعنی حضرت سید الشہدا امام ہمام جناب سیدنا و مولانا امام حسین علی جدہ و علیہ الصلوۃ والسلام کی شہادۃ کا ثبوت احادیث صحیحہ و کتب تواریخ و سیر معتبرہ سے ۔ اور جناب مرزا حیرت دہلوی کے اعتراضات و شکوک و شبہات کی تردید اور اسکے جوابات ہم اہلسنت و الجماعۃ کی طرف سے" (رسالہ شہادۃ حسین ص۱)

اس رسالہ کو ممدوح نے بشیر ہند پریس امرتسر میں چھپوا کر شایع کر دیا تھا۔

مولوی صاحب ۔ ہاں ہاں مدۃ ہوئی میں نے بھی وہ رسالہ دیکھا تھا ۔ واللہ بڑی قابلیت اور جامعیت سے لکھا ہے ۔ اور اچھی تحقیقات جمع کی ہیں تمہارے پاس وہ ہے یا نہیں ۔

حسینی بیگم۔ ابا جان نے بڑی کوشش سے اسکے دو نسخے منگائے تھے۔ ایک خود رکھا ایک مجھے دیا۔ میں اسکو کئی مرتبہ پڑھ گئی ہوں۔ بعض بعض جگہ تو واقعہ شہادت کے متعلق خوب ہی تحقیق کی داد دی ہے۔

مولوی صاحب۔ آج مجھے کوئی ایسا ضروری کام نہیں ہے۔ لاؤ اسی میں جی بہلایا جائے۔ اس رسالہ کو بھی نکالو اور مختلف جگہ سے اسکی کچھ عبارتیں پڑھو۔

حسینی بیگم گیئں اور الماری سے رسالہ "شہادت حسین" نکال لائیں۔

مولوی صاحب۔ رسالہ تو بہت مختصر ہے۔

حسینی بیگم۔ مگر تحقیقات کا جوہر بھی ہے۔ میرے اختیار میں ہو تو اسکے کئی ہزار نسخے چھپوا کر مسلمانوں میں مفت بانٹ دوں۔

مولوی صاحب۔ اچھا کچھ پڑھو۔

حسینی بیگم۔ سنو۔ مولانا ممدوح تحریر فرماتے ہیں "نہ شہادت کا واقعہ ہمارے یا کسی سنی کے نزدیک جزو ایمان ہے اور نہ اسے اسلام و ایمان کا کوئی رکن سمجھتا ہوں۔ ہاں یہ میرا عقیدہ ہے کہ اسلام میں یہ واقعہ ایک بہت ہی عجیب و غریب سخت دردناک و دل سوز اور مصیبت انگیز واقعہ ہوا اور حضرت سید الشہداء علیہ السلام کی شہادت بکمال تواتر سے ثابت ہے۔ یہ بات یاد رکھنا چاہیئے کہ کسی ولی و بزرگ خلفاء اربعہؓ اور خود حضرت سرور عالم صلے اللہ علیہ و آلہ وسلم کی وفات شریف کا واقعہ یا تاریخ وغیرہ اس تواتر سے ثابت نہیں جیسا کہ سید الشہداء علیہ السلام کی شہادت کا واقعہ ثابت ہے۔ خلفاء کی وفات کی تاریخوں میں اختلاف خود حضور انور صلعم کی وفات شریف کی تاریخوں میں اختلاف۔ لیکن امام مظلوم کی شہادت میں ذرا اختلاف نہیں۔ تمام احادیث و تواریخ وغیرہ سے باتفاق ثابت ہے کہ امام حسینؑ دسویں محرم کو کربلا میں شہید ہوئے۔ پھر ایسے مسلم اور کھلے واقعہ کا انکار ظلم نہیں تو کیا ہے۔ اگر ایسا ہی ہے تو پھر دنیا میں کون سا واقعہ سچا ہو سکیگا اور ایک متواتر واقعہ کا انکار بالکل عقل و فہم کے خلاف ہے خصوصاً جب کہ وہ

تواتر بھی اس درجہ کو پہونچ گیا ہو کہ نہ اسلامی دنیا بلکہ تمام تاریخی و علمی دنیا اسے تسلیم کرتی ہے اور تمام محققین اسکے تواتر کو اور اس واقعہ کو صحیح مانتے ہوں۔ اس کا انکار کرنا عقل و دانش سے بالکل بعید ہے۔ چنانچہ عیسائی مورخین نے بھی اپنی کتابوں میں شہادۃ امام مظلوم کا ذکر کیا ہے۔ مسٹر جیمس کارکرن صاحب مورخ جو مترجم صدر دیوان عدالت کلکتہ تھے جنھوں نے تاریخ چین لکھی اور ۱۸۴۸ء میں دو جلدوں میں بزبان اردو طبع کراکے شایع کی۔ اونھوں نے تاریخ چین دفتر دوم باب سولہ میں جہاں مغلوں اور ختائیوں کی لڑائیوں اور بہادریوں کا ذکر کیا ہے۔ یوں تحریر فرمایا ہے ... اسی طرح علامہ جرجی زیدان مصری عیسائی اڈیٹر الہلال جو علوم مشرقیہ و مغربیہ میں اس وقت دنیا میں اپنی آپ نظیر ہیں۔ اونھوں نے بھی تمام اسلامی تاریخوں اور صحیح روایتوں سے شہادت امام حسینؑ کے واقعات کو جمع کرکے عربی زبان میں ایک کتاب غادہ کربلا لکھی ہے اور اس میں شہادت کے دردناک واقعات درج کئے ہیں وہ چھپکر مصر میں شایع و ذائع ہے۔ اسی طرح محققین اور غیر اقوام کے مورخین نے بھی اس واقعہ کی تصدیق اور اس کا تذکرہ کیا ہے"۔ (رسالہ شہادت حسین ص۳) پھر لکھتے ہیں" باتفاق کتاب سر الشہادتین حضرت مولانا شاہ عبدالعزیز رحمۃ اللہ علیہ کی ہی تصنیف ہے اور کوئی روایت اسکی بے سند نہیں پائی جاتی۔ اور حضرت شاہ صاحب نے فقط سر الشہادتین میں ہی نہیں بلکہ اپنی تفسیر میں بھی امام عالی مقام کی شہادت کا ذکر کیا ہے اور اپنی مناظرہ کی کتاب تحفۂ اثنا عشریہ (جو شیعوں کی تردید میں لکھی گئی ہے) میں بھی اس کا جا بجا مذکور کیا ہے .... اور صرف شاہ صاحب ہی نہیں اون کے والد ماجد حضرت مولانا شاہ ولی اللہ صاحب محدث دہلوی رحمۃ اللہ علیہ نے بھی جو فن حدیث کے بڑے نقاد گزرے ہیں اپنی تصنیفات میں امام علیہ السلام کی شہادۃ اور اس بارے میں رسول خدا صلی اللہ علیہ وسلم کی پیشینگوئی کو بیان فرمایا ہے"۔ (ص۱۲) پھر لکھا ہے" ناظرین! اسلام میں جب سے تالیف و تصنیف کی بنیاد پڑی

اور احادیث اور تاریخی واقعات قلمبند ہونے لگے۔ اُس وقت سے اس وقت یعنی دوسری صدی کے آخر سے چودہویں صدی ہجری کے شروع تک جتنی کتابیں اسلامی تاریخ کی کہلاتی ہیں اور جن کو محدثین و مورخین نے جمع کیا ہے سب کی سب اس بات پر متفق ہیں کہ حضرت امام حسین علیہ السلام شہید کربلا ہیں۔ ایسے تواتر کا انکار کرنا ہم نہیں سمجھ سکتے کہ کوئی عاقل کیونکر تسلیم کرسکتا ہے اور متواترات کا جواب متواترات ہی سے ہونا چاہئے نہ کسی قصہ و کہانی سے۔ بارہ سو برس کے محدثین و مورخین اور کافۂ امت کو محض غلطی اور دھو کے پر قرار دینا خود اپنے نفس کا ایک بہت بڑا دھوکا اور فریب ہے۔ طبقات صحابہ میں ہم نے جن کتابوں کا ذکر کیا ہے ان کے مصنفین ایک ملک یا شہر کے رہنے والے نہ تھے بلکہ مختلف بلاد و انصار کے۔ ابن سعد بغدادی ہیں۔ ابن اثیر شامی ابن حجر مصری اور ابن عبدالبر اندلسی۔ اندلس پر ہمیشہ بنی امیہ حاوی رہے اور ان کی وہاں ایک مستقل سلطنت تھی۔ وہاں کے اکثر علما حب امویت میں سرشار تھے۔ جیسے ابن عربی مالکی اور ابن خلدون وغیرہما۔ مگر کسی عالم نے امام حسینؑ کے واقعہ شہادت کو غلط نہیں بتایا بلکہ قرطبی وغیرہ نے اس واقعہ کو بہ تفصیل تمام ذکر کیا ہے ہاں امام حسین علیہ السلام کو کچھ لوگ برسر غلط اور باغی بتاتے تھے۔ معاذ اللہ من ذلک۔ لیکن اصل واقعہ سے انکار نہ تھا... مگر یہاں معاملہ برعکس ہے۔ مدعی سست و گواہ چست یعنی بنی امیہ بھی اس واقعہ شہادت کو غلط نہ بتائیں بلکہ صحیح سمجھیں اور جناب مرزا صاحب اسکو غلط بتائیں۔ ذلک عجب العجاب...

ناظرین اب آگے چلیئے۔ ہمارے محدثین کے تعلقات فقط متون حدیث ہی تک محدود نہ رہے۔ واقعات عالم اور انقلابات سلطنت کیطرف بھی اُنکی نگاہیں تھیں اور اُنکو قلمبند کرتے جاتے تھے۔ دوسری صدی کے آخر میں تاریخ کا سلسلہ بھی شروع ہوگیا تھا اور یوماً فیوماً مستند تاریخوں کا مجموعہ و ذخیرہ تیار ہوگیا اور تیسری صدی کے مشہور مؤلفات سے اس وقت دو تین کتابیں یہاں موجود ہیں۔ ایک کتاب

الامامتہ والسیاستہ ابن قتیبہ دینوری کی جنہوں نے ۲۷۶ھ میں انتقال کیا۔ یہ کتاب اسکی سال مصر میں چھپی ہے۔ دوسری کتاب تاریخ طبری ہے جو اسلامی دنیا میں نہایت ہی شہرۂ آفاق اور ہر زمانہ میں اس پر بہت ہی اعتماد کیا گیا ہے۔ یہ جرمن میں طبع ہوئی ہے۔ علامہ ابن خلدون اور علامہ ابن اثیر وغیرہ اسی کے خوشہ چین ہیں اسکی روایتیں بقاعدہ اہل حدیث حدثنا اور اخبرنا کر کے ہے ......

ان سب کتابوں میں حضرت امام حسین علیہ السلام کی شہادت کا واقعہ بتفصیل تمام درج ہے۔ مرزا حیرت جب تک ان قدیم تاریخوں سے جن کو ابتدائی تاریخ و کتاب ہونے کا حق ہے پہلے کی کوئی کتاب تاریخ ابطال شہادۃ میں پیش کریں اور اسکی روایات کو محدثین کے قاعدے پر پرکھ کر نہ بتائیں کوئی عاقل کب ادھر توجہ کر سکتا ہے۔

اب خاص کتب حدیث کو ملاحظہ فرمائیے۔ اسلامی دوسری صدی سے سلسلہ تالیفات شروع ہو گیا تھا اور چوتھی صدی تک ایک مبسوط ذخیرہ طیار ہو گیا جس میں موطا امام مالک بن انس اور مسند امام احمد بن محمد بن حنبل رحمہما اللہ تعالیٰ اور صحاح ستہ وغیرہ مشہور و متداول ہیں۔ موطا میں مراسیل و موقوف اخبار بہت ہیں۔ اس لئے مسند امام احمد اور جامع صحیح (صحیح بخاری) امام بخاری کی اس سے زیادہ کارآمد اور مبسوط ہے اور ان تمام کتب میں جامع صحیح امام بخاری رحمتہ اللہ علیہ کی اصح الکتب کہلاتی ہے اور عامہ اہل علم اسکی صحت پر متفق ہیں۔ اسکی حدیث کو موضوع کہنا تو بڑی بات ہے کوئی ضعیف بھی نہیں کہہ سکتا۔ اس کتاب کی حدیثیں اور واقعات بالکل صحیح ہیں مگر یہاں بھی مجھے حسرت سے یہی لکھنا ہوتا ہے کہ ..... شہادت امام حسین علیہ السلام کا اسمیں مذکور ہوا ہے۔" (رسالہ شہادۃ حسین ص۱۲۱) پھر ایک جگہ مولانا ممدوح تحریر فرماتے ہیں" اب غور کرنا چاہیے کہ یہ پیشین گوئی شہادۃ کس قدر کثرت طرق سے مروی ہے۔ اگر اس پر تواتر معنوی کا بھی حکم لگایا جاوے تو شاید بیجا نہ ہو گا۔ حضرت امیر المومنین علی مرتضیٰ اور خود حضرت امام حسین اور حضرت ابن عباس اور حضرت انس رضی اللہ عنہم۔ اور حضرات امہات المومنین حضرت

عائشہ۔ حضرت ام سلمہ اور حضرت زینب بنت جحش رضی اللہ عنہن اور عبد اللہ ابن عباس حضرت ام الفضل رضی اللہ عنہما نے اس پیشینگوئی کی روایت کی ہے اور ہر طبقہ کے محدثین اسکو اپنی کتابوں میں سند کرتے آئے ہیں۔ مثل امام احمد بن محمد بن حنبل۔ ابن ابی شیبہ۔ عبد بن حمید کشی۔ ابو داؤد بروایتے۔ ابن سعد طبری حاکم۔ عبد الرزاق۔ ابو نعیم۔ ابو یعلے۔ ابن عساکر۔ طبرانی۔ وخطیب اور بیہقی وغیرہم رحمہم اللہ تعالیٰ اور پھر ان سے اکابر محدثین وعلمائے محققین نقل کرتے آئے ہیں جیسے ابن تیمیہ۔ ابن قیم۔ نووی۔ ابن صلاح سبکی۔ ابن سبکی۔ قاضی عیاض بیضاوی۔ غزالی۔ ابن عربی۔ قرطبی۔ ذہبی۔ مزی۔ ابن اثیر۔ ابن حجر عسقلانی ابن حجر مکی۔ عینی۔ سخاوی۔ سمہودی۔ شعرانی اور جلال الدین سیوطی۔ شیخ علی متقی۔ شیخ عبد الحق۔ شاہ ولی اللہ اور شاہ عبد العزیز وغیرہم رحمۃ اللہ علیہم اجمعین۔ اور کسی محدث نے ابتداء زمانہ تالیف وتصنیف احادیث سے لیکر آج تک اصل پیشین گوئی شہادت کو موضوع نہیں کہا۔ موضوعات صغانی ابن جوزی۔ موضوعات سخاوی۔ موضوعات سیوطی۔ موضوعات ملا علی قاری۔ موضوعات شوکانی شائع وذائع ہیں۔ مگر ان کتابوں میں اصل واقعہ کی حدیث کو نہ موضوع کہا گیا اور نہ اشارۃً وکنایۃً بھی کسی نے اس پیشین گوئی کا انکار کیا۔ علمائے اندلس جو خاص بنی امیہ کی سطوت وجبروت میں تھے وہ بھی اس واقعہ کو چھپا نہ سکے اور اکابر محدثین وعلمائے اندلس مثل ابو عمر۔ قرطبی۔ ابن حزم۔ حمیدی۔ ابن عربی مالکی۔ ابن عربی صوفیؒ۔ ابن عبد ربہ۔ مقری وغیرہم رحمہم اللہ تعالیٰ اپنی تصانیف وتوالیف میں برابر شہادت امام حسین علیہ السلام کا مذکور کرتے آئے اور انکی کتابیں ہم لوگوں کے ہاتھوں میں موجود اور شایع وذائع ہیں۔ ناظرین باتمکین یہ تو آپ بخوبی معلوم کر چکے کہ صحاح وسنن ومسانید اور تمام حدیث کی کتابیں اور سائر تواریخ وسیر وغیرہ حضرت امام حسین علیہ السلام کی شہادۃ پر متفق ہیں اور تمام دنیا اور سارا جہان آپکو شہید کربلا جانتا اور کربلا ہی کی شہادت کو مانتا ہے" (شہادۃ

حسینی صاحبہ) اگر کہو تو اس کتاب کا اقتباس کچھ اور پڑھوں یا بس کروں۔

مولوی صاحب ۔ نہیں بس۔ اس کتاب سے تو بہت عبارتیں پڑھ چکیں اب کسی اور کتاب کا مضمون سناؤ۔

حسینی بیگم ۔ دیکھو جناب شمس العلماء مولانا شبلی نعمانی صاحب علیہ الرحمہ تحریر فرماتے ہیں "اب اسلام میں ہاشمی اور اموی دو طاقتیں حریف مقابل بن کر قائم ہوئیں اور انکے باہمی معرکہ آرائیوں کی مسلسل تاریخ شروع ہو گئی۔ امام حسنؑ نے گو مصلحۃ خلافت سے ہاتھ اٹھا لیا اور بظاہر معویہ کی حکومت بے داغ رہ گئی لیکن اسی زمانہ میں آل ہاشم و شیعگان علیؑ نے حضرت امام حسینؑ کو خلیفہ کرنا چاہا۔ اور جب انھوں نے انکار کیا تو انکے علاتی بھائی محمد بن حنفیہ کے ہاتھ پر خفیہ بیعت کی اور اکثر شہروں میں نقیب مقرر کئے۔ حضرت امام حسین علیہ السلام کے جانکاہ واقعہ کو ہم دوہرانا نہیں چاہتے۔ افسوس ہے کہ اس عبرت انگیز حادثہ نے خاندان نبوت کی تمام زندہ یادگاریں مٹا دیں"۔ (المامون صہ ۱۳)

اور مولانا موصوف نے ایک مستقل کتاب ہی لکھی ہے جس کا نام ہے "موازنہ انیس و دبیر" جس میں واقعات کربلا کو تفصیل سے لکھا ہے۔ اگر اس کتاب کی عبارت پڑھنی شروع کروں تو کئی دن اسی میں صرف ہو جائیں۔

مولوی صاحب ۔ ہاں اس کتاب سے کچھ پڑھنے کی ضرورت نہیں ہے۔ اسمیں تو شروع سے آخر تک یہی باتیں ہیں۔ میر انیس اور مرزا دبیر صاحبان کے کلام میں فرق دکھایا ہے اور ہر واقعہ کربلا کو ویسا ہی یقینی مانا ہے جیسا میر صاحب اور مرزا صاحب کے وجود کو۔ مگر یہ لوگ زیادہ حنفی فرقہ کے علماء تھے اہلحدیث علماء میں صرف ایک جناب مولانا ثناء اللہ صاحب اڈیٹر اخبار اہلحدیث امرتسر کا نام تم نے لیا ہے۔ کیا اور کسی بزرگ کی کتاب اردو زبان میں نہیں ہے جس میں واقعہ کربلا کو یقیناً ذکر کیا ہو۔

حسینی بیگم ۔ ہے کیوں نہیں۔ بہت سی کتابیں ہیں۔ ریاست حیدرآباد دکن

کے استاد جناب مولانا وحید الزماں خانصاحب وقار الملک اعلی اللہ مقامہ کی کتاب انوار اللغۃ ہی کو دیکھ لو کہ سیکڑوں جگہ اس واقعہ کو لکھا ہے مثلاً آپ ایک روایت میں من راس ستین ہے یعنی ساٹھویں سال سے ابو ہریرہ اس سال سے پناہ مانگا کرتے تھے آخر اوس سے پیشتر گزر گئے۔ اسی سال میں امام حسینؑ کی شہادت ہوئی یزید پلید بادشاہ ہوا۔" (انوار اللغۃ پارہ ا صـ۴۲) "ادہ لفراخ محمدؐ من خلیفۃ یستخلف افسوس ہے محمدؐ کی آل کو ایک خلیفہ سے (کیسا صدمہ پہونچیگا) جو خلیفہ بنایا جائیگا مراد یزید ہے جسکی وجہ سے امام حسینؑ اور آپکی آل کو کیسا صدمہ پہونچا" (پارہ ا صـ۶۶) "ایک چھنال عورت کتے کے سبب بہشت میں گئی رحم کرکے اوسکو پانی پلایا تھا مگر ابن زیاد کے ساتھیوں نے آنحضرتؐ کے جگر گوشوں پر رحم نہ کیا اونکو پیاسا شہید کیا بھلا یہ بہشت میں کیونکر جاسکتے ہیں" (پارہ ۲ صـ۱۵۹) "ہائے محمدؐ کے بچوں کا ایک ناپاک ونیا کے مزوں میں ڈوبے ہوئے خلیفہ کی وجہ سے کیا حال ہونا ہے مراد یزید مردود ہے جس نے آنحضرتؐ کی آل کو تباہ و برباد کیا۔ ایسی ایسی مصیبتیں ادن پر ڈالیں جن کے لکھنے سے قلم تھراتا ہے" (پارہ ۳ صـ۱) "اسی لئے امام (حسین علیہ السلام) از روے قواعد اسلام دین کی حفاظت کے لئے اوس (یزید) کے مخالف ہوئے اور شہادۃ کا درجہ حاصل کیا" (پ۵ صـ۱۹) "سبحان اللہ سعد تو پیغمبرؐ کے ایسے جان نثار تھے اور اُنکا نالائق بیٹا عمر بن سعد ایسا نکلا کہ رے کی حکومت کی طمع میں امام حسینؑ کو شہید کرایا بقول شخصے دلی کے گھر میں شیطان پیدا ہوا۔" (پ۵ صـ۲۷) مولانا موصوف بڑے پرجوش حامی دین حق تھے۔ ایک مقام پر تحریر فرمایا ہے "حجاج بن یوسف ظالم شقی نے سنان بن یزید نخعی سے پوچھا تو نے امام حسینؑ کو کیونکر قتل کیا۔ وہ مردود کہنے لگا میں نے آپکو برچھے سے ڈھکیلا اور تلوار سے کاٹ ڈالا۔ واہ رے ملعون نطفہ حرام۔ آپ پیغمبرؐ کے محبوب فرزند کو یوں ظلم سے قتل کرے اور پھر فخریہ بیان کرے۔ اوس پر مسلمانی کا دعوی۔ بعضے کہتے

ہیں شمر ملعون نے آپکو برچھا مارا اور سنان نے تلوار لگائی جب آپ گھوڑے
پر سے گر پڑے تو خولی نے سر مبارک تن سے جدا کیا۔ بہر حال آپ کے قاتل
یہ تینوں ملعون ہیں۔ شمر اور سنان اور خولی۔ یہ سب قیامت کے دن دوزخ
کے کندے ہونگے۔ چنانچہ خود حجاج نے سنان سے یہ سنکر کہا قسم خدا کی تم دونوں
بہشت میں اکٹھا نہ ہوگے" (پارہ ۸ صفحہ ۳۹)۔ پھر لکھا ہے "زیاد کا بیٹا عبیداللہ
تھا جو لشکر عظیم لے کر امام حسینؑ سے لڑا اور آپکو شہید کرایا۔ عبیداللہ کے کرتوت
سے تو یہ یقین ہوتا ہے کہ اوس کا باپ حرام زادہ تھا اور معاویہ کی کارروائی باطن
صحیح تھی گو ظاہر شرع کی رو سے غلط اور خلاف قانون تھی۔ اس روایت سے
انصاف پسند لوگ یہ بھی سمجھ سکتے ہیں کہ معویہ کس قسم کے آدمی تھے۔
اور وہ خلفاے راشدین میں سے شمار ہونے کے قابل ہیں یا نہیں۔ اہلسنت کے
عقائد کی کتابوں میں اسکی تصریح ہے کہ معاویہ دنیادی بادشاہوں میں سے تھے
نہ خلفاے راشدین میں سے۔ کس لئے کہ خلافت راشدہ امام حسن علیہ السلام پر
ختم ہوگئی اور حدیث شریف کا بھی یہی مضمون ہے اور حضرت شیخ عبدالقادر جیلانی نے
جو لکھا ہے اما خلافة معوية صحيحة ثابتة بعد خلع الحسن بن علی تو یہ حدیث
نبوی کے خلاف ہے الخلافة بعدی ثلثون سنة۔ اس وجہ سے ہم شیخ کا قول
قبول نہیں کرسکتے۔ اور جب معاویہ باوجود قریشی ہونے کے خلیفہ نہوئے تو اور کوئی
مغل یا ایرانی یا افغانی ڈاڑھی منڈا شرع کے خلاف چلنے والا کیونکر خلیفة المسلمین
ہوسکتا ہے۔ غایة مافی الباب ہے کہ اگر کفر نہیں کرتا تو اسکو بادشاہ اسلام کہیں گے"
(ج ۲ صفحہ ۴۲) ایک اور جگہ تحریر فرمایا ہے "آپکی آنکھوں سے آنسو بہہ رہے تھے۔
میں نے کہا خیر تو ہے۔ آپ کیوں رونے لگے۔ فرمایا جبرئیل علیہ السلام میرے
پاس آئے اور مجھکو یہ خبر سنائی کہ میری امت عنقریب میرے اس بیٹے کو قتل کریگی۔
یعنی امام حسین علیہ السلام کو۔ میں نے کہا ہاں اسکو؟ کہنے لگے ہاں اسکو! اور ایک لال
مٹی لیکر آئے یعنی کربلا کی جہاں جناب امام حسین علیہ السلام شہید ہوئے۔ اس حدیث

کو حاکم نے روایت کیا اور کہا صحیح ہے۔ بخاری مسلم کی شرط پر۔ صحیح بخاری میں انس بن مالک اور عبداللہ بن عمر اور امام زین العابدینؑ سے روایات صحیحہ مسندہ موجود ہیں جن سے امام حسینؑ کا قتل ہونا ثابت ہے۔ اور ترمذی نے بی بی ام سلمہ سے روایت کی کہ انھوں نے خواب میں آنحضرتؐ کو پریشان حال دیکھا۔ سبب پوچھا تو فرمایا میں ابھی وہاں گیا تھا جہاں حسینؑ مارا گیا۔ اور تمام اہل تاریخ اور سیر کا اس پر اتفاق ہے کہ جناب امام حسین علیہ السلام کربلا میں شہید کئے گئے اور آپکا سر مبارک پہلے ابن زیاد ملعون پھر یزید پاس لایا گیا۔ اس پر بھی جو کوئی آپکی شہادت کا انکار کرے وہ محض بے وقوف اور جاہل ہے" (ص ۱۳۱)۔ اس کتاب سے ایک عبارت اور سنا کر ختم کرتی ہوں۔ جو خاص مرزا حیرت دہلوی کے انکار اور پھر انکے انجام کے متعلق ہے۔ لکھتے ہیں "لا اشبع اللہ بطنہ یا بطنک۔ آنحضرتؐ نے معویہ بن ابی سفیان کے حق میں فرمایا اسداوس کا پیٹ نہ بھرے۔ یا اللہ تیرا پیٹ نہ بھرے۔ بس یہی ایک حدیث معویہ کے باب میں وارد ہے۔ خواہ اس کو مذمت سمجھو یا منقبت۔ امام نسائی نے جب حضرت علیؑ کے فضائل بیان کرنا شروع کئے تو ایک شخص نے اُن سے کہا تم نے معویہ کی فضیلت میں بھی کوئی کتاب لکھی ہے؟ انھوں نے کہا معویہ کی فضیلت میں کوئی حدیث صحیح نہیں ہوئی۔ البتہ ایک حدیث تو ہے لا اشبع اللہ بطنہ اس پر خارجی اور ناصبی مردودوں نے آپکو مارنا شروع کیا۔ یہاں تک کہ آپ اُسی صدمے سے شہید ہوئے رضی اللہ عنہ ہمارے زمانہ میں بھی اہلبیت علیہم السلام کی ایک کرامت ظاہر ہوئی۔ جیسے اولیاء اللہ سے بعد وفات بھی ایسی کرامتیں ظاہر ہوا کرتی ہیں وہ یہ کہ ایک سید عجب خبیث نے معاویہ کے حالات منقصت آیات میں ایک کتاب لکھی۔ یہ امر تجھو سنیوں کو جو درحقیقت خارجی اور ناصبی ہیں ناگوار ہوا اور معویہ کی طرفداری میں ادس بیچارے سید کو اخراج اور ملک بدر کرانا چاہا۔ اللہ کی قدرت چند ہی روز میں ان طرفداران معویہ پر عتاب شاہی نازل ہوا اور وہ سب اخراج کئے گئے۔ شہر دہلی میں ایک خارجی صاحب نے

امام حسین علیہ السلام کی شہادت کا انکار کیا اور معاذ اللہ آپکو بغل ترار دیدیا یعنی جان چھوڑ کر آپ میدان کربلا سے بال بچوں اور عزیز و اقربا اور دوستوں کو چھوڑ کر اپنی جان بچاکر بھاگ گئے۔ اللہ تعالیٰ نے اپنا غضب یہ سر آتار اسیر راہ اوسکی مرت کی گئی اور تجارت اور سوداگری برباد ہوکر تجویز حبس قرار پائی ان الذین یوذون اللہ و رسولہ لعنھم اللہ فی الدنیا والآخرۃ و اعد لھم عذابا مھینا اللہ اور رسول کو ایذا دینے والے بموجب نص قرآنی ملعون ہیں۔ اونکے لئے ذلت کا عذاب طیار ہے۔ فرمائیے ہم کو معویہ اور عمرو عاص اور سمرہ بن جندب اور مغیرہ بن شعبہ کی حمایت کی ضرورت ہی کیا آن پڑی ہے۔ البتہ ہم اون بزرگواروں کی ضرور حمایت کرینگے جنھوں نے مرتے دم تک اللہ اور رسول کی محبت نہ چھوڑی ... مگر معویہ کا باپ تو آنحضرت سے عمر بھر لڑتا رہا۔ پھر اس کا بیٹا حضرت علیؑ سے لڑتا رہا اور خلیفہ برحق سے باغی بن بیٹھا۔ ہزاروں مسلمانوں کا خون کرایا۔ پھر اسکے بیٹے نے تو معاذ اللہ سارا خاندان رسالت کو تباہ و تاراج کرادیا۔ ایسے لوگوں کی حمایت درحقیقت اللہ اور رسول سے دشمنی کرنا ہے۔ ہم اہلسنت کا یہ مشرب نہیں ہے کہ کسی پر لعنت کرنا یا کسی کو بُرا کہنا جزو ایمان سمجھیں جیسے حضرات امامیہ کا مذہب ہے مگر ہم کو یہ بھی ضرور نہیں ہے کہ اگر کوئی ان بدکاران دشمنان اہلبیت کی برائی کرے تو ہم اونکی حمایت کے لئے اوٹھ کھڑے ہوں اور اونکی مدح و ثنا کریں بلکہ بہرحال ہر سکوت اولیٰ ہے لا ازود الطیر عن شجرۃ۔ قد بلوت المرمن ثمرہ اور امام شافعی نے بھی یہی فرمایا کہ اللہ تعالیٰ نے ہم کو (ہمارے ہاتھوں کو) ان خونریزیوں سے بچایا اور الگ رکھا اس لئے ہم اپنی زبانیں بھی اون سے پاک رکھتے ہیں" (انوار اللغۃ پارہ ۳ صفحہ)

مولوی صاحب۔ واقعی ہم لوگ کیوں اپنی زبان خراب کریں۔ مگر مولانا نے خود تو حضرت یزید ابن زیاد وغیرہ کو پانی پی پیکر کوسا ہے۔ اور ہم لوگوں کو فرمایش کرتے ہیں کہ اپنی زبان بند کریں۔ ابھی تم انھیں کی کتاب سے پڑھ چکیں کہ انھوں نے ان لوگوں

ف اس سے مراد مولوی شبلی ہیں جنھوں نے امام حسینؑ کی شہادت سے انکار کیا تھا۔

لوگوں کو نطفہ حرام تک لکھا ہے۔

حسینی بیگم۔ میرا خیال ہے کہ مولانا ممدوح اس زمانہ کے علماء اہلحدیث میں سب سے بڑے ہوئے اور بہت بڑے محقق اور نہایت محترم بزرگ مذہب تھے۔ انکو باطل امور پر بڑا غصہ آجاتا تھا اور اپنے آپے سے باہر ہو جاتے تھے انھوں نے دین کی حفاظت ہی کے جوش میں بُرا کہا ہے۔ جیسے خدا و رسولؐ دین کے خلاف چلنے والوں کو بُرا کہتے رہے ہیں۔

مولوی صاحب۔ یہ نہ کہو کہ مولانائے ممدوح علمائے اہلحدیث میں سب سے بڑے ہوئے تھے۔ ہو سکتا ہے کہ ان سے بھی بڑے کوئی بزرگ انکے زمانہ میں رہے ہوں۔

حسینی بیگم۔ ہاں ہو کیوں نہیں سکتا۔ مگر تم کسی کا نام لو جس کو اس چودہویں صدی کے علمائے فرقۂ اہلحدیث میں اُن سے بہتر کہہ سکو۔ بے شک جناب نواب مولانا صدیق حسن خاں صاحب اُنکے ہمسر تھے مگر وہ قبل گزر چکے ہیں۔

مولوی صاحب۔ مجھے معلوم نہیں ہونے سے کیا یہ ثابت ہو جائیگا کہ اُن سے بہتر کوئی عالم تھے ہی نہیں۔

حسینی بیگم۔ ثابت نہیں ہوگا تو میرا خیال غلط بھی تو نہیں ہو سکتا جب تک تم اسکے خلاف کسی کا نام پیش کرو مجھے اس سے نہیں روک سکتے کہ میں انھیں کو چودہویں صدی کے کل علمائے اہلحدیث کا پیشوا مانوں۔ دیکھو لاہور کے اہلحدیث بھائیوں نے مولانا ممدوح کی اسی کتاب انوار اللغۃ کو اُن سے طلب کر کے چھپوایا تو مولانائے ممدوح اور انکی دینی خدمات کے متعلق کیا لکھا ہے۔

مولوی صاحب۔ کیا لکھا ہے۔ تمہارے پاس وہ تحریر ہو تو پڑھو۔

حسینی بیگم۔ اسی انوار اللغۃ کے آخر میں لکھا ہے "علماء ربانیین نے ہمیشہ اپنے زمانہ کی ضرورت کے مطابق تفاسیر و تراجم جدیدہ لکھکر شائع کئے۔ گردش دوراں و انقلاب زماں کی تاثیر جدیدنے ہمارے وقت میں ملک ہندوستان میں یہ جدت دکھلائی کہ بعض بے عمل اور بعض بے علم محض اردو زباندانی کی بدولت مفسر حقانی

ومترجم کلام ربانی بن بیٹھے اور خودستائیاں کرنے لگے۔ لہذا برطبق پیشین گوئی خیرالانام علیہ الصلوۃ والسلام کہ اس ہمارے علم کے حامل آیندہ لوگوں میں سے ایسے عادل ہوتے رہیں گے جو حد سے بڑھنے والوں کی تحریف اور جاہلوں کی تاویل کو باطل کرینگے او کما قال صلے اللہ علیہ وآلہ وسلم مولانا مولوی وحید الزماں صاحب حیدر آبادی جو اسم بامسمی ہیں اور اپنے نام کی طرح یکتائے زماں ہیں خدائے تعالیٰ کی رحمت تامہ نے خلقت عامہ کی مصلحت کے لئے انکو اس خدمت کے لئے خاص کیا اور آپکو اس پیشینگوئی کا مصداق بنایا۔ مولانا کا مترجم لاثانی ہونا تو پہلے سے مانی ہوئی بات ہے۔ آپ نے کتب صحاح ستہ کے ایسے عمدہ تراجم لکھکر شایع کرا دیئے کہ بلاد و قریبہ سے لیکر اطراف بعیدہ تک تمام لوگ کیا علماء کیا عوام کا غذ زر کی طرح بڑے شوق سے لے گئے اور ان تراجم کی عمدگی دیکھکر موافق سے لیکر مخالف تک سب آپکا لوہا مان گئے۔ علی الخصوص آپکی آخری تصنیف اصح الکتب بعد کتاب اللہ صحیح البخاری کا ترجمہ موسومہ تیسیر الباری تو ایسی بے نظیر کتاب واقع ہوئی ہے کہ اہل اسلام علی اختلاف مذاہبہم تو بجائے خود۔ آریہ اور عیسائیوں نے بھی اس کتاب کو بڑے شوق سے خریدا۔ غرض مولانا نے اُن عالمان بے عمل اور مترجمان بے علم کی تحریفات و تاویلات کا بڑا اثر مٹانے کے لئے ترجمہ کلام اللہ شستہ سلیس اردو زبان میں لکھا اور تفسیر وحیدی تصنیف فرمائی۔ اس ترجمہ و تفسیر کی باطنی خوبیوں اور معنوی کمالات کے اظہار و شمار میں جس قدر مبالغہ کیا جائے اور تعریف و توصیف کو جس قدر حد سے بڑھایا جائے ممکن نہیں کہ اُسکے واقعی کمالات کا عشر عشیر بھی بیان ہو سکے"۔

مولوی صاحب۔ ہاں مولانائے ممدوح کے بڑے جلیل القدر عالم دین اور مقتدائے فرقہ اہلحدیث ہونے میں کسی کو کیا عذر ہو سکتا ہے۔ واقعا علم حدیث پر اُن کے بڑے بڑے احسانات ہیں اور جس طرح مولانا شبلی صاحب نے اسلامی تاریخ کی بے مثل اشاعت کی اسی طرح مولانا وحید الزماں خاں صاحب مرحوم

نے اسلام و حدیث کی بے نظیر خدمات انجام دیں۔

حسینی بیگم۔ مگر میں نے جو کہا تھا کہ "مولانا ے ممدوح اس زمانہ کے علماے اہلحدیث میں سب سے بڑھے ہوئے تھے" اسکی تصدیق تو ہوگئی۔

مولوی صاحب۔ واہ۔ وہ کیونکر۔

حسینی بیگم۔ ابھی میں نے عبارت پڑھی کہ لاہور کے اہلحدیث بھائیوں نے مولانا ے ممدوح کو لکھا ہے "مولانا مولوی وحیدالزماں صاحب حیدرآبادی جو اسم با مسمی ہیں اور اپنے نام کیطرح یکتا ے زماں ہیں۔ خدا ے تعالی کی رحمت تامہ نے خلقت عامہ کی مصلحت کے لئے انکو اس خدمت کے لئے خاص کیا اور آپکو اس پیشین گوئی کا مصداق بنایا" اس سے زیادہ اور کن الفاظ میں کوئی کچھ کہہ سکتا تھا۔

مولوی صاحب۔ ہاں اس عبارت سے تو بیشک تمہارے ہی قول کی تائید ہوئی

حسینی بیگم۔ اسی طرح اور بہت سے علماے اہلحدیث کی کتابیں اردو زبان میں ہیں جنمیں واقعہ کربلا کو بیان کیا ہے۔ میں کس کس کتاب کو بیان کروں۔ بس صرف دو کتاب کی عبارت اور سن لو۔ تم جانتے ہو کہ صحاح ستہ کی کل کتابوں کی حدیثیں جس کتاب میں جمع کیگئی ہیں اس سے زیادہ قابل اعتبار دنیا میں اور کون کتاب ہوسکتی ہے۔ الحمدللہ کہ اس کتاب کا ترجمہ اردو زبان میں ہوگیا ہے جس کا نام تلخیص الصحاح ہے اور جس کا فرقہ اہلحدیث کے ایک بڑے عالم جناب مولانا مولوی سید ابوالحسن محمد محی الدین خانصاحب مولوی فاضل نے جو جناب مولانا مولوی رشید الدین خانصاحب مرحوم دہلوی کے پوتے تھے ترجمہ کیا ہے جس طرح تمہارے شیر پنجاب مولانا ثناء اللہ صاحب امرتسری اڈیٹر اخبار اہلحدیث امرتسر مولوی فاضل ہیں اسی طرح مولانا محی الدین خانصاحب بھی مولوی فاضل تھے اور خاندانی عزت و شرف میں اُن سے کہیں بڑھے ہوئے مانے گئے۔ مولانا صاحب ممدوح نے اس کتاب کے بارے میں لکھا ہے "علم حدیث میں ایسی جامع کتاب جو صحاح ستہ

کے قائم مقام ہو اور جسکا مطالعہ صحاح کے مطالعہ کے مساوی ہو اس سے بہتر کوئی نہیں ہے جو انواع و اقسام کے فوائد پر مشتمل ہی اور جس میں ہر قسم کی سہولتیں موجود ہیں اور جسکے مطالعہ سے صحاح ستہ پر عبور ہوجاتا ہے اور تمامی مضامین صحاح ستہ سے ایک قسم کی واقفیت حاصل ہوسکتی ہے"۔ (تلخیص الصحاح جلد ا ص؎ مطبوعہ لاہور)

مولوی صاحب۔ ہاں۔ہاں میں جانتا ہوں تلخیص الصحاح کتاب جلیل الرسول کا اردو ترجمہ ہے جسمیں صحیح بخاری شریف۔ صحیح مسلم شریف۔ صحیح ترمذی شریف ابوداؤد شریف۔ نسائی شریف اور موطا شریف کی حدیثیں جمع کردی ہیں۔ اور اردو ترجمہ بھی بہت صحیح اور مقبول ہوا ہے۔

حسینی بیگم۔ اس کتاب سے بھی اردو داں مسلمانوں کو آسانی سے معلوم ہوسکتا ہے کہ حضرت امام حسین علیہ السلام حضرت رسولخدا صلعم کی پیشین گوئی کے مطابق کربلا میں شہید ہوئے۔

مولوی صاحب۔ اسکی وہ عبارت نکال کر ذرہ پڑھو تو۔

حسینی بیگم۔ سنو "ایک انصاری عورت سلمیٰ سے روایت ہے کہا کہ میں ام سلمہ کے پاس گئی اور حالانکہ وہ رورہی تھیں۔ تو میں نے کہا کہ تم کیوں روتی ہو۔ کہا کہ میں نے حضرت صلے اللہ علیہ وسلم کو خواب میں دیکھا اور آپ کے سر اور ڈاڑھی پر گرد پڑی ہوئی تھی اور آپ روتے تھے تو میں نے کہا یا حضرت آپ کیوں روتے ہیں فرمایا کہ ابھی میرے سامنے حسینؑ قتل ہوئے ہیں۔ ترمذی اسکے راوی ہیں"۔ (تلخیص الصحاح جلد ا ص؎ مطبوعہ لاہور) پھر لکھا ہے "انس سے روایت ہے کہ عبید اللہ بن زیاد امام حسین علیہ السلام کا سر لایا اور ایک طشت میں رکھا تو ایک چھڑی اونکی ناک میں مارنے لگا اور کہنے لگا میں نے ایسا خوبصورت کوئی نہیں دیکھا۔ پس میں نے کہا بس خبردار رہو کہ بے شک وہ حضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ سب سے زیادہ تر مشابہ تھے۔ بخاری اور ترمذی اسکے راوی ہیں اور لفظ اسکے ترمذی کے ہیں۔ پھر لکھا ہے "عمارہ بن عمیر سے روایت ہے کہ جب عبید اللہ

بن زیاد اور اوسکے ساتھیوں کے سر لائے گئے تو مسجد کے چبوترے میں رکھے گئے اور میں وہاں پہونچا اور حالانکہ لوگ کہتے تھے کہ البتہ آگیا ہے۔ البتہ آگیا ہے۔ سو ناگاہ کیا دیکھتا ہوں کہ ایک سانپ آیا اور سروں کے بیچ میں گھسنے لگا یہاں تک کہ عبید اللہ بن زیاد کے نتھنے میں گھس گیا اور تھوڑی دیر ٹھہرا۔ پھر نکلا اور چلا گیا۔ پھر پھر آیا اور اسکے نتھنے میں گھس گیا اسی طرح اوسنے دو یا تین بار کیا۔ ترمذی اسکے راوی ہیں اور اوسکو صحیح کہتے ہیں۔" (تلخیص الصحاح جلد ا صفحہ) اور تم جانتے ہو کہ اسلامی دنیا کے بہت عظیم الشان مورخ علامہ ابن اثیر نے جنکی کتاب تاریخ کامل مسلمانوں کے لئے ایک نعمت عظمیٰ ہے حضرات صحابہ کرام کے حالات میں بھی ایک مستند صحیح مقبول اور جلیل القدر کتاب اسد الغابہ لکھی ہے جو مصر میں چھپ بھی گئی ہے۔ اس کا اردو ترجمہ جناب مولوی حاجی عبد الشکور صاحب اڈیٹر رسالہ النجم لکھنؤ نے اپنے رسالہ النجم کے ہمراہ کئی برس میں شایع کیا ہے۔ اڈیٹر صاحب نے اس کتاب کے متعلق لکھا ہے "ترجمہ اسد الغابہ جلد اول جس میں حضرت سید المرسلین صلی اللہ علیہ وسلم کے ۴۹۶ اصحاب کا تذکرہ ہے اور سب سے پہلے آنحضرت علیہ الصلوۃ والسلام کا ذکر مبارک نہایت اختصار اور جامعیت کے ساتھ کیا گیا ہے۔ یہ کتاب علامہ ابن اثیر جزری متوفی ۶۳۰ھ ہجری رحمہ اللہ تعالیٰ کی تالیف کی ہوئی ہے۔ علامہ ذہبی نے تجرید اسماء الصحابہ میں لکھا ہے کہ مصنف نے اس کتاب میں سات ہزار پانچ سو تذکرے لکھے ہیں اور اگلوں سے جو فرو گزاشت ہو گئی تھی اس کو بھی پورا کیا ہے۔ اور اُن کے اغلاط بیان کئے ہیں" (ترجمہ اسد الغابہ جلد اول ٹیٹل کا صفحہ)۔ اسی کتاب میں واقعہ شہادت مفصل لکھا ہوا ہے۔ اسکے چند جملے پڑھتی ہوں۔ "جب حضرت معاویہ کی وفات ہوئی تب بھی حضرت حسینؑ نے بیعت نہ کی اور مدینہ سے مکہ چلے گئے۔ مکہ ہی میں اہل کوفہ کے خطوط اُنکے پاس پہونچے۔ لہذا انھوں نے سفر کا سامان تیار کر لیا۔ بہت لوگوں نے انھیں منع کیا۔ ان منع کرنے والوں

میں انکے بھائی محمد بن حنفیہ اور ابن عمر اور ابن عباس وغیرہ تھے۔ مگر حضرت حسینؓ نے فرمایا کہ میں نے رسولِ خدا صلے اللہ علیہ وسلم کو خواب میں دیکھا ہے آپ نے مجھے جس بات کا حکم دیا ہے اسکو میں ضرور کروں گا چنانچہ وہ عراق چلے گئے یزید نے عبید اللہ بن زیاد کو کوفہ کا حاکم بنایا تھا اُس نے حضرت حسینؓ کی طرف لشکر بھیجے اور عمر بن سعد بن ابی وقاص کو سردار لشکر بنایا اور (درصورت فتحیابی) اُسے رَے کی حکومت کا امیدوار کیا چنانچہ وہ لشکر لیکے گیا اور حضرت حسینؓ سے جنگ کی۔ لہذا کے ان سے اس بات کی درخواست کی کہ عبید اللہ بن زیاد کے حکم سے اتر آئیں اور انھوں نے اسکو منظور نہ کیا اور جنگ کو اختیار فرمایا۔ یہاں تک کہ خود شہید ہوئے اور انیس آدمی ان کے گھر کے شہید ہوئے۔۔۔۔ جب خولی نے ان پر حملہ کیا تو ان کا سر کاٹ کر ابن زیاد کے پاس بھیجا اور یہ شعر کہے ؎

اوقر رکابی فضۃ وذھبا۔ فقد قتلت السید المحجبا + قتلت خیر الناس اما وابا۔ وخیرھم اذ ینتسبون نسبا (میں اپنی رکاب سونے سے منڈھو نگا میں نے ایک بڑے سردار کو قتل کیا + میں نے ایسے شخص کو قتل کیا جسکے ماں باپ تمام آدمیوں سے افضل تھے اور جن کا نسب سب سے بہتر تھا)۔ بعض لوگ کہتے ہیں کہ سنان بن انس نے حضرت حسینؓ کو شہید کیا تو لوگوں نے اُس سے کہا تو نے حضرت حسین بن علی کو شہید کیا وہ فاطمہ بنت رسول خدا صلے اللہ علیہ وسلم و رضی اللہ عنہا کے فرزند تھے تمام عرب سے زیادہ عظمت والے تھے۔۔۔ پس اگر یہ لوگ تجھے اپنے سارے گھر کا مال دیدیں تب بھی وہ بمقابلہ اس گناہ کے کم ہوگا۔۔۔ جب حضرت حسینؓ شہید ہوئے تو عمر بن سعد نے چند لوگوں کو حکم دیا کہ وہ اپنے گھوڑوں پر سوار ہو کر حضرت حسینؓ کے جسم مبارک کو پامال کریں۔ حضرت حسینؓ کے ہمراہ بہتر آدمی شہید ہوئے تھے جب وہ شہید ہوئے تو عمر بن سعد نے ان کا اور انکے ساتھیوں کا سر ابن زیاد کے پاس بھیجا۔ ابن زیاد نے لوگوں کو جمع کیا اور وہ سر منگوائے اور حضرت حسینؓ کے ۔۔۔ ہونٹوں کے درمیان ۔۔۔

لکڑی سے کو نچنے لگا جب حضرت زید بن ارقم نے دیکھا کہ وہ لکڑی کو اٹھاتا ہی نہیں تو انھوں نے کہا کہ کمبخت اس لکڑی کو اُٹھا۔ قسم ہے اُس اللہ کی جس کے سوا کوئی معبود نہیں کہ میں نے دیکھا ہے رسول خدا صلے اللہ علیہ وسلم کے دونوں ہونٹ ان ہونٹوں پر بوسہ دیتے تھے۔ یہ کہہ کے وہ روئے تو ابن زیاد نے کہا کہ خدا تمہاری آنکھوں کو روتا ہوا رکھے۔ خدا کی قسم اگر تم بوڑھے اور سٹھیائے ہوئے نہ ہوتے تو میں تمہاری گردن ماردیتا۔ پس زید بن ارقم وہاں سے یہ کہتے ہوئے نکلے کہ اے گروہ عرب آج کے بعد سے تم غلام ہو۔ تم نے حسین بن فاطمہ کو قتل کیا اور تم نے ابن مرجانہ (یعنی ابن زیاد) کو سردار بنایا ہے جو تمہارے نیک لوگوں کو قتل کرتا ہے اور بُرے لوگوں کو غلام بناتا ہے"۔ (ترجمہ اُسد الغابہ مترجمہ مولوی عبدالشکور صاحب اڈیٹر النجم لکھنؤ۔ جلد ۲ صفحہ ۲۵)

مولوی صاحب۔ میں خود جانتا ہوں کہ یہ واقعہ ہر زبان کی سیکڑوں کتابوں میں ہے مگر چاہتا ہوں کہ اردو فارسی۔ عربی کتابوں کے متعلق تمہاری معلومات کا اندازہ کروں کہ کس حد تک ہے۔ اردو میں تم نے بہت کثرت سے ہمارے مشہور اور بڑے محقق علماء کی کتابوں کے پتے بتائے اب بتاؤ کہ اگر کوئی شخص فارسی زبان جانتا ہو تو اوسکو تم اس واقعہ کا یقین کس طرح دلاؤ گی اور کس کس کتاب کی عبارت دکھاؤ گی۔

حسینی بیگم۔ اردو کتابوں کا تو خیر شمار بھی آسان ہے مگر فارسی اور عربی کتابوں کو کون گن سکتا ہے۔ یوں سمجھو کہ اس واقعہ کو گزرے تقریباً تیرہ سو برس ہو گئے۔ اُس وقت سے اب تک ہزاروں کتابیں فارسی زبان میں لکھی جاچکی ہیں۔ ان میں زیادہ تر ایسی ہیں جن میں کسی نہ کسی ربط سے واقعہ کربلا کا ذکر ہو ہی گیا ہے۔

مولوی صاحب۔ خیر تم کچھ کتابوں کی عبارتیں تو پڑھو۔

حسینی بیگم۔ بہت اچھا میں ابھی فارسی کتابیں بھی نکال لاتی ہوں۔ وہ اُٹھکر گئیں اور اردو و عربی کتابوں کے ڈھیر سے صرف فارسی زبان کی کتابیں نکالنے میں چار پانچ منٹ کی دیر ہو گئی۔ جب کتابیں لیکر پلٹیں تو دیکھا کہ مولوی صاحب پڑے خراٹے لے رہے ہیں۔ گھڑی پر نظر کی تو بارہ بج چکے تھے۔ کتابوں کو تخت

پر ایک طرف رکھ دیا۔ لیمپ کی روشنی کم کر دی اور آہستہ سے لحاف کھینچکر خود بھی سو رہیں

سترہواں باب ۱۷

زیارت امام حسینؑ کا اثر۔ اس کے مستحب ہونے کی بحث زمین کربلا کی فضیلت

کچھ ایسے اتفاقات پیش آگئے کہ مولوی صاحب نے کئی روز تک حسینی بیگم سے فارسی کتابوں کی عبارتیں نہیں نکلوائیں۔ اس درمیان میں ایک نئی دلچسپ بات ہو گئی حسینی بیگم کے چھوٹے ماموں مسٹر ابوالخیر انگریزی پڑھتے تھے اور سال گزشتہ انھوں نے مسلم یونیورسٹی علی گڑھ سے بی۔ اے کا امتحان پاس کر لیا تھا۔ اسکے بعد مختلف محکموں میں انھوں نے ملازمت کی کوشش کی۔ مگر اب تو بی۔ اے پاس کرنا خطرناک تجارت کے برابر ہو رہا ہے کہ ابتدا سے اس وقت تک کی تعلیم میں پانچ چھ ہزار روپیہ خرچ ہو جاتا ہے اور اس قدر سرمایہ لگانے کے بعد صرف ایک کاغذ ہاتھ آتا ہے جس کو لیے ہوئے ہر محکمہ ہر کچہری۔ ہر دفتر میں خوشامدیں کرتے پھرو۔ یہاں تک نوبت پہونچی کہ دس روپیہ کی جگہ بھی خالی ہوتی ہے تو بی۔ اے بلکہ بعض ایم۔ اے کی درخواست رجسٹری کر کے آجاتی اور اس پر بڑی معزز لوگوں کی سفارشیں نتھی ہوتی ہیں مگر ایک ہی خوش قسمت ایسا ہوتا ہے جس کو وہ دس روپیہ کا عہدہ ملتا ہے اور باقی حضرات "ہائے تقدیر۔ ہائے قسمت" کہکر اپنا دل پکڑ لیتے ہیں۔ مسٹر ابوالخیر بھی سال بھر تک خاک چھانتے پھرے اور سیکڑوں درخواستیں دیکھے مگر کسی جگہ کامیابی نہیں ہوئی۔ پہلے تو وہ دعا۔ وظیفہ۔ عمل غرض ہر روحانی کرشمہ اور باطنی اثر کے منکر تھے مگر۔ آنکہ شیراں راکند روبہ مزاج احتیاج است احتیاج است احتیاج مسٹر ابوالخیر نے اب نماز پڑھنی بھی شروع کر دی۔ دعائیں بھی کرتے ہیں۔ کچھ عملیات کا بھی شوق ہو گیا ہے۔ بعض پرانے بزرگوں کی رائے اور اصرار سے کچھوچھا شریف۔ دہلی۔ اجمیر شریف وغیرہ کے اولیاء کی زیارت بھی کر آئے مگر گوہر مقصود

اب تک حاصل نہ ہوا۔ وہ آٹھویں دسویں اپنی بھانجی حسینی بیگم کو دیکھنے بھی چلے آیا کرتے تھے۔ ایک روز آئے تو دونوں میں اس طرح باتیں ہونے لگیں۔

حسینی بیگم۔ ماموں جان اب یہ تو فرمایئے کہ میری ممانی جان کب تک تشریف لائینگی۔

مسٹر ابو الخیر۔ ابھی اپنے کھانے کا تو ذریعہ ہی نہیں ہوا۔ تمہاری ممانی صاحبہ کے زیورات اور ہر روز کے پاندان خرچ کا سامان کہاں سے ہوگا۔

حسینی بیگم۔ پھر آپ کی ملازمت کا کیا ہو رہا ہے۔

مسٹر ابو الخیر۔ کیا کہوں میرے والدین نے میری تعلیم میں چار پانچ ہزار روپیہ خرچ کیا ہوگا مگر اب تو دیکھتا ہوں کہ یہی تعلیم مجھ سے خودکشی کرادیگی۔ اور بی۔اے کا ڈپلوما میری جان لے کر رہیگا۔

حسینی بیگم۔ خدا نہ کرے حضور کے دشمنوں کی جان جائے۔ یہ کیا باتیں آپ فرمانے لگے۔

مسٹر ابو الخیر۔ تم یقین مانو کہ اگر ابا جان نے مجھے کسی درزی کی دوکان پر سال بھر تک کام سکھانے کے بعد صرف دو سو روپیہ میں میرے لئے سنگر مشین وغیرہ خرید دی ہوتی تو آج میں کئی ہزار روپیہ کا سرمایہ دار ہوتا۔ ایک ایک درزی کو دیکھتا ہوں کہ معمولی کوٹ اور شیروانی کی سلائی پانچ پانچ دس دس روپیہ لیتا ہے اور لوگ اسکے ہاں ٹوٹے پڑتے اور وقت پر کپڑا دینے کے لئے اسکی خوشامد پر خوشامد کرتے رہتے ہیں۔ اور ایک میں ہوں بلکہ بہت سے گریجویٹ ہیں کہ دس روپیہ ماہوار کی جگہ کے لئے بھی سیکڑوں آدمیوں کی خوشامد کر رہے ہیں۔ مگر ہر جگہ سے یہی جواب ملتا ہے کہ "کوئی جگہ خالی نہیں ہے"۔ میں تو پیر۔ اولیا، وغیرہ کو مانتا نہیں مگر بعض بزرگوں کے اصرار سے کئی اولیاء صاحبان کی قبروں پر بھی جا کر سجدے پر سجدے کر آیا اور جہاں تک ممکن ہوا وہاں اپنی ناک گڑائی مگر اس سے بھی تو کچھ کام نہیں چلا۔

حسینی بیگم۔ ایک تدبیر تو میرے ذہن میں بھی آتی ہے مگر آپ مانیئے گا نہیں اور اسمیں خرچ بھی ڈھائی تین سو روپیہ کا ہے۔

مسٹر ابو الخیر۔ خیر ڈھائی تین سو روپیہ کا قرض مل جانا تو بہت دشوار نہیں ہے

مگر وہ تدبیر کیا ہے سنوں بھی تو۔
حسینی بیگم۔ نہیں آپ ہنس دینگے۔ اس کا تعلق اعتقاد پر ہے۔ میرا تو اعتقاد ہے کہ آپ اس پر عمل کریں گے تو آپ کی دعا ضرور قبول ہو گی اور یقیناً آپ کو اچھا ذریعہ معاش مل جائے گا
مسٹر ابوالخیر۔ مگر اسکے بیان کرنے میں تمہارا نقصان ہی کیا ہے۔
حسینی بیگم۔ میں تو کہتی ہوں کہ آپ ردولی شریف۔ کچھوچھہ شریف۔ اجمیر شریف ہو آئے۔ اگر ہو سکے تو ایک دفعہ کربلا شریف بھی چلے جایئے اور حضرت امام حسین علیہ السلام کی زیارت کر آیئے۔
مسٹر ابوالخیر۔ تم عورتیں ابھی تک اسی جہالت میں پڑی ہو امام حسینؑ کیا بنا دینگے۔
حسینی بیگم۔ میری غرض یہ ہے کہ آپ حضرتؑ کے روضہ پر جا کر دعا کیجئے جو مانگنا ہو خدا ہی سے مانگئے مگر اسی نورانی زمین اور اسی بہشتی روضہ پہ بیٹھکر اور اسی بناء لا الہ کا واسطہ دے کر۔
مسٹر ابوالخیر۔ اچھا دیکھا جائیگا۔ اب تو بیکاری کی اذیت اور فکروں کی پریشانی سے دماغ بھی کچھ کام نہیں کرتا۔

اسکے بعد ادھر ادھر کی باتیں ہوتی رہیں حسینی بیگم نے دوبارہ پان کی گلوری دی اور مسٹر ابوالخیر کھا کر واپس گئے۔ جب شب کو پلنگ پر سوئے تو دیر تک سوچتے رہے کہ اسمیں مضائقہ کیا ہے۔ شیعہ تو بہت کثرت سے وہاں جاتے ہیں اور ہم لوگ بھی بغداد شریف جاتے ہیں تو بعض لوگ کربلا بھی ہو آتے ہیں۔ ایک کوشش یہ بھی سہی۔ نہیں کچھ سیاحت تو ہو جائیگی۔ یہاں پڑے پڑے اور کوفت کرتے کرتے صحت خراب ہونے لگی ہے۔ بتدیل آب ہوا اور دنیا کا مختلف منظر دیکھنے سے کچھ تو دل بہل جائے گا۔ یہی سوچتے سوچتے سو گئے اور ایک ہفتہ تک اسی پر غور کرتے رہے۔ اس کے بعد کوشش کر کے تین سو روپیہ اپنے عزیزوں سے قرض لیا اور کربلائے معلّٰے کی زیارت کو روانہ ہو گئے۔ پندرہ دن میں وہاں

پہونچ گئے۔ حضرتؑ کے روضہ پر دیکھا کہ عجب نور برس رہا ہے۔ زیارت کی وہیں نماز پڑھی اور حضرت کا واسطہ دیکر بہت گڑ گڑا گڑ گڑا کے خدا سے دعا کی کہ اے خدا جلد میرے لئے کوئی اچھا ذریعہ معاش پیدا کر دے۔ چار پانچ روز کے بعد نجف اشرف بھی گئے۔ دو روز وہاں رہے تھے کہ اب دل گھبرایا اور ہندوستان کا ارادہ کر دیا جب بصرہ جہاز پر سوار ہوئے تو ایک ادھیڑ بہت خوشحال بزرگ کو دیکھا۔ جن کو لوگ سیٹھ جی۔ سیٹھ جی کہتے تھے۔ دریافت سے معلوم ہوا کہ بمبئی کے بہت معزز تاجر ہیں اور زیارت کرنے کے لئے بغداد شریف گئے تھے اب اپنے مکان واپس جا رہے ہیں۔ مسٹر ابوالخیر کو اخبار بینی کا بڑا شوق تھا۔ اردو۔ فارسی۔ انگریزی اخبار جہاں ملتا لے لیتے۔ جہاز پر بھی کئی تازہ اخبار ان کے ساتھ تھے۔ جس روز یہ سوار ہوئے اسکے دوسرے دن یہ ایک جگہ کھڑے ہو کر فارسی اخبار پڑھتے تھے کہ سیٹھ جی بھی ادھر ٹہلتے ٹہلتے پہونچ گئے۔ سیٹھ صاحب فارسی نہیں جانتے تھے۔ انھیں گجراتی اخبار دیکھنے کی عادت تھی مگر وہ اس جہاز پر کہاں ملتا ان کو خیال ہوا کہ یہ فارسی اخبار دیکھ رہے ہیں لاؤ انھیں سے کچھ باتیں کرو اور نئی خبریں سُنو۔ جب دونوں آدمی ایک دوسرے کے سامنے ہوئے تو یوں باتیں ہونے لگیں۔

سیٹھ جی۔ السّلام علیکم۔

مسٹر ابوالخیر۔ وعلیکم السّلام۔ مزاج شریف

سیٹھ جی۔ آپ کی دعا ہے۔ آپ کا مکان کہاں ہے۔

مسٹر ابوالخیر۔ غریب خانہ الہ آباد ہے۔ اور آپ کا دولت خانہ؟

سیٹھ جی۔ بمبئی میں۔ آپکا نام۔

مسٹر ابوالخیر۔ مجھے ابوالخیر کہتے ہیں۔ اور آپکا اسم شریف۔

سیٹھ جی۔ نورالدین۔

مسٹر ابوالخیر۔ مجھے آپ سے مل کر بڑی مسرت ہوئی۔ یہ کہہ کے آگے بڑھے اور ہاتھ ملایا سیٹھ جی نے پان بڑھایا۔ انھوں نے تسلیم کر کے لے لیا۔

سیٹھ جی۔ آپ کوئی تازہ اخبار پڑھتے ہیں۔
مسٹر ابوالخیر۔ جی ہاں اسی ہفتہ کا ہے۔
سیٹھ جی۔ کوئی نئی خبر ہے۔
مسٹر ابوالخیر۔ جی ہاں بہت سی خبریں ہیں۔ اسکے بعد دونوں آدمی ٹہلنے لگے اور مسٹر ابوالخیر مختلف مقامات کی خبریں پڑھ کر سیٹھ جی کو سُنانے لگے۔
جہاز پر کئی روز رہنا پڑا۔ اس درمیان میں سیٹھ جی اور ابوالخیر میں اچھی محبت پیدا ہوگئی۔ چائے نوشی اور کھانا بھی اکثر ساتھ ہی ہوتا۔ مسٹر ابوالخیر کی شرافت۔ تہذیب اخلاق اور خوش بیانی سے سیٹھ جی کے دل میں انکی عزت بڑھتی گئی۔ جب جہاز بمبئی پہونچا اور دونوں اترے تو سیٹھ جی نے اصرار کیا کہ میرے ہی یہاں چلکر دس پندرہ روز رہیے بمبئی کی خوب سیر کیجئے۔ اسکے بعد الہ آباد جائیگا۔ ابھی جلدی کیا ہے۔ سیٹھ جی کی ایسی محبت مسٹر ابوالخیر پر ہوگئی تھی کہ اُن سے اس فرمائش کو ٹالا نہیں گیا۔ مجبوراً انکے یہاں مہمان ہو گئے۔ یہاں مسٹر ابوالخیر کو پتہ چلا کہ سیٹھ جی لاکھوں کے آدمی ہیں سیکڑوں روپیہ روزانہ کا منافع گھر میں آتا ہے۔ بڑا افسوس کرنے لگے کہ میں کیوں بی۔ اے ہونے میں عمر ضائع کی اور تجارت میں کیوں نہیں داخل ہوا کہ انکی طرح میں بھی ترقی کیے ہوتا۔ مسٹر ابوالخیر کو انکے بی۔ اے کی ڈگری سے اب تک کسی قسم کا فائدہ نہیں ہوا۔ سیٹھ جی سے جو ملاقات پیدا ہو گئی اُس کا ذریعہ بھی فارسی اخبار ہی تھا۔ جب بمبئی رہتے ہوئے مسٹر ابوالخیر کو چار روز ہو گئے تو ایک روز شب کے وقت سیٹھ جی سے اس طرح باتیں ہونے لگیں۔
مسٹر ابوالخیر۔ اب میرے عزیز گھر پر میرا انتظار کرتے ہونگے۔ میں چاہتا ہوں کہ کل چلا جاؤں۔
سیٹھ جی۔ ابھی آپنے بمبئی دیکھا کہاں۔ مکان پر آپ کے کون کون عزیز ہیں اگر بیوی بچوں کا خیال ہے تو دو سو روپیہ کل صبح تار پر وہاں بھیجدیجئے اور لکھدیجئے کہ میں بمبئی خیریت سے پہونچ گیا ہوں۔ دس بارہ روز میں آؤں گا۔
مسٹر ابوالخیر۔ میرے عزیزوں میں بھائی۔ بہن۔ بھانجی ہیں۔ بیوی تو ابھی ہوئی ہی نہیں۔ بچے کہاں سے آئیں گے۔ کسی کے خرچ کی فکر نہیں ہے بلکہ خود ہی اپنی ملازمت وغیرہ

کی کوشش کرنی ہے۔

سیٹھ جی۔ تو کیا ملازمت صرف الٰہ آباد ہی میں مل سکتی ہے۔ یہاں نہیں ملیگی۔

مسٹر ابوالخیر۔ کیوں نہیں مگر یہاں کوشش کون کرے گا۔ سفارش کس طرح بہم پہونچیگی

سیٹھ جی۔ وہاں آپکو سر دست کس تنخواہ کی ملازمت مل جائیگی۔

مسٹر ابوالخیر۔ زمانہ بہت برا ہو گیا ہے۔ اب تو بی۔ اے پاس کو پچاس روپیہ ماہوار کی جگہ بھی مل جاتی ہے تو اسکے لیئے معراج سمجھی جاتی ہے۔

سیٹھ جی۔ تو میری رائے ہے کہ آپ یہیں مستقل طور پر رہیں اور میری تجارت میں میرا ہاتھ بٹائیں۔ آپ کا کھانا وغیرہ تو میرے ساتھ جس طرح ہے رہیگا آپکے پاکٹ خرچ کے لیئے ابھی میں سو روپیہ ماہوار آپ کو دونگا۔ اگر اس کام میں آپکا دل لگ گیا اور آپ نے کچھ ترقی دکھائی تو آپ کی تنخواہ بھی بڑھا دوں گا۔

مسٹر ابوالخیر۔ (دل میں تو بہت خوش ہوئے اور اس ملازمت کو ایک بڑی نعمت سمجھے مگر پالیسی کے طور پر کہا) میں ابھی نہیں کہہ سکتا۔ دو روز اس مسئلہ پر غور کرلوں۔

سیٹھ جی۔ ہاں اور آپنے یہ کیا کہا کہ "بیوی تو ابھی ہوئی ہی نہیں۔ بچے کہاں سے آئیں گے"۔ کیا آپ کی شادی نہیں ہوئی ہے۔

مسٹر ابوالخیر۔ جی ہاں ابھی تک تو اس درد سر سے بچا ہوں۔

سیٹھ جی۔ کیوں؟

مسٹر ابوالخیر۔ نسبتیں تو کئی بڑی بڑی جگہوں سے آتی رہیں مگر میں ابھی آمادہ نہیں ہوا کہ کوئی معقول ملازمت کرلوں تب اس کا ارادہ کروں۔ ملازمت کا ملنا دشوار ہے بیویاں تو بہت مل رہیں گی۔

اسکے بعد سیٹھ جی چپ ہو گئے۔ وہ ایک بڑی فکر میں ڈوبے۔ انکی عمر قریب ساٹھ برس کے پہونچ گئی تھی۔ اولاد تو کئی ہوئی مگر زندہ صرف ایک لڑکی رہ گئی تھی جو شادی قابل ہو چکی تھی۔ اسکی نسبت بھی کئی جگہ سے آتی تھی مگر سیٹھ جی چاہتے تھے کہ کوئی ایسا لڑکا ملے جو شریف۔ مہذب تعلیم یافتہ ہو اور سب سے زیادہ یہ کہ انکے گھر رہنے کو

منظور کرے ۔ جو داماد کا داماد ہو اور بیٹا کا بیٹا جس سے انکی بیٹی بھی انکے گھر رہے اور انکے بعد انکا کاروبار بھی اسی طرح جاری رہے ۔ مگر بمبئی میں کوئی ایسا ملتا نہیں تھا ۔ وہ غور کرنے لگے کہ اگر مسٹر ابوالخیر ہی سے میری بیٹی کی شادی ہو جائے تو میری سب آرزوئیں پوری ہو جائیں ۔ پھر میں اپنی موت کو بھی اپنی زندگی ہی سمجھوں

دوسرے دن سے سیٹھ جی اپنے کاروبار مسٹر ابوالخیر کے ذمہ بطور منیجر کرکے خود اسی مسئلہ میں غور و فکر کرنے میں بسر کرنے لگے ۔ اپنے عزیزوں ۔ دوستوں ۔ ملاقاتیوں سے مشورہ کرتے ۔ اسکے نشیب و فراز پر بحث کرتے اور ہر شخص انکی اس تجویز کو بہت پسند کرتا بلکہ کہتا کہ اس میں دیر نہ کیجئے بلکہ سمجھئے کہ خدا نے مسٹر ابوالخیر کو آپ کے پاس بطور نعمت غیر مترقبہ نازل کر دیا ہے ۔ جس طرح ہو انھیں سے بیٹی کی شادی کر دیجئے ہرگز ہرگز اسکو نہ چھوڑیئے ۔ پندرہ روز کے بعد انھوں نے اس کو طے کر لیا اور اپنے ایک دوست کے ذریعہ سے مسٹر ابوالخیر پر اپنی تجویز بھی ظاہر کر دی ۔ مسٹر ابوالخیر دل میں بہت خوش ہوئے اور خیال کیا کہ اس سے بہتر کیا ۔ پھر تو مجھے دنیا ہی میں بہشت مل جائیگی مگر پالیسی کے طور پر دو چار روز غور کرنے میں صرف کر دیئے ۔ اسکے بعد اس کو منظور کیا اور ۱۰ ذیقعدہ کو انکی شادی سیٹھ جی کی بیٹی سے ہو گئی جس میں لاکھوں کا مال ملا ۔ شادی کے تین چار روز کے بعد مسٹر ابوالخیر نے پانچ ہزار روپیہ کا چیک لفافہ میں رکھ کر ایک خط کے ساتھ مولوی عبدالغفار صاحب کے نام رجسٹری کرکے بھیج دیا ۔ جب وہ الہ آباد مولوی صاحب کے پاس پہونچا تو انھوں نے کھول کر خط پڑھا جس میں لکھا تھا " عزیز گرامی قدر مولوی عبدالغفار صاحب سلمہم اللہ تعالیٰ ۔ بعد السلام علیکم ۔ واضح ہو کہ میں خیریت سے ہوں اور آپ لوگوں کی عموماً اور عزیزی حسینی بیگم سلمہا کی خصوصاً خیریت کے لئے برابر دعا کرتا ہوں ۔ مجھے تو انھوں نے فقیر سے بادشاہ بنا دیا ۔ آپ جانتے ہیں بی اے پاس کرنے کے بعد میں نے ۲۵ روپیہ کی ملازمت کے لئے بھی کس قدر خاک چھانی مگر کامیابی کی کوئی صورت نظر نہیں آئی ۔ اتفاقاً حسینی بیگم سلمہا نے مجھ سے اصرار کیا کہ کربلا شریف جا کر زیارت کروں اور وہیں دعا مانگوں ۔ مجھے کیا معلوم تھا کہ وہ

مجھے بہشت کا پتا بتا رہی ہیں۔ پہلے تو اسے حقارت سے ٹالنا چاہا مگر تقدیر پلٹنے
والی تھی۔ آخر سامان کر کے میں کربلا شریف روانہ ہو گیا۔ وہاں سے نجف اشرف
گیا اسکی زیارت کر کے دل گھبرایا بغداد شریف کی زیارت بھی نہیں کر سکا اور سیدھے
ہندوستان کا رستہ لیا۔ بصرہ جہاز پر سوار ہوا تو بمبئی کے ایک لکھپتی سیٹھ صاحب
سے ملاقات ہو گئی وہ اپنے ساتھ بمبئی لائے۔ اپنا مہمان کیا۔ اور چند دنوں کے بعد
میری شادی اپنی اکلوتی بیٹی سے کر دی۔ اس طرح زیارت کربلا کے بعد ابھی ایک
مہینہ بھی نہیں ہوا تھا کہ میں فقیر سے بادشاہ ہو گیا۔ میری جواہرات سے لدی
ہوئی حور مثال بیوی میرے پلنگ پر سوئی ہیں اور میں اُنکے بغل کی میز پر یہ
خط لکھ رہا ہوں۔ اس وقت لاکھوں کا کاروبار گویا میرے ہاتھ میں ہے۔ یہ پانچ
ہزار روپیہ کا چک روانہ کرتا ہوں حسینی بیگم سے ہما کو پان کھانے کے لیے دیدیجئے گا
کہ انھوں نے مجھے زندہ کر دیا بلکہ زندگی ہی میں بہشت میں پہونچا دیا۔ نہ زیارت
امام حسین علیہ السلام کو آتا نہ یہ سلطنت ملتی۔ آیندہ ماہ سے سو روپیہ ماہوار بھی
اُن کے پان کھانے کو میں بھیجا کروں گا۔ خدا جب تک مجھے زندہ رکھے۔ والسلام ابوالخیر
مولوی صاحب نے یہ خط پڑھا تو ان پر سکتے کا عالم طاری ہو گیا۔ دیر تک بے حس و
حرکت پڑے رہے۔ کبھی کہتے یہ جھوٹ ہے۔ یہ نہیں ہو سکتا۔ کبھی سوچتے کہ جعلی
چک ہے مذاق کے لئے بھیجا ہے۔ کبھی کچھ خیال کرتے کبھی کچھ۔ مگر آخر یہ بول دینا
پڑا کہ "خدا کی دین ہے وہ اسی طرح چھپر پھاڑ کر دے دیتا ہے"۔ دن کو تو مولوی
صاحب کچھ عجیب حیرت کے عالم میں رہے۔ شب کو وہ خط لئے ہوئے مکان پر آئے۔
جب حسینی بیگم آئیں تو اس طرح باتیں ہونے لگیں۔

مولوی صاحب۔ لو مبارکباد۔ تمہارے ماموں سیٹھ ابوالخیر بادشاہ ہو گئے
اور تمہیں نے اُن کو مالا مال کر دیا۔

حسینی بیگم۔ کیا آج کوئی نیا مذاق سوجھ کر آئے ہو۔

مولوی صاحب۔ مذاق کیسا۔ انکا خط ہی آج آیا ہے تم خود پڑھ لو۔

حسینی بیگم نے خط پڑھا تو نہایت خوش ہوئیں۔ فوراً اٹھکر وضو کیا اور شکریہ
کا دوگانہ ادا کرکے مولوی صاحب کے پاس آ بیٹھیں۔

مولوی صاحب۔ واہ رے قسمت کیا سے کیا ہوگئے۔ مگر یہ تدبیر تم کو کس نے
بتائی کہ کربلا شریف کی زیارت سے آدمی اس طرح بادشاہ بن جاتا ہے۔

حسینی بیگم۔ کتابوں ہی سے مجھے معلوم ہوا کہ کربلا شریف بڑی برکت کی جگہ ہے
اسی لیے میں نے خیال کیا اگر ماموں جان وہاں جاکر دعا کرینگے تو خدا ضرور قبول کریگا
مگر میں تو سمجھی تھی کہ وہ واپس آئیں گے تو انکو کوئی ملازمت پچاس ساٹھ کی مل جائیگی۔
یہ تو میرے فرشتوں کو بھی خبر نہیں تھی کہ کربلا شریف کی زیارت کرکے وہ گھر بھی نہیں پہونچنے
پائیں گے کہ نتیجے ہی میں لکھ پتی ہو جائیں گے۔ فوراً ایسی چوڑی کوٹھی مل جائیگی اور لاکھوں
کا کاروبار بھی ہاتھ آجائیگا۔

مولوی صاحب۔ زیارت کرنا تو رافضیوں کا کام ہے۔ ہمارے ہاں جائز نہیں ہے
تم نے کس مذہب سے ان کو زیارت کا مشورہ دیا۔

حسینی بیگم۔ میرا مذہب تو تم کو معلوم ہے مگر میں کہتی ہوں کہ تمہارے اہلحدیث
بھائیوں کے ہاں بھی زیارت کرنا ثابت ہے۔ خود حضرت رسول خدا صلعم نے ان
حضرات کی زیارت کا حکم دیا ہے۔ جناب مولانا وحید الزماں خاں صاحب حیدرآبادی
نے لکھا ہے کہ آنحضرت صلعم نے فرمایا "کنت نهيتكم عن زيارة القبور فزوروها"
میں نے پہلے تم کو قبروں کی زیارت سے منع کر دیا تھا۔ اب زیارت کرو۔ مترجم کہتا ہے
...اگر کوئی شخص کسی پیغمبر یا ولی کی قبر کی زیارت کو جائے اور زیارت کے بعد اسکے
ولی ہیں۔ [illegible] وہاں اللہ تعالیٰ سے دعا کرے تو اس میں کوئی قباحت
نہیں۔ اب زیارت قبور کے لیے سفر کرنا تو... اکثر علمائے اہلحدیث یہ کہتے ہیں کہ
جائز ہے" (انوار اللغۃ پارہ ۱۱ صفحہ ۸۴) اور دوسری جگہ لکھا ہے "بعض اہلحدیث
نے اس حدیث سے یہ دلیل لی ہے کہ اموات سے دعا کا سوال کرنا جائز نہیں
کیونکہ انکے اعمال منقطع ہو گئے ہیں لیکن یہ انکی غلطی ہے۔ انبیاء علیہ السلام اور

اولیاء اللہ سے اونکی قبروں پر دعا کا سوال کرسکتے ہیں۔ اسی طرح خواب میں اعمال
کے انقطاع سے یہ مراد ہے کہ مرنے کے بعد انکا کوئی عمل نامہ اعمال میں شریک نہیں کیا جاتا
نہ یہ کہ وہ کوئی عمل ہی نہیں کرسکتے۔ احادیث صحیحہ سے انبیاء کے عمل بعد از موت ثابت ہیں اور
اولیاء اللہ کے بعد از موت بھی طرح طرح کے فیوض و برکات ہونا متواتر منقول ہے ثابت
بنانی کی قبر میں جھانکا گیا وہ نماز پڑھ رہے تھے۔ حضرت شمس الدین اولیاء نے اپنی والدہ کی
قبر پر جاکر کہا اماں اس وقت پروردگار کی بارگاہ میں جاؤ اور اس شخص سلطان کا علاج
کراؤ جس نے مجھے تنگ کردیا ہے۔ یہ واقعہ عصر کے وقت ہوا اور اسی روز مغرب کے
بعد سلطان مارا گیا (انوار اللغۃ پارہ ۵ ص ۳۵) اس سے یہ باتیں ثابت ہوگئیں
کہ زیارت کیلئے اولیاء اللہ کی قبروں پر جانا بھی جائز ہے اور دعا بھی مانگنی چاہئے اور
خود حضرت رسولخدا صلعم زیارت حضرات شہداء کے لئے جانا متواتر واقع ہے۔ بلکہ خود
خدا نے حضرت صلعم کو اس کا حکم دے رکھا تھا چنانچہ جناب شیخ عبدالحق صاحب محدث دہلوی
نے لکھا ہے "ہم چنانکہ نیز بزیارت بقیع و استغفار برائے ایشاں مامور بود ہم چنیں بزیارت
شہداء احد و دعا برائے ایشاں مورث" یعنی جس طرح خدا نے حضرت صلعم کو حکم دیا تھا کہ بقیع
کی قبروں کی زیارت کریں اور وہاں کے مومنین کے لئے استغفار کریں اسی طرح
حضرت صلعم کو خدا کا حکم تھا کہ احد کے شہیدوں کی زیارت کریں اور انکے لئے دعا
فرمائیں (مدارج النبوۃ جلد ۲ ص ۱۹۴) اور علامہ قسطلانی نے تو اسکے بارے میں ایک
مستقل فصل ہی قائم کی ہے۔ جیسا لکھتے ہیں الفصل الثانی فی زیارۃ قبرہ الشریف
یعنی دوسری فصل حضرت رسولخدا کی قبر کی زیارت کے بیان میں اعلم ان زیارۃ قبرہ الشریف
من اعظم القربات وارجی الطاعات والسبیل الی اعلی الدرجات ومن اعتقد
غیر ھذا فقد انخلع من ربقۃ الاسلام وخالف اللہ ورسولہ وجماعۃ العلماء الاعلام
یعنی جان رکھو کہ حضرت رسولخدا صلعم کے روضہ کی زیارت بڑی آیتوں اور بہت زیادہ امید کی طاعتوں سے اور
وہ بلند ترین درجوں تک پہونچنے کا ذریعہ ہے اور جو شخص اسکے خلاف اعتقاد رکھیگا وہ
حلقہ اسلام سے خارج اور اللہ و رسول اور علماء اعلام کی جماعت کا بھی مخالف ہوجائیگا۔

وقال القاضی عیاض انہا سنۃ من سنن المسلمین مجمع علیہا و فضیلۃ مرغب فیہا وروی الدارقطنی من حدیث ابن عمرؓ ان رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم قال من زار قبری وجبت لہ شفاعتی یعنی قاضی عیاض نے کہا ہے کہ حضرت رسولخداؐ کی قبر کی زیارت مسلمانوں کی سنۃ ہے جس پر لوگوں کا اجماع ہوچکا ہے اور ایسی فضیلت ہے جسکی ترغیب دیگئی ہے اور دارقطنی نے عبداللہ ابن عمر کی حدیث روایت کی ہے کہ حضرت رسولخداؐ نے فرمایا ہے کہ جو شخص میری قبر کی زیارت کریگا اسکے لئے میری شفاعت واجب ہوجائیگی وینبغی لکل مسلم اعتقاد کون زیارتہ قربۃ للاحادیث الواردۃ فی ذلک یعنی ہر مسلمان کے لئے اس بات کا اعتقاد کرنا مناسب ہے کہ حضرتؐ کی قبر کی زیارت سے خدا کی خوشی حاصل ہوتی ہے اس لئے کہ اس مضمون کی بہت سی حدیثیں وارد ہیں وقد اجمع المسلمون علی استحباب زیارۃ القبور کما حکاہ النووی یعنی مسلمانوں کا اجماع ہے اس بات پر کہ قبروں کی زیارت کرنی مستحب ہے جیسا کہ علامہ نووی نے بیان کیا ہے قال زوروا القبور یعنی حضرت رسولخداؐ صلعم نے فرمایا ہے کہ تم لوگ قبروں کی زیارت کیا کرو۔ ان امرأۃ سالت عائشہ رضی اللہ عنہا ان اکشفی لی عن قبر رسول اللہ فکشفتہ فبکت حتی ماتت ایک عورت نے حضرت عائشہ سے سوال کیا کہ مجھے حضرت رسولخداؐ کی قبر کھول کر دکھا دیجئے۔ انھوں نے کھولدی تو وہ عورت اس قدر روئی کہ مرگئی (مواہب لدنیہ مطبوعہ مصر جلد ۲ ص ۳۸۳ تا ۳۸۷)۔

حضرت رسولخداؐ کی زیارت جس طرح پڑھی جاتی ہے اس سے ایک اور بات معلوم ہوتی ہے وہ میرے اور تمہارے ایک سابق بحث سے متعلق ہے۔ تم کہتے تھے کہ اہل بیت سے مراد حضرت رسولخدا صلعم کی بیویاں ہیں اور میں کہتی تھی کہ حضرتؐ کی بیویاں اہلبیت سے خارج ہیں۔ اور اہلبیت سے مراد صرف حضرت رسولخدا صلعم کی ذریۃ جناب علیؑ و فاطمہؑ و حسنؑ و حسینؑ اور انکی اولاد ہیں۔ اب دیکھو کہ حضرت رسولخدا صلعم کی زیارت کس طرح کی جاتی ہے۔ اس میں بھی حضرت امام حسین علیہ السلام اور دیگر حضرات اہلبیت کی زیارت پڑھی جاتی ہے۔ یہی علامہ قسطلانی لکھتے ہیں کہ حضور کی زیارت اسطرح

پڑھے السلام علیک یارسول اللہ السلام علیک یا نبی اللہ السلام علیک یاحبیب اللہ السلام علیک یاخیرۃ خلق اللہ السلام علیک یا صفوۃ اللہ۔ السلام علیک یا سید المرسلین وخاتم النبیین السلام علیک یا قائد الغر المحجلین اسکے بعد لکھا ہے اس جملہ کو غور سے سُننا۔ السلام علیک وعلی اہل بیتک الطیبین الطاہرین السلام علیک وعلی ازواجک الطاہرات امہات المومنین۔ یعنی اے رسولخدا! آپ پر اور آپکے طیب و طاہر اہل بیتؑ پر سلام ہو۔ آپ پر اور آپ کی بیویوں پر بھی سلام ہو جو امہات المومنین تھیں (مواہب لدنیہ جلد ۲ صفحہ ۳۸۷) تباؤ اگر اہل بیت اور ازواج ایک ہوتے تو آنحضرتؐ کی زیارت میں حضرتؐ کے اہل بیتؑ پر علیحدہ اور حضرتؐ کی بیویوں پر الگ سلام کیوں پڑھا جاتا؟ یہ بھی قابل غور ہے کہ اہل بیتؑ کی صفت طیبین وطاہرین لائے ہیں اور ازواج کی صفت امہات ذکر کی ہے اور دونوں بالکل صحیح ہے کہ اہل بیتؑ یقیناً طیب و طاہر ہیں مگر وہ امہات مومنین نہیں ہیں اور ازواج رسولؐ امہات مومنین ہیں مگر وہ اہل بیتؑ نہیں ہیں۔

مولوی صاحب ۔ یہ بات تو تم کو بڑی دلچسپ لکھی۔ واقعی جب حضرت رسولخداؐ کی زیارت میں ازواج پر الگ سلام کیا جاتا ہے اور اہلبیتؑ پر علیحدہ تو یقیناً ماننا پڑیگا کہ ازواج رسول صلعم اہل بیت سے خارج ہیں۔ مگر تم نے اس وقت تک تو آنحضرت کی زیارت کو ثابت کیا کہ مستحب ہے اور مسلمانوں کا اسپر اجماع ہے۔ امام حسینؑ کی زیارت کا کیا ثبوت ہے۔

حسینی بیگم ۔ کیا حضرت رسولخداؐ نے یہ نہیں فرمایا ہے کہ زودوا القبور اے مسلمانو! تم قبروں کی زیارت کیا کرو۔ اور کیا علامہ نووی کی عبارت ہنیں سُنی کہ مسلمانوں کی قبروں کی زیارت مستحب ہے جس پر مسلمانوں کا اجماع ہے۔ اور کیا حضرت امام حسین علیہ السلام مسلمانوں کے سردار نہیں تھے جب عام مسلمانوں کی قبروں کی زیارت کا

حکم دیا گیا ہے تو فرزند رسولؐ اور سردار جوانان اہل جنت کے روضہ کی زیارت کا کیا کہنا علاوہ
بریں میں یہ بھی بیان کر چکا ہوں کہ حضرت رسول خدا صلعم بقیع کی قبروں کی زیارت اور شہدا احد کی
زیارت کو جاتے تھے اور خدا نے ہم لوگوں کے بارے میں فرمایا ہے لقد کان لکم فی
رسول اللہ اسوۃ حسنۃ یعنی البتہ رسولخدا صلعم کی ذات میں تم لوگوں کی پیروی
کرنے کا بہترین نمونہ موجود ہے جب حضرت رسولخداؐ کو احد کے معمولی
شہیدوں کی زیارت کا حکم خدا نے دیا اور یہ یقینی ہے کہ حضرتؑ کا درجہ شہدائے احد سے
بہت زیادہ تھا پھر ہم لوگ حضرت سید الشہداء امام حسین علیہ السلام کی زیارت کرینگے
جو ہم لوگوں سے کہیں افضل و اشرف بلکہ سردار دنیا و دین تھے تو کس قدر خدا کی خوشی
کا سبب ہوگا حضرت رسولخدا صلعم نے اپنی زندگی میں صرف خود ہی شہدا احد کی
زیارت نہیں کی بلکہ مسلمانوں سے بھی انکی زیارت کا اشارہ کیا ہے روی عنہ
علیہ الصلوٰۃ والسلام انہ قال فی شہداء احد والذی نفسی بیدہ
لیسلم علیہم احد الی یوم القیامۃ الا ردوا علیہ یعنی حضرت رسولخدا صلعم
نے شہداء احد کے بارے میں فرمایا ہے کہ خدا کی قسم جو شخص ان شہدا پر قیامت تک
کسی وقت بھی سلام کرے گا اس کو یہ لوگ جواب سلام دینگے (مواہب لدنیہ جلد ۲ صفحہ ۳۹)
جب شہداء احد تک اپنی زیارت کرنے والوں کے سلام کا جواب دیتے ہیں تو پھر امام حسینؑ
بدرجۂ اولیٰ اپنے زائرین کے سلام کا جواب عطا فرماتے ہیں۔ کیونکہ مسلمانوں کا
اس بات پر اجماع ہے کہ امام حسین علیہ السلام شہدائے احد سے ہزاروں درجہ افضل تھے علاوہ
جناب شیخ عبدالحق محدث دہلوی نے تو زیارت حضرت رسولخدا صلعم کی تاکید میں کئی
حدیثیں لکھی ہیں۔ مثلاً آنحضرت صلعم نے فرمایا ہے من زار قبری وجبت لہ شفاعتی
کہ جو شخص میری قبر کی زیارت کریگا اسکے لئے میری شفاعت واجب ہو جائیگی من جاءنی
زائرا لا تعملہ حاجۃ الا زیارتی کان حقا علی ان اکون لہ شفیعا یوم القیامۃ کہ جو
شخص صرف میری زیارت کو آئے اور اسکی کوئی غرض نہ ہو تو مجھ پر واجب ہوگا
کہ قیامت میں اس کی شفاعت کروں۔ من حج البیت ولم یزرنی فقد جفانی

یعنی جو شخص حج کرے گا میری زیارت نہ کرے وہ مجھ پر ظلم کرے گا (جذب القلوب)
آگے لکھا ہے زیارت حضرت سید المرسلین صلی اللہ علیہ و آلہ وسلم افضل الصلوٰۃ
و افضلہا باجماع علماء امت قولاً و فعلاً از افضل سنن و اوکد مستحبات است....
یعنی حضرت رسول اسلام کی زیارت علمائے اسلام کے اجماع کے مطابق
سنتی کاموں میں سب سے افضل اور مستحبی عبادتوں میں سب سے زیادہ تاکیدی
ہے (جذب القلوب ص ۲۱۳) علاوہ بریں علامہ قسطلانی نے لکھا ہے وینبغی
ایضاً بعد زیارتہ صلی اللہ علیہ وسلم ان یقصد المزارات التی بالمدینۃ
(الشریفۃ والآثار المبارکۃ والمساجد التی صلی فیہا علیہ الصلوٰۃ
والسلام التماساً لبرکتہ و ان یخرج الی البقیع لزیارۃ من فیہ فان
اکثر الصحابۃ ممن توفی فی المدینۃ فی حیاتہ صلی اللہ علیہ وسلم و
بعد وفاتہ مدفون بالبقیع وکذلک سادات اہل البیت والتابعین
یعنی جو شخص حضرت رسول خدا کی زیارت کو جائے اسکے لئے مناسب ہے کہ حضرت کی زیارت
سے فارغ ہو کر ان مزاروں اور مبارک یادگاروں کے پاس بھی جائے جو مدینہ شریف
میں ہیں اور ان مسجدوں میں بھی حاضر ہو جنمیں حضرت رسول خدا صلعم نے نماز پڑھی تھی کہ
ان کل مقامات سے برکت حاصل کرے پھر جنۃ البقیع میں جا کر ان لوگوں کی زیارت
کرے جو وہاں دفن کئے گئے ہیں۔ کیونکہ حضرت رسول اصلعم کی زندگی میں اور وفات
کے بعد جو صحابہ مرے ان سے اکثر وہیں مدفون ہیں اسی طرح سادات اہل بیت و تابعین
بھی وہاں مدفون ہیں (مواہب لدنیہ جلد ۳ صفحہ ۴۰۴) ۔ اور جناب شیخ عبدالحق صاحب محدث
دہلوی نے لکھا ہے واز جملہ است کہ بعد از زیارت آنحضرت صلی اللہ علیہ و آلہ وسلم
نیز زیارت بقیع کہ مرقد آل و اصحاب کرام و امہات المومنین و اتباع و تبع اتباع
و دیگر علماء و صلحاء امت است و نیز زیارت سید الشہداء عم النبی حمزہ بن عبدالمطلب
و زیارت مسجد قبا و دیگر مساجد و آبار و سائر اماکن کہ بآن سید ابرار خدمت متعلقہ کلام
در آن است کہ زیارت بقیع ہر روز بعد از زیارت سرور کائنات موجب شود بیا

روز جمعہ فقط چنانچہ الآن شدہ است امام نووی و تابعان او برآنند کہ ہر روز کنند
یعنی آنحضرت صلعم کی زیارت کے بعد بقیع کی زیارت کرے جسمیں آنحضرت کی آل و
اصحاب و ازواج و تابعین و تبع تابعین اور دیگر علماء و صلحاء امت دفن کئے گئے ہیں
اور حضرت حمزہ کی زیارت اور مسجد قبا و دیگر مساجد وغیرہ کی زیارت بھی کرے۔۔
کلام اسمیں ہے کہ بقیع کی زیارت بھی ہر روز آنحضرت صلعم کی زیارت کے بعد کرے
یا صرف جمعہ کے روز کرے جیسا کہ آج کل جاری ہے۔ امام نووی اور اُنکے تابعین
کا قول ہے کہ بقیع کی زیارت بھی روز کرے۔ اسکے بعد ایک عالم کی دلیل لکھی ہے
جو کہتے تھے کہ ان حضرات کی زیارت کبھی کبھی نہیں کرنی چاہئے بلکہ ہر روز کرنی مناسب
ہے شیخ ابو الحسن بکری رحمۃ اللہ علیہ گفتہ است کہ زیارت قبور سنت مؤکدہ است
و ایں شامل است ہر روز را یعنی شیخ ابو الحسن بکری رحمۃ اللہ نے کہا ہے کہ قبروں کی
زیارت کرنا سنت مؤکدہ ہے اور یہ شامل ہے ہر روز کو (جذب القلوب ص ۲۵۹)
اس عبارت کے بعد تم کچھ بول نہیں سکتے۔

مولوی صاحب - کیا مطلب؟

حسینی بیگم - یہی کہ علامہ قسطلانی اتنے بڑے جلیل القدر عالم و محدث نے
جنھوں نے صحیح بخاری شریف کی پوری شرح لکھ ڈالی ہے اور جنھوں نے حضرت رسولخدا
صلعم کی بہت مفصل سوانح عمری یعنی مواہب اللدنیہ لکھی ہے اور جناب شیخ عبدالحق صاحب
محدث دہلوی نے جو اہلسنت کے کیسے زبردست پیشوا تھے جب مسلمانوں پر تاکید کی
ہے کہ جنۃ البقیع کے عام صحابہ تابعین اور سادات اہل بیت کی زیارت کریں تو حضرت
امام حسین علیہ السلام ان کل صحابہ و تابعین اور سادات اہل بیت کے سردار اور ان
سب سے افضل تھے۔ پھر حضرت کی زیارت کا حکم تو بدرجہ اعلیٰ ہوا! - تم ہی انصاف
کرو کہ جو غیر معصوم صحابہ تابعین بقیع میں مدفون ہیں جب انکی زیارت ہمارے لئے مسنون
ہے تو سید شباب اہل الجنۃ اور سید الشہداء حضرت امام حسین علیہ السلام کی زیارت کس قدر
ضروری ہوگی بابا۔ تم حضرت عمدۃ العلماء زبدۃ الفقہاء بشیر المتکلمین امام المناظرین مولانا محمد مبین

اسکنہ اللہ فی اعلےٰ علیین کو بھی خوب جانتے ہو جو مشاہیر علماء دار العلم و العمل فرنگی محل لکھنؤ سے تھے ممدوح نے اپنی کتاب وسیلۃ النجاۃ میں ایک خاص باب ہی حضرات ائمہ اطاہرین کی زیارت کے متعلق لکھا ہے چنانچہ تحریر فرماتے ہیں خاتمہ در بیان فضیلت وثواب زیارات ائمہ اطہار علیہم السلام یعنی کتاب کا خاتمہ حضرات ائمہ اطہار کی زیارت کا ثواب اور فضیلت بیان کرنے میں ہے (وسیلۃ النجاۃ مطبوعہ لکھنؤ ۱۳۱۳ھ)

اور جناب علامہ شیخ شبلنجی نے تحریر فرمایا ہے قال الشعرانی فی الباب العاشر من المنن ومما من اللہ تبارک تعالیٰ بہ علی زیارتی کل قلیل لاھل البیت الذین دفنوا فی مصر کلھم او بعضھم ونقطوا ازورھم فی السنۃ ثلاث مرات بقصد صلۃ رحم رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم ولم ار احدا من اقرانی یعتنی لذلک اما لجھلہ بمقامھم واما لدعواہ عدم ثبوت کونھم دفنوا فی مصر وھذا جمود فان الظن یکفینا فی مثل ذلک انتھی

ثم انہ ذکر فی ھذہ المنۃ ایضا اسماء جماعۃ من اھل البیت لھم مزارات بمصر القاھرۃ اخبرہ عنھم سیدی علی الخواص رحمہ اللہ وفی آخرھا قال فھولاء الذین بلغنا انھم فی مصر من اھل البیت وصححہ اھل الکشف قال وکان سیدی علی الخواص رض یحثنا زیارۃ اھل البیت بالامام الشافعی رض فعلیک یا اخی بزیارۃ قرابۃ نبیک محمد صلی اللہ علیہ وسلم وقدمھم علی زیارۃ کل ولی فی مصر عکس ما علیہ العامۃ فلا تکاد تری احدا منھم یعتنی بزیارۃ احد ممن ذکرنا ابدا ویعتنی بزیارۃ بعض المجاذیب وینام فی سوالد ھم وھذا کلہ من جملۃ الجھل فاحذرہ لاتتمثل یعنی علامہ شعرانی نے کتاب منن کے دسویں باب میں فرمایا ہے کہ ان باتوں سے جن کا احسان خدا نے مجھ پر کیا ہے یہ ہے کہ مجھ سے جس قدر بھی ممکن ہوتا ہے حضرات اہلبیت کی جو مصر میں مدفون ہیں زیارت کرتا ہوں خواہ سب اہلبیت کی یا اُن کے سرداران کی۔ اور میں سال میں تین مرتبہ انکی زیارت کو جاتا ہوں اس نیت سے کہ حضرت رسول خدا کا حق صلہ رحم ادا کروں

(کیونکہ اہلبیتؑ حضرتؐ ہی کی اولاد ہیں تو ان حضراتؑ کی زیارت سے حضرت رسولخداؐ کے حقوق مجھ سے ادا ہونگے) اور میں اپنے ساتھیوں میں سے کسی کو بھی نہیں دیکھتا ہوں کہ اس صلۂ رحم کا خیال کرے یا تو اس سبب سے کہ ان لوگوں کو معلوم ہی نہیں ہے کہ حضرات اہلبیتؑ کہاں کہاں دفن کئے گئے ہیں یا اس وجہ سے کہ انکے خیال میں وہ حضرات مصر میں دفن ہی نہیں کئے گئے ہیں مگر یہ غفلت ہے کیونکہ ایسی باتوں میں گمان پر عمل کرنا کافی ہوتا ہے۔ پھر انھیں علامہ شعرانی نے اصحاب میں سے حضرات اہلبیتؑ کی ایک جماعت کے نام ذکر کئے ہیں۔ جن کے روضے مصر میں ہیں ان حضرات کے پتے سید علی الخواص رحمہ اللہ نے بتائے تھے اور اس باب کے آخر میں کہا ہے کہ وہ حضرات اہلبیتؑ ہیں جنکے بارے میں مجھے معلوم ہوا ہے کہ مصر میں دفن کئے گئے ہیں۔

انھوں نے کہا ہے کہ سید علی الخواص حضرات اہلبیتؑ کی زیارت امام شافعی کی زیارت کے ساتھ ختم کرتے تھے پس اے مسلمان بھائیو تم پر بھی لازم ہے کہ حضرت رسولخدا صلعم کے قرابتمندوں کی زیارت کیا کرو اور مصر میں جو اولیاء ہیں انکی زیارت پر حضرات اہلبیتؑ کی زیارت کو مقدم رکھا کرو برخلاف اسکے جو عوام کرتے ہیں کہ اپنی جہالت اور گمراہی سے بعض مجذوبوں کی زیارت کرتے اور انکی پیدائش کی جگہوں میں سوتے ہیں جس سے تم لوگ بچو کہ ہدایت پاؤ" (نورالابصار مطبوعہ مصر ص ۱۷۸) اور تم اس بات کو بھی جانتے ہو کہ بہت سے مورخین کے قول کے مطابق مصر میں حضرتؑ کا سر مبارک دفن کیا گیا ہے۔ وہاں بہت بڑا روضہ اس سر مبارک کا موجود ہے اور لاکھوں مسلمان اس روضہ مبارک کی زیارت روز کرتے ہیں جناب شمس العلماء مولانا شبلی صاحب نعمانی نے مصر کے بارے میں لکھا ہے "مزارات اور مشاہد بھی کثرت سے ہیں اور ان کے مصارف کے لئے بہت سے اوقاف ہیں۔ حضرت زینبؑ (امام حسین علیہ السلام کی بہن) حضرت ام کلثوم۔ امام شافعی۔ امام لیث کے مقبرے بڑی شان و شوکت کے ہیں۔ میں نے امام شافعی کے مزار کی زیارت کی اور مزارات کی زیارت کا بھی ارادہ تھا۔ لیکن وہاں پہونچکر جو حالت دیکھی اس سے طبیعت کو وحشت ہوئی

اور متاسف ہوکر واپس آیا۔ مصر والوں نے ہفتہ کے خاص خاص دن قرار دے رکھے ہیں
جنمیں ان کے اعتقاد کے موافق حضرت زینبؓ و امام شافعی وغیرہ کی روحیں عالم بالا سے
اپنے مزارات کی طرف متوجہ ہوتی ہیں۔ ان خاص دنوں کو حضرت کہتے ہیں اور جسکے
حضرت کا جو دن ہوتا ہے اُس دن اُن کے مزار پر بڑی بھیڑ ہوتی ہے کثرت سے
لوگ زیارت کو آتے ہیں اور قبر کو بوسہ دیکر اپنی حاجتیں و مرادیں مانگتے ہیں" (سفرنامہ
روم و شام و مصر صـ۲۰۷) پس جب حضرت امام حسین علیہ السلام کے سر مبارک
کی زیارت مصر میں اس درجہ رائج ہے تو حضرتؑ کے جسد مبارک کی زیارت کربلا شریف
میں کیوں قابل اعتراض ہو سکتی ہے۔ اور علامہ ابن بطوطہ نے بغداد کے متعلق لکھا
ہے و بالقرب منها قبر الامام ابی عبد الله احمد بن حنبل رضی الله عنه
ولا قبة علیه یذکر انها بنیت علی قبره مرارا فتهدمت بقدرة الله
تعالی وقبره عند اهل بغداد معظم واکثرهم علی مذهبه وبالقرب
منه قبر ابی بکر الشبلی من ائمة المتصوفة رحمه الله وقبر سری السقطی
وقبر بشر الحافی وقبر داؤد الطائی وقبر ابی القاسم الجنید رضی الله
عنهم اجمعین واهل بغداد لهم یوم فی کل جمعة لزیارة شیخ من هؤلاء
المشائخ ویوم لشیخ آخر یلیه هکذا الی آخر الاسبوع یعنی بغداد شریف
میں حضرت امام ابوحنیفہ رضی اللہ عنہ کے روضہ کے قریب امام احمد بن حنبل رضی اللہ
عنہ کا روضہ ہے مگر اس پر کوئی قبہ نہیں ہے۔ لوگ بیان کرتے ہیں کہ اس پر کئی
مرتبہ قبہ بنایا گیا مگر خدا کی قدرت سے گر گر گیا حضرت احمد بن حنبل کا روضہ بغداد والوں کے
اعتقاد میں بہت قابل تعظیم اور باعث برکت ہے۔ کیونکہ بغداد کے اکثر لوگ انھیں امام احمد بن حنبل
کے مذہب پر ہیں۔ ان کے روضہ کے قریب حضرت ابوبکر شبلی کا روضہ ہے جو
صوفیوں کے بڑے پیروں سے ہیں اور سری سقطی اور بشر حافی اور داؤد
طائی اور ابوالقاسم جنید رضی اللہ عنہم اجمعین کے روضہ بھی ہیں اور کل بغداد
والوں کا معمول ہے کہ ایک جمعہ سے دوسرے جمعہ تک ہر روز ان بزرگوں سے

کسی بزرگ کی زیارت کو جاتے ہیں۔ پھر دوسرے روز دوسرے بزرگ کی زیارت کو۔ تیسرے دن تیسرے بزرگ کی زیارت کو۔ اسی طرح پورا ہفتہ زیارت کرتے ہیں (رحلۃ ابن بطوطہ مطبوعہ مصر ص ۱۴۳) میں کہاں تک عبارتیں پڑھتی چلی جاؤں۔ اب تم خود فیصلہ کرو کہ جب ایسے ایسے بزرگوں کے روضہ کی زیارت اس قدر لازمی اور ضروری سمجھی جاتی ہے کہ بغداد کے ایسے مرکز علم و دین کے علماء و عوام سب ہی ہفتہ بھر انکی زیارت کرتے رہتے ہیں تو حضرت امام حسین علیہ السلام جوان لوگوں کے آقا و پیشوا تھے اور جنکی مودۃ ہی کی وجہ سے وہ بزرگان دین بھی نجات کی امید کر سکتے ہیں۔ حضرتؑ کی زیارت کس قدر ضروری اور ہر مسلمان پر لازمی ہے؟ اسی وجہ سے ہزاروں علماء و صلحاء اہلسنت جو دنیا کے مختلف مقامات سے بغداد شریف زیارت کو جاتے ہیں انہیں سے بہت حضرات کربلا شریف کی زیارت کو بھی ضرور پہونچتے ہیں

مولوی صاحب ۔ تم نے زیارت کے مسئلہ میں بھی مجھے لاجواب کر دیا اور ثابت کر دیا کہ حضرت حسین رضی اللہ عنہ کی زیارت بھی مستحب اور باعث اجر جمیل ہے۔

حسینی بیگم ۔ الحمد للہ کہ اس مسئلہ کو بھی تم مان گئے مگر میں کچھ اور توضیح کر دیتی ہوں تاکہ تم کو کسی قسم کا تردد باقی نہ رہے۔ یہ بتاؤ تم امام غزالی صاحب رحمۃ اللہ علیہ کو کیسا سمجھتے ہو۔

مولوی صاحب ۔ اللہ اکبر۔ وہ تو اسلام کے بڑے رکن تھے۔ حجۃ الاسلام ان کا خاص لقب مشہور ہو گیا تھا۔ شمس العلماء مولانا شبلی صاحب نعمانی علیہ الرحمہ نے انکی مفصل سوانح عمری لکھی ہے جو شایع بھی ہو گئی ہے۔

حسینی بیگم ۔ انھیں امام غزالی رضی اللہ عنہ کی کتاب احیاء العلوم کو دیکھو۔ اسی احیاء العلوم کے بارے میں مولانا شبلی صاحب نے لکھا ہے "محدث زین عراقی کا قول ہے کہ امام غزالی کی احیاء العلوم اسلام کی اعلےٰ ترین تصنیفات سے ہے۔ عبد الغافر فارسی جو امام صاحب کے ہمعصر اور امام الحرمین کے شاگرد تھے اُن کا بیان ہے کہ احیاء العلوم کی مثل کوئی کتاب اس سے پہلے نہیں لکھی گئی۔ امام نووی شارح

صحیح مسلم لکھتے ہیں کہ احیاء العلوم قرآن مجید کے لگ بھگ ہے۔ شیخ ابو محمد کازرونی کا دعوی تھا کہ اگر دنیا کے تمام علوم مٹا دیئے جائیں تو احیاء العلوم سے میں سب کو دوبارہ زندہ کر دوں گا۔ شیخ عبداللہ عید روس کو جو بہت مشہور صوفی گزرے ہیں۔ احیاء العلوم تقریب قریب پوری حفظ تھی۔ شیخ علی نے ۲۵ دفعہ اول سے آخر تک احیاء العلوم کو پڑھا اور ہر دفعہ ختم کے بعد فقراء اور طلبہ کی عام دعوت کرتے تھے" (الغزالی مطبوعہ حیدر آباد ص ۱۹)

یہی امام غزالی صاحب لکھتے ہیں زیارۃ القبور مستحبۃ علی الجملۃ للتذکر والاعتبار وزیارۃ قبور الصالحین مستحبۃ لاجل التبرک مع الاعتبار وقد کان رسول اللہ صلعم نہی عن زیارۃ القبور ثم اذن فی ذلک یعنی قبروں کی زیارت کرنی ہر طرح مستحب ہے کیونکہ اس سے آخرت یاد آتی اور عبرت حاصل ہوتی ہے اور نیک لوگوں کی قبروں کی زیارت مستحب ہے۔ اس لئے کہ اس سے برکت حاصل ہوتی ہے اور عبرت بھی ہوتی ہے۔ اور حضرت رسولخدا صلعم نے پہلے قبروں کی زیارت سے منع کیا تھا پھر اس کا حکم دے دیا وزار رسول اللہ صلعم قبر امہ فی الف مقنع فما رؤی باکیا اکثر من ذلک الیوم یعنی آنحضرت نے اپنی والدہ ماجدہ حضرت آمنہ کی قبر کی زیارت کی ہزار سواروں میں جو ہتھیار بند تھے[1] تو آنحضرت جس قدر اس روز روئے اس سے زیادہ کبھی روتے ہوئے نہیں دیکھے گئے اقبلت عائشۃ رضی یوما من المقابر فقلت یا ام المومنین من این اقبلت قالت من قبر اخی عبد الرحمن فقلت الیس کان رسول اللہ صلعم نہی عنہا قالت نعم ثم امر بہا یعنی حضرت عائشہ ایک روز قبرستان سے آتی تھیں تو راوی نے پوچھا کہ کہاں سے تشریف لاتی ہیں فرمایا اپنے بھائی عبدالرحمن کی قبر کی زیارت کو گئی تھی۔ میں نے کہا کیا رسولخدا صلعم نے اس سے منع نہیں فرمایا تھا؟ کہا ہاں مگر پھر حکم دے دیا تھا قال رسول اللہ زوروا موتاکم وسلموا علیہم وصلوا علیہم یعنی حضرت رسولخدا صلعم نے فرمایا کہ اپنے مردوں کی قبروں کی زیارت کرو۔ ان پر سلام کرو اور درود بھیجو۔ ان فاطمۃ بنت النبی کانت تزور

[1] مولانا وحید الزماں صاحب نے اسی طرح ترجمہ کیا ہے ملاحظہ ہو انوار اللغۃ پ ۲۱ ص ۱۵۵

قبر عمها حمزة فی الایام فتصلی وتبکی عندہ یعنی حضرت فاطمہ علیہا السلام اپنے چچا جناب حمزہ کی قبر کی زیارت مہینہ میں کئی دفعہ کرتی تھیں اور وہیں نماز پڑھتیں اور روتی تھیں۔ امام صاحب نے یہ بھی تحریر فرمایا ہے۔ یستحب تلقین المیت بعد الدفن والدعاء لہ یعنی میت کو دفن کرنے کے بعد اسکو تلقین پڑھانی اور اسکے لئے دعا کرنی بھی مستحب ہے (احیاء العلوم مطبوعہ لکھنؤ جلد ۴ صفحہ ۲۷۲) اور تم جانتے ہو کہ علماء اسلام میں ایک بڑے محترم بزرگ علامہ نور الدین سمہودی بھی گزرے ہیں جنھوں نے مدینہ شریف کی مفصل تاریخ کتاب وفاء الوفا لکھی ہے اُنھوں نے تو تقریباً پوری کتاب میں زیارت کی باتیں اور اس کا ثواب لکھدیا ہے۔ حضرت رسولخدا کے چچا عباس اور حضرت امام حسن علیہ السلام کی زیارت کے بارے میں ممدوح نے لکھا ہے۔ وینبغی ان یسلم زائرہما علی من قد مناذکرہ دفنہ عندہما فی قبر فاطمۃ والحسن رضی اللہ تعالی عنہ یعنی حضرت عباس اور حضرت امام حسن کے روضوں کی زیارت کرنے والوں کے لئے مناسب ہے کہ ان لوگوں کی زیارت بھی کریں جن کو میں نے جناب سیدہ اور جناب امام حسن کے روضوں کے بیان میں لکھا ہے کہ ان کے قریب دفن ہیں (وفاء الوفا جلد ۲ صفحہ ۱۰۱) الباب الثامن فی زیارۃ النبی وفیہ اربعۃ فصول یعنی چوتھا باب حضرت رسولخدا صلعم کی زیارت کے بیان میں اور اس میں چار فصلیں ہیں الفصل الاول فی الاحادیث الواردۃ فی زیارتہ نصا یعنی پہلی فصل ان حدیثوں کے بیان میں جو صاف صاف زیارۃ کے بارے میں وارد ہیں۔

(جلد ۲ صفحہ ۳۹۴) الفصل الثانی فی بقیۃ ادلۃ الزیارۃ وان لم تتضمن لفظ الزیارۃ نصا وبیان تاکد مشروعیتہا وقربہا من درجۃ الوجوب حتی اطلقہ بعضہم علیہا یعنی دوسری فصل زیارت کی باقی دلیلوں کے بیان میں اگرچہ انمیں لفظ زیارت صاف طور پر نہیں ہے اور اس بیان میں کہ مذہب اسلام نے زیارت کی بڑی تاکید کی ہے اور یہ واجب ہونے کے درجہ تک پہونچ گئی ہے یہاں تک کہ بعض علماء نے اس کو واجب کہا بھی ہے (صفحہ ۴۰۳) اور صحابہ کرام اور

بعد کو علمائے اعلام برابر زیارت کو جاتے رہے ہیں۔ چنانچہ جناب بلال کا شام سے مدینہ زیارت کو آنا مشہور واقعہ ہے۔ علامہ سمہودی لکھتے ہیں وممن سافر الی زیارۃ النبیؐ من الشام الی قبرہ بالمدینۃ بلال یعنی جن لوگوں نے شام سے حضرت رسولخداؐ کی زیارت کے لئے مدینہ کا سفر کیا ان میں آنحضرتؐ کے موذن بلال بھی تھے ان بلالا رای فی منامہ النبیؐ وھو یقول ما ھذہ الجفوۃ یا بلال اما آن لک ان تزورنی یا بلال۔ فانتبہ حزینا وجلا خائفا فرکب راحلتہ وقصد المدینۃ فاتی قبر النبیؐ فجعل یبکی عندہ ویمرغ وجھہ علیہ فاقبل الحسن والحسینؑ فجعل یضمھما ویقبلھما فقالا لہ یا بلال نشتھی ان نسمع اذانک الذی کنت تؤذن بہ لرسول اللہؐ فی المسجد ففعل یعنی بلال (شام میں تھے وہاں انھوں) نے خواب میں حضرت رسولخداؐ کو دیکھا کہ فرماتے ہیں اے بلال یہ کیا بے مروتی کرتے ہو۔ کیا ابھی اس کا وقت نہیں آیا کہ تم مدینہ آکر میری زیارۃ کرو۔ یہ خواب دیکھکر بلال خوف زدہ اور پریشان بیدار ہوئے اور فوراً سوار ہوکر مدینہ کی طرف چلے وہاں پہونچکر حضرت رسولخداؐ کے روضہ پر حاضر ہوئے اور وہاں رو رہے تھے اور اس جگہ چہرہ کو رگڑتے تھے کہ دفعۃً امام حسنؑ وامام حسینؑ علیہما السلام وہاں پہونچ گئے تو بلال دونوں صاحبزادوں کو اپنے سینہ سے لگانے اور ان کا بوسہ لینے لگے۔ تب ان صاحبزادوں نے کہا اے بلال ہم چاہتے ہیں کہ آپکی وہ اذان ہم سنیں جو آپ حضرت رسولخدا صلعم کے لئے حضرت کی مسجد میں دیتے تھے۔ بلال نے ان حضرات کی آرزو پوری کی اور اذان دینے لگے (وفاء الوفا جلد ۲ صفحہ ۴۰۸) دیکھو اس سے زیارت کی کس قدر تاکید نکلی کہ حضرت رسولخدا صلعم نے خواب میں بلال سے اس ترک زیارۃ کو بے مروتی فرمایا اور اعتراض کیا کہ تم کیوں میری زیارت کو نہیں آتے۔ اور سنو ان عمرؓ لما صالح اھل بیت المقدس وقدم علیہ کعب الاحبار واسلم وفرح باسلامہ قال لہ ھل لک ان تسیر معی الی المدینۃ وتزور قبر النبیؐ وتتمتع بزیارتہ فقال نعم

یعنی حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے جب بیت المقدس والوں سے صلح کر لی اور ان کے پاس کعب الاحبار آئے اور اسلام قبول کیا اور حضرت عمر ان کے اسلام لانے سے خوش ہوئے تو ان سے فرمایا کیا تم میرے ساتھ مدینہ چلو گے اور حضرت رسولخدا صلعم کے روضہ کی زیارت کا شرف حاصل کرو گے؟ کعب الاحبار نے کہا ہاں (صفحہ ۴۰۹) پھر لکھا ہے ان زیارۃ قبر النبی من افضل المندوبات والمستحبات بل تقرب من درجۃ الواجبات یعنی حضرت رسولخدا کے روضہ کی زیارت سنت اور مستحب کاموں میں افضل عمل ہے بلکہ واجب کے درجہ کے قریب پہونچتی ہے (صفحہ ۴۱۵) پھر لکھا ہے ویقول نحن وفدک یا رسول اللہ وزوارک جئناک لقضاء حقک والتبرک بزیارتک یعنی زیارت کرنے والوں کو چاہیئے کہ یہ بھی کہیں کہ اے رسولخدا ہم لوگ آپ کے ہاں آئے ہیں۔ آپ کے زائر ہیں۔ آپکی خدمت میں اس غرض سے حاضر ہوئے ہیں کہ آپکا حق ادا کریں اور آپکی زیارت سے برکت حاصل کریں (صفحہ ۴۳۹)

مولوی صاحب۔ مگر یہ سب باتیں تو صرف حضرت رسولخدا صلعم کی زیارت کے متعلق ہیں۔ دوسرے لوگوں کی زیارت کے متعلق کچھ اور دلیلیں ہیں تو ان کو بیان کرو۔

حسینی بیگم۔ دوسرے بزرگوں کی زیارت کے متعلق بھی تو کس کثرت سے دلیلیں بیان کر چکی کیا وہ سب کافی نہیں ہیں؟ اچھا! اور سنو علامہ سمہودی لکھتے ہیں وقد اوضح السبکی ان الاجماع علی الزیارۃ قولا وفعلا وسرد کلام الائمۃ فی ذلک وبین انھا قربۃ بالکتاب والسنۃ والاجماع والقیاس۔

یعنی علامہ سبکی نے اس بات کو واضح طور پر لکھا ہے کہ زیارت کے مستحب اور باعث ثواب ہونے پر اجماع ہے۔ قولاً بھی اور فعلاً بھی۔ اور اس مضمون کے متعلق پیشوایان دین کا کلام ذکر کیا ہے کہ قرآن مجید حدیث اجماع اور قیاس ہر چیز سے زیارت کا باعث ثواب ہونا ثابت ہے (وفاء الوفا جلد ۲ صفحہ ۴۱۱)

پھر لکھا ہے وقد جاء فی السنۃ الصحیحۃ المتفق علیہا الامر بزیارۃ القبور یعنی صحیح حدیثوں میں جن پر محدثین کا اتفاق ہے یہ حکم ہے کہ قبروں کی زیارت کرنی چاہیئے (ص۲۱۲) پھر لکھا ہے وکیف یتخیل فی احد من السلف المنع من زیارۃ المصطفٰی وہم مجمعون علٰی زیارۃ سائر الموتٰی یعنی یہ خیال کیونکر ہوسکتا ہے کہ بزرگوں سے کسی نے حضرت رسولخدا صلعم کی زیارت کو منع کیا ہے۔ اس لئے کہ تمام سلمانوں کا اس پر اجماع ہے کہ تمام مسلمانوں کی قبروں کی زیارت مستحب ہے۔ پھر حضرت رسولخدا صلعم کے روضہ کی زیارت کیوں مستحب نہیں ہوگی (ص۲۱۲) یہ بھی لکھا ہے۔ من زار قبر ابویہ فی کل جمعۃ او احدہما کتب بارا یعنی جو شخص ہر جمعہ میں اپنے والدین کی قبر کی زیارت کرے گا وہ ابرار میں لکھا جائے گا۔ (ص۲۱۳) یہ بھی لکھا ہے وروی من حدیث عائشہ رض مامن رجل یزور قبر اخیہ فیجلس عندہ الا استانس بہ حتی یقوم یعنی حضرت عائشہ سے یہ حدیث روایت کی گئی ہے کہ جو شخص اپنے بھائی کی قبر کی زیارت کو جائیگا اور اسکے پاس بیٹھے گا تو اس مردے کو اس سے اُنس حاصل ہوگا (ص۲۱۴) تو جب معمولی مسلمانوں کی قبروں کی زیارت مستحب ہے تو پھر حضرت امام حسین علیہ السلام کے روضہ کی زیارت کس درجہ مستحب اور باعث ثواب ہوگی۔ اور جب اپنے باپ ماں بھائی کی قبروں کی زیارت کا اجر ملیگا تو خدا کے پیارے اور حضرت رسولخدا صلعم کے لاڈلے پر حضرت امام حسین علیہ السلام کی زیارت کے ثواب کا کون اندازہ کر سکتا ہے۔ پھر لکھا ہے۔ ویستحب الاکثار من الزیارۃ وان یکثر الوقوف عند قبور اہل الخیر والفضل یعنی کثرت سے زیارت کرنا اور صاحبان خیر وفضل کی قبروں کے پاس بہت زیادہ ٹھہرنا مستحب ہے (ص۲۱۴) تو جب عام طور پر صاحبان خیر وفضل کی قبروں کے پاس جانا اور ٹھہرنا مستحب ہے تو حضرت امام حسین علیہ السلام ایسے سرچشمہ خیر وفضل کی زیارت کا کس درجہ ثواب ہوسکتا ہے۔ یہ بھی لکھا ہے۔ زیارۃ قبور الانبیاء والصحابۃ والتابعین والعلماء وسائر المرسلین

للبرکۃ اثر معروف وقد قال حجۃ الاسلام الغزالی کل من یتبرک بمشاہدتہ فی حیاتہ یتبرک بزیارتہ بعد موتہ ویجوز شد الرحال لھذا الغرض یعنی انبیاء، صلحاء، تابعین، علماء اور باقی مرسلین کی قبروں کی زیارت برکۃ حاصل کرنے کے لئے کرنی مشہور معروف دستور ہے اور حجۃ الاسلام امام غزالی نے کہا ہے کہ ہر وہ بزرگ جن سے انکی زندگی میں ملکر برکت حاصل کی جاتی ہے ان کے مرنے پر انکی قبر کی زیارت سے برکت حاصل کرنی چاہئے اور اس غرض کے لئے سفر کرنا جائز ہے (صفحہ ۱۴۲) تم ہی انصاف کرو کہ جب عام صلحاء و تابعین و علماء کی زیارت باعث ثواب ہے تو حضرت امام حسین علیہ السلام ایسے پیشوائے اسلام کے روضہ کی زیارت کا کیا اجر ہوگا۔ پھر علامہ ممدوح لکھتے ہیں یستحب الخروج کل یوم الی البقیع ویکون ذلک بعد السلام علی رسول اللہ یعنی مستحب ہے کہ ہر روز حضرت رسولخدا صلعم کی زیارت سے فارغ ہو کر قبرستان بقیع میں جائیں اور وہاں والوں کی بھی زیارت کریں (صفحہ ۱۴۷) یستحب ان یاتی قبور الشہداء باحد یعنی مستحب ہے کہ احد کے شہیدوں کی قبروں کی زیارت کو جائیں (صفحہ ۱۴۸) پھر لکھا ہے ومن اعظامہ و اکبارہ اعظام جمیع اشیائہ واکرام جمیع مشاہدہ وامکنتہ ومعاھدہ وما لمسہ بیدہ او عرف بہ انتھی قلت وذلک بزیارۃ تلک المشاھد والتبرک بھا یعنی حضرت رسولخدا صلعم کی تعظیم واحترام سے یہ بھی ہے کہ حضرت کی ہر چیز اور حضرت کے کل مقاموں، مکانوں اور گزرگاہوں کی تعظیم کی جائے۔ بلکہ جس چیز کو حضرت نے اپنے ہاتھ سے چھوا یا پہچانا اسکی تعظیم بھی کی جائے اور یہ بات اسی طرح حاصل ہوگی کہ ان کل روضوں اور قبروں کی زیارت کی جائے۔ اور اس سے برکت حاصل کی جائے (صفحہ ۱۴۹) اس اصول پر بھی حضرت امام حسین علیہ السلام کے روضہ کی زیارت ضروری ہے۔ جن کو حضرت رسولخدا صلعم نے اپنی زبان چسائی۔ اپنے کاندھے پر سوار کرتے رہے۔

اپنی گود میں کھلاتے رہے وذکر خلیل المالکی فی منسکہ استحباب زیارۃ البقیع۔ یعنی خلیل مالکی نے اپنے منسک میں لکھا ہے کہ قبرستان بقیع کی زیارت مستحب ہے (صفحہ ۱۲۶) اور حضرت ابوبکر و عمر رضی اللہ عنہما کے روضوں کی زیارت بھی مستحب ہے۔ لکھتے ہیں قبر النبیؐ وصاحبیہ فان زیارتھم مستحبۃ۔

یعنی حضرت رسولخدا صلعم اور حضرت ابوبکر و عمر کی قبروں کی زیارت مستحب ہے۔ (وفاء الوفا، جلد ۲ صفحہ ۱۲۲) اور حضرت سیدہ جناب فاطمہ زہرا علیہا السلام کی زیارت بھی مستحب ہے۔ علامہ ممدوح نے لکھا ہے یسلم علی فاطمۃ انہا رضی اللہ تعالیٰ عنہا عند المحراب الذی فی بیتھا یعنی جناب سیدہ کی زیارت بھی کرے اس محراب کے پاس جو ان کے گھر میں ہے (صفحہ ۱۲۱) بلکہ کوہ احد کی زیارت کا بھی حکم ہے۔ علامہ ممدوح نے لکھا ہے ویزور جبل احد نفسہ ففی الصحیح احد جبل یحبنا ونحبہ یعنی مسلمانوں کو چاہئے کہ احد پہاڑ کی بھی زیارت کریں کیونکہ صحیح حدیث میں ہے کہ آنحضرت صلعم نے فرمایا کہ احد پہاڑ ہم کو دوست رکھتا ہے اور ہم اسکو دوست رکھتے ہیں (صفحہ ۱۲۲) غور کرو جب پہاڑ کی جس کو حضرت دوست رکھتے تھے زیارت کا حکم ہے تو امام حسین علیہ السلام کی زیارت کا کس درجہ حکم ہو سکتا ہے جن کو حضرت رسولخدا صلعم اس درجہ دوست رکھتے کہ اپنی جان اور ماں باپ تک کو حضرت پر فدا کرتے رہتے تھے جسکے واقعات عام کتب حدیث و تفسیر و سیرۃ میں بھرے ہوئے ہیں۔

مولوی صاحب۔ مگر حضرت رسولخدا کے زمانہ میں یا حضرت کے بعد صحابہ کرام زیارت کرتے تھے یا نہیں

حسینی بیگم۔ خود حضرت رسولخدا صلعم زیارت کرتے تھے اور حضرت کے صحابہ کرام بھی زیارت کرتے تھے۔ علامہ سمہودی لکھتے ہیں ثبت من زیارتہ لاھل البقیع وشھداء احد یعنی یہ بات ثابت ہے کہ حضرت رسولخدا صلعم قبرستان بقیع اور غزوہ احد کے شہیدوں کی زیارت فرمایا کرتے تھے (وفاء الوفا،

جلد ۲ صـ ۱۴۳) واذا ثبت ان الزيارة قربة فالسفر اليها كذلك وقد ثبت خروج النبی من المدینة لزیارة قبور الشهداء فاذا جاز القریب جاز للبعید یعنی جب یہ بات ثابت ہوگئی کہ زیارت کرنی باعث ثواب ہے تو اسکے لئے سفر کرنا بھی باعث ثواب ہے اور یہ بات ثابت ہے کہ حضرت رسول خدا صلعم شہداء کی قبروں کی زیارت کے لئے مدینہ سے باہر تشریف لے جایا کرتے تھے۔ پس جب قریب کے آدمی کے لئے زیارت کے لئے سفر کرنا جائز ہوا تو اور لوگوں کے لئے بھی زیارت کے لئے سفر کرنا جائز ہے (صـ ۱۴۴) اور حضرت بلال کا آنحضرت کے روضہ کی زیارت کے لئے شام سے مدینہ آنا۔ اور حضرت عمر کا کعب الاحبار کو بیت المقدس سے مدینہ حضرت کے روضہ کی زیارت کے لئے اپنے ساتھ لانا پہلے بیان کر چکی ہوں۔ علامہ ممدوح نے یہ بھی لکھا ہے روی البیهقی عن هاشم بن محمد العمری من ولد عمر بن علی قال اخذنی ابی بالمدینة الی زیارة قبور الشهداء۔

یعنی بیہقی نے ہاشم بن محمد عمری سے روایت کی ہے کہ عمر بن علی کے ایک لڑکے نے بیان کیا کہ میرے والد مجھکو مدینہ میں شہداء کی قبروں کی زیارت کے لئے لے گئے (صـ ۱۱۳) اور جناب سیدہ فاطمہ زہرا علیہا السلام برابر اپنے چچا حضرت حمزہ کی قبر اور اپنے والد ماجد صلعم کے روضہ کی زیارت کو تشریف لیجایا کرتی تھیں ان فاطمة بنت رسول الله کانت تزور قبر حمزة رض یعنی فاطمہ برابر جناب حمزہ رض کی قبر کی زیارت کو جاتی تھیں (صـ ۱۱۲) جاءت فاطمة رض فوقفت علی قبره و اخذت قبضة من تراب القبر ووضعت علی عینیها وبکت وانشأت تقول ؎ ماذا علی من شم تربة احمد۔ ان لا یشم مدی الزمان غوالیا۔ صبت علیّ مصائب لو انها۔ صبت علی الایام صرن لیالیا یعنی حضرت فاطمہ حضرت رسول خدا کی قبر پر آئیں اور وہاں ٹھہریں پھر قبر سے ایک مٹھی مٹی اٹھائی اور اپنی آنکھوں پر رکھا اور روئیں پھر دو شعر پڑھے جن کا مطلب یہ ہے کہ جو شخص حضرت رسول خدا صلعم کی قبر کی مٹی

سونگھ لے ۔ پھر عمر بھر کوئی خوشبو سونگھے تو اس کا کیا نقصان ہوگا (کیونکہ حضرتؐ کی قبر کی مٹی اسکے لئے کافی ہے اور اسکی خوشبو کے سامنے دنیا بھر کی خوشبوئیں ہیچ ہیں) مجھ پر اتنی مصیبتیں ڈالی گئیں جو اگر دنوں پر ڈالی جاتیں تو وہ [illegible] راتیں ہوجاتے (وفاء الوفاء جلد ۲ ص ۴۴۴) میرے بیان کو طول ہوگیا مگر آخر میں ایک صفحہ کی عبارت اور سنا دیتی ہوں ۔ علامہ ممدوح لکھتے ہیں ثم یزور قبور السلف الطاھرۃ بالبقیع کقبر ابراھیم بن رسول اللہؐ وعثمان والعباس والحسن بن علی وعلی بن الحسین ومحمد بن علی وجعفر بن محمد وغیرھمؓ ویختم بصفیۃ عمۃ رسول اللہ ۔

یعنی مسلمانوں کو چاہیے کہ حضرت رسولخدا صلعم کی زیارت سے فارغ ہوکر ان بزرگوں کی قبروں کی بھی زیارت کریں جو باہر بقیع میں ہیں جیسے حضرت رسولخدا صلعم کے فرزند ابراہیم اور خلیفہ ثالث حضرت عثمان اور حضرت رسولخدا صلعم کے چچا حضرت عباس اور حضرتؐ کے بڑے نواسے امام حسن علیہ السلام اور چوتھے امام زین العابدین علیہ السلام اور پانچویں امام محمد باقر علیہ السلام اور چھٹے امام جعفر صادق علیہ السلام وغیرہ کی اور آخر میں حضرت رسولخدا صلعم کی پھوپھی جناب صفیہ کی زیارت کریں ۔ واذا اراد زیارۃ البقیع یخرج من باب البلد ویاتی قبۃ العباس بن عبد المطلب والحسن بن علیؓ یعنی جب قبرستان بقیع کی زیارت کا ارادہ کریں تو شہر کے دروازے سے نکلیں اور حضرت عباس بن عبد المطلب اور حضرت امام حسن علیہ السلام کے روضوں پر آئیں (ص ۴۴۸) اس عبارت کے بعد تو ہم کچھ بول ہی نہیں سکتے کہ جب حضرت رسولخدا صلعم کے چچا حضرت عباس اور پھوپھی جناب صفیہ نیز دوسرے امام حسنؑ چوتھے امام زین العابدین پانچویں امام محمد باقر اور چھٹے امام جعفر صادق علیہ السلام کی زیارت کا حکم ہے تو پھر تیسرے امام حضرت امام حسین علیہ السلام کی زیارت کا حکم تو زیادہ ضروری ہے جو سید الشہدا ہیں اور جن کے ذریعہ سے حضرت رسولخدا صلعم کے فضائل مکمل ہوئے کہ آپ [illegible] حضرت رسولخداؐ کو شہادۃ کا شرف حاصل ہوا ۔ بلکہ جو

لوگ ان حضرات سے کم درجہ کے تھے انکی زیارت کا بھی حکم ہے۔ ویذ ھب
الی زیارۃ مشھد سیدنا مالک بن سنان ومشھد النفس الز کیہ
یعنی پھر مسلمانوں کو چاہئے کہ حضرت مالک بن سنان اور حضرت نفس زکیہ کے روضوں
کی زیارت کو جائیں (ص۱۱۴)۔ جناب علامہ شیخ عبدالحق صاحب محدث دہلوی
نے بھی اپنی کتاب جذب القلوب مطبوعہ کلکتہ میں ان تمام باتوں کو لکھا ہے۔ تم گھبرا گئے
ورنہ میں اسکی عبارتیں بھی سُناتی۔

مولوی صاحب۔ نہیں اسکی ضرورت نہیں ہے۔ اسی قدر بہت ہے۔ تم دریائے
ذخار ہو کر جب بہنے لگتی ہو تو پھر رُکتی ہی نہیں بلکہ میں تو کہتا ہوں کہ تو جس
مضمون کو شروع کرتی ہو اسکے متعلق تمہارے معلومات کے سمندر کا
کنارہ نظر ہی نہیں آتا۔

حسینی بیگم۔ اب تم بنانے لگے۔ علامہ سمہودی نے انھیں اوراق میں ایک
دلچسپ واقعہ اور لکھا ہے مگر اس کو زیارت سے کوئی لگاؤ نہیں ہے۔

مولوی صاحب۔ خیر زیارت سے ربط نہ سہی بیان تو کرو کیا لکھا ہے۔

حسینی بیگم۔ لکھا ہے:۔ ان خالد بن الولید بن الحارث بن الحکم
بن العاص وھو ابن مطین قام علی منبر رسول اللہؐ یوم جمعۃ فقال لقد
استعمل رسول اللہ علی بن ابی طالبؑ وھو یعلم انہ خائن ولکن شفعت
لہ ابنتہ فاطمۃؑ وداؤد بن قیس فی الروضۃ فقام فقال اری یسکتہ
فلما فرق الناس قمیصا کان علیہ یعنی خالد بن ولید بن حارث بن حکم بن عاص جس کو لوگ
ابن مطین کہتے تھے ایک جمعہ میں حضرت رسولخدا صلعم کے منبر پر چڑھ کر کہنے لگا کہ
حضرت رسولخدا صلعم نے حضرت علیؑ کو عامل مقرر کیا تھا حالانکہ حضرت جانتے تھے
کہ وہ خائن ہیں۔ مگر حضرتؐ کی صاحبزادی جناب فاطمہؑ نے سفارش کی تھی۔
اس سبب سے حضرتؐ نے مقرر کردیا۔ داؤد بن قیس وہیں روضہ میں تھے
انھوں نے کہا چپ رہ اور لوگوں نے اسکی قمیص پھاڑ ڈالی پھر لکھا ہے لا ایت

کفا خرجت من القبر قبر رسول اللہ ویقول کذبت یا عدو اللہ کان یا کافر مرار ا یعنی دیکھا میں نے کہ ابن مطیرہ کی اس بے ادبی پر حضرت رسول خدا صلعم کی قبر سے ایک ہاتھ نکلا جو کہتا تھا کہ اے دشمن خدا تو جھوٹ بکتا ہے۔ اے کافر غلط کہتا ہے۔ اس بات کو اس نے کئی دفعہ کہا (وفاء الوفا جلد ۲ صفحہ ۴۰۴)

مولوی صاحب۔ خیر یہ سب تو ہوا مگر یہ بتاؤ کہ تم نے اپنے ماموں صاحب سے خاص کربلا کی زیارت کی فرمائش کیوں کی۔ اپنے بغداد شریف یا مدینہ شریف کی زیارت کو کیوں نہیں کہا۔

حسینی بیگم۔ بغداد شریف کا نام تو کربلا شریف کے ساتھ آہی نہیں سکتا۔ کیونکہ بغداد شریف میں تو اُن حضرات کے روضے ہیں جو خود اپنے کو حضرت امام حسینؑ کا غلام کہتے تھے اور اس پر فخر کرتے تھے کہ وہ لوگ حضرتؑ کے محبوں اور جاں نثاروں میں ہیں۔ رہا مدینہ شریف تو اس کو نہ پوچھو۔ میں ڈرتی ہوں کہ اس مسئلہ میں کچھ میں بولوں تو مجھ سے بہت ناراض ہو جاؤ گے اور میں تمہاری ناخوشی چاہتی نہیں۔

مولوی صاحب۔ میں ناراض کیوں ہوں گا۔ کہو تو کیا وجہ ہے۔

حسینی بیگم۔ نہیں اسکو جانے دو۔ تمہارے رنجیدہ ہونے سے خدا مجھ سے ناراض ہوگا۔

مولوی صاحب۔ خدا کے ناراض ہونے کی خوب کہی۔ مذہبی باتوں میں شوہر کی اطاعت اور اسکی خوشنودی حاصل کرنے کا حکم کس نے دیا ہے؟ اگر قرآن شریف کی تلاوت کرو اور میں رنجیدہ ہوں تو کیا اس سے بھی خدا تم سے ناراض ہوگا۔ تم اپنے اعتقاد کے مطابق امام ابوحنیفہ صاحب کی تقلید کرتی ہو اور میں اسکو پسند نہیں کرتا مگر کیا اسکی وجہ سے خدا تم سے ناراض ہو گا۔ غرض مذہبی احکام کے بارے میں نہ اولاد پر والدین کی اطاعت واجب ہے نہ بیوی پر شوہر کی اطاعت ضروری ہے۔ تم کو میرے سر کی قسم بتاؤ تم نے کربلا کی زیارت کو کیوں کہا۔

حسینی بیگم۔ اب تم اصرار کرتے بلکہ قسم دیتے ہو تو میں ظاہر کرتی ہو کہ میرا تو اعتقاد ہو گیا ہے کہ مدینہ شریف سے کربلا شریف کا درجہ بڑھ گیا ہے۔

مولوی صاحب۔ پھر وہی گور کی باتیں بکنے لگیں۔ ایسی باتوں سے آدمی کافر ہو جاتا ہے۔
حسینی بیگم۔ مگر میرے پاس تو اس اعتقاد کی زبردست دلیل موجود ہے۔ اسکو کیا کروں۔ اسی لئے تو میں اسکو ظاہر نہیں کرتی تھی مگر تم نے قسم دیکر مجبور کر دیا۔
مولوی صاحب۔ تم جس بات کو دلیل سمجھو اس کا درست ہونا بھی کیا ضروری ہے
حسینی بیگم۔ نہیں غلط بھی ہو سکتی ہے۔ مگر اس دلیل کو کوئی شخص غلط کر بھی تو دے۔
مولوی صاحب۔ خیر میں بھی تو سنوں کہ وہ دلیل کیا ہے جو غلط نہیں ہو سکتی۔
حسینی بیگم۔ تم جانتے ہو کہ حضرت غوث اعظم پیران پیر شیخ عبدالقادر جیلانی رضی اللہ عنہ کیسے معزز ولی گزرے ہیں جن کو تم لوگ (اہلحدیث بھائی) بھی نہایت درجہ مانتے ہو اور ہم لوگ (حنفی) تو انکو بہت بڑا رہبر اور پیشوا مانتے ہی ہیں۔
مولوی صاحب۔ بے شک حضرت شیخ جیلانی رضی اللہ عنہ بڑے محترم بزرگ تھے
حسینی بیگم۔ اہلحدیث بھائیوں کے پیشوائے اعظم جناب مولانا وحیدالزماں خاں صاحب حیدرآبادی نے لکھا ہے "شیخ عبدالقادر جیلی مشہور بزرگ ہیں اور ہمارے مذہب یعنی حنابلہ کے پیشوا اور امام ہیں۔ مترجم کہتا ہے کہ میں نے آپ کو خواب میں دیکھا اور یہ عرض کیا کہ اس زمانہ کے فقراء جیسے ہیں اون کا حال آپ کو معلوم ہوا ہوگا۔ میں چاہتا ہوں کہ آپ میری بیعت بلا واسطہ قبول فرمائیے۔ یہ سنکر آپ مجھ کو ایک ڈیرے میں لے گئے اسمیں کئی کتابیں رکھی تھیں۔ آپ نے ایک جلد کتاب اونمیں سے اٹھا کر مجھکو عنایت فرمائی۔ میں نے خواب ہی میں اوسکو کھول کر دیکھا تو وہ صحیح بخاری تھی۔ اس خواب کی تعبیر بیس۲۰ سال کے بعد ظاہر ہوئی اللہ تعالیٰ نے میرے ہاتھ سے صحیح بخاری کا ترجمہ کرایا اور اوس کو مقبول فرمایا۔ یا اللہ حضرت پیر و مرشد شیخ عبدالقادر جیلانی کے طفیل سے اس کتاب کو بھی مقبول فرما دے۔" (انوار اللغۃ پارہ ۵ ص۱۱۱)
اس سے معلوم ہوا کہ حضرت غوث اعظم کی مریدی تم لوگ بھی کرتے ہو۔
مولوی صاحب۔ پیری مریدی کا ذکر تو رہنے دو۔ البتہ حضرت شیخ صاحب کو ہم لوگ بڑا مقرب بندہ خدا بلکہ صاحب کرامات ولی بھی مانتے ہیں۔

حسینی بیگم۔ لیں انھیں کی کتاب غنیتہ الطالبین سے میں نے سمجھا کہ کربلا شریف خدا کی بہت پیاری جگہ ہے اور شاید مدینہ شریف سے بھی بڑھ گئی ہو تو عجب نہیں۔

مولوی صاحب۔ تمہاری اسی بات پر مجھے غصہ آتا ہے۔ معاذ اللہ مدینہ شریف سے کربلا شریف کیسے بڑھ سکتا ہے۔

حسینی بیگم۔ حضرت شیخ صاحب نے لکھا ہے۔ روی عن الحسن البصری رحمۃ اللہ انہ قال ان سلیمان بن عبد الملک رای النبی صلی اللہ علیہ وسلم فی المنام یبشرہ ویلاطفہ فلما اصبح سال الحسن عن ذلک فقال الحسن لعلک فعلت الی اھل بیت رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم معروفا فقال نعم وجدت راس الحسین بن علی فی خزانۃ یزید بن معاویۃ فکسوتہ خمسۃ من الدیباج وصلیت علیہ مع جماعۃ من اصحابی وقبرتہ فقال الحسن لقد رضی النبی صلی اللہ علیہ وسلم عنک بسبب ذلک فاحسن الی الحسن رحمہ اللہ تعالیٰ وامر لہ بالجوائز۔ وروی عن حمزۃ بن الزیات قال رایت النبی صلی اللہ علیہ وسلم وابراھیم الخلیل علیہ السلام فی المنام یصلیان علی قبر الحسین بن علی قال ھبط علی قبر الحسین بن علی یوم اصیب سبعون الف ملک یبکون علیہ الی یوم القیامۃ یعنی امام حسن بصری رحمۃ اللہ سے روایت ہے کہ انھوں نے فرمایا ہے کہ خلیفہ سلیمان بن عبد الملک نے حضرت رسولخدا کو خواب میں دیکھا کہ اسکو مبارکباد دیتے اور اسکے ساتھ محبت سے پیش آرہے ہیں جب صبح ہوئی تو خلیفہ نے امام حسن بصری سے اس خواب کی تعبیر پوچھی۔ امام حسن بصری نے جواب دیا کہ شاید حضور نے حضرت رسولخدا صلعم کے اہل بیتؑ کے ساتھ کوئی نیکی کی ہے۔ خلیفہ نے کہا ہاں۔ میں نے حضرت امام حسین علیہ السلام کے

سر مبارک کو یزید کے خزانہ میں پایا تو اوس کو دیبا کے پانچ کپڑوں سے ڈھک دیا اور اپنے اصحاب کی ایک جماعت کے ساتھ اس پر نماز جنازہ پڑھی اور اوسکو قبر میں رکھ دیا۔ اس پر امام حسن بصری نے خلیفہ سلیمان سے کہا کہ بس اسی سبب سے حضرت رسولخدا صلعم تم سے خوشنود ہو گئے ہیں۔ تعبیر سُن کر خلیفہ سلیمان نے امام حسن بصری کو بہت انعام دیا اور اُن کے ساتھ بڑا احسان کیا۔ اور حمزہ بن زیات سے روایت ہے وہ بیان کرتے تھے کہ میں نے حضرت رسولخدا اور حضرت ابراہیم خلیل اللہ کو خواب میں دیکھا کہ دونوں بزرگ امام حسینؑ کے روضہ پر نماز پڑھتے ہیں۔ اور مجھ سے ابو نصر نے روایت کی ہے کہ جس روز امام حسین علیہ السلام شہید کیے گئے اُسی دن حضرتؑ کی لاش کے پاس ستر ہزار فرشتے اُترے جو حضرتؑ پر قیامت تک روتے ہیں (غنیتہ الطالبین صلہ ۶۰)

مولوی صاحب۔ تو اس سے یہ کیسے ثابت ہوا کہ اب کربلا شریف مدینہ شریف سے بھی بڑھ گیا

حسینی بیگم۔ پہلے یہ بتاؤ کہ حضرت غوث اعظم نے جس روایت کو اپنی کتاب میں لکھا اوسکو تم صحیح مانوگے یا نہیں

مولوی صاحب۔ یقیناً صحیح ہے۔ میں اسکو غلط نہیں کہ سکتا بلکہ حنفی اور اہلحدیث دونوں ان کو نہایت معتبر جانتے ہیں۔

حسینی بیگم۔ تو اب تم کو تسلیم کرنا ہوگا کہ حمزہ بن زیات کا بیان صحیح ہے کہ اونھوں نے حضرت رسولخدا صلعم اور حضرت ابراہیمؑ کو خواب میں دیکھا کہ روضۂ امام حسینؑ پر نماز پڑھتے ہیں۔

مولوی صاحب۔ ہاں اسمیں شک کرنے کی کیا ضرورت ہے۔ دیکھا ہی ہوگا

حسینی بیگم۔ اور تم جانتے ہو کہ جو شخص حضرت رسولخداؐ کو خواب میں دیکھے وہ واقعاً حضرت ہی کو دیکھے گا اور کسی دوسرے کو نہیں دیکھ سکتا۔

مولوی صاحب۔ ہاں اسکے متعلق تو حضرت صلعم کی حدیث بھی موجود ہے فرمایا ہے ومن رانی فی المنام فقد رانی فان الشیطان لایتمثل صورتی یعنی

جو مجھے خواب میں دیکھے گا وہ بحقیقت مجھ ہی کو دیکھے گا اس لئے کہ شیطان میری صورت نہیں اختیار کر سکتا ہے (صحیح بخاری پ۲۵ ص۶۱۳)

حسینی بیگم - بس اللہ تمہارا بھلا کرے۔ اب بتاؤ کہ جب کوئی دوسرا شخص آنحضرت کی صورت نہیں اختیار کر سکتا تو جناب عمر بن زیات نے یقیناً آنحضرت صلعم اور حضرت ابراہیم ہی کو خواب میں دیکھا۔ روضہ امام حسینؑ پر نماز پڑھ رہے ہیں۔

مولوی صاحب - اس کے سچے ہونے میں شبہ نہیں ہے وہاں نماز پڑھنے کی کوئی وجہ ہو سکتی ہے۔

حسینی بیگم - تو یہ وہم ہے۔ اقوال سے ثابت ہے کہ حضرت رسول صلعم اور حضرت ابراہیمؑ حضرت امام حسینؑ کے روضہ پر نماز پڑھتے تھے۔ یعنی یہ حضرات عالم ارواح میں وہاں آکر خدا کی عبادت کرتے تھے۔

مولوی صاحب - ہاں کرتے تھے مگر اس سے کربلا مدینہ شریف سے افضل کیونکر ہو جائیگا۔

حسینی بیگم - یہ بتاؤ انتقال کے بعد حضرت رسول صلعم کہاں تشریف رکھتے ہیں۔

مولوی صاحب - بہشت میں۔

حسینی بیگم - بالکل درست ہے تو ثابت ہوا کہ آنحضرت صلعم بہشت کو چھوڑ کر کربلا میں آئے اور وہاں نماز پڑھتے تھے۔ مگر کیا یہ بھی کسی نے دعویٰ کیا ہے کہ اس نے حضرت رسول خدا کو خواب میں دیکھا ہو کہ آنحضرت صلعم اپنے انتقال کے بعد عالم ارواح میں کبھی بہشت کو چھوڑ کر مدینہ میں تشریف لائے اور وہاں نماز پڑھی ہے۔

مولوی صاحب - نہیں مجھے تو نہیں معلوم ہے۔ نہ کسی کتاب میں یہ مضمون دیکھا ہے۔

حسینی بیگم - تو کیا اس سے یہ نہیں ثابت ہوا کہ آنحضرت صلعم نے انتقال کے بعد مدینہ کو اس قابل نہیں سمجھا کہ بہشت کو چھوڑ کر وہاں تشریف لائیں اور وہاں نماز پڑھیں۔

مولوی صاحب ۔ اچھا پھر۔

حسینی بیگم ۔ اور کربلا کو اس قابل خیال فرمایا کہ بہشت کو چھوڑ کر وہاں آئیں اور وہیں نماز پڑھیں ۔ اب تم ہی غور کرو اور انصاف سے بتاؤ کہ حضرت رسول خدا صلعم نے اپنے انتقال کے بعد دنیا کی جس جگہ کو اس قابل سمجھا کہ بہشت سے آکر وہاں نماز پڑھیں وہ بہتر ہوگی یا وہ جگہ جس کو حضرت نے اس قابل نہیں سمجھا۔

مولوی صاحب ۔ یہ تو تم نے بڑی مشکل کا سوال کیا میں اس کا کیا جواب دوں۔

حسینی بیگم ۔ تم جواب دو یا نہ دو مگر ہر انصاف پسند اس کو تسلیم کرے گا کہ جب واقعہ کربلا کے بعد آنحضرت رسول خدا صلعم اور حضرت ابراہیمؑ نے عالم ارواح میں روضۂ امام حسینؑ پر آکر نماز پڑھی اور مدینہ شریف کو اس قابل نہیں سمجھا تو یقیناً کربلا شریف مدینہ شریف سے افضل ہے ۔ اس لئے کہ ان حضرات نے عبادت خدا کے لئے کربلا کو پسند کیا اور مدینہ کو اس قابل نہیں سمجھا۔

مولوی صاحب ۔ مگر یہ کیسے معلوم ہوا کہ آنحضرت صلعم نے یا حضرت ابراہیمؑ نے واقعہ کربلا کے بعد عالم ارواح میں آکر مدینہ میں نماز نہیں پڑھی۔

حسینی بیگم ۔ اس طرح کہ اس کی کوئی دلیل نہیں ہے ۔ اگر کسی شخص نے خواب میں حضرت کو مدینہ میں بھی نماز پڑھتے دیکھا ہو تو معلوم ہوتا کہ آنحضرتؐ نے واقعہ کربلا کے بعد عالم ارواح میں آکر مدینہ میں بھی نماز پڑھی ۔ مگر جب کسی نے آنحضرتؐ کو خواب میں اس طرح نہیں دیکھا تو کیسے معلوم ہو کہ حضرت وہاں تشریف لائے اور نماز پڑھی ۔ مگر کربلا شریف کے بارے میں تو روایۃ موجود ہے کہ جناب حمزہ بن زیات نے خواب میں دیکھا کہ آنحضرت صلعم اور حضرت ابراہیمؑ وہاں نماز پڑھ رہے ہیں ۔ اور پیران کی اس روایۃ کو حضرت غوث اعظم رضی اللہ عنہ نے اس قدر صحیح جانا کہ اپنی ایسی مقبول کتاب غنیۃ الطالبین میں درج کر دیا۔

مولوی صاحب ۔ ہاں اس دلیل سے تو بے شک کربلا کا مدینہ شریف سے

افضل ہونا ثابت ہوتا ہے اور تمہاری اس دلیل کا میرے پاس کوئی جواب نہیں ہے
کیونکہ واقعی خواب میں حضرت رسولخدا صلعم اور حضرت ابراہیمؑ اس طرح دیکھے گئے کہ
کربلا میں نماز پڑھتے ہیں اور مدینہ میں نماز پڑھتے ہوئے نہیں دیکھے گئے
نہ کسی بزرگ نے ایسا خواب دیکھا۔ نہ کسی عالم نے ایسا خواب
اپنی کتاب میں لکھا۔

حسینی بیگم ۔ اگر غور کرو تو اس روایۃ کا آخری جملہ بھی پکار کر کہتا ہے کہ کربلا شریف
کا درجہ مدینہ شریف سے کہیں زیادہ بڑھا ہوا ہے۔ کیونکہ فرماتے ہیں کہ حضرت
امام حسین علیہ السلام کے روضہ پر ستر ہزار فرشتے اُترے جو قیامت تک حضرت پر
روتے رہیں گے۔ یعنی ستر ہزار فرشتے برابر وہاں موجود رہتے ہیں اور قیامۃ
تک موجود رہیں گے۔ جب ہی تو وہاں قیامت تک روتے رہیں گے۔
اور مدینہ شریف کے بارے میں یہ کسی نے نہیں بیان کیا کہ وہاں ایک ہزار فرشتے
بھی معین کئے گئے ہوں کہ برابر حاضر رہیں۔ اس سے بھی ثابت ہوا کہ اب مدینہ
شریف اس قابل نہیں تھا کہ وہاں خدا کے عبادت گزار فرشتے مقرر کئے جاتے۔
کہ برابر رہیں مگر کربلا شریف اس قابل ہے کہ خدا نے ایک دو نہیں۔ سو پچاس
نہیں۔ ہزار۔ دو ہزار نہیں۔ دس بیس ہزار نہیں۔ بلکہ ستر ہزار فرشتوں کو
مقرر فرمادیا کہ وہیں رہا کریں اور حضرت امام حسینؑ پر رویا کریں"۔

اسکے بعد دونوں سو رہے۔ جب صبح ہوئی تو مولوی صاحب باہر گئے اور
حسینی بیگم نے گھر کے ضروری کاموں سے فراغت کر کے اپنے ماموں مسٹر ابو الخیر
کے خط کا جواب لکھا جس میں انکی اس نئی زندگی پر بڑی خوشی ظاہر کی اور آخر میں یہ
جملہ بھی لکھا" آجکل مجھ سے اس بات پر بحث ہو رہی ہے کہ کس کس زبان میں کن
کن علماء و مورخین نے اس واقعہ کو لکھا ہے کہ سنہ ۶۱ ہجری میں حضرت امام حسین
علیہ السلام کربلا میں شہید کئے گئے۔ اردو فارسی۔ عربی کتابوں کے حوالے
تو میں دے دوں گی مگر انگریزی نہیں جانتی ہوں۔ اگر آپ سے ہوسکے

تو چار یا پانچ کتابوں کے نام لکھکر مطلع فرمائیے کہ زبان انگریزی کی کتابوں کے حوالے بھی دے دیئے جائیں" اور خط کو ختم کرکے لیٹر بکس میں چھوڑ دینے کو بھیج دیا۔

اٹھارہواں باب ۱۸

امام باڑہ بنوانے کی ضرورت

ایک شب کو مولوی صاحب گھر آئے اور کھانا کھاکر اپنے پلنگ پر لیٹے تو اس طرح باتیں ہونے لگیں۔

مولوی صاحب۔ ہاں اس روپیہ کا کیا ہو۔ میں کچھ ایسے جھگڑوں میں رہا کہ تم سے دریافت ہی نہیں کرسکا کہ مسٹر ابوالخیر صاحب نے جو پانچ ہزار روپیہ تم کو بھیجے ان کو کیا کرو گی۔

حسینی بیگم۔ جو تمہاری رائے ہو۔

مولوی صاحب۔ میری رائے کیا۔ تمہارا مال ہے جو تمہارا جی چاہے کرو۔

حسینی بیگم۔ مگر تم بھی تو اپنا خیال ظاہر کرو۔

مولوی صاحب۔ میری رائے ہے کہ اس سے کوئی جائداد موقع کی مل جائے تو خرید لو۔ اگر اس شہر میں کوئی مکان فروخت ہوتا ہو تو اسکے لے لینے سے ماہوار ایک رقم ملتی رہے گی۔

حسینی بیگم۔ میری بھی یہی خواہش کہ اس سے کوئی جائداد حاصل کروں مگر دنیا کی نہیں بلکہ آخرت کی جائداد۔

مولوی صاحب۔ آخرۃ کی جائداد کس طرح حاصل کروگی۔ ہاں حج کراؤ تو ہوسکتا ہے

حسینی بیگم۔ حج کرنے سے بھی جائداد ملیگی مگر اس کا نفع ایک ہی دفعہ ملیگا۔ اور میں چاہتی ہوں کہ ایسی جائداد ہو جسکے منافع ہمیشہ ملتے بلکہ بڑھتے رہیں۔

مولوی صاحب۔ تم تو پہیلیاں بجھانے لگتی ہو۔ صاف صاف کیوں نہیں

کہتیں۔

حسینی بیگم۔ میں چاہتی ہوں کہ اس سے ایک امام باڑہ بنواؤں۔ حضرت امام حسین علیہ السلام کی فضیلت ذکر کرنے سے یہ روپیہ مجھے ملا ہے تو اس سے جائداد بھی وہی لی جائے جس میں حضرتؑ کی فضیلت برابر بیان کی جائے۔ اور اس کا ثواب مجھے بھی قیامت تک ملتا رہے۔

اس جواب پر مولوی صاحب چپ ہو گئے اور بہت دیر تک غصہ میں پیچ و تاب کھاتے رہے۔ حسینی بیگم بلا کی ذہین واقع ہوئی تھیں سمجھ گئیں کہ امام باڑے کے نام پر یہ اُکھڑ گئے ہیں۔ فوراً ہاتھ جوڑ کر بولیں۔

حسینی بیگم۔ اگر میں نے کوئی بے جا بات کہی تو میری خطا معاف کرو۔

مولوی صاحب۔ مجھے تمہارے بدعتی خیالات سے بڑی اذیت ہوتی ہے۔

حسینی بیگم۔ اچھا میں اپنے بدعتی خیالات سے توبہ کرتی ہوں۔ لو اب جانے دو خدا مجھے ہر بدعتی بات سے بچائے۔

مولوی صاحب۔ تعجب ہے کہ تم علمی باتوں میں اتنی بڑی محقق ہو مگر خود اپنی تحقیقات پر عمل نہیں کرتیں اور بدعتی باتوں سے دوسروں کو کہاں تک روکتیں کہ خود انکو اختیار کرتی ہو۔

حسینی بیگم۔ تم جو چاہو کہہ لو کیونکہ اس وقت ناراض ہو گئے ہو۔ اور میں تم کو ناخوش نہیں رکھ سکتی۔ ہاں جب تمہارا غصہ اُتر جائے گا تو اس کے متعلق بھی میں اپنے خیالات ظاہر کروں گی۔

مولوی صاحب۔ نہیں اب میں غصہ نہیں کرتا۔ تم کو جو کہنا ہو اسی وقت کہہ سکتی ہو۔

حسینی بیگم۔ اس وقت مناسب نہیں معلوم ہوتا۔ پھر شاید تم کو بُرا معلوم ہو۔

مولوی صاحب۔ نہیں عقل کی بات ہوگی تو بُری کیوں معلوم ہوگی۔ کہو تو۔

حسینی بیگم۔ تم ہی انصاف کرو کہ میں نے امام باڑہ بنوانے کا نام لیا تو کیا بُرا

کیا جس سے تم اس قدر خفا ہو گئے وہ بھی تو ایک مکان ہی ہے جس میں قرآن پاک کی تفسیر بیان کی جاتی ہے۔ خدا کے احکام ذکر کئے جاتے ہیں۔ حضرت رسولخداؐ کی حدیثیں پڑھی جاتی ہیں۔ حضرات ائمہ طاہرین کے فضائل و مصائب سُنائے جاتے ہیں۔ رویا پیٹا جاتا ہے۔ اب بتاؤ کہ ایسا مکان بنانا کیوں بُرا ہو گا۔

مولوی صاحب۔ پہلے تم بتاؤ کہ کس دلیل سے امام باڑہ بنانے کو جائز کہتی ہو۔ اسکے بعد میں سمجھا دوں گا کہ اس کا بنانا حرام اور ناجائز ہے۔

حسینی بیگم۔ میری دلیل یہ ہے کہ جس طرح دنیا کا ہر مکان بنانا جائز ہے اسی طرح اس کا بھی بنانا جائز ہے۔ جب تک اس کے ناجائز ہونے کی کوئی دلیل نہیں دو گے یہ ناجائز نہیں ہو سکتا ہے۔

مولوی صاحب۔ مگر جب تک خدا کسی کام کی اجازت نہیں دے وہ جائز کیسے ہو سکتا ہے۔

حسینی بیگم۔ اسکی ضرورت نہیں ہے کہ خدا ہر چیز کا نام لے کر بتا دے کہ جائز ہے۔ اس نے کہاں کہا ہے کہ روٹی کھانی جائز ہے مٹھائی کھانی جائز ہے۔ آم کھانا جائز ہے۔ خربزہ کھانا جائز ہے۔ بلکہ اس نے اصول مقرر کر دیا ہے کہ جن چیزوں کو ہم منع نہ کریں وہ سب جائز ہے۔ یہ مسئلہ علم الاصول میں طے شدہ ہے۔ تمہارے پیشوائے اعظم جناب مولانا صدیق حسن خاں صاحب بھوپالی رحمہ اللہ نے اسکی پوری تحقیق کر دی ہے۔ چنانچہ فرمایا ہے کہ جب تک کسی چیز کی حرمت کی دلیل نہ ملے وہ حلال ہی سمجھی جائیگی۔ دلیل علیہ قولہ تعالیٰ قل من حرم زینۃ اللہ التی اخرج لعبادہ والطیبات واذا انتفت الحرمۃ بالکلیۃ ثبتت الاباحۃ وقولہ تعالیٰ احل لکم الطیبات یعنی میرے اس دعوے پر قرآن مجید کی یہ آیۃ دلیل ہے کہ اے رسول کہہ دو کون شخص اللہ کی اس زینت کو حرام کرتا ہے جس کو اس نے اپنے بندوں کے لئے پیدا کیا ہے۔

اور کون شخص پاک چیزوں کو روکتا ہے اور جب حرمت نہیں معلوم ہوئی تو اس کا حلال ہونا ثابت ہوگیا۔ دوسری آیۃ میں خدا نے فرمایا ہے۔ اے مسلمانو تم لوگوں کے لئے پاکیزہ چیزیں حلال کردی گئی ہیں۔ قولہ تعالیٰ خلق لکم ما فی الارض جمیعا یعنی خدا نے یہ بھی فرمایا ہے کہ اس نے تم لوگوں کے لئے زمین کی کل چیزیں پیدا کی ہیں۔ وقولہ تعالیٰ قل لا اجد فی ما اوحی الی محرما علی طاعم یطعمه الا ان یکون میتة الایة فجعل الاصل الاباحة الا ما استثنی یعنی خدا نے یہ بھی فرمایا ہے کہ اے رسول کہدو جو اس نے تم پر وحی نازل کی ہے اس میں کسی کھانے والے کے لئے کوئی چیز حرام نہیں پاتا۔ واضح ہو کہ اس میں خدا نے اصول مقرر کردیا کہ ہر چیز جائز اور حلال ہے جب تک خدا اس سے کسی چیز کو مستثنیٰ نہ کردے۔ وقولہ تعالیٰ سخر لکم ما فی السموات وما فی الارض جمیعا یعنی خدا نے یہ بھی فرمایا ہے جو چیزیں آسمانوں اور زمین میں ہیں سب کو اس نے تم لوگوں کے لئے مسخر کردیا ہے۔ ویستدل علی ذلک ایضا بما ثبت فی الصحیحین وغیرهما من حدیث سعد بن ابی وقاص عن النبی انه قال ان اعظم المسلمین فی المسلمین جرما من سأل عن شئ لم یحرم فحرم من اجل مسألته یعنی میرے اس دعویٰ کی یہ دلیل بھی ہے جو صحیح بخاری و صحیح مسلم وغیرہ کتب حدیث میں ہے کہ حضرت رسول خدا نے فرمایا کہ سب سے بڑا مجرم اور گنہگار وہ مسلمان ہے جس سے کوئی کسی چیز کا مسئلہ پوچھے تو وہ اس چیز کو حرام کردے۔ وبما اخرج الترمذی وابن ماجة عن سلمان الفارسی انه قال لما سئل رسول الله عن السمن والخبز والفراء قال الحلال ما احله الله فی کتابه والحرام ما حرمه الله فی کتابه وما سکت عنه فهو مما عفا عنه یعنی میرے دعویٰ کی دلیل وہ حدیث بھی ہے جس کو امام ترمذی اور ابن ماجہ نے سلمان فارسیؓ سے روایت کی ہے کہ حضرت رسول خدا صلعم سے کسی نے گھی۔ روٹی۔ گورخر کو پوچھا تو حضرتؐ نے فرمایا جس کو خدا نے

قرآن میں حلال کر دیا وہ حلال ہے اور جسکو حرام کر دیا وہ حرام ہے اور جسکے بارے میں کچھ نہیں کہا خاموش رہا وہ سب جائز ہے (کتاب حصول المامول مطبوعہ مصر صفحہ ۲۱۳) امام شوکانی علیہ الرحمہ نے بھی ان باتوں کو لکھا ہے (ملاحظہ ہو ارشاد الفحول مطبوعہ مصر صفحہ ۲۶۶) ان کل باتوں سے یہ تو یقینی ثابت ہوا کہ امام باڑہ بنانے کو قرآن و حدیث میں ناجائز نہیں لکھا ہے۔ اب تم کس دلیل سے اس کو ناجائز کہتے ہو۔ ذرہ اس کو بھی تو بیان کرو۔

مولوی صاحب۔ اس وجہ سے کہ یہ بدعت ہے اور ہر بدعت گمراہی ہے۔

حسینی بیگم۔ تباؤ کہ بدعت کس کو کہتے ہیں۔ اور یہ کس نے کہا کہ ہر بدعت گمراہی ہے

مولوی صاحب۔ تمہارے پاس حضرت مولانا وحید الزماں خاں صاحب حیدرآبادی کی کتاب انوار اللغۃ موجود ہے اسکو نکال کر پڑھو۔

حسینی بیگم اٹھکر گئیں وہ انوار اللغۃ اور اسکے ساتھ دو کتابیں اور نکال لائیں پھر کہا دیکھو اسمیں لکھا ہے بدعت نئی چیز جسکی کوئی مثال پہلے سے نہ ہو۔ بلکہ اسی کا مونث نعمت البدعۃ حضرت عمر نے تراویح کی ایک جماعت کر دینے کی نسبت کہا یعنی یہ بدعت اچھی ہے۔ بدعت دو قسم کی ہے ایک بدعت ضلالت جسے بدعت سیئہ بھی کہتے ہیں۔ دوسری بدعت ہدایت جسکو بدعت حسنہ بھی کہتے ہیں۔ جو بدعت اللہ اور رسول کے احکام کے خلاف میں ہو وہی بدعت ضلالت اور سیئہ ہے اور جو بدعت اللہ اور رسول کے احکام کے موافق ہو اسکی مثال پہلے سے نہ ہو مثلاً سخاوت کی نئی شکلیں یا عمدہ اور بہتر کاموں کی نئی صورتیں جیسے کوئی یتیم خانہ یا بیوہ گھر یا بیت المساکین یا بیت المعذورین یا کتب خانہ یا قرض حسنہ کا بینک۔ یا مدرسہ صنعت و حرفت و تجارت و زراعت و علوم دنیہ یا مدرسہ تعلیم طب و علاج وا دویہ قائم کرے وہ بدعت حسنہ ہے اور اس پر ثواب کی امید ہے بدلیل دوسری حدیث کے مَنْ سَنَّ سُنَّةً حَسَنَةً كَانَ لَهُ أَجْرُهَا وَأَجْرُ مَنْ عَمِلَ بِهَا وَمَنْ سَنَّ سُنَّةً سَيِّئَةً كَانَ عَلَيْهِ وِزْرُهَا وَوِزْرُ مَنْ عَمِلَ بِهَا[1]

---

[1] یعنی جو شخص اچھی راہ نکالے اُسکو اُسکا ثواب بھی ملیگا اور جو لوگ اسپر عمل کرینگے اُن کا ثواب بھی اور جو شخص بری راہ نکالے اسکو اسکا بھی عذاب ہوگا اور جو لوگ اسپر عمل کرینگے اُن کا عذاب بھی ۱۲

اور حضرت عمر نے جو تراویح کو بدعۃ فرمایا وہ اسی معنی کر ہے یعنی بدعۃ حسنہ ہے کیونکہ افعال خیر میں داخل ہے اور اللہ اور رسولؐ کے احکام کے موافق ہے۔ اور بدعۃ اسکو اس لئے کہا کہ آنحضرتؐ نے تراویح اس انتظام کے ساتھ نہیں پڑھی تھی جو انتظام حضرت عمر نے کیا تھا بلکہ کئی راتیں پڑھ کر اس کو چھوڑ دیا تھا۔ ابوبکر صدیق کے زمانہ میں بھی ایسا ہی رہا۔ حضرت عمر نے اپنے زمانہ میں سب لوگوں کو ایک قاری کے پیچھے جمع کیا اور روزانہ تراویح پڑھنے کے لئے رغبت دلائی اسی لئے اس کو بدعۃ کہا۔ فی الحقیقت وہ سنت ہے۔ کیونکہ آنحضرتؐ نے فرمایا:۔

علیکم بسنتی وسنۃ الخلفاء الراشدین من بعدی اور فرمایا اقتدوا بالذین من بعدی ابی بکر وعمر اور دوسری حدیث میں جو آیا ہے کل محدثۃ بدعۃ وکل بدعۃ ضلالۃ اس سے یہی مراد ہے کہ جو بدعۃ سیئہ ہو اور مخالف ہو اصول شرع کے وہ گمراہی ہے"۔ (انوار اللغۃ پ ۱۹ ص) اور علامہ ابن اثیر جزری نے لکھا ہے۔ البدعۃ بدعتان بدعۃ ھدی وبدعۃ ضلال فما کان فی خلاف ما امر اللہ بہ ورسولہ فھو فی حیز الذم والانکار وما کان حدیثا واقعا تحت عموم ما ندب اللہ الیہ وحض علیہ اورسولہ فھو فی حیز المدح ولم یکن لہ مثال موجود کنوع من الجود والسخاء وفعل المعروف فھو من الافعال المحمودۃ ولا یجوز ان یکون ذلک فی خلاف ما ورد الشرع بہ لان النبیؐ قد جعل لہ فی ذلک ثوابا فقال مَنْ سَنَّ سُنَّۃً حَسَنَۃً کَانَ لَہٗ اَجْرُھَا وَاَجْرُ مَنْ عَمِلَ بِھَا وَقَالَ لہ فی ضدہ من سن سنۃ سیئۃً کَانَ علیہ وزرھا ووزر من عمل بھا وذلک اذا کان فی خلاف ما امر اللہ بہ ورسولہ (نہایۃ ابن اثیر مطبوعہ ایران ص ۲۷) اس کا مطلب بھی وہی ہے جو اوپر مولانا وحید الزمان خان صاحب رحمہ اللہ نے لکھا ہے اور جناب مولانا الشیخ محمد طاہر صاحب رحمہ اللہ نے فرمایا۔ البدعۃ ھی نوعان بدعۃ ھدی وبدعۃ ضلالۃ فمن الاول ما کان تحت عموم ما ندب الیہ الشارع الیہ وحث علیہ فلا یذم لوعد الاجر علیہ بحدیث

من سن سنۃ حسنۃ وفی ضدہ من سن سنۃ سیئۃ ومن الثانی ما کان خلاف ما امر بہ فیذم وینکر علیہ یعنی بدعۃ کی دو قسم ہے ایک ہدایت کی بدعۃ اور دوسری ضلالۃ کی بدعۃ۔ پہلی قسم میں ہر وہ کام ہے جو اس عام بات کے ماتحت ہو جسکی طرف شارع نے بلایا ہو اور جس پر عمل کرنے کی ترغیب دی ہو تو وہ بدعۃ بری نہیں کہی جائیگی۔ کیونکہ شارع نے اس پر عمل کرنے والے کو ثواب کا وعدہ کیا ہے۔ جیسے فرمایا ہے کہ جو شخص اچھی راہ نکالے اس کو اس کا بھی ثواب ملیگا اور اسپر عمل کرنے والے کا ثواب بھی۔ اور اسکے خلاف کے بارے میں فرمایا ہے کہ جو شخص بُری راہ نکالے اس پر اس کا بھی عذاب ہوگا اور اس پر عمل کرنے والوں کا بھی۔ اور دوسری قسم ضلالۃ کی بدعۃ وہ ہے جسکی طرف شارع نے بلایا نہ ہو تو وہ بُری اور قابل اعتراض ہے (مجمع بحار الانوار مطبوعہ لکھنؤ جلد اصفحہ) اب تم ہی بتاؤ کہ جب کتب خانہ۔ مدرسہ وغیرہ بنانا باعث ثواب ہے تو امام باڑہ بنانا کیوں ثواب کا ذریعہ نہیں ہوگا؟ کتب خانہ سے خدا و رسولؐ کے احکام معلوم ہوتے ہیں مذہبی علوم حاصل ہوتے ہیں۔ اسی طرح امام باڑہ سے بھی خدا کے احکام رسولؐ کے ارشادات اور دینی باتیں معلوم ہوتی ہیں۔ مدرسے سے دنیوی اور دینی تعلیم حاصل ہوتی ہے۔ امام باڑے سے دینی تعلیم بھی ہوتی ہے اور عمل بھی ہوتا ہے پھر اس سے کس قدر ثواب حاصل ہوگا۔

مولوی صاحب۔ مگر امام باڑے میں تو رافضی اپنے بزرگوں کے فضائل بیان کرتے ہیں۔

حسینی بیگم۔ تو رافضیوں کے بزرگوں کے فضائل بیان کرنے میں کیا اعتراض ہے۔ [illegible] بزرگان دین خدا و رسولؐ و ائمہ طاہرینؑ ہی تو ہیں اور اُن کے فضائل قرآن مجید [illegible] کتب تفسیر و حدیث وغیرہ بھی بھرے ہوئے ہیں۔ پس جب قرآن مجید اور [illegible] اس وجہ سے قابل اعتراض نہیں ہیں کہ ان میں رافضیوں کے فضائل [illegible] ہیں تو امام باڑہ کیوں قابل اعتراض ہوگا۔

مولوی صاحب۔ مگر امام باڑے میں تو رافضی تبرا بھی کرتے ہیں۔
حسینی بیگم۔ تبرا، تو قرآن مجید میں بھی ہے صحیح بخاری صحیح مسلم۔ ترمذی شریف۔ مشکوٰۃ شریف وغیرہ کل مذہبی کتابوں میں ہے۔ پھر کیا ان سب کو بھی چھوڑ دیا جائیگا؟ تبرا، لعنت کرنے ہی کو تو کہتے ہیں۔ پھر دیکھو قرآن مجید میں خدا نے کتنی جگہ لعنت کی ہے۔ صحیح بخاری۔ صحیح مسلم وغیرہ میں پڑھو کہ حضرت رسولخدا صلعم نے کس کثرت سے لوگوں پر لعنت کی۔ تاریخ طبری۔ تاریخ کامل استیعاب۔ اصابہ وغیرہ ملاحظہ کرو کہ خلفاے راشدین رضی اللہ عنہم برابر لوگوں پر لعنت کرتے رہے ہیں۔ پھر کیا تمہارے اصول کے مطابق قرآن مجید وغیرہ کا پڑھنا۔ پڑھانا۔ لکھنا۔ چھاپنا چھوڑ دیا جائیگا؟ اسی طرح اگر امام باڑوں میں تبرا، ہوتا ہے تو ان کا بنانا۔ ان میں جانا۔ ان میں مجلس پڑھنا موقوف کر دیا جائیگا؟
مولوی صاحب۔ خیر سب کا تم جواب دو گی مگر اسکا تو کوئی جواب نہیں ہوسکتا کہ امام باڑوں میں حضرت علیؑ کو حضرت رسولخدا صلعم کا خلیفہ بلافصل بتایا اور کہا جاتا ہے جو کتنی سخت گالی ہے پھر ایسی چیز کا بنانا کیونکر جائز ہوسکتا ہے جس میں ایسی گالی دی جائے اور حضرات خلفاے راشدین پر ایسا شدید سب وشتم کیا جائے
حسینی بیگم۔ اول تو میں اسی کو نہیں جانتی کہ حضرت علیؑ کو امام باڑوں میں کس موقع پر خلیفہ بلافصل کہا جاتا ہے۔ اگر علمی اور دینی تحقیقات کے موقع پر کہا جاتا ہے تو ان تحقیقات کا جواب دینا چاہیئے لیکن اگر میں تمہاری بات مان بھی لوں تو یہ بتاؤ کہ مسجدوں میں بھی اذان دیتے وقت شیعہ حضرت علیؑ کو حضرت رسولخدا صلعم کا خلیفہ بلافصل کہتے ہیں یا نہیں۔
مولوی صاحب۔ ہاں ضرور۔ کہتے ہیں۔ یہ تبرا، اور گالی بکنا تو انکی عادت ہے وہ اس گندگی سے اپنی زبان کب روکتے ہیں۔

حسینی بیگم۔ پھر مسجد بنانے کو بھی کیوں منع نہیں کرتے۔ ہمارے علماء فتویٰ دے دیں کہ دنیا میں مسجدیں بھی نہ بنائی جائیں۔

مولوی صاحب۔ نہیں سب مسجدوں کے بارے میں کیوں فتویٰ دیدیا جائے صرف شیعوں کی مسجدوں کو روکا جاسکتا ہے۔

حسینی بیگم۔ اچھا شیعوں ہی کی مسجدوں کے بارے میں آج تک کسی نے یہ فتویٰ دیا ہے؟ اور تم بھی تو مفتی ہو کیا فتویٰ دیدو گے۔ ذرہ فتویٰ دے کر دستخط تو کردو۔ پھر دیکھو کیسی بوچھار ہوتی ہے۔ بلکہ دنیا میں کون عالم اسکی جرأت کرسکتا ہے کہ شیعوں کی مسجدوں کی تعظیم نہ کرے اور اس کو خانہ خدا نہ جانے۔

مولوی صاحب۔ نہیں معاذ اللہ۔ میں کیوں ایسے کفر کا فتویٰ دوں جس سے مسجد کا بنانا ترک ہو جائے۔

حسینی بیگم۔ پھر امام باڑوں نے کیا قصور کیا ہے۔ اسکے علاوہ یہ بتاؤ کہ شیعوں کی ہزاروں مسجدوں میں بے حد وحساب سنی بھی نماز پڑھتے ہیں یا نہیں۔

مولوی صاحب۔ یہ بھی کوئی پوچھنے کی بات ہے۔ لاکھوں سنی رافضیوں کی مسجدوں میں بھی نماز پڑھتے ہیں۔

حسینی بیگم۔ اور یہ معلوم ہے کہ شیعوں کی مسجدوں میں خوب چیخکر اذان کے وقت اشہد ان امیر المومنین علیاً ولی اللہ ووصی رسول اللہ و خلیفتہ بلا فصل کہا جاتا ہے۔ پھر جن مسجدوں میں ہر روز کئی مرتبہ گلے پھاڑ پھاڑ کر اعلانیہ خلیفہ بلافصل کی گالی دیجاتی اور بقول تمہارے حضرات خلفائے راشدین پر سب وشتم کیا جاتا ہے ان مسجدوں کو ہم لوگ چھوڑ کیوں نہیں دیتے اور کیوں ان میں نماز پڑھتے ہیں۔ اور ان میں نماز پڑھنے کو ثواب بھی جانتے ہیں۔

مولوی صاحب۔ اس کا تو میرے پاس کوئی جواب نہیں ہے۔

حسینی بیگم۔ اچھا یہ بتاؤ کہ ہماری سنیوں کی مسجدوں میں شیعہ بھی نماز پڑھتے ہیں یا نہیں۔

مولوی صاحب۔ بہت پڑھتے ہیں اس کا بھی کوئی حساب نہیں ہو سکتا۔

حسینی بیگم۔ اور کیا کوئی شیعہ ایسا بھی ہے جو اذان میں حضرت علیؑ کو خلیفہ بلافصل نہ کہتا ہو

مولوی صاحب۔ نہیں کوئی نہیں ہے۔ سب ہی تو کہتے ہیں۔ ان کے علماء و مجتہدین بھی کہتے ہیں۔

حسینی بیگم۔ پھر ہم لوگ اپنی مسجدوں میں شیعوں کو کیوں نماز پڑھنے دیتے اور یہ گالی کا کلمہ کیوں کہلاتے ہیں؟ اگر ہم ان کو اپنی مسجدوں میں نماز نہ پڑھنے دیں تو وہ یہ کلمہ بھی ہماری مسجدوں میں نہ کہہ سکیں جسکو تم گالی کہتے ہو۔

مولوی صاحب۔ ہاں یہ تو ٹھیک ہے۔

حسینی بیگم۔ بس تو معلوم ہوا کہ ان باتوں کی وجہ سے اصل مسجد یا امام باڑہ قابل اعتراض نہیں ٹھہرایا جا سکتا اور جس طرح حضرات اہلحدیث کے بلند آواز سے آمین کہنے پر اعتراض کرنا جہالت ہے اسی طرح شیعوں کے خلیفہ بلافصل کہنے پر مسجد یا امام باڑہ کی مخالفت کرنا شدید ظلم ہے۔

مولوی صاحب۔ مگر مسجد کا ذکر امام باڑہ کے ساتھ کیوں کرتی ہو۔ مسجد عبادت کی جگہ ہے۔ وہاں ذکر خدا ہوتا ہے اور امام باڑہ میں حضرت علی یا حضرت حسین رضی اللہ عنہ کا ذکر کیا جاتا ہے۔

حسینی بیگم۔ مسجد میں خدا کا ذکر ہوتا ہے اور خدا کا ذکر عبادۃ ہے۔ اس وجہ سے مسجد عبادت گاہ ہوئی جسکی عزت اور تعظیم ضروری ہے اور بقول تمہارے امام باڑہ میں حضرت علی علیہ السلام کا ذکر ہوتا ہے اور صحیح حدیثوں سے ثابت ہے کہ حضرت علیؑ کا ذکر عبادت ہے۔ لہذا امام باڑہ بھی عبادت گاہ ہوا جسکی عزت و تعظیم ضروری ہے۔

مولوی صاحب ۔ واہ حضرت علیؑ کے ذکر کو عبادت کس نے کہا ہے۔

حسینی بیگم ۔ کسی نے کہا ہو۔ پہلے یہ بتاؤ کہ اگر حضرت علیؑ کا ذکر ثابت ہو جائے کہ عبادۃ ہے تب تو امام باڑوں کو بھی عبادتگاہ مانو گے اور اس کو مسجد سے الگ نہیں کرو گے۔ بلکہ اس کی تعظیم و عزت کو بھی ضروری کہو گے۔

مولوی صاحب ۔ چپ ہو گئے۔ سوچنے لگے کہ اگر "ہاں" کہتا ہوں اور بیگم نے ثابت کر دیا تو امام باڑوں کو بھی مسجدوں کی طرح قابل تعظیم و عزت ماننا پڑے گا ۔ اور اگر "نہیں" کہتا ہوں تو انکار کرنے کی کوئی وجہ ہونی چاہیئے۔

حسینی بیگم ۔ اب بولتے کیوں نہیں۔

مولوی صاحب ۔ کیا کہوں کچھ سمجھ میں نہیں آتا مگر حضرت علیؑ کا ذکر تو عبادۃ نہیں ہو سکتا۔

حسینی بیگم ۔ (اٹھ گئیں اور ایک کتاب لا کر بولیں) دیکھو علامہ علی متقی نے کیا لکھا ہے ذکر علی عبادۃ عن عائشہ یعنی حضرت عائشہ نے روایت کی ہے کہ حضرت رسولخدا صلعم ارشاد فرماتے تھے کہ حضرت علیؑ کا ذکر عبادۃ ہے (کنز العمال مطبوعہ حیدر آباد جلد ۶ صفحہ ۱۵۲) تم خود انصاف کرو کہ جب حضرت علیؑ کا ذکر عبادۃ ہے اور بقول تمہارے امام باڑوں میں حضرت علیؑ کا ذکر ہوتا ہے تو حضرت رسولخدا صلعم کے ارشاد کے مطابق امام باڑہ عبادت گاہ ہوا یا نہیں۔

مولوی صاحب ۔ مگر رافضی تو حضرت علیؑ کے ذکر میں بہت مبالغہ کرتے ہیں۔ کہتے ہیں کہ وہ حضرات خلفائے ثلٰثہ سے بھی افضل تھے۔

حسینی بیگم ۔ تو کروڑوں مسلمان اسی اعتقاد پر ہیں وہ سب تفضیلیہ کہے جاتے ہیں اور حضرت رسولخدا صلعم کی تو حدیث ہے کہ حضرت علیؑ

صرف خلفائے ثلثہ ہی سے نہیں بلکہ حضرت کے بعد دنیا بھر کے لوگوں سے افضل ہیں اور جو اس کا اعتقاد نہیں رکھے گا وہ کافر ہوگا۔ چنانچہ ارشاد فرمادیا ہے علی خیر البشر فمن ابی فقد کفر یعنی حضرت علی سب لوگوں سے بہتر ہیں جو اس سے انکار کرے گا کافر ہوجائیگا۔ یہ بھی فرمایا ہے من لم یقل علی خیر الناس فقد کفر یعنی جو شخص اس کا اعتقاد نہیں رکھے گا کہ حضرت علیؑ بہترین ناس ہیں وہ کافر ہوجائے گا (کنز العمال جلد ۶ ص۱۵۹)

مولوی صاحب۔ مجھ سے کچھ کہا نہیں جاتا تم ضرور امام باڑہ بنواؤ۔

حسینی بیگم۔ میں آخر میں ایک بڑے عالم جلیل کی عبارت بھی سناتی ہوں جنھوں نے امام باڑہ کی تعظیم کو تصریح سے تحریر فرمایا ہے۔ ایک بزرگ جناب مولانا حکیم سلامت علی خاں صاحب بنارسی رحمہ اللہ گزرے ہیں۔ انھوں نے ایک کتاب تبصرۃ الایمان لکھی ہے جو کلکتہ میں ۱۲۳۶ھ ہجری میں چھپ گئی ہے۔ اسمیں ممدوح نے لکھا ہے "وشک نیست درآں کہ امام باڑہ ونقل تربت شریف بعد مرتب شدن لائق تعظیم است بالضرور وادب آں شایان ایمان یعنی اسمیں شک نہیں ہے کہ امام باڑہ اور تربت شریف کی نقل مرتب ہونے کے بعد یقیناً لائق تعظیم ہے اور اس کا ادب کرنا ایمان کی شان سے ہے" (تبصرۃ الایمان ص۲۴۰) اب تو امام باڑہ پر تم کوئی اعتراض نہیں کرسکتے۔

مولوی صاحب۔ مگر مولانا رحمہ اللہ نے یہ کیوں لکھا کہ امام باڑہ اور تعزیہ مرتب ہونے کے بعد لائق تعظیم ہے۔ کیا مرتب ہونے کے پہلے لائق تعظیم نہیں ہے؟

حسینی بیگم۔ امام باڑہ تو اینٹ لکڑی۔ پتھر چونے سے بنایا جاتا ہے اسی طرح مسجد بھی۔ تو جب تک یہ چیزیں مسجد یا امام باڑہ میں لگائی نہیں جاتی ہیں اُس وقت تک نہ اینٹ لائق تعظیم ہوتی ہے نہ لکڑی نہ چونا پتھر اور جب ان چیزوں سے امام باڑہ یا مسجد بن جاتی ہے تب انکی تعظیم کی جاتی ہے۔ اسی طرح تعزیہ

لکڑی اور کاغذ کا بنایا جاتا ہے تو پہلے نہ وہ لکڑی لائق تعظیم ہوتی ہے نہ وہ کاغذ۔ ہاں تعزیہ بن جانے کے بعد وہ لائق تعظیم ہو جاتا ہے۔

مولوی صاحب۔ تم ٹھیک مطلب سمجھیں میرے ذہن میں یہ بات نہیں آتی تھی۔ خیر مجھے کوئی اعتراض نہیں ہے۔ تم امام باڑہ بنواؤ مگر اس کی مجلس کا خرچ کہاں سے آئیگا۔

حسینی بیگم۔ سوچتی ہوں کہ اسکے نیچے دس یا بارہ بڑی کوٹھریاں بنوادوں جو کرایہ پر اٹھا دی جائیں۔ ایک ایک کوٹھری کا ماہوار کرایہ تین روپیہ یا ڈھائی روپیہ بھی ملیگا تو عسہ روپیہ ماہوار کی آمدنی ہو جائیگی اسی سے مجلسیں ہوا کرینگی اور یہ کوٹھریاں چھوٹے دوکانداروں کو دی جائیں جو انمیں معمولی دوکانیں رکھیں۔ اس طرح کرایہ بڑھتے ہی رہنے کی امید ہے کم ہونے کا اندیشہ نہیں ہے۔

مولوی صاحب۔ تم کو خدا داد دماغ ملا ہے جس سے علمی تحقیقات بھی اعلیٰ درجہ کی کرتی ہو اور دنیوی انتظام بھی وہ سوچتی ہو جو بہترین ہوتا ہے۔ خیر امام باڑہ کی تعمیر پر مجھے کوئی اعتراض نہیں۔ مگر ایک معمولی واقعہ شہادت کے بیان کے لئے اتنے بڑے بڑے امام باڑے بے تک سے معلوم ہوتے ہیں۔

حسینی بیگم۔ ارے یہ کیا کہتے ہو واقعہ شہادت معمولی ہے؟ ایسا واقعہ تو حضرت آدمؑ سے اس وقت تک کبھی اور کسی ملک میں نہیں ہوا اسی وجہ سے ہزاروں علماء نے اس واقعہ کو مختلف صورتوں سے لکھا اور کسی مفسر کسی محدث کسی مورخ کی کتاب اس کے ذکر سے بچی نہیں۔ اس واقعہ کا اس قدر اہتمام خدا نے کیا کہ جناب جبرئیلؑ سے حضرت رسولخداؐ کو اس ہونے والے واقعہ پر مطلع کیا۔ زمین کربلا کی مٹی کو خونی رنگ کی بنا کر حضرتؐ کے پاس بھیجا۔ حضرتؐ اس مصیبت کو سنکر برابر روتے رہے اور جناب ام سلمہ کو وہ مٹی دیکر حفاظت سے رکھنے کی تاکید کر گئے اور مسلمانوں کو حضرت امام حسینؑ کی مدد کرنے کی وصیت فرمائی

انیسواں باب ۱۹

واقعہ شہادۃ کربلا کا متواتر ہونا

مولوی صاحب ۔ ایک دفعہ اس سے پہلے بھی تم نے اس کو بیان کیا تھا اور اردو کی بہت سی کتابوں کا نام لیا تھا جس میں اس واقعہ کو لکھا ہے بلکہ مولانا نذیر احمد صاحب دہلوی کی کتاب امہات الامہ ۔ مولانا ابوالکلام آزاد صاحب دہلوی کے مضامین ۔ مولانا ثناء اللہ صاحب امرتسری کے اخبار اہلحدیث ۔ مولانا شاہ محمد سلیمان صاحب پھلواروی کی کتاب شہادت حسین ۔ مولانا شبلی نعمانی کی کتاب المامون و موازنہ انیس و دبیر ۔ مولانا وحید الزماں خاں صاحب حیدرآبادی کی کتاب انوار اللغتہ ۔ مولانا محی الدین خاں صاحب کی تلخیص الصحاح ۔ مولوی عبدالشکور صاحب اڈیٹر النجم کے ترجمہ اسد الغابہ وغیرہ ۔ سے کچھ عبارتیں بھی سنائی تھیں مگر پھر بھی اس واقعہ کو متواتر کیسے کہتی ہو ۔

حسینی بیگم ۔ اس لئے کہ ہر زمانہ کے بڑے معتبر اور مسلم الثبوت علماء و محدثین و مورخین نے اس واقعہ کو اپنی کتاب میں لکھا ہے اور پہلے میں جناب مولانا شاہ محمد سلیمان صاحب پھلواروی دام برکاتہم کی تحقیق بھی بیان کر چکی ہوں کہ تحریر فرمایا ہے "اسلام میں جب تالیف و تصنیف کی بنیاد پڑی اور احادیث اور تاریخی واقعات قلمبند ہونے لگے اُس وقت سے اس وقت یعنی دوسری صدی کے آخر سے چودھویں صدی ہجری کے شروع تک جتنی کتابیں اسلامی تاریخ کی کہلاتی ہیں اور جن کو محدثین و مورخین نے جمع کیا ہے سب کی سب اس بات پر متفق ہیں کہ حضرت امام حسین علیہ السلام شہید کربلا ہیں ایسے تواتر کا انکار کرنا ہم نہیں سمجھ سکتے کہ کوئی عاقل کیونکر تسلیم کر سکتا ہے اور متواترات کا جواب متواترات ہی سے ہونا چاہیئے نہ کسی قصہ کہانی سے ۔ بارہ سو برس کے محدثین و مورخین اور کافۂ امت کو محض غلطی اور دھوکے پر قرار دینا خود اپنے نفس کا

ایک بہت بڑا دھوکا اور فریب ہے" (کتاب شہادہ حسین صلا) اور جناب مولانا مولوی عبدالحق صاحب سہارنپوری نے لکھا ہے "تمام علمائے اہل اسلام کا اس پر اتفاق ہے کہ بلا شک واقعہ قیامت خیز کربلا اور شہادۃ حضرت امام حسین علیہ السلام مقام کربلا میں ثابت اور واقعی بات ہے" (کتاب تصدیق شہادۃ مطبوعہ میرٹھ ص۳) اور ہم اہلسنت کے عقائد کی مشہور کتاب شرح عقائد نسفی میں ہے والحق ان رضا یزید بقتل الحسین رضی اللہ عنہ واستبشارہ بذلک واھانتہ اھل بیت النبی علیہ السلام مما تواتر معناہ یعنی حق یہ ہے کہ امام حسین علیہ السلام کے قتل پر یزید کا راضی بلکہ خوش ہونا اور رسولخدا صلعم کے اہلبیتؑ کی توہین کرنا ان باتوں سے ہے جو معنے متواتر ہے یعنی بخبر متواتر ثابت ہے (شرح عقائد نسفی ص۱۸۱)

مولوی صاحب - اچھا یہ بتاؤ کہ کوئی شخص صرف فارسی کتابوں سے واقعہ کربلا کی تحقیق کرنی چاہے تو کیا کرے۔

حسینی بیگم - ہزاروں کتابیں حدیث - تاریخ وغیرہ کی ہیں - انھیں سے چند کو پڑھ لے (۱) جیسے تاریخ روضۃ الصفا مطبوعہ بمبئی - تاریخ روضۃ الاحباب قلمی - تاریخ حبیب السیر مطبوعہ بمبئی - جامع التواریخ مطبوعہ لکھنؤ - مدارج النبوۃ مطبوعہ لکھنؤ - شواہد النبوۃ مطبوعہ لکھنؤ - معارج النبوۃ مطبوعہ لکھنؤ - روائح المصطفےٰ مطبوعہ کانپور - وسیلۃ النجاۃ مطبوعہ لکھنؤ - دلیل الطالب مصنفہ جناب مولانا نواب صدیق حسن خاں صاحب مطبوعہ بھوپال - بغیۃ الرائد مصنفہ جناب مولانا صدیق حسن خاں صاحب - تفسیر عزیزی مصنفہ شاہ عبدالعزیز صاحب دہلوی - فتاوی عزیزی مصنفہ شاہ صاحب موصوف مطبوعہ دہلی - تحفہ اثنا عشریہ مصنفہ ممدوح - ازالۃ الخفاء مصنفہ جناب مولانا شاہ ولی اللہ صاحب دہلوی علیہ الرحمہ - اور تم جانتے ہو کہ ہمارے مذہب کے ایک زبردست عالم جناب مولانا حیدر علی صاحب فیض آبادی رحمہ اللہ گزرے ہیں وہ بڑے مناظر بھی تھے شیعوں کی رد میں کئی کتابیں لکھی تھیں انھوں نے ایک بڑی ضخیم کتاب ۱۲۸۶ صفحہ کی شہادت امام حسین علیہ السلام کے متعلق لکھی ہے

جس کا نام ہے ازالۃ الغین عن بصارۃ العین باثبات شہادت امام حسین رضی یہ کتاب بھی لکھنؤ میں چھپ گئی اور فارسی زبان میں ہے۔ اور جناب مولانا شیخ عبدالحق صاحب محدث دہلوی علیہ الرحمہ نے فارسی زبان میں مشکوٰۃ کی شرح لکھی ہے جس کا نام ہے اشعۃ اللمعات۔ یہ بھی چھپ گئی ہے۔ اسکی جلد چہارم ص۳۸۶ میں بھی یہ واقعہ مرقوم ہے۔ اور تمہارے پیشوائے اعظم جناب مولانا نواب صدیق حسن خاں صاحب بھوپالی علیہ الرحمہ نے تو اپنی کئی کتاب میں اسکو تفصیل سے لکھا ہے مثلاً کتاب حجج الکرامہ فی آثار القیامہ میں لکھا ہے فصل ہشتم وازاں جملہ قتل حسین بن علی علیہما السلام است جسکے بعد کئی صفحہ میں اس واقعہ کو مفصل لکھا ہے (دیکھو حجج الکرامہ از ص۱۷۶ تا ۱۸۲ مطبوعہ بھوپال) غرض میں کس کس فن کی کس کس کتاب کا نام بتاؤں۔ تاریخ۔ سیرۃ۔ حدیث۔ ادب شاعری تفسیر وغیرہ کی ہزاروں کتابوں میں اس واقعہ کو لکھا ہے۔ مولانا صدیق حسن خاں صاحب علیہ الرحمہ نے لکھا ہے کہ گویم اصح توالیف دریں باب رسالہ سر الشہادتین تالیف شاہ عبدالعزیز محدث دہلوی ست یعنی واقعہ کربلا کے بارے میں سب سے زیادہ صحیح کتاب رسالہ سر الشہادتین مصنفہ جناب شاہ عبدالعزیز صاحب دہلوی علیہ الرحمہ ہے (حجج الکرامہ ص۱۷۹)

مولوی صاحب۔ مگر سر الشہادتین تو عربی زبان میں ہے۔ جو شخص صرف فارسی جانتا ہو وہ اس کو کیسے پڑھ سکتا ہے۔

حسینی بیگم۔ اس کا فارسی ترجمہ تحریر الشہادتین موجود ہے جس کو شاہ صاحب علیہ الرحمہ کے شاگرد رشید جناب مولانا شاہ سلامت اللہ صاحب کانپوری علیہ الرحمہ نے مفصل لکھا ہے۔ یہ رسالہ بھی چھپ گیا ہے اور قابل دید چیز ہے۔

مولوی صاحب۔ ہاں وہ خوب ہوگا۔ واقعاً فارسی زبان میں بھی اس واقعہ کے متعلق بڑا ذخیرہ ہے۔ اچھا اب کچھ عربی کتابوں کے نام بھی سناؤ مگر تمہارا جی تو نہیں گھبرائے گا۔

حسینی بیگم۔ نہیں گھبراؤں گی کیوں۔ اور ابھی تو صرف پونے دس بجے ہیں۔ کتنی لمبی رات پڑی ہوئی ہے۔ عربی میں بہت سے فنون ہیں مثلاً۔ (الف) مناقب (ب) رجال وطبقات (ج) تاریخ (د) ادب (ہ) لغتہ (و) عقائد (ز) حدیث (ح) تفسیر قرآن مجید میں ہر فن سے چند کتابوں کا پتا بتاتی ہوں (الف) مناقب کی کتابوں میں علامہ ابن حجر مکی نے شیعوں کے خلاف ایک بڑی زبردست کتاب لکھی ہے جس کا نام صواعق محرقہ (جلا دینے والی بجلیاں) ہے اسمیں صفحہ ۱۱۵ سے ۱۱۷ تک حضرت رسولخدا صلعم کی بکثرت وہ حدیثیں لکھی ہیں جنمیں حضرت نے امام حسینؑ کی شہادت کی پیشین گوئی کی ہے۔ پھر صفحہ ۱۱۹ تک حضرت کی شہادت اور اہلبیت کی اسیری کو تفصیل سے ذکر کیا ہے پھر صفحہ ۱۳۲ سے صفحہ ۱۳۵ تک یزید کے کفر اور اس پر لعنت کے جائز ہونے کو مفصل لکھا ہے اس وجہ سے کہ اس نے امام حسینؑ کو شہید کیا۔ انھیں علامہ ابن حجر مکی کی دوسری کتاب تطہیر الجنان ہے جو حضرت معویہ کے فضائل میں ہے اسمیں بھی صفحہ ۱۳ وغیرہ پر امام حسینؑ کے کربلا میں شہید ہونے کو لکھا ہے۔ اور جناب سید ابوبکر بن شہاب الدین علوی نے بھی اس واقعہ کو کئی جگہ لکھا ہے (دیکھو انکی کتاب رشفتہ الصادی مطبوعہ مصر صفحہ ۱۶۳ و ۱۶۴ و ۱۶۵ وغیرہ) اور شیخ عبداللہ بن محمد بن عامر شبراوی علیہ الرحمہ نے بھی واقعہ شہادت کو تفصیل سے لکھا ہے (دیکھو انکی کتاب الاتحاف مطبوعہ صفحہ ۱۱ تا صفحہ ۲۵) اور جناب علامہ الشیخ یوسف بن اسمعیل نبہانی نے بھی اس واقعہ کو پورے طور پر لکھا ہے (دیکھو انکی کتاب الشرف المؤبد مطبوعہ مصر صفحہ ۶۴ تا صفحہ) اور علامہ محمد بن طلحہ شافعی نے بھی اس واقعہ کو تفصیل سے لکھا ہے (دیکھو انکی کتاب مطالب السؤل مطبوعہ لکھنؤ صفحہ ۲۴۳ تا صفحہ ۲۶۱) اور علامہ یوسف سبط ابن الجوزی علیہ الرحمہ نے بھی اس واقعہ کو بہت بسط سے لکھا ہے (دیکھو انکی کتاب تذکرہ خواص الامہ مطبوعہ ایران صفحہ ۱۳۳ تا صفحہ ۱۵۹) اور علامہ الشیخ سلیمان قندوزی نے بھی اس

واقعہ کو پوری شرح سے لکھا ہے (دیکھو انکی کتاب ینابیع المودۃ مطبوعہ بمبئی صفحہ ۲۳۳ تا صفحہ ۲۹۹) اور علامہ محمد صبان رحمۃ اللہ علیہ نے بھی اس واقعہ کو تفصیل سے لکھا ہے (دیکھو انکی کتاب اسعاف الراغبین برحاشیہ نور الابصار مطبوعہ مصر صفحہ ۱۸۷ تا صفحہ ۱۹۹) اور علامہ شیخ شبلنجی نے بھی اس واقعہ کو شرح و بسط سے تحریر فرمایا ہے (دیکھو انکی کتاب نور الابصار مطبوعہ مصر صفحہ ۱۲۷ تا ۱۳۳) اور جناب خاتم المحدثین مولانا شاہ عبدالعزیز صاحب دہلوی رضی اللہ عنہ نے تو اس واقعہ کے متعلق ایک مستقل کتاب ہی لکھی ہے جسکا نام ہے سر الشہادتین جو لکھنؤ۔ دہلی تمام چھپی ہے۔ اسی طرح ہزاروں کتابیں ہیں۔ میں ہر فن کی دو دو چار چار کتابوں کا نام بتا دیتی ہوں (ب) اب رجال اور طبقات کی کتابیں دیکھو۔ علامہ ابن عبدالبر اندلسی نے اپنی کتاب استیعاب مطبوعہ مصر و حیدر آباد دکن میں۔ علامہ ابن اثیر جزری نے اپنی کتاب اسد الغابہ میں۔ علامہ ابن حجر عسقلانی نے اپنی کتاب الاصابہ مطبوعہ مصر میں۔ علامہ شیخ عبدالحق صاحب محدث دہلوی نے اپنی کتاب اسماء الرجال مشکوۃ میں۔ علامہ ابن سعد نے اپنی کتاب طبقات ابن سعد مطبوعہ یورپ میں اور بھی بکثرت علماء رجال نے اپنی کتابوں میں مفصلاً ان حالات کو جمع کیا ہے اور یہ وہ معتبر کتابیں ہیں جنمیں حضرات صحابہ کرام کے مفصل حالات بھی مرقوم ہیں۔ اگر واقعہ شہادت کربلا کے متعلق کوئی شک کیا جائیگا تو پھر کسی صحابی حتیٰ کہ حضرت ابوبکر و حضرت عمر رضی اللہ عنہما وغیرہ کا وجود بھی ثابت نہیں ہو سکیگا (ج) اب تاریخ کی کتابوں کو دیکھو تو ان کا شمار بھی دشوار ہے۔ مثلاً علامہ ابن شحنہ نے تاریخ روضۃ المناظر مطبوعہ مصر برحاشیہ تاریخ کامل میں۔ علامہ ابو الفداء نے اپنی تاریخ میں۔ علامہ ابن قتیبہ نے کتاب الامامۃ والسیاسۃ مطبوعہ مصر میں۔ علامہ ابن قتیبہ نے کتاب المعارف مطبوعہ مصر میں۔ علامہ ابن اثیر جزری نے تاریخ کامل مطبوعہ مصر میں۔ علامہ طبری نے اپنی تاریخ مطبوعہ لیڈن و مصر میں۔ علامہ مقریزی

نے اپنی تاریخ الخطط والآثار مطبوعہ مصر میں۔ علامہ دیار بکری نے تاریخ خمیس مطبوعہ مصر میں۔ علامہ ابن خلکان نے تاریخ وفیات الاعیان میں۔ علامہ مسعودی نے تاریخ مروج الذہب مطبوعہ مصر میں۔ علامہ ابوحنیفہ دینوری نے تاریخ الاخبار الطوال مطبوعہ مصر میں۔ علامہ طقطقی نے اپنی تاریخ الفخری مطبوعہ مصر میں۔ علامہ جلال الدین سیوطی نے اپنی تاریخ الخلفاء میں۔ علامہ ذہبی نے اپنی تاریخ دول اسلام مطبوعہ حیدر آباد میں۔ علامہ یافعی نے اپنی تاریخ مرآۃ الجنان مطبوعہ حیدر آباد میں علامہ قرمانی نے اپنی تاریخ اخبار الدول مطبوعہ بغداد شریف میں۔ علامہ جرجی زیدان مصری نے اپنی تاریخ تمدن اسلام مطبوعہ مصر میں۔ علامہ ابن عبری نے تاریخ مختصر الدول میں۔ علامہ یاقوت حموی نے کتاب معجم البلدان مطبوعہ مصر میں علامہ ابو الفرج اصفہانی نے کتاب مقاتل الطالبین میں۔ اسی طرح بے حد و حساب مورخین نے اپنی تاریخوں میں پوری جامعیت سے ان واقعات کو لکھا ہے (د) کتب ادب میں دیوان حماسہ۔ مجانی الادب مطبوعہ بیروت۔ حیوۃ الحیوان علامہ دمیری مطبوعہ مصر سر لیشی شرح مقامات حریری مطبوعہ مصر۔ کتاب ثمرۃ الاوراق مطبوعہ مصر۔ کتاب اغانی مطبوعہ مصر وغیرہ میں بھی واقعہ کربلا کو مختلف صورتوں سے لکھدیا ہے (ہ) کتب لغت میں بھی جس لغت کو چاہو دیکھ لو۔ مثلاً صراح۔ صحاح جوہری قاموس منتہی الارب۔ منجد۔ لسان العرب۔ تاج العروس۔ اقرب الموارد۔ سب میں مختلف الفاظ مثلاً عاشوراء۔ کربلا وغیرہ کے بیان میں اس واقعہ کو لکھدیا ہے۔ یہ واقعہ اسلام میں ایسی سخت ہیبت اور شدید تلاطم پیدا کرنے والا گزرا ہے کہ بنی امیہ میں یزید کے بعد جو خلیفہ گزرے ہیں وہ بھی اسکے تصور سے لرزتے رہتے تھے۔ چنانچہ علامہ ابن عبد ربہ اندلسی نے لکھا ہے کہ کتب عبد الملک بن مروان الی الحجاج بن یوسف جنبنی دماء اہل هذا البیت فانی رأیت بنی حرب سلبوا

ملکھم لما قتلوا الحسین یعنی خلیفہ عبدالملک بن مروان نے اپنے گورنر حجاج کو لکھا کہ اس خاندان رسولؐ کے اہلبیتؑ کے خون سے مجھے بچا رکھو کیونکہ بنی امیہ کو ہم نے دیکھا کہ امام حسینؑ کو قتل کر کے انھوں نے اپنی سلطنت کھو ڈالی (عقد فرید مطبوعہ مصر) اور اسی خاندان کے ایک اور خلیفہ عمر بن عبدالعزیز کے بارے میں لکھا ہے کہ انہ قال لو کنت من قتلۃ الحسین وغفر اللہ لی وادخلنی الجنۃ لما دخلتھا حیاءً من رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم یعنی وہ کہتے تھے کہ اگر میں بھی امام حسینؑ کے قاتلوں سے ہوتا اور خدا میرا گناہ بخشتا پھر مجھے بہشت میں داخل بھی کر دیتا تو میں حضرت رسولخدا صلعم کے شرم سے (کہ حضرتؐ کے فرزند کو قتل کر کے حضرتؐ کو منہ کیسے دکھاؤں) بہشت میں جاتا ہی نہیں (تاریخ ابن خلکان ج ۲ ص ۵۷)

مولوی صاحب۔ یہ بات تو کسی اور بزرگ نے بھی کہی تھی۔

حسینی بیگم۔ بہت سے حضرات نے کہی ہے۔ حضرت ابراہیم نخعی بھی فرماتے تھے لو کنت ممن قاتل الحسین ثم ادخلت الجنۃ لاستحییت ان انظر الی وجہ المصطفے صلے اللہ علیہ وسلم یعنی اگر میں بھی امام حسینؑ کے ساتھ لڑے ہوتا پھر بہشت میں داخل بھی کر دیا جاتا تو اس بات سے شرماتا کہ حضرت رسولخدا صلعم کا سامنا کیسے کروں (اسعاف الراغبین ص ۱۹۳ وغیرہ)

حسینی بیگم۔ (د) اب عقائد کی کتابیں دیکھو شرح عقائد نسفی۔ شرح مقاصد شرح مواقف۔ شرح عقائد عضدیہ۔ شرح فقہ اکبر۔ بغیۃ الرائد وغیرہ اس میں زیادہ مشہور ہیں۔ ان سب میں یہ واقعہ موجود ہے۔

مولوی صاحب۔ ہاں میں نے بھی عقائد کی جو کتابیں پڑھیں انہیں اسی کا ذکر دیکھا ہے

حسینی بیگم۔ اور حضرت غوث اعظم شیخ عبدالقادر جیلانی علیہ الرحمہ نے بھی لکھا ہے یوم عاشورا ان الحسین بن علی رضی اللہ تعالی عنہما قتل فیہ یعنی حضرت امام حسین علیہ السلام روز عاشورا کو شہید کئے گئے (غنیۃ الطالبین ص ۱۲۳) اس سے زبردست گواہی اور کس کی چاہئیے ہو

بیسواں باب ۲۰

مشہور کتب حدیث خصوصاً صحیح بخاری و مشکوٰۃ شریف وغیرہ میں واقعہ کربلا کا ذکر خوارق کی عظمت

مولوی صاحب۔ ہاں عقائد کی ان کتابوں میں یہ واقعہ مرقوم ہے۔ مگر ہم لوگ تو حدیث شریف کی کتابوں کو زیادہ مانتے ہیں۔ ان میں کہاں کہاں اس کا ذکر ہے خصوصاً صحیح بخاری شریف اور مشکوٰۃ شریف میں ہو تو بتاؤ۔

حسینی بیگم۔ کیا تمہارا خیال ہے کہ حدیث کی کتابوں خاص کر بخاری شریف۔ مشکوٰۃ شریف میں اس کا ذکر نہیں ہوگا۔

مولوی صاحب۔ نہیں یہ دعوٰے تو میں نہیں کر سکتا۔

حسینی بیگم۔ سنو۔ جناب مولانا شاہ محمد سلیمان صاحب پھلواروی دام برکاتہ نے تحریر فرمایا ہے "افسوس مرزا (حیرت) صاحب نے ان (جنگ جمل وصفین وغیرہ) تاریخی مسلم الثبوت واقعات سے انکار کرکے نہ صرف تمامی تواریخ و سیر سے بلکہ بہتیری صحیح اور معتبر روایات و احادیث صحاح وسنن وغیرہ سے بھی انکار کیا ہے۔ کیونکہ قطع نظر اس کے کہ تمام کتب تواریخ و سیر ان واقعات کی صحت پر متفق ہیں۔ صحیح بخاری و صحیح مسلم و سنن ترمذی و مسند امام احمد وغیرہ وغیرہ تمام کتب احادیث میں ان کے متعلق روایات صحیحہ اور اس بارے میں آنحضرت صلعم کی پیشین گوئیاں موجود ہیں" (رسالہ شہادت حسین صلا)۔ مولانا ممدوح ہی نے یہ بھی تحریر فرمایا ہے "مستدرک حاکم۔ ابو عبداللہ محمد بن عبداللہ مشہور بحاکم جو کبار محدثین سے گذرے ہیں اور اپنے وقت میں امام اہل حدیث تھے اونکی کتاب مستدرک جو بہت ہی مشہور کتاب ہے۔ اس میں شہادت امام حسین علیہ السلام کے متعلق بہتیری احادیث و روایات موجود ہیں جنہیں اکثر وہی ہیں جن کا اوپر مذکور ہوا لہٰذا ان کے اعادہ کی ضرورت نہیں" (رسالہ شہادۃ حسین صـ ۳۲) اور احادیث کے بڑے ذخیرہ کنز العمال میں ایک باب ہی لکھا ہے جسکی سرخی ہے قتل الحسین صـ ۱۱۰

عنہ جس میں احدشیں لکھی ہیں کہ امام حسینؑ شہید ہوئے (کنز العمال ج ۷ ص۱۱۱) اور
مسند احمد بن حنبل جو ہمارے ہاں کے صحاح ستہ کا ماخذ ہے اس میں بھی قصہ کی کئی روایتیں موجود
ہیں مثلاً شہر بن حوشب قال سمعت ام سلمة زوج النبی صلی اللہ علیہ وسلم حین
جاء نعی الحسین بن علی لعنت اهل العراق فقالت قتلوہ قتلهم الله غرّوه وذلّوه لعنهم الله
یعنی شہر بن حوشب کہتے تھے کہ جب امام حسین علیہ السلام کے شہید ہو جانے کی
خبر مدینہ میں آئی تو میں نے سنا کہ جناب (رسولخدا صلعم کی زوجہ محترمہ) ام سلمہ
بیان فرمانے لگیں اہل عراق نے امام حسینؑ کو قتل کر دیا خدا ان سب کو قتل کرے۔
ان لوگوں نے حسینؑ کو دھوکہ دیا اور ان کی ذلت و توہین کی۔ ان لوگوں پر خدا کی
لعنت ہو (مسند احمد بن حنبل ج ۶ ص۲۹۸)۔ اس کتاب کی ایک اور حدیث سن لو۔
عن ابن عباس انه قال رایت النبی فی ما یری النائم بنصف النهار وهو قائم
اشعث اغبر بیدہ قارورة فیها دم فقلت بابی انت وامی یا رسول الله ما هذا؟ قال
هذا دم الحسین واصحابه لم ازل التقطه منذ الیوم فاحصینا ذلك الیوم فوجدناه
قتل فی ذلك الیوم یعنی حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما فرماتے تھے کہ ایک دن دوپہر
کو میں نے حضرت رسولخدا صلعم کو خواب میں دیکھا کہ آپ کھڑے ہیں۔ آپ کے بال بہت
پریشان ہیں اور اس پر گرد و غبار پڑا ہے اور حضرت کے دست مبارک میں ایک شیشی
ہے جس میں خون بھرا ہے۔ میں نے عرض کی میرے ماں باپ حضور پر فدا ہو جائیں
اے رسولخدا صلعم یہ حضور کے ہاتھ میں کیا ہے؟ فرمایا یہ میرے فرزند حسینؑ کا اور انکے
ساتھیوں کا خون ہے جس کو میں آج برابر اٹھاتا رہا ہوں۔ میں نے اس دن کو یاد رکھا۔
(جب امام حسینؑ کی شہادت کی خبر آئی اور اس دن تاریخ سے اسکو ملایا) تو معلوم ہوا کہ واقعا حضرت اسی روز
شہید ہو گئے تھے (مسند احمد بن حنبل مصر جلد ا ص۲۸۳) اگر چہ یہ قدیمی کتاب ہے اور روایتیں پڑھوں۔
یہ روایت امام بیہقی کی دلائل النبوۃ میں بھی ہے اور مشکوۃ شریف میں بھی ہے (مشکوۃ جلد ۸ ص۱۴۳)
مولوی صاحب۔ نہیں اسکی یہی دو روایتیں کافی ہیں۔

حسینی بیگم۔ اور صحاح ستہ میں سنن ترمذی بھی ہے۔ اسکے متعلق جناب مولانا شاہ سلیمان صاحب نے لکھا ہے" جامع صحیح ترمذی میں واقعہ شہادۃ امام حسین علیہ السلام کے متعلق چند احادیث و واقعات ہیں۔ ایک حدیث عبداللہ بن عمر کی کسی عراقی کے حالت احرام میں قتل ذباب (ترمذی کا لفظ بجائے قتل ذباب کے دم بعوض ہے) کے بارے میں دریافت کرنے اور ان کے جواب دینے کی کہ اہل عراق ایک مکھی یا مچھر مارنے کی بابت سوال کرتے ہیں اور بنی منعم کے نواسے کو قتل کر ڈالا جس کو بخاری نے بھی روایت کیا ہے اور اس حدیث کو صاحب سنن ترمذی نے ہذا حدیث صحیح کہا ہے (ترمذی ص ۱۳۹)۔ دوسری روایت حضرت انس رض کی ہے کہ سر امام ابن زیاد کے دربار میں لایا گیا اور اس نے بے ادبی کی اور انس سے رہا نہ گیا اور بول اٹھے کہ یہ رسول خدا سے بہت مشابہ تھے۔ اسے بھی بخاری نے روایت کیا ہے اور اس حدیث کو امام ترمذی نے هذا حدیث حسن صحیح غریب لکھا ہے (ترمذی شریف ص ۲۲۱) تیسری روایت حضرت ام سلمہ رض کا خواب ہے ترمذی شریف ص ۲۲۹ باب مناقب الحسن والحسین ملاحظہ ہو

حدثنا ابو سعید الاشج نا ابو خالد الاحمر نا رزین قال حدثتنی سلمی قالت دخلت علی ام سلمہ وھی تبکی فقلت ما یبکیک - قالت رأیت رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم تعنی فی المنام وعلی رأسه ولحیته التراب فقلت مالک یا رسول اللہ قال شہدت قتل الحسین آنفا یعنی سلمٰی کہتی ہیں کہ میں حضرت ام سلمہ کے پاس گئی تو دیکھا کہ وہ رو رہی ہیں۔ میں نے پوچھا کہ آپ کیوں روتی ہیں۔ فرمایا کہ ابھی خواب میں میں نے رسول خدا صلے اللہ علیہ وسلم کو دیکھا ہے کہ آپ کے سر مبارک اور ریش مبارک غبار آلود ہیں۔ میں نے عرض کیا یا رسول اللہ یہ کیا ماجرا ہے؟ حضور صلعم نے فرمایا کہ ابھی میں حسین کے مقتل میں گیا تھا۔ اس حدیث پر مرزا حیرت صاحب کرزن گزٹ مطبوعہ ۵ دسمبر ۱۹۰۵ء ص ۴ کالم ۲ میں یوں جرح کرتے ہیں کہ اس کے بعد ایک صحابی کا خواب بیان ہوا ہے جس نے شہادۃ کے وقت مدینہ میں

دیکھا تھا مگر چونکہ شریعت نے خواب کو کوئی وقعت نہیں دی۔ اس لئے ہم اس پر بحث نہیں کرتے۔ بس چھٹی ہوئی" (رسالہ شہادۃ حسین ص ۱۱)

مولوی صاحب۔ واقعا مرزا حیرت صاحب نے سچ لکھا تھا۔ اسلامی شریعت نے تو خواب کو کوئی وقعت نہیں دی ہے۔

حسینی بیگم۔ میری سمجھ میں نہیں آتا کہ تم نے کیا پڑھا ہے اور اب تک کس طرح حدیث کا کام کرتے ہو۔ اسلام نے تو خواب کو اتنی وقعت دی ہے کہ بخاری شریف میں ہے باب رؤیا الصالحین وقولہ لقد صدق اللہ رسولہ الرؤیا بالحق یعنی اچھے لوگوں کے خواب کے بیان میں اور اللہ کے اس قول کے مطلب میں کہ اللہ نے اپنے رسولؐ کے سچے خواب کو سچ کر دکھایا (صحیح بخاری پ ۲۸ ص ۳۷) اسلام نے تو خواب کو اتنی وقعت دی ہے کہ عن انس بن مالکؓ ان رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم قال الرؤیا الحسنۃ عن الرجل الصالح جزء من ستۃ واربعین جزء من النبوۃ یعنی حضرت انس بن مالک بیان کرتے تھے کہ حضرت رسولخدا صلعم نے فرمایا ہے کہ اچھے شخص کا اچھا خواب نبوت کے ۴۶ جزو سے ایک جزو ہے (صحیح بخاری پ ۲۸ ص ۳۸)۔ جناب مولانا شاہ سلیمان صاحب پھلواروی نے تحریر فرمایا ہے" ناظرین رسولخدا صلے اللہ علیہ وآلہ وسلم نے خواب کی نسبت فرمایا ہے جزء من اجزاء النبوۃ مگر مرزا صاحب اس کو بے وقعت و بے اصل بتاتے ہیں۔ خواب اگر بالکل بے اصل و بے وقعت چیز ہوتی تو سیدنا یوسف علیہ السلام کو تعبیر کا فن کیوں عنایت ہوتا اور سیدنا ابراہیم علیہ السلام کا خواب کیوں قرآن میں مذکور ہوتا اور ہمارے حضور صلے اللہ علیہ وآلہ وسلم کے اقوال میں یہ کیوں لکھا جاتا کہ اول ما بدء بہ من الوحی الرؤیا الصادقۃ سبحان اللہ ام المومنین کا خواب اور خواب میں بھی سرور کائنات (علیہ وعلے آلہ واصحابہ وازواجہ الف الف صلوات و تحیات) کو دیکھنا اور پھر ان کا اس خواب کے واقعہ کی تصدیق کر کے اس پر گریہ وزاری کرنا کیا یہ معمولی اور بے وقعت شے ہو سکتی ہے؟ حاشا وکلا! مرزا حیرت

صاحب خود فرماتے ہیں اور اپنے رویائے صادقہ کا ذکر کرتے ہیں کہ حضور انور کی پاک
زیارت نے ہمارا سینہ نور خدا کے لئے کشادہ کر دیا ہے بہت سے باری تعالیٰ کے راز
ہم پر منکشف ہو گئے ہیں الخ (ملاحظہ ہو کرزن گزٹ مورخہ یکم ستمبر ۱۹۰۵ء صفحہ ۳ کالم سوم)
میرے ناظرین اور اخوان! آپ اندازہ کر سکتے ہونگے کہ مرزا حیرت صاحب حضرت ام المومنین
بی بی ام سلمہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا کے خواب کو تو یوں بے وقعت ٹھہرائیں اور اپنے خواب و
زیارت کو اتنا اعلیٰ بتائیں کہ نور سے ان کا سینہ معمور ہو جاوے اور خدا کی طرف
سے تیرہ سو برس کی غلطی ظاہر کرنے پر مامور ہوں۔ کیا یہ خبط اور سخت شوخی و بیباکی
نہیں ہے؟ ہے اور ضرور ہے! واضح ہو کہ حضرت ام سلمہؓ اس خواب میں منفرد نہیں بلکہ حضرت
عبد اللہ ابن عباس نے بھی مکہ میں ایسا ہی خواب دیکھا تھا اور جس وقت انھوں نے دیکھا
تھا جب شہادت کی خبر آئی تو ٹھیک ہی یوم و وقت تھا جیسا کہ مسند امام احمد میں یہ حدیث
منقول ہے ... اب غور کرنا چاہئے کہ جب خواب اصل واقعہ کے ساتھ منطبق ہو گیا اور جیسا کہ
دیکھا تھا ویسا ہی ظہور میں آیا تو پھر وہ خواب کیونکر بے وقعت ہو سکتا ہے؟ یہ خواب کوئی
معمولی خواب نہ تھا۔ یہ ایک ایسا مبشر درست اور سچا خواب تھا کہ جیسا واقعہ منطبق ہو گیا
اور جو دیکھا تھا ظاہر ہوا تو لوگ حضرت ام سلمہ کے پاس امام حسین علیہ السلام کی تعزیت کو آنے
لگے۔ چنانچہ معجم صغیر طبرانی صفحہ ۱۳۱ میں مروی ہے۔ حدثنا احمد بن مجاهد الاصفهانی
قال ثنا عبد الله بن عمر بن ابان ثنا زاهر بن سلیمان عن طعمة بن عمرو الجعفری عن
ابی الجحاف داؤد بن ابی عوف عن شهر بن حوشب قال اتیت ام سلمة اعزيها
على الحسين بن علی فقالت الخ یعنی شہر بن حوشب کہتے ہیں کہ جب امام حسین ع
کی شہادت کی خبر ملی تو میں حضرت ام سلمہ کے پاس امام حسینؑ کی تعزیت کے لئے
گیا تو آپ نے ان کے مناقب بیان فرمائے۔
تو بھلا ایسے سچے اور مبشر خواب کو بے اعتبار بتانا کون سی انسانیت اور کون سی
عقل و دانش ہے؟ جو شخص ایسے روحانی بزرگوں کے خواب کو بے وقعت بتائے اور

پھر اپنے خواب کو باقعت بتائے وہ ضرور نکبت میں گرفتار رہتا ہے جیسا کہ اسی حدیث پر جرح کرنے میں مرزا صاحب کو نوبت آئی۔ آپ نے صحاح ستہ کی احادیث شہادۃ کے متعلق یوں لکھا ہے کہ " اسکے بعد ایک صحابی کا خواب بیان ہوا ہے جس نے شہادہ کے وقت مدینہ میں دیکھا تھا" حالانکہ یہ خواب کسی صحابی کا نہیں بلکہ حضرت ام سلمہ کا ہے اور اگر مرزا صاحب یوں کہیں کہ ہم نے ابن عباسؓ کا خواب یہاں پر بیان کیا ہے تو یہ ممکن نہیں اس لئے کہ حضرت ابن عباسؓ اس وقت مدینہ میں نہ تھے بلکہ مکہ معظمہ میں تھے اور وہیں یہ خواب دیکھا تھا اور آپ فرماتے ہیں کہ ایک صحابی کا خواب بیان ہوا ہے جس نے شہادت کے وقت مدینہ میں دیکھا تھا۔ یہ ہے مرزا صاحب کی قابلیت کا اندکے از بسیار" (رسالہ شہادت حسین ص۱۹)

مولوی صاحب۔ اچھا مشکوۃ شریف کی عبارت پڑھو۔

حسینی بیگم۔ اس سے ایک روایت تو اوپر بیان کر چکی جو مسند احمد بن حنبل میں ہے وہ دلائل النبوۃ اور مشکوۃ شریف میں بھی ہے کہ حضرت ابن عباسؓ نے حضرت رسولخدا صلعم کو خواب میں دیکھا کہ بال پریشان کئے اور چہرۂ انور پر گرد و غبار ڈالے ہاتھ میں ایک شیشی لئے ہیں جس میں خون ہے۔ دوسری روایت یہ ہے:۔

عن انس قال اتی عبید اللہ بن زیاد براس الحسین فجعل فی طست فجعل ینکت وقال فی حسنہ شیئا قال انس فقلت واللہ انہ کان اشبہھم برسول اللہ وکان مخضوبا بالوسمۃ رواہ البخاری وفی روایۃ الترمذی قال کنت عند ابن زیاد فجیئی براس الحسین فجعل یضرب بقضیب فی انفہ ویقول مارأیت مثل ھذا حسنا فقلت اما انہ کان من اشبہھم برسول اللہ وقال ھذا حدیث صحیح یعنی انسؓ کہتے تھے کہ ابن زیاد کے پاس امام حسینؑ کا سر کاٹ کر لایا گیا جو ایک طشت میں رکھا گیا تو وہ شقی اس سر مبارک کو ایک چھڑی سے چھیڑتا تھا اور آپ کی خوبصورتی کے بارے میں کچھ کہتا تھا۔ انس

کہتے تھے کہ یہ دیکھ کر میں نے کہا خدا کی قسم سب لوگوں سے زیادہ امام حسینؑ ہی حضرت رسولخدا صلعم کے مشابہ تھے اور آپ وسمہ کا خضاب لگاتے تھے۔ امام بخاریؒ نے اسکی روایت کی ہے اور ترمذی کی روایت میں یوں آیا ہے کہ انس کہتے تھے کہ میں ابن زیاد کے پاس موجود تھا تو امام حسینؑ کا سر وہاں لایا گیا تو وہ شقی ایک چھڑی سے اس سر پر آپکی ناک میں مارتا تھا اور کہتا تھا کہ میں نے ایسا خوبصورت چہرہ تو آج تک دیکھا ہی نہیں ہے۔ اس پر میں بول پڑا اے ابن زیاد تجھے نہیں معلوم کہ حضرت امام حسینؑ سب لوگوں سے زیادہ حضرت رسولخدا صلعم سے مشابہ تھے۔ یہ حدیث صحیح ہے (مشکوٰۃ شریف ج ۲ ص ۱۳ مطبوعہ لاہور)

مولوی صاحب۔ ہاں ٹھیک ہے۔ اب بخاری شریف کی عبارت بھی پڑھ دو۔

حسینی بیگم۔ مرزا حیرت صاحب دہلوی کے جواب میں مولانا شاہ محمد سلیمان صاحب پھلواروی نے اس کو کچھ توضیح سے لکھا ہو۔ میں انھیں کی کتاب سے پڑھ دیتی ہوں۔ تحریر فرمایا ہے مرزا حیرت صاحب ایک جگہ کرزن گزٹ میں اسکو تسلیم کرتے ہیں کہ صحاح ستہ اہلسنت کے نزدیک معتبر کتابیں ہیں اور بخاری سب سے زیادہ معتبر۔ پھر آپ نے دعوے کیا کہ بخاری میں کوئی حدیث متعلق شہادت حضرت امام حسین علیہ السلام نہیں ہے۔ پھر حضرت انس کی حدیث سے جو ثبوت ملتا تھا اس لئے اس روایت کو آپ نے سراپا لغو اور بالکل مہمل بتایا۔ اور دوسری روایت جو صحیح بخاری میں حضرت عبد اللہ ابن عمرؓ کی جو مثبت و مشعر شہادت ہے اس سے قصداً اغماض کیا۔ وہ روایت یہ ہے۔ بخاری شریف جلد اول باب مناقب الحسنؑ والحسینؑ ملاحظہ ہو:۔ حدثنا محمد بن بشار قال حدثنا غندر ثنا شعبہ عن محمد بن ابی یعقوب سمعت ابن ابی نعم قال سمعت عبد اللہ بن عمر وسئلہ رجل عن المحرم قال شعبہ۔ احسبہ یقتل الذباب فقال اھل العراق یسئلون عن قتل الذباب وقد قتلوا ابن بنت رسول اللہ صلعم وقال النبی ھما ریحانتای من الدنیا۔ یعنی حضرت عبد اللہ بن عمرؓ

رضی اللہ عنہما سے کسی عراقی نے حالت احرام میں قتل ذباب کی نسبت پوچھا۔ تو آپ نے فرمایا کہ اہل عراق قتل ذباب کا تو مجھ سے مسئلہ پوچھتے ہیں اور رسولخدا صلے اللہ علیہ وسلم کے نواسہ کو قتل کر ڈالا ۔ حالانکہ رسولخدا صلعم نے فرمایا تھا یہ دونوں (حسن اور حسین) دنیا میں میرے دو پھول ہیں" ۔ قتل ابن بنت رسول اللہ امام حسینؑ کی شہادت کیطرف اشارہ ہے ۔ کیونکہ عراق کا واقعہ اور حدیث ھما ریحانتای من الدنیا اس بات کو صاف بتا رہی ہے .... اب میں صحیح بخاری سے اصل حدیث کو نقل کرتا ہوں بخاری شریف جلد اول مطبوعہ مجتبائی باب مناقب الحسن والحسین صـ۵۳ میں ہے ...

عن انس بن مالکؓ قال اتی عبید اللہ بن زیاد براس الحسین فجعل فی طست فجعل ینکت فقال فی حسنہ شیئا فقال انس کان اشبھھم برسول اللہ وکان مخضوبا بالوسمۃ یعنی حضرت انسؓ سے مروی ہے کہ ابن زیاد کے پاس امام حسینؑ کا سر مبارک ایک طشت میں رکھ کے لایا گیا تو ابن زیاد اسکو ٹھکرانے لگا اور جناب سید الشہداء کے حسن کے بارے میں کچھ بولا ۔ حضرت انس نے فرمایا ۔ " رسول اللہ صلعم سے بہت مشابہ تھے اور اس سر مبارک میں وسمہ کا خضاب لگا ہوا تھا" (رسالہ شہادت حسینؑ صـ۱۶) صحیح بخاری کی ان دونوں روایتوں سے ثابت ہوا کہ حضرت عبد اللہ بن عمر سے عراق والوں نے مسئلہ پوچھا تو انہوں نے جواب دیا کہ ان لوگوں نے امام حسینؑ کو تو قتل کر دیا اور مسئلہ پوچھتے ہیں مکھی کے قتل کرنے کا ۔ اور ابن زیاد کے پاس امام حسینؑ کا سر لایا گیا ۔ طشت میں رکھا گیا ۔ ابن زیاد اس پر چھڑی مارتا تھا اور انس اس سر کی تعریف کرتے تھے ۔ کیا اب بھی کوئی شخص اس واقعہ کے بارے میں کچھ شک کر سکتا ہے؟ کیونکہ پہلی روایت میں حضرت عبد اللہ بن عمر جو صحابی بھی تھے اور واقعہ کربلا کے وقت زندہ بھی تھے خود خبر دیتے ہیں کہ عراق والوں نے امام حسین علیہ السلام کو شہید کر دیا ۔ اور دوسری روایت میں حضرت انس جو صحابی تھے انھوں نے حضرتؑ کے سر کا ابن زیاد کے پاس لا کر رکھا جانا دیکھا اور بیان کیا ۔ اب باقی کون بات رہ گئی ۔

اکیسواں باب ۲۱

قرآن مجید میں شہادت امام حسین کا اشارہ۔ "ذبح عظیم" کی تحقیق

مولوی صاحب۔ واقعی تم نے اپنی حدیث دانی کا بھی پورا ثبوت دیدیا۔ تم ہر فن مولا ہو۔

حسینی بیگم۔ ابھی تو حدیث کی بہت سی کتابیں رہ گئیں۔ جیسے تیسیر الوصول جامع الاصول۔ صحیح بخاری کی شرحیں فتح الباری۔ عمدۃ القاری۔ ارشاد الساری تیسیر الباری وغیرہ اسی طرح مشکوٰۃ شریف کی شرحیں مرقاۃ۔ اشعۃ اللمعات وغیرہ۔ ٹھہرو میں ان سب کی عبارتیں بھی تم کو سنا دوں۔

مولوی صاحب۔ نہیں اب کسی کتاب حدیث کی ضرورت نہیں ہے۔ جب کنز العمال مشکوٰۃ شریف۔ ترمذی شریف۔ مسند احمد بن حنبل اور خاصکر بخاری شریف میں اس تصریح سے اس کو لکھدیا ہے تو بیکار کیوں وقت ضایع کیا جائے۔ ہاں قرآن مجید سے کوئی ثبوت دے سکتی ہو تو وہ البتہ نئی چیز ہوگی۔

حسینی بیگم۔ قرآن مجید تو حضرت رسولخدا صلعم کے زمانہ میں سنہ ۱۰ ہجری تک جو کچھ نازل ہونا تھا ہوچکا۔ اور امام حسین علیہ السلام سنہ ۶۱ ہجری میں شہید ہوئے تو قرآن میں اس کا ذکر کیونکر آتا۔

مولوی صاحب۔ مگر اشارہ تو ہو سکتا تھا۔

حسینی بیگم۔ اشارہ کی خوب کہی۔ حضرت عمر فاروق رضی اللہ عنہ ابولولوۃ کے ہاتھ سے قتل کیے گئے اس کا ذکر یا اشارہ قرآن شریف میں کہاں ہے حضرت عثمان رضی اللہ عنہ کی شہادت مسلمانوں ہی کے ہاتھ سے ہوئی اس کا اشارہ کہاں ہے۔ حضرت علی علیہ السلام ابن ملجم کے ہاتھ سے شہید ہوے اس کا اشارہ قرآن شریف نے کہاں کیا ہے۔ نہ ان باتوں کی ضرورت تھی نہ واقعہ کربلا کے

اشارہ کا کوئی ایسا کام تھا۔ مگر چند آیتیں ہیں جن کے صرف الفاظ و معانی پر غور کرو اور انصاف سے دیکھو تو سوا واقعہ کربلا کے وہ کسی پر چسپاں نہیں ہوسکتیں

مولوی صاحب۔ اے سبحان الداب آپ قرآن شریف میں بھی اچھا دخل رکھتی ہیں اچھا جناب مجتہد صاحب ارشاد تو فرمائیے کہ قرآن مجید کی کن آیتوں سے آپ واقعہ کربلا کی طرف اشارہ بتاتی ہیں۔

حسینی بیگم۔ بس رہنے دو۔ تمہاری نیت کا حال معلوم ہوگیا۔ میں اب نہیں بتانے کی تم خواہ مخواہ کی کج بحثی شروع کردو گے۔ میں اسکو پسند نہیں کرتی۔ نہیں ہے تو بھی اس سے بگڑتا کیا ہے۔

مولوی صاحب۔ لو تم روٹھنے لگیں۔ سچ بتاؤ تو کن آیتوں سے اشارہ نکالتی ہو۔

حسینی بیگم جی معاف کیجئے۔ جب تم پہلے ہی ہٹ دھرمی کرنے کو طیار ہو بیٹھے تو کچھ کہنا بیکار ہے۔ کیونکہ میں نے تو پہلے ہی کہدیا ہے کہ صرف ان آیتوں کے الفاظ اور معانی پر غور کرنے سے واقعہ کربلا کی طرف اشارہ معلوم ہوسکتا ہے کسی عالم کا قول یا کسی عبارت پیش کرنے کا دعویٰ میں نے نہیں کیا۔

مولوی صاحب۔ خیر معاف کرو۔ اب ان آیتوں کو جلد بتاؤ میں پریشان ہو رہا ہوں۔

حسینی بیگم۔ تیسویں پارے میں سورہ الفجر ہے جس میں خدا فرماتا ہے۔

بسم اللہ الرحمن الرحیم۔ والفجر ولیال عشر یعنی صبح کی قسم اور دس راتوں کی قسم۔ تم ہی بتاؤ کہ وہ کون سی صبح ہے اور کون راتیں ہوسکتی ہیں۔ جنکی قسم خدا کھاتا ہے جو دنیا کی ایسی ہی بے مثل و نظیر صبح بھی ہوگی اور راتیں بھی ہونگی جن کی عزت و حرمت خدا کے ہاں اس قدر ہے کہ وہ انکی قسم کھاتا ہے

مولوی صاحب۔ (اٹھتے ہوئے گئے اور شمس العلماء ڈپٹی نذیر احمد صاحب مرحوم دہلوی کی مترجم حمائل شریف اٹھا لائے اور کہا، دیکھو مولانا نذیر احمد صاحب

نے لکھا ہے "دس راتوں سے بقرعید کی دس راتیں مراد ہیں یا محرم کی یا عشرہ رمضان کی جس میں شب قدر ہوتی ہے"۔ (مطبوعہ لکھنؤ صفحہ ۹۴۵)

حسینی بیگم۔ (فوراً بغل کے تخت پر سجدۂ شکر بجا لاکر بولیں) خدا کا لاکھ لاکھ شکر کہ اس نے اس بحث کو بہت آسان کر دیا۔ اللہ تمہارا بھلا کرے کہ مولانا نذیر احمد صاحب کی عبارت تم ہی نے پڑھ دی۔ یہ حق کا زور ہے کہ تم نے وہ عبارت نکالی جس سے جیدمنٹ میں فیصلہ ہو جا سکتا ہے۔

مولوی صاحب۔ اس سے کیا مطلب۔ مولانا نذیر احمد صاحب کی عبارت سے کیسے فیصلہ ہو جائیگا۔

حسینی بیگم۔ ممدوح نے دس راتوں کی تفسیر میں تین احتمال لکھے ہیں (۱) بقرعید کی دس راتیں (۲) ماہ رمضان کی دس راتیں (۳) اگر عقل سے کام لیا جائے تو پہلے دونوں احتمال بالکل باطل بلکہ مضحکہ خیز خیال ثابت ہو جائیں۔ اس جگہ خدا ایک صبح اور دس راتوں کی قسم کھاتا ہے تو ضرور ہے کہ وہ ایک صبح اور دس راتیں ایسی نادر ہوں جنکی قسم کھائی جا سکے۔

مولوی صاحب۔ ہاں یہ تو ضروری ہے ورنہ قسم کھیل ہو جائیگی۔

حسینی بیگم۔ بس تو بتاؤ کہ بقرعید کی دس راتوں کو کیا خصوصیت ہے جس سے خدا انکی قسم کھاتا۔ آٹھویں۔ نویں۔ دسویں کی عزت معلوم ہے کہ حج کے کئی کام ان میں کئے جاتے ہیں اسی طرح بقرعید کی ۱۱۔۱۲۔۱۳ کی خصوصیت معلوم ہے کہ ایام تشریق ہیں مگر پہلی ذی الحجہ سے ساتویں ذی الحجہ تک میں کیا بات ہے جس سے خدا ان سب کی قسم کھاتا۔ یہ خدا کا کلام ہے بچوں کا کھیل نہیں کہ بغیر کسی وجہ یا سبب کے کوئی بات کر دے۔

مولوی صاحب۔ ہاں یہ بات تو صحیح ہے ان سب راتوں کی تو کوئی نمایاں خوبی معلوم نہیں ہوتی۔

حسینی بیگم۔ اور بقرعید یعنی دسویں ذی الحجہ کی فجر کی بھی کوئی خصوصیت نہیں

(۳) محرم کی دس راتیں

کیونکہ اس میں نماز عید چاشت کے وقت ہوتی ہے اور قربانی بھی اسی وقت کیجاتی
ہے بلکہ زیادہ تر نماز بقرعید کے بعد قربانی کیجاتی ہے۔ پھر اس روز کی فجر کی قسم
کیوں کھائی جائیگی۔ جیسی فجر ہر روز کی ہوتی ہے ویسی ہی بقرعید کی بھی۔ غرض
نہ بقرعید کی فجر اس قابل ہے کہ اسکی قسم کھائی جائے نہ اسکی دس راتیں اس لائق
ہیں کہ سب کو یہ عزت دیجائے اور خدا دس راتوں کی قسم کھاتا ہے تو سب میں کوئی وجہ
ہونی چاہیئے۔ اب دوسرے احتمال کو دیکھو کہ اس سے مراد ماہ رمضان کی آخری دس
راتیں ہیں۔ مگر ان راتوں میں بھی کوئی ایسی بات نہیں ہے جس سے خدا صرف انکی
قسم کھائے اور پہلی بیس راتوں کی قسم نہ کھائے۔ رہیں شب قدر تو انکی خصوصیت
خدا نے علحدہ لیلۃ القدر کے ذکر میں بیان کردی۔ اور پھر ان دس راتوں میں وہ
فجر کونسی کہی جائیگی جسکی قسم خدا نے کھائی۔ اسکو بھی تو بتانا چاہیئے۔

مولوی صاحب۔ کچھ سمجھ میں نہیں آتا کہ کیا پہیلی ہے۔

حسینی بیگم۔ نہیں پہیلی وہیلی تو کچھ نہیں ہے۔ صرف عقل کا پھیر ہے۔ خدا نے
صاف صاف محرم کی دسوں راتوں اور عاشورا کی صبح کی قسم کھائی ہے اور
اسکے سوا کوئی احتمال چسپاں نہیں ہو سکتا کیونکہ دسوں راتیں حضرت امام حسینؑ اور
آپکے اہلبیتؑ پر اس قیامت کی گزری ہیں جنکی مثال تاریخ دنیا پیش نہیں کر سکتی۔
اور پھر عاشورا کی فجر بھی ویسی ہی تھی کہ رات بھر لشکر امام حسینؑ عبادت خدا کرتا رہا
اور فجر ہوتے ہی دین اسلام کی حمایت میں جان دینے پر کمربستہ ہو گیا۔ نہ ویسی کبھی
صبح کبھی ہوئی نہ ویسی دس راتیں کبھی آئیں۔ بس جس طرح خدا نے آفتاب کی قسم کھا
کر وہ اپنی مثال نہیں رکھتا۔ اسی طرح خدا نے ۱۰ محرم سنہ ۶۱ ہجری کی فجر اور ان
راتوں کو ذکر دیا ہے۔ اب عقل والے خود طے کرلیں کہ وہ فجر اور وہ دس راتیں کون تھیں

مولوی صاحب۔ کس تفسیر میں ان دسوں راتوں سے محرم کی دسوں راتیں مراد لی ہیں۔

حسینی بیگم۔ تم نے خود ہی مولانا نذیر احمد صاحب دہلوی کی عبارت دیکھی
اور بڑے مفسرین نے بھی لکھا ہے۔ علامہ فخرالدین رازی نے لکھا ہے المراد فجر محرم

یعنی والفجر سے خدا کی مراد محرم کی صبح ہے (تفسیر کبیر جلد ۸ صفحہ ۵۵۷) علامہ سیوطی نے بھی
لکھا ہے "عن ابن عباس فی قولہ والفجر قال ھو المحرم یعنی حضرت ابن عباس
بیان کرتے تھے کہ خدا نے جس صبح کی قسم کھائی ہے وہ محرم کی صبح ہے (تفسیر در منثور
جلد ۶ صفحہ ۲۴۴) یہ ضرور ہے کہ ان مفسرین نے خاص ۱۰ محرم ۶۱ھ ہجری کی صبح
مراد نہیں لی ہے مگر عقل سے کام لیا جائے تو اسکے سوا کوئی صبح مراد نہیں ہو سکتی۔
اسی طرح دس راتوں کو بھی مفسرین نے محرم کی لکھی ہیں۔ علامہ فخر الدین رازی
نے لکھا ہے انھا عشر المحرم من اولہ الی آخرہ وھو تنبیہ علی شرف تلک الایام
وفیھا یوم عاشوراء یعنی یہ دس راتیں محرم کے پہلے عشرہ کی ہیں پہلی سے دسویں تک
اور خدا نے ان دسوں راتوں کی قسم اس لئے کھائی کہ لوگوں کو یاد رہے کہ یہ دس
دن اپنے شرف و بزرگی میں خاص درجہ رکھتے ہیں کیونکہ انھیں دنوں میں عاشوراء
بھی ہے (تفسیر کبیر جلد ۸ صفحہ ۵۵۷) اور محرم ہی کی دس راتوں اور عاشوراء کی
فجر مراد ہونے کی ایک اور دلیل یہ ہے کہ محرم سب مہینوں سے بہتر اور سب کا سردار ہے
چنانچہ آنحضرت صلعم نے فرمایا ہے سید الاشھر المحرم یعنی کل مہینوں کا سردار ماہ محرم
ہے (منتخب کنز العمال جلد ۴ صفحہ ۳۲۰) المحرم شھر اللہ تاب اللہ فیہ علی قوم
ویتوب فیہ علی قوم یعنی محرم خدا کا مہینہ ہے۔ پہلے بھی خدا اس مہینہ میں ایک قوم
کی توبہ قبول کر چکا ہے اور آیندہ بھی ایک قوم کی توبہ اس میں قبول کریگا۔ (منتخب
کنز العمال جلد ۵ صفحہ ۳۱۸) آنحضرت صلعم نے یہ بھی فرمایا ہے افضل الشھور المحرم
یعنی کل مہینوں سے افضل ماہ محرم ہے (منتخب کنز العمال جلد ۶ صفحہ ۳۵۰)

مولوی صاحب۔ ہاں ان باتوں سے تو دل یہی کہتا ہے کہ یہ دس راتیں
محرم ہی کی پہلی سے دسویں تک ہیں اور یہ فجر عاشوراء ہی کی فجر ہے۔

حسینی بیگم۔ قرآن مجید کی دوسری آیت دیکھو جس میں واقعہ کربلا کی طرف
اشارہ ہے ومن عاقب بمثل ما عوقب بہ ثم بغی علیہ لینصرنہ اللہ
یعنی جس شخص نے دشمن کو اتنا ہی ستایا جتنا خود (اس دشمن سے) ستایا گیا تھا۔

پھر دشمن کیطرف سے اس پر زیادہ ظلم کیا گیا تو خدا (آخرت میں اس مظلوم کی) ضرور
مدد کریگا (پارہ ۱۷ رکوع ۱۵) یہ آیۃ بھی امام حسین علیہ السلام کی شہادت اور واقعہ
کربلا کی طرف اشارہ کر رہی ہے۔ مطلب یہ ہے کہ بنی امیہ اور حضرت رسولخدا
صلعم میں جنگ ہوتی رہی تو رسولخدا صلعم نے بنی امیہ کا مقابلہ کیا اسکے بعد یزید نے
حضرت رسولخدا صلعم کے فرزند امام حسین ؑ کو قتل کر دیا تو خدا ضرور آپکی اولاد سے حضرت
امام مہدی کی مدد کریگا۔ یہ آیت قتل امام حسین اور واقعہ کربلا کی طرف اشارہ ہے
(دیکھو کتاب ینابیع المودۃ مطبوعہ بمبئی صفحہ ۴۲۵) تیسری آیت دیکھو یہی علامہ
قندوزی حنفی لکھتے ہیں۔ قولہ تعالیٰ ومن قتل مظلوما فقد جعلنا لولیہ
سلطانا فلا یسرف فی القتل انہ کان منصورا۔ نزل فی الحسین والمہدی
علیہما السلام یعنی خدا نے جو فرمایا ہے کہ جو شخص ظلم سے قتل کیا جائیگا تو ہم اسکے
ولی کو غلبہ دینگے جسکو مناسب ہے کہ بدلہ لینے میں اسراف نہ کرے یقیناً اسکی
مدد خدا کی طرف سے کیجائیگی (پارہ ۱۵ رکوع ۴) یہ آیۃ حضرت امام حسین ؑ اور حضرت
مہدی علیہما السلام کی شان میں نازل ہوئی ہے کہ چونکہ امام حسین علیہ السلام ظلم سے
شہید کئے گئے۔ اس وجہ سے حضرت ؐ کے آخری جانشین حضرت امام مہدی علیہ السلام
کو ضرور ان یزیدیوں اور دشمنان خدا پر غلبہ دیگا۔ اور حضرت کی مدد کیجائیگی۔ یہ
آیت بھی واقعہ کربلا ہی کے بارے میں نازل ہوئی جیسا کہ ہم لوگوں کے امام شیخ
سلیمان قندوزی نے جو قسطنطنیہ کے شیخ الاسلام تھے لکھدیا ہے (ینابیع صفحہ ۴۲۵)

مولوی صاحب۔ بڑے تعجب کی بات ہے کہ اتنے بڑے شیخ الاسلام نے ان
باتوں کو اپنی کتاب میں کیسے لکھدیا۔

حسینی بیگم۔ انھوں نے ان سب کو یقینی جانا اس وجہ سے ان کا درج کرنا
اپنا فریضہ سمجھے۔

مولوی صاحب۔ مجھ سے تو کچھ بولا ہی نہیں جاتا ہے۔

حسینی بیگم۔ اس چوتھی آیت کو بھی دیکھو ربنا دینا ۱۲ ان یا ابراہیم قد

صدقت الرؤیا انا کذٰلک نجزی المحسنین ان ھذا لھو البلاء المبین وفدینٰہ بذبح عظیم - یعنی ہم نے حضرت ابراہیم سے پکار کر کہا کہ اے ابراہیم تم نے اپنا خواب سچ کر دکھایا - ہم نیک بندوں کو اسی طرح اچھا بدلہ دیتے ہیں بے شک یہ کھلا ہوا امتحان تھا اور ہم نے بڑی قربانی کو اسمٰعیل کا فدیہ دیا (پارہ ۲۳ رکوع ۷) جناب خانبہادر خلیفہ سید محمد حسن صاحب وزیراعظم ریاست پٹیالہ نے اپنی کتاب میں قرآن مجید کی پیشینگوئیاں لکھتے ہوئے تحریر فرمایا ہے جو انصاف اور حق کے مطابق ہیں دوسری پیشین گوئی اُس امام مظلوم کی شہادت کی خبر ہے جس کو خود اُس کے نانا رسولخدا صلے اللہ علیہ وآلہ وسلم کی امت کے بعض بدبخت لوگوں نے تین دن کا بھوکا پیاسا مع دوستوں اور عزیزوں اور بھائیوں اور بھتیجوں کے حق بات کہنے اور کرنے اور ناحق بات کے نہ ماننے پر شہید کیا - یہاں تک کہ چھ مہینہ کے شیر خوار بچہ تک کو زندہ نہ چھوڑا - اور عین سجدہ کی حالت میں اس کا سر مبارک کاٹ لیا - اور اُسکے اور تمام شہیدوں کے سروں کو نیزوں پر چڑھایا اور لاشوں کو گھوڑوں کی ٹاپوں سے روندا - مال و اسباب لوٹ لیا اور خیموں کو جلا دیا اور اُسکے حرم محترم کو قید کر کے بے مقنع و چادر ننگی پیٹھ کے اونٹوں پر بٹھا کر جنکی مہار اس کا بیمار و ناتواں فرزند (جو صرف ایک ہی زندہ باقی رہ گیا تھا) گلے میں طوق اور پاؤں میں بیڑیاں پہنے ہوئے کھینچتا تھا! کربلا سے کوفہ و دمشق لے گئے اور اُس کی اور اوسکے دوستوں اور عزیزوں کی لاشیں خاک و خون میں غلطاں کربلا کی جلتی بلتی زمین پر کئی دن تک بے گور و کفن پڑی رہیں جن کا بجز دن کی دھوپ اور رات کی شبنم کے کوئی بھی خبر گیراں نہ ہوا - جو ایک ایسا دردانگیز و حسرت خیز عظیم واقعہ ہے کہ جسکی نظیر تاریخ عالم میں نہیں ہے - قرآن مجید میں خدا نے فرمایا ہے کہ ابراہیمؑ نے اپنے بیٹے کو جو اس عمر کو پہونچ گیا تھا کہ ان کے ساتھ دوڑ کر چل پھر سکے - کہا کہ یٰبُنَیَّ اِنِّیۡۤ اَرٰی فِی الۡمَنَامِ اَنِّیۡۤ اَذۡبَحُکَ فَانۡظُرۡ مَاذَا تَرٰی - قَالَ یٰۤاَبَتِ افۡعَلۡ مَا تُؤۡمَرُ سَتَجِدُنِیۡۤ اِنۡ شَآءَ اللّٰہُ مِنَ الصّٰبِرِیۡنَ - فَلَمَّاۤ اَسۡلَمَا وَتَلَّہٗ

لِلْجَبِيْنِ وَنَادَيْنَاهُ اَنْ يَّا اِبْرَاهِيْمُ قَدْ صَدَّقْتَ الرُّؤْيَا اِنَّا كَذٰلِكَ نَجْزِي الْمُحْسِنِيْنَ اِنَّ هٰذَا لَهُوَ الْبَلٰۤؤُا الْمُبِيْنُ وَفَدَيْنَاهُ بِذِبْحٍ عَظِيْمٍ وَتَرَكْنَا عَلَيْهِ فِي الْاٰخِرِيْنَ (سورہ صافات) یعنی اے فرزند میں خواب میں دیکھتا ہوں کہ تجھکو قربانی کے لئے ذبح کرتا ہوں۔ پس تو سوچ کہ تیرا دل کیا کہتا ہے؟ بولا اباجان جو کچھ آپکو حکم دیا جاتا ہے وہ کیجئے آپ دیکھ لیں گے کہ میں انشاء اللہ اس کو برداشت کروں گا۔ پس جب دونوں راضی بقضا ہوگئے اور ابراہیمؑ نے اس کو ذبح کرنے کو ماتھے کے بل لٹا لیا تو ہم نے یہ کہکر اُسکو پکارا کہ بس اے ابراہیمؑ تو نے اپنا خواب سچ کر دکھایا۔ بے شک ہم ایسا ہی بدلہ دیتے ہیں سچے دل سے نیکی کرنے والوں کو۔ بے شبہ یہ تو بہت ہی سخت امتحان ہے۔ اور ہم نے اُس لڑکے کو ایک بڑی قربانی کے بدلے بچا لیا اور اُس کا ذکر خیر پیچھے آنے والوں میں چھوڑا۔ اس آیہ کریمہ میں جو "عظیم" کا لفظ "ذبح" یعنی ذبیح کی صفت میں وارد ہوا ہے مفسرین نے اسکی نسبت طرح طرح کی توجیہیں کی ہیں۔ کسی نے کہا ہے کہ ابراہیمؑ نے اس لڑکے کے عوض جو مینڈھا قربانی کیا تھا بڑا اور موٹا تازہ ہونے کی وجہ سے اسکو عظیم کہا گیا۔ کسی کا قول ہے کہ اس سبب سے عظیم کہا گیا کہ اُس نے خریف کی چالیس فصلیں بہشت میں چری تھیں کسی نے یہ وجہ بیان کی ہے کہ وہ وہی مینڈھا تھا جس کو ہابیل بن آدم علیہ السلام نے پہلے پہل قربانی کیا تھا اور جبرئیلؑ اسکو بہشت سے لے آئے تھے کسی نے لکھا ہے کہ ابراہیمؑ کے بیٹے کا فدیہ ہونے کی وجہ سے عظیم کا اطلاق اس پر ہوا۔ مگر ظاہر ہے کہ یہ سب توجیہیں نہایت رکیک ہیں کیونکہ ایک جانور خواہ وہ بہشت ہی کی گھانس سے کیوں نہ پلا ہو ایک انسان (پھر انسان بھی کیسا کہ نبی اور نبی زادہ) کا ہرگز بدلہ نہیں ہو سکتا۔ کیونکہ ناقص چیز کامل شے کا عوض نہیں ہو سکتی اور نہ قرآن مجید کی معجزانہ بلاغت کا یہ تقتضا ہے کہ ایک ناچیز جانور پر "عظیم" کا اطلاق آمیں ہو۔ اور اس لئے ضروری ہے کہ ابراہیمؑ کے بیٹے کا فدیہ کوئی ویسا ہی مقبول خدا اور عظیم المرتبہ ہو جیسا کہ وہ خود تھا پس حق یہ ہے

کہ وہ بڑی قربانی جسکے بدلے خدا نے ابراہیمؑ کے بیٹے کو بچالیا وہ تھی جو سنہ ۶۱ھ
کے ماہ محرم کی دسویں تاریخ کو ۔کے روز دوپہر ڈھلنے کے بعد کربلا کے قیامت خیز
میدان میں اسی طرح وقوع میں آئی جس طرح برکلا ابراہیمؑ کے بیٹے کی قربانی وقوع میں
آنے والی تھی یعنی سجدہ کی حالت میں ٹھیک اسی طرح پر اس کو ذبح کیا گیا جس طرح
برکرا ابراہیمؑ نے بیٹھ کی طرف سے بیٹے کو ذبح کرنا چاہا تھا ۔ ہاں اتنا فرق بے شک
ہوا کہ ابراہیمؑ کا بیٹا کم سن لڑکا تھا اور باپ نے ہاتھ پاؤں باندھکر اسکو ماتھے کے
بل ذبح کرنے کو لٹایا تھا مگر علیؑ کے بیٹے کی عمر ۵۹ سال سے تجاوز کر چکی تھی اور اُس نے
اپنی مرضی اور اختیار سے سجدہ کے لئے اپنا ماتھا زمین پر رکھا تھا ۔ ابراہیمؑ کا بیٹا
تین دن کا بھوکا پیاسا نہ تھا ۔ مگر علیؑ کے بیٹے کو تین دن سے پانی کا ایک قطرہ
بھی نصیب نہ ہوا تھا ۔ ابراہیمؑ نے ایک مینڈھے کو قربان کیا اور بیٹے کو بچا لیا مگر علیؑ
کے بیٹے کے دوستوں اور عزیزوں اور بھائیوں اور بھتیجوں اور بیٹوں اور بھانجوں
غرض بہتر سے زیادہ لوگوں نے اپنی جانیں قربان کرڈالیں مگر پھر بھی اس کو نہ بچا سکے!
ابراہیمؑ ہنستا اور خوش ہوتا ہوا بیٹے کو زندہ و سلامت اسکی غمگین اور نڑاس ماں کے
پاس لے گیا مگر علیؑ کے بیٹے کے سر کو دشمن اُسکی روتی پیٹتی سر برہنہ بہنوں اور بیٹیوں
کے ساتھ ایک شقی ترین خلائق کے خوش کرنے کو اسکے تخت کے سامنے لے گئے!!!
ابراہیمؑ کے بیٹے کی قربانی کا دن اسکے جان سے بچ جانیکی خوشی منانے کے لئے عید
قرار پایا مگر علیؑ کے بیٹے کی قربانی کا دن رونے پیٹنے اور سوگ منانے کا دن مقرر
ہوا ۔ ہمارے اس بیان کو پڑھکر ناظرین غالباً یہ خیال کرینگے کہ یہ ایک بالکل نئی بات
ہے جسکو مفسرین میں سے کسی نے بھی بیان نہیں کیا (اہلسنت مفسرین نے تو نہیں
مگر ملا معین الدین واعظ کاشفی نے اپنی کتاب معارج النبوة میں حضرت امام جعفر صادق
علیہ السلام کی سند پر یہی لکھا ہے جو ہم نے بیان کیا ہے ۔ مولف عفی عنہ) مگر ہم کہتے
ہیں کہ بے شک عامہ مفسرین نے اس کو بیان نہیں کیا مگر قرآن جنکے گھر میں اُترا ہے
اور جن کو اَحَدُ الثقلین کہا گیا ہے انھوں نے اس آیہ شریفہ کی تفسیر میں یہی فرمایا ہے

اور یہ ہی حق ہے۔ اگرچہ یہ امر مختلف فیہ ہے کہ وہ لڑکا جسکو حضرت ابراہیمؑ نے قربانی کرنا چاہا تھا حضرت اسماعیل تھے یا حضرت اسحاق مگر اس سے اس پیشینگوئی میں کچھ خلل واقع نہیں ہوتا کیونکہ پیشین گوئی کا مقصد صرف اولاد ابراہیمؑ میں سے ایک بڑے شخص کا فدیہ ہونا تھا۔ اسماعیل یا اسحاق کی نسل کی کچھ تخصیص نہ تھی۔ چنانچہ وہ مقصد پورا ہوا۔ اور حضرت اسماعیل کی نسل شریف میں سے حسین بن علی علیہما السلام شہادۃ عظمیٰ کے رتبہ عالیہ پر فائز ہوئے جس کا ذکر نہایت حسرت اور افسوس کے ساتھ تقریباً دنیا کے تمام حصوں میں ہوتا ہے اور ہوتا رہیگا جو اُس وعدہ کی صداقت کی دلیل ہے جو خدا نے آپ کے حق میں فرمایا تھا کہ وَتَرَكْنَا عَلَيْهِ فِي الْآخِرِينَ اس میں شک نہیں کہ حضرت ابراہیمؑ کے اس نہایت درجہ کے مخلصانہ وصابرانہ فعل کا کہ خدا کے لئے اپنے لخت جگر کو دریغ نہ کیا ہمیشہ تعریف کے ساتھ ذکر ہوتا رہا اور ہوتا رہیگا۔ لیکن اس زور و شور وقیامت کی سی دھوم دھام کے ساتھ نہیں ہوتا جیسا کہ علیؑ کے عظیم المرتبۃ فرزند کی قربانی کا ذکر خیر ہوتا ہے اور ہوتا رہیگا ذلک فضل اللہ یوتیہ من یشاء

یہ پیشین گوئی تو قرآنی تھی جو اپنے وقت پر ٹھیک پوری ہوئی مگر آنحضرت صلے اللہ علیہ وآلہ وسلم کا وحی کے ذریعہ سے اس ہولناک واقعہ کی خبر دنیا بھی اُس حد کو پہونچ گیا ہے جسمیں کسی طرح شبہ نہیں ہو سکتا۔ چنانچہ جناب مولانا شاہ عبد العزیز صاحب دہلوی اپنی مستند کتاب سر الشہادتین میں لکھتے ہیں کہ واما اخبار النبی صلے اللہ علیہ وآلہ وسلم بھذہ الواقعۃ الھائلہ من جہۃ الوحی بواسطۃ جبرئیل وغیرہ من الملئکۃ فمشہور متواتر۔ یعنی اور خبر دینا پیغمبر خدا صلے اللہ علیہ وآلہ وسلم کا اس واقعہ ہولناک سے بواسطہ وحی لانے جبرئیلؑ وغیرہ فرشتوں کے سو مشہور اور متواتر ہے۔ چنانچہ اسکے ثبوت میں انھوں نے بہت سی مستند اور صحیح حدیثیں نقل کی ہیں جنمیں بہت تفصیل کے ساتھ اس واقعہ کے ہونے کی خبر دیگئی ہے۔ پس بقول ہمارے فخر قوم مولوی سید

امیر علی صاحب ایم۔ اے بیرسٹرایٹ لا سی آئی۔ ای سلمہ اللہ تعالی کے "اگر معاصی عباد کا فدیہ اور تقرب خدا کا وسیلہ آدمی کو درکار ہے تو جناب سید الشہدا حسین بن علی شہید دشت کربلا کی شہادت عظمےٰ سے اس مقصد کی تکمیل ہو گئی"۔ اللہ اکبر واقعہ کربلا بھی عجیب دردانگیز و حسرت خیز واقعہ ہے (کتاب اعجاز التنزیل ص ۴۹)

مولوی صاحب۔ واہ قرآن مجید کے ذبح عظیم سے حسین رضی اللہ عنہ کو مراد لینا بھی عجیب ڈھکوسلا ہے

حسینی بیگم۔ تم جو چاہو کہو۔ مگر عقل تو کہتی ہی کہ اسکے سوا اور کوئی مطلب ہو ہی نہیں سکتا

مولوی صاحب۔ تعجب ہے کہ تمہاری ایسی ذہین اور عقل کا پتلا بھی یہی مطلب لیتی ہے۔

حسینی بیگم۔ ذرہ تفصیل سے سنو۔ اس آیت میں خدا نے دو ذبح کا ذکر کیا ہے۔ ایک حضرت اسمٰعیلؑ کا ذبح جکے لئے حضرت ابراہیمؑ آمادہ ہوئے۔ دوسرا اُس کا ذبح جو حضرت اسمٰعیلؑ کا فدیہ قرار پایا۔ حضرت اسمٰعیلؑ کے ذبح کو خدا نے معمولی ذبح فرمایا مگر آپ کے بدلہ جو فدیہ ہوا اسکے ذبح کو ذبح عظیم فرمایا تو ضروری ہے کہ اس فدیہ کا ذبح حضرت اسمٰعیل کے ذبح سے عظیم یعنی بڑھا ہوا ہو۔

مولوی صاحب۔ ہاں اسی وجہ سے خدا نے اس کو ذبح عظیم فرمایا۔

حسینی بیگم۔ تو بتاؤ کہ وہ فدیہ کیا ہے جس کا ذبح حضرت اسمٰعیلؑ کے ذبح سے بڑھا ہوا ہے!

مولوی صاحب۔ وہ بہشت کا دنبہ تھا جو حضرت اسمٰعیلؑ کے بدلہ ذبح کیا گیا۔

حسینی بیگم۔ تو اسکے ذبح کو خدا نے حضرت اسمٰعیل کے ذبح سے بڑا کیوں فرمایا۔

مولوی صاحب۔ اس لئے کہ وہ بہشت کا تھا۔

حسینی بیگم۔ بہشت کا تو دنبہ تھا جو ذبیح ہوا مگر خدا ذبیح کو تو عظیم نہیں فرماتا بلکہ ذبح کو عظیم فرماتا ہے۔ یہ تو معمولی بات ہے کہ ذبح اس کام کا نام ہے جس سے

کوئی ذی روح مارا یا قتل کیا جاتا ہے۔ اور جو ذی روح ذبح کیا جاتا ہے اسکو ذبیح کہتے ہیں جیسے قتل اور قتیل قتل کا معنے ہلاک کرنا اور قتیل کا معنے وہ ذات جو ہلاک کیگئی۔ تو بتاؤ کہ اس دنبہ کے ذبح کرنے میں کون سی بات بڑی تھی جکی وجہ سے اس کا ذبح ہونا عظیم ہو گیا۔ اور اگر حضرت اسمعیلؑ ذبح ہوتے تو آپکا ذبح اُسکے ذبح سے کم ہوتا۔ یعنی اس جگہ دو ذبیحوں (وردو ذبحوں کا ذکر ہے۔ دو ذبیح تو حضرت اسمعیل اور (تمہارے قول کے مطابق) بہشت کا دنبہ تھا۔ اور دو ذبح حضرت اسمعیل کا ذبح ہونا اور اس دنبہ کا ذبح ہونا ہوا مگر خدا ذبح کو عظیم نہیں فرماتا ہے۔ جس سے ثابت ہو کہ وہ بہشت کا دنبہ حضرت اسمعیل سے بڑھا ہوا تھا۔ بلکہ ذبح کو عظیم فرماتا ہے جس سے معلوم ہوا کہ اس فدیہ کا ذبح ہونا حضرت اسمعیلؑ کے ذبح ہونے سے بڑھا ہوا تھا۔ بس اس کی تحقیق کرو کہ اس فدیہ کے ذبح ہونے میں کیا بات تھی جس سے وہ عظیم ہو گیا۔ اور حضرت اسمعیل کا ذبح ہونا معمولی کام رہ گیا۔

مولوی صاحب ۔ میرے ذہن میں تو اسکی وجہ نہیں آتی مگر کوئی وجہ ضرور ہونی چاہئے۔

حسینی بیگم ۔ بلکہ میں کہتی ہوں کہ اگر بہشت کا دنبہ مراد لیا جائے تو خدا کلام جھوٹا ہو جاتا ہے کیونکہ اس صورت میں حضرت اسمعیلؑ ہی کا ذبح ہونا عظیم ثابت ہوگا اور اس دنبہ کا ذبح ہونا غیر عظیم ہوگا اس لئے کہ حضرت اسمعیلؑ جناب ابراھیمؑ کے فرزند تھے اور وہ دنبہ بہشت کا جانور تھا۔ جانور کا ذبح کرنا کسی کو شاق نہیں ہوتا ہے تو حضرت ابراہیمؑ کو بھی اس دنبہ کا ذبح کرنا کچھ معلوم نہیں ہوا۔ لہذا وہ ذبح بالکل معمولی ذبح تھا۔ برخلاف حضرت اسمعیل کے کہ آپ حضرت ابراہیمؑ کے پیارے فرزند تھے۔ اور باپ کے لئے اپنے پیارے فرزند کا ذبح کرنا ایک قیامت ہے تو حضرت اسمعیلؑ ہی کا ذبح ہونا ذبح عظیم ہونا چاہئے مگر خدا نے اسکے برعکس اس فدیہ کے ذبح ہونے کو ذبح عظیم فرمایا جس سے یقینی ہے کہ وہ فدیہ بہشت کا دنبہ نہیں تھا بلکہ کوئی ایسا تھا جسکے ذبح کی شان حضرت اسمعیل کے ذبح سے کہیں بڑھی

چڑھی تھی۔ اور جس کا اثر سب کے دلوں کو بے چین کر دینے والا تھا۔

مولوی صاحب۔ یہ تقریر تو بالکل عقل کے مطابق ہے۔ واقعاً اس دنبہ کے ذبح کرنے میں کیا خصوصیت تھی جسکی وجہ سے اس کا ذبح کرنا عظیم ہو جاتا اور حضرت اسمٰعیل کا ذبح کرنا معمولی ذبح رہ جاتا۔ تو پھر اس سے کون ذبح مراد ہے۔

حسینی بیگم۔ تم خود دیکھو کہ حضرت اسمٰعیل کے بعد دنیا کی تاریخ میں کون ذبح ایسا گزرا جو انتہائی سختیوں۔ حددرجہ کی مظلومیتوں۔ اور بے حد و حساب مصیبتوں کی تصویر نظر آتا ہے۔ بس وہی ذبح عظیم ہے۔ وہی ذبح عظیم ہو سکتا ہے جس کو سنکر سیکڑوں برس بعد کے لوگ بھی تڑپ جائیں۔ وہی ذبح عظیم ہو سکتا ہے جو ہزار برس کے بعد بھی لوگوں کو اپنی عظمت سے رلاتا رہے۔ وہی ذبح عظیم ہے جو اپنے تو اپنے غیروں بلکہ دشمنوں کو بھی اپنے غم میں ماتم دار بنا دے۔ وہی ذبح عظیم ہو سکتا ہے جو اس تاریخ کے آتے ہی جس روز وہ ذبح واقع ہوا تمام دنیا میں انقلاب پیدا کر دے۔ اور سب میں ہمدردی کا جذبہ جوش مارنے لگے۔

مولوی صاحب۔ تمہارا مطلب واقعۂ کربلا ہے۔ البتہ حضرت امام حسین رضی اللہ عنہ کا ذبح ہونا نرالا تھا ویسا ذبح آج تک نہیں ہوا۔

حسینی بیگم۔ بس جب حضرتؑ کے ایسا ذبح دنیا کی تاریخ پیش نہیں کر سکتی تو حضرت کے سوا دوسرا کوئی ذبح عظیم بھی نہیں ہو سکتا۔ جو لوگ بہشت کے ایک دنبہ کو حضرت اسمٰعیلؑ کا فدیہ قرار دیکر اس جانور کے ذبح کو حضرت اسمٰعیل کے ذبح کے مقابلہ میں عظیم کہتے ہیں۔ انکو نہ حضرت ابراہیمؑ کی معرفت ہے نہ حضرت اسمٰعیلؑ کی قدر۔ نہ وہ نبوت کی حقیقت سے واقف ہیں۔ نہ خدا کو پہچانتے نہ اس کو عادل یا عاقل سمجھتے ہیں۔ معاذ اللہ کسی جانور کے ذبح کو خدا حضرت اسمٰعیلؑ کے ذبح سے بڑھا سکتا ہے؟ پھر ایسے خدا کو پاگل نہیں کہیں گے تو کیا سمجھیں گے؟ ماننا پڑیگا کہ اس سے مراد حضرت امام حسین علیہ السلام کا ذبح ہے جن کا ذبح ہونا حضرت اسمٰعیلؑ کے ذبح ہونے سے کئی وجہوں سے بڑھا ہوا تھا (۱) حضرت اسمٰعیلؑ اپنے

وطن میں ذبح کئے جارہے تھے اور حضرت امام حسینؑ اپنے شہر بلکہ اپنے ملک سے بہت دور عالم مسافرت میں ذبح کئے گئے (۲) حضرت اسمٰعیلؑ کو خدا کے حکم سے حضرت ابراہیمؑ ذبح کرنا چاہتے تھے جو باپ تھے اور جو کوئی سختی حضرت کے ساتھ نہیں کرسکتے تھے۔ مگر امام حسین علیہ السلام کو سخت ترین دشمنوں نے نہایت بے رحمی سے ذبح کیا (۳) حضرت اسمعیلؑ کے ذبح کا سامان یہ کیا گیا کہ آپ لٹائے گئے اور صرف چھُری آپ کی گردن پر پھیری جاتی مگر امام حسینؑ اس طرح ذبح کئے گئے کہ آپ پر ہزاروں تلوار نیزے۔ تیر بلکہ پتھروں کے زخم پہلے لگائے گئے تب گردن کے پیچھے سے آپ کا سر جدا کیا گیا (۴) حضرت اسمعیلؑ کے ذبح کا جب سامان ہوا تو ان پر کھانا پانی بند نہیں کر دیا گیا تھا مگر حضرت امام حسین علیہ السلام کا ذبح ایسا تھا کہ حضرت ان مصائب میں بھی مبتلا کردیئے گئے تھے (۵) حضرت اسمعیلؑ کے ذبح کا جب ارادہ کیا گیا تو آپ کا دل و دماغ آپ کے دوستوں ساتھیوں بھتیجوں بھانجوں۔ بھائیوں و بیٹوں کے داغ سے زخمی نہیں ہوا تھا مگر امام حسینؑ کا ذبح ایسا تھا جو یہ سب دیکھنے کے بعد انجام پایا۔ اور سب سے بڑی وجہ تو یہ ہے کہ (۶) حضرت اسمعیلؑ ذبح ہوتے تو اس سے حضرت سید المرسلین صلعم کے کمالات کی تکمیل نہیں ہوتی مگر حضرت امام حسین علیہ السلام کا ذبح ایسا تھا جس سے حضرت رسولخدا صلعم کو شہادۃ کا درجہ حاصل ہوگیا اور حضرتؐ کے کمالات پورے ہوگئے۔ اب انصاف کرو کہ ذبح عظیم سے مراد اس دنبہ کا ذبح ہوسکتا ہے جو بہشت سے آیا تھا اور جس میں کوئی عظمت نہیں تھی یا امام حسین علیہ السلام کا ذبح جس میں اتنی خصوصیات اور اس قدر امتیازات موجود ہیں اور جس کے سبب سے حضرت سید المرسلین خاتم الانبیاء صلے اللہ علیہ و آلہ کے فضائل کی کمی جاتی رہی اور آپ کے کمالات پورے ہوگئے۔ آخر میں اُس دنبہ کے ذبح اور حضرت امام حسینؑ کے ذبح کے بارے میں صرف یہ کہونگی کہ چہ نسبت خاک را با عالم پاک۔

مولوی صاحب ۔ تمہاری تقریر نے تو مجھ پر جادو کا اثر کیا اور مجھے یقین ہو گیا کہ ذبح عظیم سے اس بہشتی دنبہ کا ذبح سمجھنا بالکل خلاف عقل ہے۔ یقیناً حضرت امام حسین علیہ السلام ہی کا ذبح مراد ہے۔ دوسرا کوئی احتمال ممکن ہی نہیں ہے۔

حسینی بیگم ۔ اسی وجہ سے ہمارے بہت سے علماء نے اپنی کتابوں میں ذبح عظیم سے مراد حضرت امام حسین علیہ السلام ہی کو لکھا ہے۔ صرف ایک کتاب کی عبارت سُن لو۔ جناب مولانا معین کاشفی علیہ الرحمہ نے لکھا ہے کہ حضرت ابراہیم نے حضرت امام حسین علیہ السلام کے درجات کو عالم انوار میں دیکھکر خدا سے پوچھا خداوندا درمیان آل محمد صلے اللہ علیہ و آلہ وسلم ایں درجہ کراست خطاب آمد کہ فرزند ارجمند اسمعیل را است کہ موسوم بہ حسین است کہ دختر زادہ رسول آخر الزمان است محمد صلے اللہ علیہ و آلہ وسلم۔ گفت یارب من او را دوست تراز اسمعیل می دارم حق تعالے فرمود کہ من او را بفدیہ اسمعیل قبول کردم یعنی اے خدا آل محمد صلے اللہ علیہ و آلہ وسلم کے درمیان یہ کس کا درجہ ہے؟ خطاب آیا کہ پیغمبر آخر الزمان حضرت محمد صلے اللہ علیہ و آلہ وسلم کے فرزند ارجمند اسمعیل کا ہے جن کا اصلی نام حسین ہے۔ حضرت ابراہیم نے عرض کی اے خدا میں تو اپنے دل میں اپنے اسمعیل سے بھی زیادہ انکی محبت پاتا ہوں۔ خدا نے فرمایا میں نے انھیں کو اسمعیل کی فدیہ قبول کیا ہے چنانکہ [illegible] ذبح عظیم حسین بن علی است و فدیہ [illegible] او ست نہ گوسپند [illegible] ست [illegible] ساحل نہادہ اند۔ وگوسفند را [illegible] محل کہ حق تعالی او را در قرآن ذبح عظیم خواند یعنی ذبح عظیم سے مراد امام حسین کا ذبح ہے اور وہی حضرت جناب اسمعیل کے فدیہ ہیں۔ کوئی دنبہ حضرت اسمعیل کا فدیہ نہیں ہو سکتا۔ اور یہ دنبہ جو بقرعید پر ذبح ہوتا ہے یہ تو ایک سنت ہے بلکہ حضرت ابراہیم نے قائم کیا [illegible] کو حضرت اسمعیل کے فدیہ ہونے سے کیا [illegible] کسی دنبہ کی کیا حقیقت ہے کہ خدا اسکو قرآن مجید میں ذبح عظیم

فرمائے (معارج النبوۃ مطبوعہ لکھنؤ جلد ۱ صفحہ ۳۵۵)

مولوی صاحب ۔ واہ واہ ۔ تم اپنے دعوی پر عقل سے تو بہت سی دلیلیں پیش کرتی ہی ہو۔ کسی عالم کا قول بھی ضرور دکھا دیتی ہو تم تو حجت کے قابل ہو۔

حسینی بیگم تمہارے (اہلحدیث بھائیوں کے) پیشوائے اعظم جناب مولانا وحید الزماں خاں صاحب نے بھی لکھا ہے الذبح العظیم الحسین ۔ذبح عظیم سے اس آیۃ میں وفدینا ہ بذبح عظیم امام حسینؑ کی شہادت مراد ہے۔ یہ تفسیر امامیہ کی ہے (انوار اللغۃ پارہ ۹ صفحہ ۷)

مولوی صاحب ۔ خیر انھوں نے تو لکھدیا کہ یہ تفسیر امامیہ کی ہے جو ہم لوگوں کے لئے حجۃ نہیں ہو سکتی

حسینی بیگم ۔ حجۃ کیوں نہیں ہو سکتی ۔ انھوں نے بھی اسکو صحیح مان لیا ۔ ایسا نہ ہوتا تو اس پر اعتراض کرتے اسکو رد کر دیتے یا اس کا جواب لکھتے مگر ایسا نہیں کیا ۔ حالانکہ جو بات انکے خلاف ہوتی ہے اس کا جواب ضرور لکھتے ہیں چنانچہ اسی سے دو ہی صفحہ پہلے لکھا ہے کہ جناب امیرؑ نے فرمایا "اگر میرے طرفدار ۳۰ مرد بھی ہوتے تو میں نکھی خورنی کے بیٹے کو خلافت سے ہٹا دیتا اور انکو خلیفہ نہ بننے دیتا یہ روایت امامیہ نے اپنی کتابوں میں کی ہے اور ہمارے نزدیک یہ محض افترا ہے" (انوار اللغۃ پارہ ۹ صفحہ ۴) دیکھو یہاں بھی امامیہ کی روایت لکھی مگر اس سے مولانا مرحوم کو اختلاف تھا تو لکھدیا کہ یہ محض افترا ہے ۔ مگر ذبح عظیم کی روایت کے بارے میں کچھ نہیں لکھا تو معلوم ہوا کہ مولانا اس روایت کو صحیح جانتے ہیں جس سے واضح ہو گیا کہ وہ بھی حضرت امام حسین علیہ السلام ہی کے ذبح کو ذبح عظیم مانتے تھے ۔

مولوی صاحب ۔ تمہاری منطقی دلیلوں کا میرے پاس کیا کسی کے پاس جواب نہیں ہے ۔ بے شک اس سے واضح ہوتا ہے کہ مولانا بھی حضرت حسین رضی اللہ عنہ ہی کو ذبح عظیم جانتے تھے ۔

حسینی بیگم ۔ قرآن مجید کی ایک اور آیۃ سن لو جس سے واقعہ کربلا کا ثبوت

۴ اور حضرت غوث اعظم نے لکھا ہے ... یوم عاشورا یعنی خدا نے عاشورا ہی [illegible]

ملتا ہے۔ وہ پانچویں آیت یہ ہے۔ خداوند عالم قرآن مجید پارہ ۲۵ سورہ دخان رکوع ۱۳ میں ارشاد فرماتا ہے فَمَا بَكَتْ عَلَيْهِمُ السَّمَاءُ وَالْأَرْضُ وَمَا كَانُوا مُنْظَرِينَ یعنی اُن لوگوں پر نہ آسمان رویا نہ زمین اور نہ اونکو مہلت ہی ملی۔ اس آیۃ سے معلوم ہوا کہ خدا کے بندے کچھ ایسے بھی ہیں جن پر آسمان اور زمین روتے ہیں۔ اسی وجہ سے خدا نے یہاں بعض خاص بندوں کے متعلق جو قوم فرعون سے تھے فرمایا کہ وہ بندے ویسے نہیں تھے جن پر آسمان یا زمین روئے بلکہ وہ دوسرے خدا کے مقرب بندے ہیں۔ تفاسیر سے بھی معلوم ہوتا ہے کہ آسمان و زمین خاص خاص بندوں پر گریہ کرتے ہیں۔ چنانچہ علامہ سیوطی لکھتے ہیں ذکر انہم لم یکونوا یعملوا علی وجہ الارض عملا صالحا یبکی علیہم ولم یصعد لہم الی السماء من کلامہم ولا من عملہم کلام طیب ولا عمل صالح فتفقدہم فتبکی علیہم۔ یعنی حضرت رسولخداؐ نے اس آیۃ کو ذکر کرنے کے بعد فرمایا کہ اُن لوگوں نے روئے زمین پر کوئی ایسا اچھا کام کیا ہی نہیں تھا جو اُن لوگوں پر آسمان روتا اور ان کے کلام سے کوئی اچھی بات، اور ان کے عمل سے کوئی عمدہ عمل بھی آسمان پر نہیں ہوپنچا جسکی وجہ سے وہ لوگ یاد آتے اور اُن پر آسمان و زمین گریہ کرتے (درمنثور جلد ۶ صفحہ ۳۰)

علامہ فخر الدین رازی بھی اس روایۃ کو نقل کرتے ہیں اسکے بعد لکھتے ہیں ھذا قول اکثر المفسرین یعنی اکثر مفسرین کا قول یہی ہے (تفسیر کبیر جلد ۷ صفحہ ۴۷) عن ابن عباسؓ انہ سئل عن قولہ فما بکت علیہم السماء والارض ھل تبکی السماء والارض علی احد قال نعم یعنی لوگوں نے حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہ سے بھی اس آیۃ فما بکت علیہم السماء کو پوچھا کہ کیا کسی شخص پر آسمان و زمین بھی روتے ہیں؟ آپ نے فرمایا ہاں (تفسیر درمنثور جلد ۶ صفحہ ۳۰) اور علامہ ابن کثیر لکھتے ہیں قرء رسول اللہ فما بکت علیہم السماء والارض ثم قال

انہما لا یبکیان علی الکافر یعنی حضرت رسول خدا نے اس آیۃ فما بکت کو تلاوت کرنے کے بعد فرمایا کہ کافر پر آسمان و زمین نہیں روتے ہیں (تفسیر ابن کثیر جلد ۹ ص۱۶۱)

آسمان کس طرح روتا ہے اب یہ بھی سمجھ لینا چاہیئے کہ آسمان کس طرح روتا ہے اور ہمیں اسکی خبر کیونکر ہوتی ہے۔ یہی علامہ سیوطی لکھتے ہیں عن عطاء رضی اللہ عنہ قال بکاء السماء حمرۃ اطرافہا جناب عطاء رضی اللہ عنہ نے بیان کیا کہ آسمان اس طرح روتا ہے کہ اسکے تمام کنارے سرخ ہوجاتے ہیں۔

عن الحسن رضی اللہ عنہ قال بکاء السماء حمرتہا یعنی حسن بصری رضی اللہ عنہ بیان کرتے تھے کہ آسمان جب سرخ ہوجاتا ہے تو یہی اس کا رونا ہے (در منثور جلد ۶ ص۳۱) اور علامہ محمد بن جریر طبری لکھتے ہیں ان بکاء السماء حمرۃ اطرافہا یعنی آسمان کا رونا یہ ہے کہ اسکے کنارے سب سرخ ہوجاتے ہیں (تفسیر جامع البیان علامہ طبری مطبوعہ مصر جلد ۲۵ ص۶۵) اور علامہ نظام الدین نیشاپوری لکھتے ہیں وجوز کثیر من المفسرین ان یکون البکاء حقیقۃ و جعلوا الخسوف والکسوف والحمرۃ التی تحدث فی السماء وھبوب الریاح العاصفۃ من ذلک یعنی بہت سے مفسرین نے کہا ہے کہ آسمان حقیقۃ میں روسکتا ہے۔ چنانچہ وہ کہتے ہیں کہ چاند گہن سورج گہن ہونا یا آسمان میں جو سُرخی پیدا ہوجاتی ہے یا تیز تند ہوائیں یہ سب آسمان کا رونا ہے۔ (تفسیر نیشاپوری مطبوعہ مصر جلد ۲۵ ص۷۳)

آسمان و زمین کا امام حسینؑ پر رونا اب یہ دیکھنا چاہیئے کہ دنیا کی وہ کون فرد ہیں جن پر آسمان و زمین روتے ہیں۔ یہی علامہ سیوطی لکھتے ہیں عن ابراہیم رضی اللہ عنہ قال ما بکت السماء منذ کانت الدنیا الا علی اثنین قیل لعبید الیس السماء والارض تبکی علی المومن قال ذاک مقامہ وحیث یصعد عملہ قال وتدری ما بکاء السماء قال لا قال تحمر وتصیر وردۃ

کالدھان ان یحیٰی بن زکریا لما قتل احمرت السماء وقطرت دما وان حسین بن علی یوم قتل احمرت السماء یعنی ابراہیمؒ بیان کرتے تھے کہ جب سے دنیا پیدا ہوئی آج تک سواد و بزرگوں کے آسمان و زمین کسی شخص پر نہیں روئے۔ لوگوں نے راوی سے پوچھا کیا آسمان وزمین مومن پر نہیں روتے ہیں؟ تو اس نے کہا یہ بات اس کے مقام کو اور اس جگہ کو حاصل ہے جہاں اس کا عمل خیر جاتا ہے۔ پھر پوچھا جانتے ہو آسمان کس طرح روتا ہے؟ لوگوں نے جواب دیا کہ نہیں کہا وہ سرخ اور ایسا لال ہو جاتا ہے جیسا گرم سرخ تیل ہوتا ہے۔ جب یحیٰی ابن زکریا قتل کئے گئے تو آسمان سرخ ہو گیا تھا اور اس سے خون برستا تھا اور حضرت امام حسینؑ جس روز شہید کئے گئے اس روز بھی آسمان سرخ ہو گیا تھا۔ پھر لکھتے ہیں عن زید بن زیاد رضی اللہ عنہ قال لما قتل الحسین احمرت افاق السماء اربعة اشھر یعنی زید بن زیادؓ بیان کرتے تھے کہ جب امام حسینؑ شہید کئے گئے تو اسکے بعد چار مہینہ تک آسمان کے کنارے سرخ ہی رہے (درمنثور جلد ۶ صفحہ ۳۱)

اوحی اللہ الی محمد صلی اللہ علیہ وسلم انی قتلت بیحیٰی بن زکریا سبعین الفا وانی قاتل بابن ابنتک سبعین الفا وسبعین الفا یعنی خدا نے رسولخدا صلعم کی طرف وحی کی کہ میں نے حضرت یحیٰی بن زکریا کے عوض ستر ہزار کو قتل کیا اور تمہاری پارہ جگر فاطمہ زہراؑ کے لال امام حسین علیہ السلام کے عوض ایک لاکھ چالیس ہزار کو قتل کروں گا۔ (درمنثور جلد ۴ صفحہ ۲۶۴) اور جناب نواب مولوی صدیق حسن خانصاحب بھوپالی لکھتے ہیں قال السدی لما قتل الحسین رضی اللہ عنہ بکت علیہ السماء وبکاؤھا حمرتھا یعنی سدی نے بیان کیا کہ جب امام حسین رضی اللہ عنہ شہید کئے گئے تو حضرت پر آسمان روتا رہا اور اس کا رونا اس کا سرخ ہو جانا تھا (تفسیر فتح البیان جلد ۸ صفحہ ۳۲۶) اور علامہ ابن کثیر نے لکھا ہے ان یحیٰی بن زکریا علیہ الصلوٰۃ والسلام لما قتل احمرت السماء وقطرت دما وان الحسین

بن علی رضی اللہ عنہما لما قتل احمرت السماء یعنی جناب یحییٰ بن زکریا جب قتل ہوئے تو آسمان سرخ ہو گیا اور خون کی بارش ہوئی اور حضرت امام حسین رضی اللہ عنہ جب شہید ہوئے تب بھی آسمان سرخ ہو گیا وذکرو ایضا فی مقتل الحسین رضی اللہ عنہ ما قلب حجر یومئذ الا وجد تحتہ دم عبیط انہ کسفت الشمس واحمر الافق وسقطت حجارۃ یعنی لوگوں نے یہ بھی بیان کیا ہے کہ حضرت امام حسین رضی اللہ عنہ کی شہادت کے بعد جو پتھر جہاں سے اٹھایا جاتا تھا اسکے نیچے خون تازہ جوش مارتا ہوا نکلتا تھا۔ اور آفتاب کو گہن لگ گیا۔ اور آسمان کے کنارے سرخ ہو گئے اور پتھر ساقط ہو گیا (تفسیر ابن کثیر مطبوعہ مصر جلد ۹ ص۱۶۳)

اور علامہ محمد بن جریر طبری لکھتے ہیں عن السدی لما قتل الحسین بن علی رضوان اللہ علیہما بکت السماء علیہ وبکاؤھا حمرتھا یعنی سدی بیان کرتے ہیں کہ جب امام حسین بن علی رضوان اللہ علیہما کی شہادت ہوئی تو حضرت پر آسمان روتا رہا اور اس کا رونا اس کا سرخ ہو جانا تھا (تفسیر جامع البیان جلد ۲۵ ص۶۵)

اور جناب مولوی عبید اللہ صاحب بسمل امرتسری لکھتے ہیں۔ "ان قدرتی آثار کا بیان کہ جناب امام حسین علیہ السلام کی شہادت سے ناظرین کی عبرت کے لئے نمودار ہوئے۔ بصرہ ازویہ کہتی ہیں کہ جب امام حسین علیہ السلام شہید ہو گئے تو مینہ برسا صبح ہمارے ڈول اور ہمارے مٹکے اور ہماری ہر ایک شے خون سے لبالب تھی۔ زہری رحمۃ اللہ علیہ کہتے ہیں کہ مجھکو یہ خبر لگی ہے کہ جناب امام حسین کی شہادت کے روز بیت المقدس کا کوئی پتھر نہیں اٹھایا گیا کہ اوس کے نیچے خون تازہ نہ پایا گیا ہو۔ سفیان ثوری رحمۃ اللہ علیہ کہتے ہیں کہ میری دادی بیان کرتی تھیں کہ میں جناب امام حسین علیہ السلام کی شہادت کے دن جوان لونڈی تھی آسمان کئی دن تک ابر روتا رہا۔ عمار بن یاسر رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ جناب رسالتمآب فرماتے تھے کہ آسمان یحییٰ بن زکریا کے قتل پر روتا رہا اور میرے بیٹے کے قتل سے

روئیگا - بیٹے سے مراد حسینؑ ابن علیؑ تھے"۔ (ارجح المطالب ص۶۴۲ تا ۶۴۸)

اور علامہ ابن حجر مکی لکھتے ہیں ان السماء بکت بعد قتلہ سبعۃ ایام تری علی الحیطان کانھا ملاحف معصفرۃ وان الدنیا اظلمت ثلاثہ ایام ثم ظھرت الحمرۃ فی السماء یعنی جناب امام حسینؑ کی شہادت پر سات دن تک برابر آسمان روتا رہا - دیواروں کو دیکھا جاتا تھا گویا کہ وہ چادریں کسم کی رنگی ہوئی ہیں اور بہ تحقیق دنیا پر تین دن تک اندھیرا چھایا رہا - پھر آسمان پر سرخی نمودار ہوگئی عن ابی سعید قال ما رفع حجر من الدنیا الا تحتہ دم عبیط ولقد امطرت السماء وما بقی اثرہ فی الثیاب مدۃ حتی انقطعت یعنی ابوسعید کہتے ہیں کہ جس دن امام حسین علیہ السلام شہید ہوئے دنیا کا کوئی پتھر نہیں اٹھایا گیا کہ اس کے نیچے تازہ خون نہ ملا ہو اور آسمان سے خون برستا رہا اور اس کا اثر ایک مدت تک کپڑوں میں رہا یہاں تک کہ وہ کپڑے پھٹ گئے۔ اخرج الثعلبی ان السماء بکت وبکاءہ احمرتھا وقال غیرہ احمرت آفاق السماء ستۃ اشھر بعد قتلہ ثم لازالت تری بعد ذلک یعنی ثعلبی بیان کرتے ہیں کہ جناب امام حسین علیہ السلام کی شہادت پر آسمان روتا رہا اور اس کا رونا سرخی کا نمودار ہونا ہے اور ثعلبی کے سوا اور لوگوں نے لکھا ہے کہ آسمان کے کنارے آپ کے قتل کے بعد چھ مہینہ تک سرخ رہے پھر ہمیشہ وہ سرخی نمودار ہونے لگی عن ابن سیرین قال اخبرنا ان الحمرۃ التی مع شفق لم تکن حتی قتل الحسین یعنی ابن سیرین کہتے ہیں کہ ہم کو معلوم ہوا ہے کہ یہ سرخی جو شفق کے ساتھ ہے جناب امام حسین علیہ السلام کے قتل سے پہلے نہ تھی ذکر ابن سعد ان ھذہ الحمرۃ لم تر فی السماء قبل قتلہ ابن سعد اپنی طبقات میں لکھتے ہیں کہ یہ سرخی آسمان پر جناب امام حسین علیہ السلام کی شہادت سے پہلے نہیں دیکھی گئی (صواعق محرقہ مطبوعہ مصر ص۱۱۶)

مولوی صاحب - مگر یہاں تو خدا فرماتا ہے کہ اُن لوگوں پر نہ آسمان رویا

نہ زمین یعنی صرف اُن لوگوں پر آسمان کے رونے کا انکار ہے۔ کسی اور پر رونے کا اقرار تو نہیں ہے

حسینی بیگم ۔ ایسی موٹی بات بھی تمہاری سمجھ میں نہیں آتی۔ اچھا یہ بتاؤ کہ اگر تم کہو کہ "میں رحیمن کے ہاتھ کا کھانا نہیں کھاؤں گا" تو اس کا مطلب کیا یہ ہوگا کہ تم کھانا کھاؤ گے ہی نہیں۔ یعنی کسی اور کے ہاتھ کا بھی نہیں کھاؤ گے۔

مولوی صاحب ۔ نہیں بلکہ یہ مطلب ہوگا کہ صرف اسکے ہاتھ کا نہیں کھاؤنگا اور دوسرے کے ہاتھ کا کھاؤنگا۔

حسینی بیگم ۔ اسی طرح یہاں بھی خدا فرماتا ہے کہ آسمان زمین ان فرعون کی قوم والوں پر نہیں روئے لیکن دوسرے لوگوں پر آسمان و زمین روئیں گے۔ اگر تمہارے ہاں کوئی مہمان آئے اور کہے کہ میں آج نہیں جاؤں گا تو کیا اس کا یہ مطلب ہوگا کہ وہ کسی دوسرے روز بھی نہیں جائیگا۔

مولوی صاحب ۔ نہیں بلکہ یہ ہوگا کہ دوسرے یا تیسرے روز جائیگا۔

حسینی بیگم ۔ اسی طرح یہاں بھی خدا کا مطلب ہے کہ آسمان اور زمین اور لوگوں پر روئیں گے۔ ایک جگہ خدا نے فرمایا ہے۔ مَا نُنَزِّلُ الْمَلٰٓئِكَةَ اِلَّا بِالْحَقِّ وَمَا كَانُوْٓا اِذًا مُّنْظَرِيْنَ یعنی ہم فرشتوں کو نہیں بھیجا کرتے مگر فیصلہ کے لئے اور پھر ان لوگوں کو مہلت نہیں ملتی (پارہ ۱۴ رکوع ۱) کیا اس کا مطلب سمجھا جائے کہ پھر کسی کو مہلت نہیں ملتی؟

مولوی صاحب ۔ ہاں ہو سکتا ہے۔

حسینی بیگم ۔ اے سبحان اللہ۔ تمہارے فیصلہ کے قربان جاؤں۔ پھر خدا نے شیطان سے کیوں فرمایا اِنَّكَ مِنَ الْمُنْظَرِيْنَ یعنی تو اُن لوگوں سے ہے جن کو مہلت دیگئی (پارہ ۸ رکوع ۹) اگر کسی کو مہلت نہیں ملتی تو وہ کون لوگ ہیں جن کو مہلت ملتی ہے جن کا ذکر خدا نے فرمایا ہے۔

مولوی صاحب۔ ہاں میں غلطی پر تھا۔ بے شک مابکت علیھم السماء و الارض کا مطلب یہی ہے کہ آسمان و زمین ان (فرعون کی قوم والوں) پر نہیں روئے اور دوسروں پر روئیں گے۔ اور تم نے یہ بھی ثابت کر دیا کہ حضرت حسین رضی اللہ عنہ وغیرہ پر آسمان و زمین روئے۔ میں مانتا ہوں کہ قرآن مجید میں خدائے تعالیٰ نے کئی جگہ واقعہ کربلا کا اشارہ کیا ہے جس میں کوئی شبہ نہیں ہو سکتا اب رات زیادہ گئی سونا چاہیئے۔

بائیسواں باب ۲۲

واقعۂ کربلا اور محققین یورپ

ایک روز مولوی صاحب اپنے کتب خانہ میں بیٹھے کتب بینی کر رہے تھے کہ چٹھی رساں نے ایک لفافہ لا کر دیا جس پر لکھا تھا "در حویلی مولوی عبدالغفار صاحب دام لطفہ" مولوی صاحب نے اس کو رکھ لیا اور بنا کام کرتے رہے۔ شام کو جب مکان پر آئے اور کھانے کے بعد حسینی بیگم بھی وہاں پہونچیں تو مولوی صاحب نے وہ لفافہ انکے حوالہ کر کے کہا۔

مولوی صاحب۔ غالباً یہ مسٹر ابوالخیر صاحب کا خط ہے۔

حسینی بیگم۔ ہاں حرف تو انھیں کا معلوم ہوتا ہے۔ یہ کہکر اسکو چاک کیا تو واقعاً ان کے ناموں ہی کا خط نکلا جس میں انھوں نے بہت سی انگریزی کتابوں کے نام لکھے تھے۔

مولوی صاحب۔ کہو کیا لکھا ہے۔ خیریت تو ہے۔

حسینی بیگم۔ ہاں شکر ہے اللہ تعالیٰ کا سب خیریت ہے۔ تم سے واقعۂ کربلا کے متعلق بحث رہتی ہے۔ ان کا خط آنے پر میں نے جو جواب بھیجا تھا اسمیں

یہ بھی لکھدیا تھا کہ "اگر آپ سے ہوسکے تو چار پانچ کتابوں کے نام لکھکر مطلع فرمائیے جن میں لکھا ہو کہ سنہ ۶۱ھ میں امام حسین علیہ السلام کربلا میں شہید کیے گئے" انھیں کتابوں کا نام انھوں نے لکھا ہے۔

مولوی صاحب ۔ تم ہر طرح بحث کا سامان طیار رکھتی ہو۔ انگریزوں کی کتابوں کا نام نہیں معلوم تھا تو اپنے ماموں کو لکھ بھیجا۔

حسینی بیگم ۔ نہیں مجھے بھی کچھ کتابوں کے نام پہلے سے معلوم ہیں بلکہ اُنکی عبارتوں کا ترجمہ بھی دیکھ چکی ہوں۔ مگر جی چاہا کہ کچھ اور پتے معلوم کروں۔

مولوی صاحب ۔ (اُس خط کو حسینی بیگم کے ہاتھ سے جلدی چھین کر) اچھا اس خط کو میں لے لیتا ہوں۔ اب بتاؤ کہ تم انگریزی مصنفین کے حوالہ کیونکر دے سکتی ہو۔

حسینی بیگم ۔ اُٹھکر گئیں اور چند کتابیں لاکر بولیں۔ دیکھو مسٹر جیمس کارکرن صاحب جو زبردست مورخ اور مترجم صدر دیوان عدالت العالیہ کلکتہ تھے یہ تاریخ اردو زبان میں لکھی ہے جس کا نام تاریخ چین ہے جو دو جلدوں میں ہے اور ۱۸۴۸ء میں بزبان اردو طبع کرا کے موصوف نے شائع کرائی۔ انھوں نے اس کتاب کے دفتر دوم باب ۱۶ میں جہاں مغلوں اور ختائیوں کی لڑائیوں اور بہادریوں کا ذکر کیا ہے یوں تحریر فرمایا ہے" دنیا میں رستم کا نام بہادری میں مشہور ہے۔ لیکن کئی شخص ایسے گزر گئے ہیں کہ اُن کے سامنے رستم کا نام قابل لینے کے نہیں ہے چنانچہ اول درجہ میں حسینؑ بن علیؑ کا مرتبہ بہادری میں ہے۔ کیونکہ میدان کربلا میں ریت پر تشنگی اور گرسنگی میں جس شخص نے ایسا کام کیا ہو اُسکے سامنے رستم کا نام وہی شخص لے سکتا ہے جو تاریخ سے واقف نہیں ہے کس کے قلم کو قدرت ہے کہ امام حسینؑ کا حال لکھے۔ کس کی زبان میں یہ لطافت و بلاغت ہے کہ اُن بہتر بزرگواروں کی ثابت قدمی اور تہور و شجاعت اور بیس ہزار خونخوار

شامی کے جواب دینے اور ایک ایک کے ہلاک ہوجانے کے باب میں طرح جیسا
کر جاتے تھے نہ کرسکے۔ کسی کی نازک خیالی کی یہ بیانی ہے کہ ان لوگوں کے دل کے
حال کو تصور کرے کہ کیا کیا ان پر گزرا۔ اُس وقت سے جب عمر سعد نے
دس ہزار سوار سے ان کو گھیر لیا اُس وقت تک کہ جب شمر ملعون نے سر کاٹ
لیا۔ کیونکہ ایک کی محاورہ و مثل مشہور ہے اور مبالغہ کی حد ہی ہے کہ جب کسی کے
حال میں یہ کہا جاتا ہے کہ دشمن نے چاروں طرف سے گھیر لیا۔ لیکن حسینؑ
اور بہتر تن کو آٹھ قسم کے دشمنوں نے تنگ کیا تھا۔ اور یہ کہ کسی قدم نہ ہٹا
چنانچہ چاروں طرف سے تو دس ہزار فوج یزید کی تھی جن کے تیر و بھالے اور نیزوں
کی بوچھار مثل آندھی کے پڑتی تھی اور پانچواں دشمن عرب کی دھوپ تھی جس کی مثال
کسی جگہ زیر فلک نہیں ملتی اور یہی کہنا ہوتا ہے کہ عرب کی دھوپ کے مانند عرب ہی
کی دھوپ ہے۔ اور چھٹا دشمن وہ ریگ کا میدان تھا جو آفتاب کی تمازت
میں شعلہ زن رہتا تھا اور آگ سے زیادہ پر سوز تھا بلکہ اس کو دوزخ کہنا چاہیے
جس کے بگولے بھی الاؤ کے پاؤں کے آبلے تھے اور دو دشمن سب سے ظالم بھوک اور
پیاس مثل دو زہر ہیں کہ سب سے بدتر دشمن تھے اور تشنگی سے زبان
پھول کے جب چٹ جاتی تھی تب ہی ان دونوں کی خواہش اندر سے گھٹتی تھی پس جنہوں
نے ایسے معرکہ میں ہزار ہا کی فوج کا مقابلہ کیا ہو۔ اونپر خاتمہ بہادری کا ہوچکا۔
انتہی (تاریخ چین مصنفہ مسٹر میکالی کرن جلد دوم باب ۱۶ صفحہ ۱۱۱ مطبوعہ نولکشور
پریس لکھنؤ ۱۸۶۴ء)

(۲) مسٹر واشنگٹن ارونگ اپنی تاریخ میں واقعات کربلا کو بہت تفصیل سے لکھتے
ہیں جس کا خلاصہ یہ ہے "حضرت حسنؑ کے انتقال کے بعد اس مقدس عہدہ
پر ان کے چھوٹے بھائی حضرت حسینؑ پیغمبر اسلام کی پیشینگوئی کے موافق امام تسلیم
کئے گئے۔ حالانکہ ظاہری سلطنت اس زمانہ میں جا چکی تھی مگر اپنی ذاتی لیاقت

اور پیغمبر [illegible] کے حقیقی نواسے [illegible] عزت حسین کی نظر میں بہت کچھ
عزت باقی تھی۔ اس [illegible] یزید [illegible] یزید اموی کو تقدیر
نے یا کسی [illegible] نے [illegible] مذکور کا تمام [illegible] دنیا
اس وقت سلطنت کے دعویٰ کا خیال حضرت حسین کی طرف سب سے زیادہ
تھا۔ اس لئے اس [illegible] حضرت ممدوح بھی یزید اموی کو یا قائم
پیغمبر اسلام کا جانشین تسلیم [illegible] یزید [illegible] شراب خواری وغیرہ ناجائز
افعال کے سبب [illegible] وقعت کے ساتھ
نزدیک [illegible] سے [illegible] وغیرہ
مقامات کے [illegible] ممکن ہو سکے یزید اموی کو
معزول کرنا چاہا۔ حضرت حسین [illegible] کیا
برس پہلے [illegible] سمجھ
اگر میں نے یزید سے [illegible] بیعت کر لیں
اور تمام ناجائز افعال [illegible] نہایت ایمانداری اور
جوانمردی سے تمام مصیبتوں کے مقابلہ میں [illegible] دیا [illegible]
مسلمان جو دیکھ [illegible] نہیں اس [illegible]
وہ حال سنکر واقعی [illegible] اور بلا مبالغہ سیکڑوں
[illegible] بھیجکر حضرت [illegible] طلب کیا تا [illegible] اس وقت
حضرت حسین [illegible] کے سامنے [illegible] تھا کہ بلانے
سے جائیں [illegible] کہ دنیا کے ہر معاملہ [illegible] کے قواعد کے موافق
کرنا چاہتے تھے۔ اپنی [illegible] لوگوں اور روشن ضمیری سے دو [illegible]
تھا [illegible] سے [illegible] بادشاہ [illegible]
سے مٹا رہا ہے جو پیغمبر [illegible] بڑی محنت [illegible]
اُسکے حال پہ چھوڑ دے [illegible]

ساتھ بیٹھا رہنے دیتی جو بندوں کی اصلاح کے لئے پیشوایان دین کی طبیعت
میں خدا پیدا کر دیتا ہے خصوصاً جبکہ ہزاروں مسلمان مدد کے لئے بھی مستعد
ہوں۔ دوسری مصیبت یہ بھی کہ حضرت مرتضیٰؑ کے زمانہ سے اس وقت تک کا
تجربہ بتا رہا تھا کہ یہ لوگ ہرگز قابل اعتبار نہیں۔ پے در پے بیوفائی اور
وعدہ خلافی کر چکے اب پھر کرینگے۔ یہ جان کر اپنی اور اپنے ساتھیوں کی
جان ضائع کرنا بھی جائز نہ تھا۔ اب کیا کرتے اس بے انتہا تردد کی حالتیں
جس نے انکی رائے کو یکسو کیا وہ خود انھیں کا یہ مقدس خیال تھا کہ جان دو اور
یزید اموی کے ہاتھ سے بندگان خدا کا ایمان بچاؤ۔ جب الہام یا خود اپنی
حق پسند طبیعت نے یہ فیصلہ کر دیا تو اب زمانہ کی کوئی قوت اور دنیا کی کوئی
مصیبت ان کو اس ارادہ سے پھیر دینے میں کامیاب نہ ہوئی۔ آخر شدت گرما
میں مدینہ سے عراق کا سفر اختیار کیا وہ لوگ جنھوں نے متواتر خطوں کے
ذریعہ سے حضرت حسینؑ کو یزید اموی کے مقابلہ پر آمادہ کیا تھا مدد سے بالکل انکار
کر گئے۔ یہاں تک کہ ہزاروں آدمیوں کے مقابلہ میں فقط ۷۲ آدمی رہ گئے
جنکی تعداد پورا کرنے کو ایک چھ مہینے کا بچہ بھی تھا۔ یہی لوگ درحقیقت ایک
سچے مذہب کے نمونے تھے جنھوں نے قصد کر لیا تھا کہ جان دینگے مگر یہ ثابت کر کے
رہیں گے کہ اگر یزید اموی کا طریقہ سچا ہوتا تو حضرت امام حسینؑ ضرور بیعت کر لیتے اور
ہرگز اپنی جان نہ دیتے۔ فی الواقع اس وقت اس تدبیر سے بہتر اور کوئی تدبیر
نہ تھی۔ کیونکہ سلطنت موجود نہ تھی کہ خوف و لالچ سے لوگ اس طرف نہ جاتے
تقریر کا اثر کہاں تک خیالات کی اصلاح کرتا اب جان دیکر اپنا مطلب نکالنا
اسکے سوا کوئی چارہ نہ تھا۔ محرم کی دسویں سنہ ۶۱ ہجری مطابق دس اکتوبر سنہ ۶۸۰ع

اس لاجواب لڑائی کی تاریخ ہے۔ کئی ہزار فوج کے ساتھ لڑنے میں بہتر آدمیوں کا زندہ رہنا محال تھا۔ زندگی کے تلف ہونیکا یقین کامل تھا۔ مگر ساری رات عبادت خدا میں بسر کی۔ کپڑے بدلے۔ ان افعال سے ثابت ہو رہا تھا کہ مرنے کا یقین اور یقین کے ساتھ خوشی ہے اس لڑائی کو حصول سلطنت پر محمول کرنا ایک بڑی بے انصافی کی بات ہے۔ نہایت آسانی سے ممکن تھا کہ حضرت امام علیہ السلام یزید اموی سے اس کی تمنا کے موافق بیعت کر کے اپنی جان و دل بچا لیتے مگر اس ذمہ داری کے خیال نے جو مذہبی ریفارمر کی طبیعت میں ہوتا ہے اس بات کا اثر نہ ہونے دیا اور نہایت سخت مصیبت اور تکلیف پر ایک بے مثل صبر و استقلال کے ساتھ قائم رکھا۔ اولاد کا اس سے قتل ہونا۔ چھوٹے چھوٹے بچوں کا مارا جانا زخموں کی تکلیف۔ عرب کی دھوپ۔ پھر اس دھوپ میں زخمی کی پیاس یہ ایسی تکلیفیں نہ تھیں جو سلطنت کے شوق کے سامنے کسی آدمی کو صبر کے ساتھ اپنے ارادہ پر قائم رہنے دیتیں۔ انتہیٰ

(۳) مسٹر بنجاسن مورخ نے بھی اپنی مشہور کتاب دی ہسٹری کے صفحہ ۲۸۲ پر اس واقعہ کو بہت تفصیل سے لکھا ہے۔

(۴) ڈاکٹر جوزف مورخ فرانس نے اس کتاب میں جس کا نام اس نے اسلام اور اسلامیان رکھا ہے اسلامی فرقوں میں سے ہر ایک کی ترقی کا حال مدلل و مشرح لکھا ہے اسمیں نہایت تفصیل سے واقعات کربلا پر بطور پیشنگوئی رائے زنی کی ہے کہ یہ شہادت اسلام صحیح کی ترقی کا ایک اعلےٰ ذریعہ ہے جو دم بدم اثر دکھا رہا ہے۔ مجالس غم جو برپا ہوتی ہیں ان میں جدائی تاثیر نمایاں ہے۔ واقعات کربلا سننے سے لوگوں کی طبائع کا میلان اس طرف ہوتا ہے اور خود بخود اس واقعہ کی سچائی پر قوت [illegible] ہی مدد دینے کو [illegible] ہے میری رائے میں ایک زمانہ ایسا آنے والا ہے کہ یہ [illegible] تمام دنیا [illegible]

پر اپنا قبضہ کرکے سب کو رعایا بنالیگا۔

(۵) روزنامہ مقدس اخبار حبل المتین نے جو کلکتہ کا نہایت مشہور اور وقیع فارسی زبان کا اخبار تھا اپنی اشاعت ۲۱ مورخہ ۱۹ محرم ۱۳۲۹ھ میں زبان فارسی ڈاکٹر مسیو ماربین کی ایک تحریر شائع کی تھی جو اوس نے اپنے رسالہ سیاسیہ اسلامیہ میں لکھی تھی۔ یہ ڈاکٹر شہر لیڈن ملک جرمنی کا ایک مشہور اور نامور ... ہے اس نے مذکور بالا مضمون میں واقعہ شہادت پر نہایت تفصیل سے اپنا خیال ظاہر کیا ہے اور اس نے جس غائر نظر سے شہادت امام حسینؑ کو دیکھا ہے وہ خود اس کی کمال قوت تحقیق اور فہم سے قدرت تعقیب پر دال ہے۔ اس مضمون کا خلاصہ یہ ہے " خاندان بنی امیہ بنی ہاشم کا قطعی دشمن تھا۔ ان لوگوں کی یہ عین تمنا تھی کہ آل ہاشم سے کوئی متنفس صفحہ عالم پر نہ رہے۔ جب محمدؐ نے غلبہ حاصل کرلیا تو سرکشان بنی امیہ پر بھی ان کا دبدبہ قائم ہوگیا۔ تو وہ دب کر مسلمان ہوگئے تھے مگر آتش حسد دونوں میں مشتعل رہتی تھی اور ہمیشہ اسی تاک میں لگے رہتے تھے۔ بنی ہاشم کا زور گھٹے۔ پیغمبرؐ وفات پاگئے۔ اور انکی کوشش سے جانشینی بلا فصل اسی کے اصول پر نہ رہی بلکہ انتخاب پر اس کا استقرار تجویز ہوا۔ اس ترکیب میں بنو امیہ کامیاب ہوگئے اور بنی ہاشم مغلوب رفتہ رفتہ محمدؐ کا تیسرا خلیفہ آل امیہ سے قرار پاگیا۔ امویوں میں عام طور پر انکا اقتدار بڑھتا گیا۔ یہ لوگ صرف ظاہری طور سے مسلمان تھے۔ ورنہ حقیقت اسلام انکی طبائع میں جاگزین نہ ہوئی تھی۔ جب پورا زور پکڑ گئے اور اپنے جاہ و جلال کی نیو کو مستحکم دیکھ لیا تو اس دین کا مذاق اڑانے لگے جس نے بنی ہاشم کے گھر سے رواج پایا تھا۔ اسی بنیاد پر یزید نے اس امر عظیم کے پورا کرنے کا مصمم ارادہ کرلیا جسکے ذکر کرنے سے قلم سخت کاغذ پر مرتعش ہے۔ جو شخص اس زمانہ کے حالات اور بنو امیہ کے طرز معاشرت کو جانتے ہوئے ہے وہ بے تامل اس امر کی

تصدیق کر سکتا ہے کہ حسینؑ نے اپنی جان دیکر نانا کے دین کو زندہ کر دیا۔ اگر یہ حادثہ پیش نہ آتا تو اسلام کبھی اس پیمانہ پر قائم نہ رہتا جو کہ محمدؐ نے تجویز کیا تھا۔ حسینؑ نے وہ کارِ نمایاں کیا جس کی غایت سمجھنے کے لیے خدا نے انھیں کو دماغ عنایت فرمایا تھا۔ حسینؑ اپنی جان پر کھیل کر بازی لے گئے۔ دین کو بچا لیا اور بنی امیہ کی نسل کو دنیا سے مٹا دیا۔ حسینؑ کی شہادت نے عام طبائع پر یہ اثر ڈالا کہ قوم بنی امیہ نفرت بھری نگاہوں سے دیکھی جانے لگی۔ خونِ ناحق نے ایسا جوش پھیلایا کہ ہر چہار طرف انتقامی جھنڈے بلند ہو گئے جس سے ان کا خاتمہ ہو گیا۔ جو لوگ غلط فہمی سے واقعہ کربلا کو ملکی جھگڑا سمجھتے ہیں وہ بالکل غلط راستہ پر چل رہے ہیں۔ واقعہ کربلا کا ملکی نزاع سے متعلق نہ ہونا ایسا صاف معاملہ ہے کہ جس میں کسی عقل سلیم کو عذر نہیں ہو سکتا۔ آپ جب مدینہ سے روانہ ہوئے تو برابر کہتے جاتے تھے کہ میں ضرور قتل کیا جاؤں گا۔ اگر آپ کو طمع دولت ہوتی تو مع سامان تیار ہو کر جاتے۔ اگر وہ بقصد ملک گیری آمادۂ جنگ ہوئے ہوتے تو ہر گز لوگوں کو خبر قتل دیکر پریشان نہ کرتے بلکہ افزائش لشکر میں کوشش کرتے۔ کیونکہ جب کوئی بادشاہ بطمع ملک و دولت قصد جنگ کرتا ہے تو اس کی نظر سب سے پہلے سپاہ کی ترقی اور بھیڑ بھاڑ کی فراہمی میں ہوتی ہے۔ حقیقت میں اگر حضرت کو منظور ہوتا تو وہ اپنی تھوڑی سی فوج سے فتح عظیم حاصل کرتے اور اپنے نانا کی مدد سے ہمت کر کے قائم کرتے اور مخالفوں کا نام ہمیشہ کے لیے صفحۂ عالم سے مٹا دیتے۔ اکثر لوگوں نے آپ کو سفر کرنے سے منع کیا لیکن آپ سب کو یہی جواب دیتے تھے کہ میں قتل ہونے کے لیے جا رہا ہوں۔ اس وقت کہا جاتا تھا کہ پھر عورتوں کو کیوں لیے جاتے ہیں جواب ملتا تھا کہ خدا کی مشیت یہی ہے کہ میں قتل ہوں اور یہ قید ہوں۔ یہ واقعہ بتا رہا ہے کہ حسینؑ نے تمام مصائب سلطنت کے لئے گوارا کئے تھے نہ

بے سمجھے بوجھے اپنے نفس کو مہلکہ میں ڈالا تھا بلکہ ایک مطلب بزرگ کی تخم ریزی
مرکوز طبیعت تھی کہ جو بلا قبول شہادت ناممکن تھی۔ آپ اپنے خاص لوگوں
کو مطلع کر چکے تھے کہ میری شہادت اور گھر بار لٹ جانے کے بعد خدا ایسی جماعت
پیدا کرے گا جو حق کو باطل سے جدا کریگی وہ میری زیارت کو آئیں گے اور
میرے مصائب پر آنسو بہائیں گے۔ وہ لوگ میرے جد بزرگوار کے دامن
امن میں ہونگے۔ چنانچہ ایسا ہی ہوا۔ ہنوز حسینؑ کے حرم دربار میں پہونچے
تھے کہ فوارۂ خون خواہی ہاتھوں اُچھلنے لگا۔ اپنی بے انتہا مظلومیت اور بنی
امیہ کی حد درجہ کی شقاوت ثابت کرنے کے لئے حسینؑ نے میدان قتال میں
وہ کام کیا کہ زمانہ کے فلاسفر کی عقول کو متحیر کر دیا وہ اپنے نادان بچے کو ہاتھوں
پر اُٹھا کر لائے اور لشکر یزید نے جیسا پانی اس کو پلایا اس سے تمام عالم سمجھ گیا
کہ بنی امیہ سے زیادہ قسی القلب کوئی دوسرا نہیں ہو سکتا۔ اگر اس واقعہ
پر گہری نظر ڈالی جائے تو معلوم ہو سکتا ہے کہ واقعہ کربلا سے پہلے اکثر
رؤسا روحانی بہ ہزار شدائد مارے گئے۔ مگر کوئی رئیس مظلوم وادی نینوا
کے سامنے کچھ وقار نہیں رکھتا۔ بنی اسرائیل میں بعض واقعات پیش آئے
جناب یحییٰ کا واقعہ عظیم الشان سمجھا گیا۔ مسیح سے جو یہود نے بدعنوانی کی قابل
بیان نہیں۔ ان مظلوم و مقتول لوگوں نے ارادتاً اپنے آپ کو قتل نہیں
کرایا بلکہ دشمنوں نے غفلت دیکر ان پر حملہ کیا۔ اور حسینؑ نے نہایت مضبوط
ارادہ سے اپنی جان ہی نہیں دی بلکہ جان سے عزیز تر چیزوں کو نذر خدا کیا
اسی واسطے ان کے غم میں قدرت نے وہ اثر پیدا کیا کہ تمام مظلوموں سے بڑھ گئے
کوئی واقعہ کوئی حادثہ جو کہ بے دردی سے پیش آیا تھا خلائق کی طبیعت میں
ایسا موثر نہیں ہوا۔ جس شہر میں جس محلہ میں دیکھو حسینؑ حسینؑ کی آواز آرہی ہے

اسلام کی ترقی اسکی حقانیت ووقعت کا قوی سبب یہی ایک شہادت ہے۔ اب سے
سو برس پہلے حسینؑ کے پیرو ہندوستان میں باین قلت تھے کہ انگلیوں پر انکا شمار ہو سکتا تھا۔
اس وقت مردم شماری پر نظر کرنے سے معلوم ہوتا ہے کہ باعتبار عدد اس کثرت پر پہونچگئے
کہ تیسری قوم شمار ہونے لگے۔ ہمارے مذہبی علماء یعنی پادری شبانہ روز سرگرم
وعظ رہتے ہیں مگر اس ترقی کا جو ستداران حسینؑ نے حاصل کی دسواں حصہ بھی
انکو نہ ملا۔ اس روز افزوں بڑھاوے کا سبب وہی مجالس ہیں جو اس مظلوم کے غم
میں برپا کیجاتی ہیں۔ طرفداران حسینؑ کی یہ ایسی اثر خیز مشنری ہے جو ہمیشہ انکو کثرت کے
بلند زینے پر پہونچاتی رہیگی۔"

(۶) ہمارے طبقہ صوفیائے کرام کے مشہور رسالہ نظام المشائخ ماہ محرم ۱۳۲۰ ہجری
میں ایک مضمون "اجنبی کے آنسو" چھپا تھا۔ اسکی بعض عبارتیں سنو۔ یہ زمین جو پانی
کے اوپر ایک بڑا کرۂ ہے جسکو سورج روشن کرتا ہے اور اندھیرا تاریک بناتی ہے اسمیں
شور وغل بھی ہے، اور خاموشی بھی۔ آہ وبکا بھی ہے اور قہقہہ بازی بھی۔ غرض ہر طرح
کا نیک وبد خشک وتر تماشا اس وجود میں موجود ہے۔

اسی زمین کی پشت پر آسمان وزمین کے سردار حضرت محمد مصطفےٰ صلی اللہ علیہ وسلم
کے پیارے نواسے امام حسین علیہ السلام کو بھوکا اور پیاسا ذبح کردیا گیا اور پھر اس
زمین کے رہنے والوں نے مظلوم حسینؑ کے جانکاہ حادثہ پر نالہ وزاری شروع کی۔
ہم چاہتے ہیں کہ اُن مسلمان ماتم کرنے والوں کا ذکر جو شیعہ اور سنی کے نام سے
مشہور ہیں یہاں نہ کریں۔ کیونکہ دنیا جانتی ہے کہ وہ لوگ جو حضرت محمد مصطفیٰ صلے اللہ
علیہ وسلم کا کلمہ پڑھتے ہیں شیعہ ہوں یا سُنی مقلد ہوں یا غیر مقلد صوفی ہوں یا
وہابی سب کے سب لازمی طور سے حضرت امام حسین علیہ السلام کی شہادت سے کچھ نہ کچھ ضرور
متاثر ہوتے ہیں۔ لہذا انکے آنسوؤں کا حال لکھنا اتنا باثر اور ضروری نہیں ہے
جتنا غیر مسلم لوگوں کے آنسوؤں کا جو حسینؑ کے غم میں بہائے جاتے ہیں بیان کرنا
ضروری ہے۔

ایشیا میں کوئی قوم ایسی نہیں ہے جس کو واقعہ کربلا کا علم نہ ہو اور جو شہادت امام حسین علیہ السلام کو بے گناہی کا قتل عام نہ مانتی ہو۔ خاص کر ہندوستان جہاں کے باشندے قدرتی طور پر نرم دل اور درد شناس پیدا ہوئے ہیں غم حسینؑ میں مسلمانوں سے بڑھکر حصہ لیتے ہیں۔ اگرچہ فلسفیانہ نگاہ رکھنے والے اسکی تاویل یہ کرینگے کہ چونکہ ہندوستان میں کئی سو برس تک مسلمانوں کی بادشاہت رہی ہے اسلئے ماتم حسینؑ میں ہندو حکومت کے دباؤ اور اثر سے حصہ لینے لگے ورنہ انکو واقعہ کربلا سے متاثر ہونیکی کوئی وجہ نظر نہیں آتی۔ مگر ان لوگوں کا یہ خیال بالکل غلط ہے۔ اگر حکومت کا دباؤ مذہبی معاملات میں کام آسکتا ہے تو ہندو محض محرم داری ہی میں حصہ نہ لیتے بلکہ ان پر اسلام کا اصلی اور پختہ رنگ چڑھ جاتا اور سرزمین ہند پر غیر مسلموں کی یہ بے شمار تعداد قائم نہ رہ سکتی۔ ہندوؤں نے ماتم حسینؑ کی شرکت صرف اپنے دلی میلان کے سبب سے کی۔ آج جبکہ اسلامی تاج و تخت کا ہندوستان میں نام و نشان باقی نہیں ہندو اسی جوش و خروش سے محرم کی ماتم داری میں حصہ لیتے ہیں جس طرح شاہی زمانہ میں انکا دستور تھا۔ بلکہ روز بروز انکا یہ میلان ترقی پر ہے آریہ سماج نے ہزاروں کوششیں کیں کہ ہندو ان اسلامی رسومات میں شریک ہونا چھوڑدیں مگر ایک بچہ نے بھی آریہ سماج کی آواز کو نہ سنا اور برابر حسینؑ کی ماتم داری... کر رہے ہیں۔ بدقسمتی سے ہندوستان میں شمار و اعداد کا طریقہ جاری نہیں ہے ورنہ ہم بتلاتے کہ کن کن شہروں میں ہندو مسلمانوں کے برابر یا ان سے زیادہ محرم داری کرتے ہیں۔ گزشتہ سال لکھنؤ کے تعزیوں کا شمار کیا گیا تو معلوم ہوا کہ تین سو تعزیے صرف ہندوؤں کے تھے۔ اسی طرح اور شہروں کا قیاس ہو سکتا ہے۔ ہندوؤں کے بعض فرقوں میں حضرت امام حسین علیہ السلام کی ایسی عقیدت پائی جاتی ہے کہ وہ اپنی اولاد کا نام بھی حضرت امامؑ کے نام پر رکھتے ہیں اور بعض فرقوں میں حضرت امامؑ کی مانتا اتنی بڑھ گئی ہے کہ اور سب دیوتاؤں کی پوجا چھوڑدی گئی۔ ہر رنج و راحت میں حضرت امام ہی کے نام کو پکارا جاتا ہے۔ سندھ اور گجرات۔ کاٹھیاواڑ اور

بمبئی کے علاقہ میں جس قدر لے . . . پائے جاتے ہیں یہ سب ایک زمانہ میں ہندو تھے
شہید امام کے داعیوں نے امام کی شہادت اور اونکی مافوق العادت بزرگیوں کا
وعظ کہکر ان قوموں کو مسلمان کیا ۔ گویا شہادت امام کے طفیل لے ۔ کی وہ بے شمار
تعداد جس کا شمار پچاس ساٹھ لاکھ کے قریب ہوگا دائرہ اسلام میں شامل ہوئی ۔

ہم نے بیان کر دیا ہے کہ ہندوستان کے باشندے قدرتی اثر سے اس قسم کے
واقعات سے متاثر ہو جاتے ہیں جیسا کہ شہادت کا سانحہ ہے ۔ پس انکا ماتم
حسینؑ میں شریک ہونا چنداں تعجب خیز نہیں ہے ۔ دیکھنا اس بات کا ہے
کہ یورپ کے باشندے جو اپنی مضبوط خیالی اور عقل پرستی کے سبب سنگدل ہوگئے
ہیں وہ بھی شہادت حضرت امام پر آنسو بہائے بغیر نہ رہ سکے ۔ بڑے بڑے آزاد
خیال اور نامور یوربین مصنفوں نے صفحہ کاغذ پر ماتم حسین علیہ السلام میں غم کے
آنسو قلم کی آنکھ سے بہائے ہیں ۔ ادن سب کا یکجا قلم بند کرنا تو بہت دشوار
ہے لیکن دو چار مشہور انگریزوں و دیگر یوربین حضرات کے اقوال ذیل میں درج
کئے جاتے ہیں جن سے شہادت کے متعلق یورپ کی عام رائے کا اچھی طرح اندازہ
ہو سکتا ہے ۔

مسٹر جیمس کارکرن چین کی تاریخ میں لکھتے ہیں :۔

دنیا میں رستم کا نام بہادری میں مشہور ہے ۔ لیکن کئی شخص ایسے گزر گئے ہیں کہ
اونکے سامنے رستم کا نام قابل لینے کے نہیں ۔ چنانچہ اول درجہ میں حسینؑ بن علیؑ کا مرتبہ
بہادری میں ہے ۔ کیونکہ میدان کربلا میں ریت پر تشنگی اور گرسنگی میں جس شخص نے
ایسا کام کیا ہو ۔ اوسکے سامنے رستم کا نام وہی شخص لیتا ہے جو تاریخ سے واقف نہیں ۔

مسٹر گبن جو بڑے نامور مصنف ہیں اپنی کتاب گبنز رومن امپائر کی نویں جلد صفحہ
۴۷۴ میں رقمطراز ہیں ۔

" امام حسینؑ کا پر درد واقعہ ایک دور دراز زمانہ اور دور دراز ملک میں واقع ہوا ۔

لے راقم مضمون نے اس جگہ بعض مقتدر مسلم قوموں کا ذکر کیا ہے جو صوبہ بمبئی وغیرہ میں آباد ہیں ۔ جامع ۱۲ سیلہ

یہ ایک ایسا واقعہ ہے جو بیرحم اور سنگدلوں کو بھی ہلا دیتا ہے۔ اگرچہ کوئی کتنا ہی بیرحم دل ہو مگر حسینؑ کا نام سنتے ہی اوسکے دل میں ایک جوش ہمدردی کا پیدا ہوجائیگا"۔ اسی طرح مسٹر جان لونگ نے حضرت امام علیہ السلام کا چارسو شعر میں نہایت دردناک مرثیہ لکھا ہے جسمیں آخری رائے حضرت امام علیہ السلام کی نسبت ان الفاظ میں دی ہے۔

"وہ شخص دین دار خدا پرست۔ فروتن۔ خلیق اور بے مثل بہادر تھا وہ سلطنت و حکومت کے واسطے نہیں لڑتا تھا بلکہ خدا پرستی کے جوش میں۔ وہ یزید سے اس واسطے بیزار تھا کہ یزید کے افعال اسلام اور دین احمدی کے خلاف تھے"۔

ایک مشہور آفاق انگریز مسٹر ارتھر این ولسٹن سی۔ آئی۔ ای نے کتاب "ہاف آور ود محمد" میں حسینؑ کا شہادت نامہ نہایت دردناک پیرایہ میں لکھا ہے حضرت علے رضی اللہ عنہ اور امیر معاویہ کے سیاسی تعلقات اور مابعد کے واقعات پر اس کتاب میں نہایت معقولیت اور واقفیت سے بحث کی گئی ہے۔ اگر ہم اوس کتاب کے اور مصنف کے اون محبتانہ خیالات کا جو حضرت امام علیہ السلام کی نسبت ظاہر کئے گئے ہیں اس جگہ اقتباس بھی کریں تب بھی یہ مضمون جس میں اختصار نویسی کی تاکید ہے بہت طولانی ہوجائیگا۔ لہذا انہی دو تین اقتباسات پر یہ تحریر ختم کی جاتی ہے۔

حاصل کلام یہ ہے کہ حضرت امام حسین علیہ السلام کی شہادت پر اپنے ہی آنسو نہیں بہاتے ہیں بلکہ اس غم میں اغیار بھی چشم پرآب ہیں"۔ انتہی

(ج) اور انسائیکلوپیڈیا برٹانیکا جلد ۱۱ صفحہ ۵۰۸ میں لکھا ہے "بیان علےؑ بن ابیطالبؑ ابن عم وخویش محمدؐ ہیں اور وہ ہیرو ہیں جنکے غم میں ہر سال ہندوستان و ایران میں شیعہ محمدی ماہ محرم میں اظہار جوش وجذبہ دلی کرتے ہیں اونکی تاریخ سمجھنے کے لئے پیغمبرؐ سے اون کے مراتب کا جاننا ضروری ہے جو ذیل کے شجرہ سے ظاہر ہے:۔

عبد مناف

عبدالشمس — اُمیہ — حرب — ابوسفیان — معویہ — یزید

(مورث اعلی خلفائے بنی امیہ)

دمشق ۶۵۰-۷۵۰ء (کارڈوا ۷۵۵-۱۰۳۱)

ہاشم — عبدالمطلب — عبداللہ — محمدؐ — فاطمہؑ

عباس — مورث اعلی خلفائے عباسیہ ۷۵۰-۱۲۵۸ عیسوی

ابو طالب — علیؑ

(بینھما برزخ لا یبغیان) مترجم

منسوب بتذبہ

(مرج البحرین یلتقیان) مترجم

(یخرج منھما اللؤلؤ والمرجان) مترجم

حسنؑ و حسینؑ

(فبای آلاء ربکما تکذبان) مترجم

عہدۂ تولیت کعبہ (معبد کعبہ) و شیخ قبیلہ قریش جو عبد مناف سے متعلق تھا اون کے بڑے بیٹے عبدالشمس کو پہونچتا اگر اونکے دوسرے بیٹے ہاشم کو بصلہ چند فتوحات کے نہ دیا جاتا۔ اور یہ واقعہ دونوں گھرانوں میں سخت عداوت کا باعث ہوگیا۔ جب محمدؐ کا انتقال ہوا تو علیؑ نے منصب خلافت (نیابت یا جانشینی) کے حقدار ہونے کا دعویٰ کیا لیکن ابوبکرؓ پدر عائشہؓ (پیغمبرؐ کی چہیتی بیوی) اور عمرؓ پیغمبرؐ کے دوسرے خسر اور عثمانؓ کہنہ و خاندان بنی امیہ کے اکیلے ممبر کہ جو شریک صف مسلمین ہوا تھا جو وہاں حریف پایا۔ عائشہؓ نے جو علیؑ سے اس سبب سے ناراض تھی کہ اونھوں نے وہ بد عنوانی (بے عفتی) کے تمام کو جو عائشہؓ کے حق میں لگایا گیا تھا سماعت کیا تھا بنی امیہ سے بتعلق [illegible] کی سخت مخالفت کی تھی۔ ابوبکرؓ کے انتخاب سے ذرا بات دب گئی جب [illegible] پھر عمرؓ خلیفہ ہوا اور جب اوسکی بھی موت کا نمبر آیا تو عثمانؓ منتخب ہوا کیونکہ [illegible]

شرائط کے قبول کرنے سے انکار کیا جو ان کے سامنے پیش کی گئی تھیں کہ وہ قدیم رسم و رواج (سیرت شیخین) اور قرآن کے مطابق حکومت کریں سلہ عثمان نے اپنی خلافت پر اپنے خاندان امیہ کی بیہودہ طرفداری ظاہر کی اور معویہ کو جو نبی کا سخت دشمن تھا شام کا حاکم مقرر کیا۔ عثمان ۶۵۵ء میں قتل کیا گیا اور تب علیؑ بغیر کسی شرط کے خلیفہ مقرر ہوئے۔ ادنھوں نے فوراً معویہ سے بیعت طلب کی جس نے اطاعت سے انکار کیا اور بے رحم (کٹر) عائشہ کے اثر سے مدد پاکر اپنے واسطے خلافت کا دعویٰ کیا۔ دونوں فریق میں سخت جنگ ہوئی۔ اور ابتدا میں علیؑ فتحیاب ہوئے۔ لیکن آخر کار سازش کے سبب اس بات پر مجبور ہوئے کہ اپنے حقوق پنچایت پر چھوڑیں۔ بجائے اسکے کہ اپنی جنگی فتوحات سے فائدہ اُٹھاتے اُنکے پیرووں کی ایک جماعت تقریباً بارہ ہزار آدمی اس بات سے بگڑ کر اون سے جُدا ہوگئے اور اس طرح ادنھوں نے فرقہ خوارج کی بنیاد ڈالی جو عام مرضی کے موافق باقاعدہ قائم شدہ حکومت کے مخالف ہیں۔ تین خارجیوں کی سازش کا نتیجہ علیؑ کا قتل ہوا۔ جو مسجد کوفہ کی محراب (در) میں مارے گئے۔ اور اس شہر سے ۵ میل کے فاصلہ پر ایک جگہ دفن ہوئے بعد ازاں اونکی قبر پر ایک شاندار عمارت بنائی گئی جہاں من بعد شہر مشہد علیؑ (مرقد علیؑ) آباد ہوگیا جو اون بڑے مقامات میں ایک ہے جہاں شیعہ زوار بکثرت جاتے ہیں۔ علیؑ کی وفات پر اونکے بڑے بیٹے حسنؑ خلیفہ مقرر ہوئے۔ مگر ادنھوں نے خلافت معویہ پر چھوڑ دی اس شرط پر کہ جب وہ مر جائیگا تو پھر وہی حسنؑ خلیفہ ہونگے۔ مگر معویہ نے جو چاہتا تھا کہ اوس کا بیٹا یزید اوس کا جانشین ہو حسنؑ کو اونھیں کی ایک بیوی سے زہر دلواکر ۸ برس بعد بری طرح مروا ڈالا۔ معاویہ کی وفات پر یزید اپنے باپ کا جانشین ہوگیا۔ بغیر مخالفت یا انتخاب کے۔ اور اموی خاندان اس طرح تخت پر مضبوطی سے مسلط ہوگیا۔ مگر

لہ یہاں راقم مضمون نے بوجہ عیسائی ہونے کے اسلام پر چند پرانے اعتراض کئے ہیں جو ہماری بحث سے خارج ہیں ۱۲۔ مترجم

خاندانِ علیؑ کے طرفدار مطمئن نہ تھے۔ اونھوں نے حسینؑ ابن علیؑ کے باقیماندہ بیٹوں کو خفیہ طور پر کوفہ بلایا کہ وہاں اس گروہ کے سردار بنیں اور یزید پر خروج کریں۔ لیکن یزید نے جس کو اس تحریک کی خبر موقع پر لگ گئی تھی ہوشیاری سے تدابیر کیں۔ عبیداللہ ایک زبردست افسر کو کوفہ کا حاکم مقرر کیا گیا جس نے حسینؑ کے ایلچی مسلم اور ہانی کو جس کے گھر میں وہ چھپے ہوئے تھے گرفتار کرلیا اور جب وہاں کے باشندگان نے ہجوم کیا اور اونکی رہائی پر مصر ہوئے تو اس نے اُن دونوں کی گردن ماردی اور اون کے سر اس انبوہ کی طرف پھینک دیئے حسینؑ کو مارے (بابل لوبیا) کے حدود پر حُر نے مع چند سواروں کے روک لیا اور کہا "مجھے آپکو تنہا کوفہ لیجانے کا حکم ہے"۔ لیکن پھر بھی اجازت دی کہ خواہ آپ کسی راہ سے جائیں مگر "میری نظروں سے اوجھل نہ ہوں"۔ ایک سوار اونکو راہ میں ملا جو عبیداللہ کی طرف سے خفیہ احکام لایا تھا کہ حسینؑ کو کھلے میدان اور غیر محفوظ جگہ میں لیجائیں اور اس وقت تک ٹھہرے رہیں جب تک کہ عمر فوج شامی کا کمانڈر اپنی فوج لے کر آجائے۔ یہ دوسرے دن ہوا۔ اور حسینؑ معہ متعدد حوالیوں کے چار ہزار سواروں میں گھر گئے اور بعد سخت مقابلہ کے میدان کربلا میں دریائے فرات کے کنارے عجیب دردانگیز حالات میں قتل کئے گئے حتی کہ اونکا اصغر السن بچہ عبداللہ اور اُنکا بھتیجہ جو ایک خوبصورت بچہ تھا دونوں اونکی آغوش میں مقتول ہوئے۔ یہ واقعہ ۱۰ محرم سنہ ۶۱ ہجری (۶۸۰ء) کو ہوا اور اس ماہ میں ہندوستان اور ایران کے شیعہ اس یادگار کو تازہ کرتے ہیں اور نہایت معجزانہ (فوق العادۃ) طور پر اس کا اظہار ہوتا ہے جسکے خاص سین ہر روز دکھائے جاتے ہیں۔ اور اختتام رسم اس طرح ہوتا ہے کہ شہداء کے تابوت یا ضریح کھلے میدان میں عموماً گورستان یا ساحل دریا کے قریب کے مقامات کی طرف لے جاتے ہیں۔

علیؑ اور اونکے دودمان کی حمایت اہل ایران نے نہایت سرگرمی سے اختیار کی جنھوں نے بزور اسلام قبول کیا تھا مگر سنیوں کے مذہب سے سخت نفرت رکھتے

تھے۔ اس گروہ کا نام شیعہ (خاص فرقہ کے لوگ) ہے اور انکی اور سینوں کی عداوت نے جو یہود و ہنود اور سمٹک (نسل سام بن نوح) اور آریہ نسلوں کی عداوت کو یاد دلاتی ہے اسلام میں ایک ناقابل اصلاح رخنہ ڈال دیا ہے"۔

(۸) اور جسٹس مسٹر ارنولڈ صاحب نے جو بمبئی ہائیکورٹ رولنگ جلد ۱۲ صفحہ ۳۲۳ میں شایع ہوئی تھی "مسلمانوں کو عموماً یہ توقع تھی کہ حضرت علی علیہ السلام جو سابق الاسلام تھے اور رسول اللہؐ کے محبوب صحابی تھے اور انکی پیاری بیٹی کے شوہر تھے خلیفہ اول ہونگے مگر ایسا نہیں ہوا حضرت عائشہ (صدیقہ) کہ محبوب ترین ازواج رسولؐ سے تھیں۔ لیکن حضرت علی علیہ السلام اور حضرت فاطمہؑ علیہا السلام سے حسد و کینہ رکھتی تھیں۔ اپنے پدر بزرگوار ابوبکر (صدیق) کے خلیفہ منتخب ہونیکی باعث ہوئیں۔ انکے بعد حضرت عمر اور اُن کے بعد حضرت عثمان خلیفہ ہوئے جب ۳۵ھ میں خلیفہ ثالث مارے گئے تو خلافت ظاہری حضرت علی علیہ السلام کو دیگئی مگر بنی امیہ کی مخالفت کا سلسلہ انکے خلیفہ ہونے کے بعد بھی جاری رہا اور حضرت عائشہ اور معاویہ کی اعانت و حمایت سے بنی امیہ نے انکی خلافت میں بڑا رخنہ ڈالدیا اور ہنوز وہ جھگڑا طے نہ ہوا تھا کہ ۴۰ھ میں حضرت علیؑ مسجد کوفہ میں ایک خارجی کے ہاتھ سے شہید ہوئے۔ کوفہ ایک بڑا شہر مسلمانوں کا ساحل غربی فرات پر تھا۔ اب وہ بالکل برباد ہے۔ اور قدیم شہر بابل کے کھنڈرات کے قریب اسکے بھی کھنڈر ہیں۔ الغرض حضرت علی علیہ السلام کی شہادت سے سب مسلمانوں میں ایک تہلکہ پڑ گیا۔ حضرت علیؑ علیہ السلام کو سب عزیز رکھتے تھے۔ اور وہ اسی قابل تھے۔ اس زمانہ میں جب کہ شجاعان عرب شہرہ آفاق تھے ضرغام ابو طالبؑ اسد اللہ الغالبؑ ان کا لقب تھا۔ اور اشجع العرب بھی ان کو کہتے تھے۔ شجاعت۔ حکمت و سخاوت۔ ہمت۔ عدالت اور زہد و تقوی میں حضرت علی علیہ السلام کا عدیل و نظیر تاریخ عالم میں کمتر نظر آتا ہے۔ علاوہ اسکے وہ

[illegible]

زوج بتول یعنی بضعۃ الرسول حضرت فاطمہ علیہا السلام کے شوہر تھے جو رسول اللہ کی اکلوتی بیٹی اور پیاری بیٹی تھیں اور ابو الحسنین تھے جنکے عاشق زار خود انکے نانا رسول اللہ تھے اور خود رسول اللہ نے انکو مجمع احباب میں سردار جوانان بہشت فرمایا تھا۔ ان دونوں صاحبزادوں میں سے بڑے صاحبزادے حضرت حسن علیہ السلام نے عزلت گزینی اختیار کی اور اپنی خلافت موروثی کو معاویہ کے ہاتھ بمعاوضہ ایک رقم سالانہ کے فروخت کرڈالا اور باقی ایام زندگی مدینہ میں عبادت خدا اور نیک کاموں میں صرف کیا۔ سنہ ۶۶۹ء میں حسن مجتبیٰ کو ان کی زوجہ نے یزید بن معاویہ حاکم شام سے رشوت لیکر زہر سے شہید کیا۔ اب اہلبیت رسول سے صرف انکے چھوٹے بھائی امام حسین علیہ السلام باقی رہ گئے جنمیں پدر عالیمقدار کی ہمت وشجاعت کوٹ کوٹ کر بھری تھی اپنے بڑے بھائی کی شہادت کے گیارہ برس بعد اہل عراق کی منت وسماجت سے مجبور ہوکر مدینہ سے کوفہ کو روانہ ہوے کہ غاصبین بنی امیہ سے اپنے حق خلافت کا دعویٰ کریں اور اس سفر پر خطر میں اپنے عیال واطفال اور چند اصحاب کو بھی ہمراہ لے گئے یہاں تک کہ زمین کربلا تک پہونچے جو اس زمانہ میں ایک ریگستان دریاے فرات سے ایک روز کی راہ پر قریب کوہ تھا۔ وہاں جو پہونچے تو ایک فوج کثیر کو مقابلہ پر آمادہ پایا اسکے بعد جو واقعات غم انگیز گزرے تاریخ عالم میں کمتر نظر آتے ہیں۔ جو مصائب وشدائد معرکہ کربلا میں اہلبیت پر گزرے زبان زد خلائق ہیں صرف اتنا کہ دینا کافی ہے کہ اس واقعہ جانگزا نے اسلام کو تہ وبالا کر ڈالا۔"

(۹) اخبار مشرق گورکھپور مورخہ ۲۴ نومبر ۱۹۱۲ء نے حسب ذیل تحریر شایع کی تھی

تُو نے سر دے کے کیا دین کا سکہ جاری اللہ اللہ چہ عجب رتبہ عالی داری

آج جبکہ دنیا میں ہوائی جہازوں تلواروں اور توپوں کی گرج سے ایشیا یورپ افریقہ اور امریکہ تک گونج رہے ہیں۔ آج جب کہ لاکھوں آدمیوں کے خون سے

سمندر اور ہزاروں دشت و کوہسار خون کی تماشا گاہ بن رہے ہیں۔ اور جبکہ تمام عالم میں حب الوطنی۔ جان نثاری اور قربانی کرنے کا ولولہ ہر شخص میں گرم ہے تو یہ کوئی تعجب خیز امر نہیں ہے کہ ہماری نظریں دنیا کے ایک ایسے پردے کی طرف اُٹھیں جہاں آج کے بہت پہلے حب الوطنی۔ جان نثاری۔ قربانی اور قومی غیرت کا مقدس و معظم نمونہ نمایاں ہو چکا ہے۔ گو کہ ہزاروں ماضیت اور تاریخی انقلابات اُس وقت سے اِس وقت تک حائل ہیں۔ لیکن اوس کی انتہائی حمیت و غیرت اور حق پرستی ہر قوم سے داد طلب کئے بغیر نہیں رہی۔ فطرت انسانی کا قاعدہ ہی کہ وہ اپنے مشابہ اور ہمرنگ واقعہ کو یاد کرتی ہے۔ بہادر دل کی بہادری سے بہادر یاد آتے ہیں۔ جان نثاروں کی جان نثاری سے جان نثار یاد آتے ہیں۔ اور سر فروشوں کی سرفروشی سے سرفروش یاد آتے ہیں۔ اسی لئے اس وقت کی جانبازانہ جنگ اور دل ہلا دینے والی انسانی قربانی سے یہ بات تازہ ہو سکتی ہے کہ اس سے پہلے خدا کا ایک پاک بندہ محض خدا کی راہ میں اپنے آپ کو ذبح کرا چکا ہے۔ ممکن نہیں کہ جب حمیت اور غیرت کے مست و بیخود کرنے والے ترانے چھڑے ہوئے ہوں اُنھیں سنکر حمیت اور غیرت کے کارنامے یاد نہ آجائیں۔ خاصکر اس لئے کہ دنیا بہادری اور سرفروشی کا فیصلہ کرنے کے لئے بہت سے خونی تماشے دیکھ رہی ہے۔ اس لئے کہ کوئی ایسا شخص نہیں پایا جاتا جس کی سرفروشی اور بہادری پر تمام مورخوں کا اتفاق ہو مگر وہ کربلا کے فاتح شہید کی ذات اقدس ہے جس پر تمام لوگوں کا اتفاق ہے دنیا میں صرف وہی لوگ فاتح نہیں مانے جاتے جو بہت سے زیادہ آدمیوں کا خون بہا کر کسی قوم اور ملک پر قبضہ کرتے ہیں۔ بلکہ فاتح اوسکو بھی کہتے ہیں جو اپنی جان دیکر کسی معرفت اور اصول کے لئے ہمیشہ کے واسطے روشنی کا ایک مینار یا فولاد کا ایک کوہ بنکر صفحہ تاریخ پر قائم ہوتا ہے۔ کامیابیاں کئی قسم کی ہوا کرتی ہیں مگر سب سے زیادہ روشن کامیابی وہ ہوتی ہے جو کسی امر حق کی راہ میں نصیب ہوتی ہی اس راہ میں اگر فنا بھی ہو جائے تو اُس فنا کو بقا سمجھتے ہیں۔ کربلا کے شہید اعظم کو

فاتح کہتے ہیں۔ کیونکہ اصل فتح ناحق کوشوں کے بالمقابل حسین کو ہوئی۔ مورخین عالم اس واقعہ پر طرح طرح کے پہلو سے بحث کر چکے ہیں لیکن تازہ ترین تحقیقات ایک جرمن فاضل اجل نے کی ہے جو کتاب کی صورت میں شایع ہو چکی ہے۔ اس کا تھوڑا سا ترجمہ مولوی محمد بخش خاں صلاح الدین نے انگریزی میں کیا ہے۔ جس طرح جرمن اور فنون میں دنیا میں کسی قوم سے کم نہیں ہیں اسی طرح علم اور تحقیقات قدیم وجدید میں بھی بہت شہرت حاصل کر چکے ہیں۔ جرمنی میں بڑے بڑے کتبخانہ عربی فارسی اور سنسکرت کے موجود ہیں اور وہاں ان زبانوں کے عالم بکثرت موجود ہیں جس مورخ نے مسئلہ شہادت کربلا پر محققانہ نظر ڈالی ہے۔ اُس نے عربی لاطینی اور فارسی علمی ذخیروں سے ایسے اچھے اقتباسات کئے ہیں کہ پڑھنے والا اسکی محنت کی تعریف کریگا۔ پہلا سوال اُس نے یہ کیا ہے کہ کیا حضرت امام حسین علیہ السلام میدان کربلا میں ملک گیری اور حکمرانی کے لئے لڑ رہے تھے۔ اس سوال پر اُس نے تاریخی اور قومی کارناموں کے حوالے سے دلچسپ بحث کی ہے کہ ہم اسکی مثال کسی اور دوسری جگہ نہیں پاتے وہ لکھتا ہے کہ حضرت حسن علیہ السلام اور حضرت امام حسین علیہ السلام صرف بنی ہاشم کے افراد سے تعلق نہیں رکھتے تھے۔ بلکہ اپنے زمانہ میں تمام عرب میں اور اُسکے نواح میں اپنی عالی نسبی اپنی ذاتی علمی قابلیت اور اپنے زہد و تقوٰی کی وجہ سے نہایت مشہور اور ممتاز تھے۔ دنیا کا قاعدہ ہے کہ وہ پاک نفوس کیطرف بڑھتی ہے وہ کوئی سلطنت قائم کرنا چاہتے تو بہت پہلے ایسا کرنے میں کامیاب ہو جاتے۔ لیکن حضرت امام حسن علیہ السلام نے جب دیکھا کہ بنی ہاشم کے قدیم دشمن میری مخالفت پر تُلے ہیں تو اُنھوں نے دشمنوں کے دل سے یہ شبہ مٹانے کے لئے کہ کسی وقت میں حسن حکمراں بن بیٹھے سب سے پہلے خلافت اور حکومت وغیرہ سے دست کش ہونے کا باضابطہ معاہدہ لکھدیا افسوس ہے کہ اس پر بھی بنی ہاشم کے دشمن قانع نہ رہے و رسالت بار امام مقدس کو زہر دیا اسکے علاوہ جرمن مورخ نے اس عہد کی مذہبی اور اخلاقی حالت دکھلا کر ثابت کیا ہے کہ اُس وقت مسلمانوں میں دنیا پرستی اور وجاہت پرستی

آچلی تھی۔ اس سے اُس نے واضح کر دیا ہے کہ دونوں اماموں کے ساتھ جو کچھ بھی بُرا سلوک نہ ہوا ہو وہ تعجب کی بات نہیں۔ اب یہ امر کہ امام حسین علیہ السلام میدان کربلا میں ملک گیری کی ہوس میں لڑ رہے تھے یا نہیں۔ اس سے صاف ہو جاتا ہے کہ اگر وہ اس خیال کے ہوتے تو واقعہ کربلا کے کہیں پہلے کسی نہ کسی قبیلے پر چڑھ دوڑتے مگر کسی تاریخ سے آپکی ذات خاص کا حملہ آور ہونا ثابت نہیں ہوتا اگر ہم بلا تعصب اس زمانہ کی حالات اور واقعات پر نظر ڈالیں گے تو معلوم ہو جائیگا کہ اُس وقت دنیا پرست اور دولت پرست مسلمانوں میں حکومت کی بو آگئی تھی اور امام مظلوم کی ہستی اُنکی نظروں میں کھٹک رہی تھی وہ اپنے خیال میں سمجھتے تھے کہ ہماری کوششوں میں حریفانہ رکاوٹ ڈالنے والا حسینؑ ہے۔ اگرچہ خود اس مقدس شخص نے کبھی اپنے کسی فعل سے ایسا خیال کرنے کا موقع نہیں دیا مگر جس طرح تاریکی کو روشنی سے خوف رہتا ہے۔ اُسی طرح دنیا کے ظالموں اور غاصبوں کو مقدس اور معظم نفوس سے کھٹکا لگا رہتا ہے۔ افسوس ہے کہ اس دھوکے میں بہت سے پاک خدا کے بندے ذبح کر ڈالے گئے۔ اسی دھوکے میں یہودیوں نے حضرت عیسیٰ کو صلیب پر چڑھایا تھا اور اسی دھوکے میں حضرت زکریا کو آرے پر کھینچ دیا تھا۔ دوسرا سوال اُس نے یہ قائم کیا ہے کہ کیا حضرت امام حسین علیہ السلام اپنے دشمنوں سے ذاتی اغراض اور انتقام کے لئے لڑ رہے تھے۔ اسی بحث میں جرمن مورخ نے نہایت دلچسپ اور فلسفیانہ بحث کی ہے۔ وہ لکھتا ہے کہ امام مظلوم کی زندگی کا وہ حصہ جو واقعہ کربلا کے پہلے گزرا ہے عام طور سے عرب کے حالات اور واقعات میں محفوظ ہے اُس پر نظر ڈالنے سے یہ بات روشن ہے کہ اس قدسی نفس نے کبھی بنی ہاشم کے دشمنوں سے بدلہ لینے کی کوشش نہیں کی۔ انتقام کی آگ صرف اُسی شخص میں بھڑک سکتی ہے جو کسی معاملہ میں کسی سے شکست کھا چکا ہو اور اُس شکست اور ذلت کو دفع کرنے کے لئے اُسے رہ رہ کے خیال آتا ہے مگر خود مخالفین کا یہ قول مسلم ہے کہ آپ نے میدان کربلا میں بار بار عاجزی سے فرمایا تھا "اچھا مجھے

دنیا کے کسی سمت اپنے رفقا کے ساتھ نکل جانے دو اور اگر اس پر بھی نہیں راضی ہو
تو آؤ ہم تم مناظرہ کریں جو حق پر ہو وہ فاتح سمجھا جائے اور جو حق پر نہ ہو تو اس کی
شکست مشتہر کی جائے"۔ کیا یہ واقعہ کسی شخص کے جوش انتقام کو ظاہر کرتا ہے؟ کیا اس
سلجھی ہوئی تقریر سے کسی کے غصے اور حرارت کا پتہ چلتا ہے؟ کبھی نہیں اور ہرگز
نہیں۔ اب ہم مورخ کے اس بیان کی تعریف کرتے ہیں۔ اور اس سوال کے جواب
میں جو اس نے آخری الفاظ لکھے ہیں اسکو پیش کرتے ہیں۔ وہ لکھتا ہے کہ امام
حسین علیہ السلام صرف ایک عابد و زاہد شخص نہیں تھے بلکہ وہ امانتیں اور ذمہ داریاں
بھی مستور تھیں جو عرب کے پیغمبر اعظم میں ودیعت کی گئی تھیں جس طرح اس اولوالعزم
نبی کو خیال تھا کہ مسلمان قبیلے اور کنبوں کے جھگڑوں سے دور رہیں۔ اسی طرح
آپ کے نواسوں میں بھی اس بات کا احساس تھا۔ اور ذمہ داری اس امر سے
نہایت درجہ ثابت ہوتی ہے کہ میدان کربلا میں امام مظلوم نے تمام تدبیروں سے تھک
کر یہ ظاہر کرنا شروع کیا کہ لوگو یاد کرو میں کون ہوں اور کس کا بیٹا ہوں اور کس کا نواسہ
ہوں اور نہ صرف اوس حسب و نسب کا ذکر کیا بلکہ اپنے علم و فضل اور آخرت کے اسرار بھی بیان
فرمائے۔ کیا اس سے یہ نہیں ظاہر ہوتا کہ امام مظلوم کو اپنی ذمہ داریوں کا پورا لحاظ
تھا۔ کیا ان واقعات سے کہیں بھی انتقام کی بو پائی جاتی ہے۔ تیسرا سوال اور نہایت
معنی خیز سوال اس مورخ موصوف نے یہ کیا ہے۔ کیا حضرت امام حسین علیہ السلام
کسی عنوان شائستہ سے اس خونریز جنگ کو اوپر اوپر ٹال سکتے تھے۔ وہ لکھتا
ہے کہ یورپ کے بعض اہل قلم مظلوم امام پر ناتجربہ کاری اور بلا وجہ کی خونریزی کا الزام
لگاتے ہیں اور اس الزام دہی میں یہاں تک بڑھ گئے ہیں کہ بلا خوف تردید تمام واقعہ
کا ذمہ دار امام معظم ہی کو ٹھہرایا ہے۔ بلکہ یہاں تک آزادی سے کام لیکر لکھ گئے ہیں
کہ اگر امام مظلوم بغیر لڑے ہوئے یزید کے پاس چلے جاتے تو تمام شر و فساد دفع ہو جاتا
کیونکہ اسکے پندار امانت کی اپنے خیالی حریف کے آجانے سے تسکین ہو جاتی۔ اس
اعتراض کو مورخ مذکور نے بڑی قابلیت سے رد کیا ہے وہ لکھتا ہے کہ قوم عرب کے

خصائل اور عادات تمام دنیا سے نرالے تھے۔ وہ لوگ اپنے ایام جاہلیت میں بھی اپنی مہمان نوازی حمیت و غیرت میں مشہور تھے۔ قوم عرب اس درجہ غیور تھی کہ وہ کسی حالت میں اپنے قبیلہ اور اپنے خاندان کے روایات اور حکایات کو ترک کرنا نہیں چاہتی تھی۔ وہاں کے ایک شاعر کا قصہ یوں کتابوں میں لکھا ہے کہ وہ کسی جنگل میں ڈاکوؤں سے گھر گیا تھا اور جب اپنی جان بچا کر بھاگنا چاہتا تھا کہ ڈاکوؤں میں سے ایک نے بلند آواز سے پکار کر ایک شعر پڑھا جس میں اس نے اس خیال کو نظم کیا تھا کہ میدان میں دشمن سے لڑنا ہمارے لڑکوں کا کھیل ہے اور مرنا یا مارنا ہماری بازی کا پہلا قدم ہے۔ غرض جب اس شاعر نے یہ سنا تو وہ پلٹ پڑا اور اس نے اپنی جان دیدی۔ اسی طرح کے بہت سے واقعات ہوئے ہیں۔ ایسی غیور اور بہادر قوم کے افضل ترین قبیلے سے کیا ہم امید کر سکتے ہیں کہ وہ میدان کارزار سے محض جان بچانے کے لئے بھاگ کھڑا ہوگا؟ کبھی نہیں اور ہرگز نہیں۔ حضرت امام حسین علیہ السلام نے چاہا کہ حق نعیق انھیں یزید تک پہنچا دیں تاکہ اتمام حجت ہو جائے۔ لیکن یزیدیوں نے اصرار کیا کہ بغیر یزید کے نام پر بیعت لئے ہوئے آپ کا قدم بھی ہم لوگ آگے جانے نہ بڑھنے دینگے۔ اس لئے آپ نے مجبور ہو کر رفقا کو سمجھایا کہ تم لوگ چلے جاؤ میں اکیلے ان لوگوں سے نپٹ لونگا۔ ہاں جیسی غیور اور باحمیت لوگوں سے امید ہو سکتی تھی ویسے ہی ظہور ہوا کہ کسی نے بھی آپ کا ساتھ چھوڑنا گوارا نہیں کیا حتی کہ عورتوں نے بھی آپ کا ساتھ چھوڑنا کسی طرح منظور نہ کیا۔ اب بات اصول حق پرستی کی آگئی ہے۔ امام مظلوم دیکھ رہے ہیں کہ ایک دنیا امارت اور حکومت کی پرستش میں خدائے واحد کی بادشاہت کو اپنے جور اور ظلم سے تباہ کرنے کی فکر میں ہے اور حق و ناحق کی فتح یا شرمندگی کی گھڑی آپہونچی ہے امام مظلوم سمجھ رہے ہیں کہ جس طرح حضرت ابراہیم علیہ السلام کو حق کے لئے آگ میں جانا پڑا اور حضرت عیسٰے علیہ السلام کو سولی پر چڑھنا پڑا اُسی طرح آج مجھے بھی جان دینا ہے۔ لہٰذا اُنھوں نے ٹھان لی کہ میں اپنے خون سے اسلام کی کھیتی کو سینچوں گا۔ بہرحال حضرت امام حسین علیہ السلام نے

کوئی دقیقہ اس شر و فساد کے روکنے کے لئے اُٹھا نہیں رکھا ۔ اگر انھوں نے بیعت کر لی ہوتی تو خانوادۂ رسالت ہمیشہ کیلئے ذلیل ہو جاتا اور بنی ہاشم کی بزرگی خاک میں مل جاتی اگر مظلوم امام نے یزیدیوں کو اپنا ساتھی مان لیا ہوتا تو پھر اسلام کا ساتھی کوئی نہ رہتا یعنی تکمیل رسالت عرب کی پیغمبر اعظم پر ہوئی ۔ اور تکمیل جان بازی امام مقدس کی ذات پر ختم ہوئی ۔ اسکے بعد مورخ جرمنی نے یہ سوال کیا ہے کہ کیا حضرت امام حسین علیہ السلام اپنی جماعت کو لڑنے سے نہیں روک سکتے تھے ؟ اسکے جواب میں وہ صرف یہ کہتا ہے کہ انکی جماعت بہت تھوڑی تھی وہ کسی حال میں اپنے امام کو نہ چھوڑ سکتی تھی ۔ زیادہ تر خود انھیں کے خاندان کے لوگ تھے جو پہلے ہی سے دشمنوں کی نظر میں کھٹک رہے تھے یہاں تک کہ بعض چھوٹے بچوں کو بھی دشمنوں نے فنا کیا ایک فرد کو بھی زندہ رکھنا نہیں چاہتے تھے ۔ پانچواں سوال تمام کتاب کی جان ہے ۔ وہ پوچھتا ہے کہ کیا حسینؑ کی لڑائی خدا کیلئے تھی ؟ وہ کہتا ہے کہ میں اس سوال کا جواب پوری طرح نہیں دے سکتا ۔ میں بس اس قدر کہنا چاہتا ہوں کہ اگر واقعہ شہادت اسلام کی تاریخ میں نہ ہوتا تو غیر مسلم دنیا کو اسلام کی تاریخ اور اسلام کی حقانیت سے دلچسپی نہ ہوتی ۔ ایک شخص یکہ و تنہا ہو کے چٹیل میدان میں کھڑا ہے ۔ تھوڑے سے رفقائ اسکے ساتھ ہیں زمین و آسمان تک اس وقت کسی آنے والے طوفان کیلئے ساکت ہیں ۔ اور تمام انسانی ہمدردی کی اعانت کا چشمہ بند ہے ۔ ایک انسان اور محض انسان ایسی حالت میں بہت آسانی سے ایک ذراسی بات مان لینے سے اپنی جان بچا سکتا ہے ۔ لیکن وہ دنیا کی ناپائدار زندگی کو نہایت حقارت کی نظر سے دیکھتا ہے ۔ زندہ اس میدان میں مرجانے کو حیات جاوید سے بہتر جانتا ہے ۔ اسکے آگے خدا کا وہ کلام پیش پیش ہے جسمیں خدا برتر فرماتا ہے کہ جو لوگ ہماری راہ میں مارے جاتے ہیں وہ مرتے نہیں ہیں اور وہ زندہ رہتے ہیں یعنی انکی زندگی ایک دوسری شکل میں بدل جاتی ہے ۔ اس ربانی کلام پر دل و جان سے یقین کامل کر کے خدا کا مظلوم اور مجبور بندہ سرنیاز

ختم کرتا ہے۔ وہ جانتا ہے کہ میرے مخالفین زیادہ سے زیادہ جان طلب کرلیں گے اور مجھ سے اپنے خیال کے موافق بیعت لینا چاہیں گے۔ لیکن یہ جنگ کثرت افواج کی نہیں ہے بلکہ اصول اور حق کی ہے۔ اسی حالت میں وہ شخص سمجھ رہا ہے کہ حق پرستی اور غیرت اور حمیت کا تقاضا صرف یہی نہیں ہے کہ زبان سے اُس کا دعویٰ کیا جائے بلکہ قول کو فعل میں بدلنے کی ضرورت ہے۔ اس لئے بغیر دنیاوی طمع کے یہ شخص تسلیم و رضا کی راہ میں اپنی جان نذر کرتا ہے تاکہ خدا کا کلام سچا ہو اور اُسکی مخلوق کے درمیان سے سچائی اور روشنی نہ مٹنے پائے۔ جرمن کا مورخ اس جگہ نہایت جوش کے ساتھ لکھتا ہے کہ حضرت امام حسین علیہ السلام اگر چاہتے تو یزید کی ماتحتی میں رہ کر کسی بڑی جگہ کے گورنر بنجاتے۔ لیکن اُنھیں دنیا کی حکومت سے سخت نفرت تھی۔ جو روحانی حکومت اور سلسلہ باطنی معرفت کا ان بزرگوں کی دم سے قائم تھا اوسکی بلندی نے دنیا کی حکومت کو ہیچ کردیا تھا۔ اس وجہ سے یزید کی بیعت کرنا کسی حال میں گوارا نہ کیا۔ اگر حضرت امام حسین علیہ السلام اپنے آبا و اجداد کے کارناموں کو مٹا کر اس زمانہ کی دنیا پرستی میں آجاتے تو یقیناً دنیاوی لحاظ سے اُنھیں کوئی تکلیف نہ پہونچتی لیکن جو شخص دنیا کی حقیقت سے واقف ہو اور خدا کی قدرت و حکمت کا قائل ہو وہ کبھی دنیا کی عارضی زندگی کو عقبیٰ کی لازوال نعمت پر ترجیح نہیں دے سکتا۔ آخر میں جس نکتہ پر تمام بحث کا خاتمہ کیا ہے وہ یہ ہے کہ اگر واقعہ شہادت کو یہ عظمت و شہرت نہ دیجائے جو اقوام عالم میں حاصل ہے تو کیا اس سے بنی نوع انسان پر کوئی اخلاقی جرم عائد ہو سکتا ہے؟ اس بارے میں وہ کارلائل کی کتاب ہیروز ورشپ سے انتخاب کرکے یہ دکھاتا ہے کہ بہادرانہ کارنامے محض ایک قوم یا ایک ملک تک محدود نہیں رہتے بلکہ تمام انسانی برادری کی میراث اور ملکیت ہوجاتے ہیں۔ انکی وجہ سے آنے والی نسلوں میں سلسلہ شجاعت اور استقامت کا باقی رہتا ہے۔ اس لحاظ سے واقعہ شہادت پر جس درجہ غور اور فکر کیا جائیگا اُسی قدر اُسکے اعلےٰ اور عمیق مطالب روشن ہوجائیں گے۔ دنیا میں موجودہ جنگ سے زیادہ

کوئی خونریز جنگ نہیں ہوئی۔ لیکن مظالم۔ بے رحمیاں اور ناانصافیاں جس حد تک واقعہ کربلا میں ہوئیں اُن کا عشر عشیر بھی کبھی کسی معرکہ میں نہیں ہوا۔ یہ ہوتا رہا ہے کہ آدمی زیادہ مارے گئے ہیں۔ یہ دیکھا گیا ہے کہ خون زیادہ بہا ہے لیکن یہ کبھی نہیں دیکھا گیا کہ دل اور روح کے پاک اور عزیز ترین جذبات کے ساتھ ایسی بے رحمی جیسی کہ کربلا میں ہوئی واقع ہوئی ہو ہٹ دھرمی۔ ناانصافی۔ جور و ظلم اور ہر طرح کی سختی جو اس میدان میں مظلومین کے ساتھ برتی گئی اسکی دوسری مثال کہیں نہیں ملتی۔ آج قوموں اور ملکوں کے تشدد اور ظلم کا رونا رویا جاتا ہے۔ آج تو بے تلوار سے بہادروں کی قسمت کا فیصلہ ہونے والا ہے۔ اور آج دنیا بہت جلد دیکھنے والی ہے کہ کون حق پر ہے۔ ایسی حالت میں انصاف سفارش کر رہا ہے کہ مظلومین کربلا کی بہادری اور حق پرستی کو پہلے دیکھ لے اور تب اوسکے بعد کوئی فیصلہ کرے۔ اچھا آؤ ہم دیکھیں کہ واقعہ کربلا سے ہمیں کیا سبق حاصل ہوتا ہے۔ سب سے بڑا سبق یہ ہے کہ فاتحان کربلا کو خدا کا کامل یقین تھا اور وہ اپنی آنکھوں سے اس دنیا سے اچھی دنیا دیکھ رہے تھے۔ اسکے علاوہ قومی غیرت اور حمیت کا بہترین سبق ملتا ہے جو کسی اور تاریخ سے نہیں ملتا اور ایک نتیجہ بھی حاصل ہوتا ہے۔ وہ یہ کہ جب دنیا میں معصیت اور غضب وغیرہ بہت ہو جاتا ہے۔ تو خدا کا قانون قربانی مانگتا ہے اسکے بعد تمام راہیں صاف ہو جاتی ہیں۔ غرض مورخ جرمن نے اس مسئلہ پر عجیب و غریب فلسفیانہ بحث کی ہے۔ اگر ناظرین پسند کرینگے تو ہم آیندہ بھی اسکے اقتباسات سے فائدہ پہونچانے کی کوشش کریں گے۔"

(۱۰) مشہور مورخ اڈورڈ گبن نے اپنی تاریخ روم میں اور مسٹر جان ڈیون پورٹ نے اپنی کتاب اپولوجی فور محمد اینڈ قرآن میں واقعہ کربلا کے متعلق جو رائے لکھی ہے اُس کا اقتباس یہ ہے "تھوڑے عرصہ کے بعد ۶۰ھ میں معاویہ نے وفات پائی اور اُس کا بیٹا یزید جانشین ہوا۔ سلسلہ ہاشمی کی حقداری اور رسول عربی کی فرزندیت کی عصمت حسینؑ کی ذات مجمع صفات میں مجتمع ہو گئی تھی اور وہ ہر طرح مستحق تھے کہ

اپنے استحقاق کے لئے بمقابلہ یزید ایسے شریر النفس اور جابر و ظالم حاکم دمشق جس کی بدکاریوں کو وہ نفرت کی نگاہ سے دیکھتے تھے اور جسکی خلافت کو وہ ہرگز کبھی خیال میں بھی نہ لائے۔ سعی فرماتے۔

یزید نے اپنی بدکاری اور فسق و فجور سے نہ صرف اپنی رعایا ہی کو ستایا بلکہ علی العموم مسلمانوں کو ایسا بیزار کیا کہ ابھی اس کو دمشق میں خلیفہ بنے بہت زمانہ نہیں گزرا تھا کہ کوفہ سے حسینؑ کے پاس ایک لاکھ چالیس ہزار ایسے مسلمانوں کی جو حسینؑ کی طرفداری کا دم بھرتے تھے درخواست پہونچی کہ وہ انکو اس رتبہ پر تسلیم کرنا چاہتے ہیں جسکا بہ استحقاق انکو اولاد رسولؐ ہونے سے وراثتہً حاصل تھا۔ ان درخواستوں میں یہ اظہار شوق تھا کہ وہ اس امر کے لئے بیچین ہیں کہ ادھر حسینؑ دریا فرات کے کنارے پہنچیں اور وہ تلوار کھینچ کھینچکر اونکی حمایت پر آمادہ ہو جائیں۔ باوجود اپنے عقلمند دوستوں کی نصیحتوں کے حسینؑ نے اس درخواست کو قبول کرلیا اور قصد مصمم کرلیا کہ وہ اپنی ذات اور اہل بیت کو ان بے وفاؤں کے ایمان پر چھوڑ دیں۔

وہ ایک بہت ہی قلیل جماعۃ مستورات اور اطفال کے ساتھ صحرا نوردی کرتے ہوئے جب حدود عراق کے قریب پہونچے تو اوس حصہ ملک کی بھیانک بلکہ عداوت بھری صورت سے مشتبہ ہوئے اور گمان کیا کہ اونکے طرفدار یا تو ان سے پھر گئے یا ہلاک کردیئے گئے بدقسمتی سے اونکے اندیشے درست تھے عبید اللہ نے کوفہ کو کوفیوں کے حملہ کی پہلی ہی چنگاری کو خاموش کردیا تھا۔ ادھر حسین کربلا میں (علاوہ پیادوں کے) پانچ ہزار سواروں میں محصور ہو گئے جنھوں نے شہر اور دیار کی راہیں اون پر مسدود کردیں۔ حسینؑ کو اب بھی موقع تھا کہ اوس صحرائی قلعہ میں جا کر پناہ لیتے جس پر اگلے زمانہ میں قیصران روم اور خسروان فارس کا کچھ قابو نہ چلا تھا یا یہ ہوسکتا تھا کہ اگر قبیلہ بنی طے کی وفاداری پر بھروسہ کرتے تو وہ لوگ رسولؐ کے نواسے کی حمایت دس ہزار مسلح مردان جنگی سے کرسکتے تھے۔ لیکن ان تدبیروں سے کسی ایک کو بھی اختیار کرنے کے بجائے حسینؑ نے دشمنوں کے سردار فوج سے ایک ملاقات کرکے تین

باتیں پیش کیں اور خواہش کی کہ ادن میں سے کسی ایک پر عمل کرنیکا اونکو موقع دیا جائے (۱) مدینہ کی واپسی (۲) سرحدی فوج میں بمقابلہ ترک سکونت (۳) یزید کی ملاقات - لیکن خلیفہ یا اوسکے نائب کے احکام سخت اور قطعی تھے اسلئے حسینؑ کو اطلاع دیگئی کہ یا تو وہ اسیر و مجرم بنکر اپنے کو لشکر خلیفہ کے حوالہ کر دیں یا اپنی مخالفت کی پاداش کے منتظر رہیں حسینؑ نے جواب دیا کہ "کیا تم یہ خیال کرتے ہو کہ مجھے موت سے ڈرا دو گے"۔ ایک شب کی مختصر مہلت ملی جس میں حسینؑ صبر و سکون بھری رضا کے ساتھ مقدر شدہ مصیبت کا مقابلہ کرنے کے لئے مستعد ہو گئے -

حسینؑ نے اپنی بہن فاطمہؑ (زینبؑ) سے جو اس خاندان کی آنے والی تباہی پر زار زار رو رہی تھیں گریہ و زاری سے باز رہنے کی تاکید کی اور کہا کہ توکلت علی اللہ (ہم صرف خدا پر تکیہ کرتے ہیں) تمام چیزیں خواہ وہ آسمان میں ہوں یا زمین میں ضرور رفنا ہونے والی ہیں - اور اپنے خالق کی طرف عود کر جائیں گی - میرے پدر بزرگوار میری والدہ محترمہ اور میرے بھائی سب مجھ سے افضل تھے اور ہر مسلمان کے لئے رسولؐ کی عمدہ ترین نظیر موجود ہے - پھر اپنے رفیقوں سے اصرار کیا کہ اپنی جانوں کو بحفاظت لیکر کسی طرف نکل جائیں لیکن اون لوگوں نے ایک زبان ہو کر اپنے پیارے مولا کی ترک رفاقت کرنے یا اوسکے بعد زندہ رہنے سے صاف انکار کیا اور اونکی جرأتیں حسینؑ کی ایک پرجوش اور موثر دعا نیز وعدہ فردوس سے بڑھ گئیں -

روز ہلاکت کی صبح کو حسینؑ ایک ہاتھ میں تلوار اور دوسرے میں قرآن لئے ہوئے گھوڑے پر سوار ہوئے - اونکے عالی حوصلہ اور بہادر جان نثاروں کی تعداد صرف ۳۲ سوار اور ۴۰ پیادہ تھی لیکن اونکے اطراف اور جانب پشت خیمہ کی طنابوں اور ایک خندق سے جس میں حسب دستور عرب آگ روشن تھی محفوظ تھی -

دشمن پس و پیش کرتے ہوئے آگے بڑھے اور اونکے سرداروں میں سے ایک سردار اپنے تیس یا چالیس ساتھیوں کے ساتھ اپنے لشکر کو چھوڑ کر شہید ہونے وا...

میں جا ملا۔ ہر دست بدست یا فرداً فرداً لڑنے میں فاطمیوں کی مایوسانہ بہادری کسی طرح زیر نہیں ہو سکتی تھی۔ لیکن محاصرہ انبوہ کثیر دور سے ان پر پتھروں کا مینہ برسا رہا تھا اور سوار و پیادہ مسلسل مارے جا رہے تھے۔

نماز کے وقت تھوڑی دیر کے لئے جنگ ملتوی کی گئی اور آخرکار حسینؑ کے آخر جان نثاروں کی شہادت کے ساتھ جنگ کا خاتمہ ہو گیا۔ حسینؑ یکہ و تنہا اور بے یار و مددگار خستہ و پریشان اور زخمی ہو کر اپنے خیمہ کے در پر جا بیٹھے۔

پھر غلبہ پیاس نے بے چین کیا اور ادھر پانی منہ تک پہونچا ادھر تیر سے دونوں لب زخمی ہوئے اور انکا بیٹا اور بھتیجا دو خوبصورت بچے اونکی گود میں مارے گئے حسینؑ نے اپنے ہاتھوں کو آسمان کی طرف بلند کیا درآنحالیکہ دونوں خون سے بھرے ہوئے تھے اور دیکھا کہ اون ہاتھوں سے ایسے پیارے اور لخت جگر عزیزوں کے خون کی بھاپ اوٹھ رہی تھی۔ اسی صورت سے اونھوں نے زندہ اور مردہ دونوں کی نماز جنازہ ادا کی۔ اور اونکی بہن ناامیدی سے ازخودرفتہ ہو کر خیمہ سے باہر نکل آئیں اور کوفیوں کے رسالدار کو قسمیہ غیرت دلائی کہ حسینؑ کو اپنی آنکھوں کے سامنے قتل ہوتے دیکھتا ہے۔ اس بیقراری پر عمر سعد بھی رو دیا۔ اور اوسکی لمبی ڈاڑھی پر آنسو بہ نکلے اور جب اس زندگی سے سیر شجاع نے حملہ کیا اور اپنے کو اونکے درمیان میں ڈالا تو جری سے جری سپاہی بھی ہر طرف پسپا ہو گئے مگر شمر ستمگر نے جس کے نام پر مومنین ہمیشہ لعنت کرتے ہیں اونکے بودے پن پر ملامت کی اور اونھوں نے رسول اللہؐ کے نواسے پر از سر نو بے رحمی اور بیدردی سے حملہ کیا اور وہ ۳۳ زخموں سے تلوار اور نیزوں کے چور اور بے دم ہو کر اونکے درمیان گر پڑے۔ شہید حسینؑ کی لاش کو پامال کرنے کے بعد دشمن اونکا سر کاٹ کر کوفہ کیطرف لے گئے۔ وہاں شقی القلب عبید اللہ نے اونکے دہن مبارک پر بید مارا۔ ایک مسن شخص نے جو یہ نامردانہ حرکت دیکھا تو چیخا کہ ہائے ان ہونٹوں پر میں نے بہت دفعہ لبہائے رسولخداؐ دیکھے تھے۔ حسینؑ کے احوال میں کہا جا سکتا ہے

کہ اونکو صفات توکل و اطمینان قلبی نے بہت ممتاز کیا تھا جیسا کہ اونکے آباد اجداد کو صفت شجاعت نے مشرف کیا تھا۔ بہن انکی اکثر باواز بلند آہ وزاری کرتی تھیں۔ اور زار زار روتی تھیں اور چیختی تھیں" کاش کہ خدا میں کل ہی مرگئی ہوتی نہ کہ آج کے لئے زندہ رہتی۔ میری ماں فاطمہ میرے باپ علی میرے بھائی حسن سب مرگئے تباہی اوس تباہی پر جو واقع ہوچکی اور افسوس اوس باقی تباہی پر جو ہونے والی ہے"۔

حسین نے جواب دیا" اے میری پیاری بہن خدا پر بھروسہ کرو اور جانو کہ ہر شے ہلاک ہوگی سوائے وجود اس خدا کے جس نے سب چیزوں کو خلق کیا اور جو اپنی قدرت کاملہ سے ان سب کو اپنے پاس روز حشر راجع کریگا۔ میرے باپ علی اور میرے بھائی حسن مجھ سے بہتر تھے اور ہم سب کی تاسی کے لئے خود رسولخدا کی نظیر موجود ہے"۔

حسین افسردہ طبع اور محزون المزاج تھے گویا اپنی مرگ بے گناہ کی اونکو پہلے سے آگاہی تھی اور مثل اپنے باپ کے دینداری میں بے نظیر تھے اور اہل سیر کہتے ہیں کہ وہ ہر روز ہزار مرتبہ عبادت حق تعالی کی کرتے تھے۔ ایکدفعہ اونھوں نے اپنے باپ سے پوچھا کہ" آیا وہ ان سے محبت رکھتے ہیں" علی نے جواب دیا کہ" وہ اونکو بکمال شفقت چاہتے ہیں"۔ پھر اونھوں نے پوچھا کہ" خدا سے بھی آپکو محبت ہے"۔ علی نے کہا" ہاں" اس پر حسین نے کہا کہ" سچی دو محبتیں باہم ایک دل میں نہیں رہ سکتیں"۔ اس کلام سے علی ایسا متاثر ہوئے کہ آنسو ٹپک پڑے۔ حسین نے اونکی تسلی کے لئے کہا کہ" آپکو کافر بننا اچھا معلوم ہوتا ہے کہ میرا مرتے دیکھنا" علی نے جواب دیا کہ" میں اپنے پیارے بیٹے کو پہلے حوالہ موت کے کردوں نہ یہ کہ اپنا دین چھوڑدوں"

تب پھر حسین نے کہا کہ" اس امتحان سے آپکے معلوم ہوا کہ آپکو میری محبت ایک الفت طبع ہے اور آپ جو خدا سے محبت رکھتے ہیں وہ سچی محبت ہے اور آپکی اصل محبت دل سے ہے"۔

اب جہاں لاش حسین کی دفن ہوئی تھی وہاں ایک عالیشان روضہ تعمیر ہوا اور اوس مقام کا

[illegible] تک وہاں زوار بہت جایا کرتے ہیں۔

ہمیشہ [illegible] ملک میں حسینؑ کی شہادت کا یہ حسرت انگیز واقعہ پتھر سے پتھر دل میں بھی ہمدردی پیدا کر دیگا۔

(۱۱) [illegible] کے ایک ہفتہ وار رسالہ موسومہ "جرنل آف دی رائل سوسائٹی آف آرٹسٹس"

کی اشاعت نمبری ۲۲۰۲۳ مورخہ ۱۲ اکتوبر ۱۹۱۱ء میں ایک مضمون "محرم بمبئی" کے عنوان سے سر جارج برڈ اوڈ کے سی۔ آئی۔ ای۔ ایس۔ ایم۔ ڈی۔ ایل۔ ایل ڈی کے قلم سے نکلا ہے۔ اس مضمون میں فاضل نامہ نگار نے تین جداگانہ فصلیں قائم کی ہیں۔ (۱) بنائے شیعیت (۲) واقعہ کربلا (۳) محرم بمبئی

ہم یہاں صرف واقعہ کربلا کا ترجمہ پیش کرتے ہیں تاکہ یہ معلوم ہو یہ شہادت فرزند رسول خدا ایسی عظیم شہادت ہے کہ جس پر اقوام غیر بھی آج دور دراز مقامات سے رو رہے ہیں۔ اور تحریرات کے ذریعہ سے اوس کا اعلان ساری دنیا پر کر رہی ہیں فاضل مذکور نے لکھا ہے۔

واقعہ صحرائے کربلا

یزید کے خلیفہ ہونے کے تھوڑے ہی دنوں بعد حسینؑ کے پاس خفیہ خطوط اہالیان کوفہ کی جانب سے مکہ میں اس التجا کے ساتھ آئے کہ اس نواح کے مسلمین کو یہاں آکر اپنی بیعت میں لیجئے لیکن یزید کو اس مخالفت کی پوری اطلاع تھی اور قبل اسکے کہ حسین کوفہ پہونچیں وہاں کا بے شرم حاکم معزول کر دیا گیا اور بجائے اسکے عبید اللہ بن زیاد حاکم بصرہ کوفہ میں مقرر کیا گیا۔ اس نے فوری تدابیر عمل میں لاکر سازش کرنے والوں کی کل تجاویز کو تہ و بالا کر دیا اور اونکے سردار[1] مسلم کو قید کر لیا مسلم نے اوس تباہی پر نگاہ کر کے جو حسینؑ پر آنے والی تھی اپنے قید ہونے پر بہت گریہ کیا۔ ان کا سر قلم کر کے یزید کے پاس بھیجدیا گیا حسینؑ جب سرزمین عراق میں پہونچے تو حر جس کو

---

[1] یہ غلط ہی کیونکہ حضرت مسلم سے جنگ ہوئی اور وہ شہید کئے گئے ۱۲ مترجم۔

عبیداللہ نے معہ ایک دستہ سواران راہ روکنے کے واسطے مامور کیا تھا۔ آکر پہونچا حسینؑ نے ان لوگوں سے مخاطب ہوکر اپنا استحقاق خلافت ظاہر کیا اور حق کی طرف انکو دعوت کی۔ حُر نے جواب دیا کہ ہم کو حکم ہے کہ جہاں آپ ہم کو ملیں ہم آپکو براہ راست عبیداللہ بن زیاد کے پاس لے جائیں۔ اس کے جواب میں حسینؑ نے کہا کہ مجھکو اسکے مقابلہ میں مرجانا گوارا ہے۔ یہ کہکر اپنے ہمراہیوں کو آگے بڑھنے کا حکم دیا لیکن حر نے اُسی وقت گھوم کر راستہ روک دیا اور ساتھ ہی یہ بھی کہا کہ مجھے آپ سے جنگ کرنے کا حکم نہیں ہے لیکن یہ حکم ہے کہ آپسے جدا نہ ہوں جب تک کہ آپکو کوفہ نہ پہونچا دوں۔ کوفہ جانے کا آپ کوئی راستہ اختیار کیجئے بشرطیکہ وہ راہ مکہ کو نہ جاتی ہو۔ آپ یزید یا عبیداللہ کو لکھئے میں بھی عبیداللہ کو لکھتا ہوں۔ شاید خدا کوئی ایسی صورت نکال دے کہ میں آپکے ساتھ کسی قسم کی سختی کرنے سے بچ جاؤں۔ یہ کہکر اُس نے اپنی فوج کو راستہ سے ہٹا لیا کہ حسینؑ کوفہ کی جانب روانہ ہوں حسینؑ نے وہ راہ اختیار کی جو قادسیہ ہوکر گزری ہے۔
یہ واقعہ یکم محرم (جو اسلامی سال کا پہلا مہینہ ہے) سنہ ۶۱ ہجری مطابق سنہ ۶۸۰ء کا ہے رات ہو جانے پر بھی حسینؑ قطع مسافت کرتے رہے۔ اثنائے راہ میں تھوڑی دیر آپ نے آرام کیا اور بیدار ہو گئے اور فرمایا "لوگ شب میں سفر کرتے ہیں اور انکی قسمتیں انکی جانب چل رہی ہیں اسکو میں پیغام موت سمجھتا ہوں"۔
صبح کو بعد فراغت نماز پھر روی شروع کی اور جب کچھ حصہ مسافت کاٹ چکا تو ایک سوار آیا جس نے حسینؑ کیطرف کچھ توجہ نہ کی بلکہ ان کے پاس سے گزرتا ہوا حر کے پاس پہونچا اور ایک خط دیا جسمیں عبیداللہ کیطرف سے اوسکو حکم تھا کہ حسینؑ اور اونکے ہمراہیوں کو فلاں مقام پر لے جائے جہاں نہ کوئی آبادی ہے نہ حصار اور وہاں اونکو چھوڑ دے تاکہ افواج شام آکر اونکو گھیر لیں۔ یہ واقعہ جمعہ کے دن ۲ محرم کو پیش آیا۔
دوسرے دن عمر بن سعد معہ چار ہزار سپاہ کے جو مہم ویلم کے واسطے تیار تھی آگیا

یہ لوگ بیرون شہر بیاہ کوفہ خیمہ زن تھے۔ جب عبید اللہ نے حسینؑ کے آمد کی خبر سُنی تو اوس نے عمر کو حکم دیا کہ دیلم کی عزیمت کو ملتوی کر کے حسینؑ کے مقابلہ کو جائے لیکن ہر شخص نے اوس کو منع کیا اور سمجھایا کہ خبردار حسینؑ کے مقابلہ کو مت جا خدا سے بغاوت مت کر اور اس طرح اوسکے رحم کو اپنے لیے منقطع مت کر کیونکہ تیرا تمام دنیا کی سلطنت سے محروم ہو جانا بہتر ہے بمقابلہ اسکے کہ اپنے خالق کے سامنے اس صورت میں حاضر ہو کہ تیرے ہاتھ خون حسینؑ سے رنگین ہوں۔ قریب تھا کہ عمر اس نصیحت کو مان لے لیکن عبید اللہ نے دوبارہ یہی حکم تہدید کے ساتھ اوسکو دیا لہذا وہ مع فوج روانہ ہو کر جیسا کہ ابھی ذکر ہو چکا ۳ محرم ہفتہ کے دن حسینؑ کے مقابلہ میں پہونچ گیا۔

عمر نے حسینؑ سے دریافت کرایا کہ آپ یہاں کیوں آئے ہیں اونھوں نے جواب میں کہلا بھیجا کہ اہل کوفہ نے خط بھیجکر مجھکو بلایا تھا مگر چونکہ اب وہ مجھ سے پھر گئے لہذا میں مکہ واپس جانا چاہتا ہوں عمر یہ سنکر بہت خوش ہوا اور کہنے لگا کہ خدا سے امید ہے کہ مجھسے ان سے جنگ نہ کرنی ہوگی۔ اسکی اطلاع اوس نے عبید اللہ کو کی لیکن اوس نے بہت تاکیدی حکم بھیجا کہ تو حسینؑ اور دریا کے درمیان حائل ہو جا۔ عمر نے اس حکم کی تعمیل کی اور اُس مقام کا نام جہاں اس نے حسینؑ کو فرات سے جدا کیا کربلا تھا حسینؑ نے جب اس نام کو سُنا تو فرمایا بے شک یہ مقام کرب و بلا ہے اسکے بعد حسینؑ نے عمر سے ملاقات کی۔ اور اس ملاقات میں آپ نے یزید کے پاس جانے مکہ جانے یا (جیسا کہ بعض کا قول ہے اور بعض اس سے انکار کرتے ہیں) ترکوں سے جنگ کرنے کی شرط پیش کی۔

عبید اللہ ان شرائط کو منظور کرنے کو تھا کہ شمر اوٹھ کھڑا ہوا اور قسم کھائی کہ حسینؑ کی کوئی شرط منظور نہ کیجائیگی۔ اور اسکے ساتھ ہی اشارۃً یہ بھی کہا کہ مجھے خبر ملی ہے کہ حسینؑ اور عمر کے درمیان بہت دیر تک صحبت رہی ہے۔ اس پر عبید اللہ نے شمر کو عمر کے پاس اس حکم کے ساتھ روانہ کیا کہ اگر حسینؑ بلا کسی شرط کے اپنے تئیں حوالہ

کردیں تو بہتر ورنہ عمر کو لازم ہے کہ اون پر اور اونکے ہمراہیوں پر حملہ کرکے اونکو قتل کرڈالے اور ایسا کرنے میں عمر کو کچھ پس و پیش ہو تو شمر کو چاہیئے کہ اوس کا سر تن سے جدا کرکے خود حسینؑ سے مقابلہ کرے۔ اس طریق پر یکشنبہ۔ دوشنبہ۔ سہ شنبہ چہارشنبہ۔ پنجشنبہ و جمعہ یعنی ۴ و ۵ و ۶ و ۷ و ۸ و ۹ محرم کے دن گزرے ۹ کی شام کو عمر نے اپنی افواج کو خیمہ گاہ حسینؑ کے قریب صف بستہ کیا اور خود گھوڑا بڑھا کر حسینؑ کے پاس گیا جو اوس وقت نماز شام سے فراغت کرکے درخیمہ پر کرسی نشین تھے۔ اور عبیداللہ کے شرائط اون پر ظاہر کئے۔ حسینؑ نے اوس کے جواب کے واسطے ایک رات کی مہلت مانگی۔ شب میں آپکی خواہر آپکے بستر استراحت کے قریب گریہ کناں آئیں اور آپکو بیدار کرکے بانالہ و بکا عرض کیا "ہائے اس خاندان کی تباہی و بربادی پر علیؑ و حسنؑ یہ سب تو رحلت کرچکے واویلا اوس تباہی پر جو گزرچکی اور اوس تباہی پر جو آنیوالی ہے"۔ حسینؑ نے فرمایا "خواہر خدا پر نظر رکھو اور انسان مرنے کے واسطے پیدا ہوا ہے یہ افلاک بھی باقی نہ رہیں گے۔ خدا کی ذات واحد کے سوا جس نے اپنی قدرت کاملہ سے ہر شئے خلق کی اور اپنی قدرت سے اونکو فنا کرے گا کچھ باقی نہ رہیگا۔ میرے پدر عالی مقدار مجھ سے بہتر تھے۔ میری مادر گرامی اور میرے بھائی حسنؑ مجھ سے بہتر تھے اور وہ اور ہم اور کل مسلمین سب کے واسطے ذات جناب رسالت مآبؐ اعلےٰ مثال تھی"۔

اب آپ نے ہمراہیوں سے فرمایا کہ عبیداللہ کو میری ذات سے غرض ہے لہذا تم لوگ اپنے اپنے گھروں کو چلے جاؤ۔ لیکن اون لوگوں نے اوسکے جواب میں عرض کیا کہ خدا ہمیں اوس ساعت کے واسطے زندہ نہ رکھے کہ جس میں ہم آپ کو اس حالت میں چھوڑ کر چلے جاویں۔ اس پر آپ نے حکم دیا کہ سب خیمے ایک دوسرے سے منسلک کردیئے جاویں تاکہ سواران غنیم خیمہ گاہ میں نہ گھس سکیں اور خندق پشت خیمہ گاہ پر کھدوا کر اوس میں آگ روشن کرادی تاکہ صرف سامنے کی جانب سے حملہ

ہو سکے۔ بقیہ رات آپ نے تسبیح و تہلیل عجز و الحاح میں بسر کی اور فوج شام خیمہ گاہ کے گرد حصار کئے رہی۔

صبح کو ہر دو جانب سے سامان قتال ہونے لگا حسینؑ نے پہلے غسل کیا اور مشک سے حنوط کیا اور خاص خاص ہمراہیوں نے بھی ایسا ہی کیا اور ایک کے دریافت کرنے پر حسینؑ نے بشاشت سے جواب دیا کہ "ہمارے اور سیاہ چشم حوران بہشت کے درمیان کوئی شے حائل نہیں ہے بجز اسکے کہ یہ فوج ہم پر حملہ آور ہو اور ہم کو قتل کر ڈالے"۔ یہ کہکر آپ گھوڑے پر سوار ہوئے اور قرآن سامنے رکھکر درگاہ احدیت میں یوں عرض کیا کہ "باری تعالےٰ! تجھ ہی پر ہر مصیبت میں میری نظر ہے اور رنج میں تجھ ہی سے میری امیدیں وابستہ ہیں"۔ بعد اسکے اس کتاب پاک کے کھلے ہوئے صفحوں پر اپنے ہمراہیوں سے اپنی بیگناہی کا تصفیہ چاہا اس پر آپ کی بہنوں اور بیٹیوں نے بیتاب ہو کر رونا شروع کیا اور یہ دیکھکر حالت رنج و غم میں آپکی زبان سے یہ کلمہ نکلا کہ "خدا ابن عباس کو جزا اسے خیر دے" یہ اشارہ تھا اس فہمایش کیطرف جو عبد اللہ بن عباس نے عورات کو مکہ میں چھوڑ جانے کے متعلق آپ کو کی تھی۔

اس وقت چند سوار فوج مخالف سے گھوڑے بھگاتے ہوئے حسینؑ کے پاس آئے جنکی نسبت یہ خیال ہوا کہ یہ لوگ لڑنے کی غرض سے آ رہے ہیں لیکن یہ حر اور اسکے ہمراہی تھے جو فوج شام سے نکلکر حسینؑ کے ساتھ شہید ہونے اور انسان اور خدا کے سامنے اپنی توبہ کا ثبوت دینے آئے تھے۔ حر جب قریب خیمہ گاہ پہونچا تو مڑ کر فوج شام کو کہا کہ "وائے ہو تم پر" اس پر عمر نے نشان کھولدینے کا حکم دیا جب نشان فوج کے سامنے علم ہو چکے تو شمر نے خیمہ گاہ کی طرف ایک تیر چلایا اور کہا کہ شاہد رہنا کہ پہلا تیر میں نے چلایا ہے اسکے بعد جنگ شروع ہو گئی۔ یہ لڑائی فرداً فرداً سلسلہ وار دو پہر تک جاری رہی تا آنکہ جب دونوں طرف لوگ نماز میں مشغول ہوئے حسینؑ نے اس موقع پر علاوہ معمولی نماز کے نماز خوف ادا کی جو انتہائی مجبوری کی حالت میں ادا کیجاتی ہے۔ تھوڑی دیر بعد پھر لڑائی شروع ہوئی

اور حسینؑ کے سر پر تلوار کا زخم پہونچا خون کے بہ جانے سے کمزور ہو کر آپ اپنے خیمہ کے قریب بیٹھ گئے اور اپنی گود میں اپنے صغیر السن صاحبزادے کو اوٹھالیا جو اوسی وقت تیر سے شہید ہو گئے۔ یہ متبرک نعش آپ نے زمین پر رکھدی اور رو کر فرمایا انا للہ وانا الیہ راجعون۔ بار خدایا ان امتحانات کے تحمل کی قوت مجھ میں عطا فرما۔ پیاس کی شدت میں آپ فرات کی طرف دوڑ گئے اور جوں ہی جھک کر پانی پینا چاہا کہ ایک تیر آپکے منہ پر لگا اس حالت میں بھی کہ خون آپکے ہونٹوں سے جاری تھا آپ نے پھر درگاہ خدا میں دعا کی۔ آپکا ایک نہایت حسین بھتیجا آپ سے بغلگیر ہونے کے واسطے پہونچا اور اوسی مقام پر اوسکے دو چھوٹے چھوٹے نازک ہاتھ تلوار سے قلم ہو گئے اس پر حسین رو دیئے اور فرمایا اے معصوم بچے تیری جزا تیرے بزرگوں کے ساتھ اونکے غیر فانی مقام اور برکات ایزدی میں ہے۔

اب افواج شام نے بسر کردگی شمر حسینؑ کو ہر چہار سمت سے گھیر لیا لیکن آپ نے اونکی کچھ پروا نہ کر کے اون پر مثل شیر ژیاں حملہ پر حملہ ہر جانب سے شروع کیا۔ دوران جنگ میں آپکی بہن آپکے اور آپکے قاتلوں کے درمیان آگئیں اور عمر سے خطاب کیا کہ "وائے ہو تجھ پر تو کھڑا دیکھ رہا ہے اور حسینؑ قتل ہو رہے ہیں" عمر نے یہ سنکر اپنا منہ پھیر لیا درانحالیکہ آنسو ڈاڑھی سے ٹپک رہے تھے لیکن باوجود اسکے شمر نے اپنی فوج کو دھمکیاں دے کر اور ملامت کر کے پھر حملہ کر دیا آخر کار ایک شخص نے حسینؑ کے ہاتھ پر زخم شدید پہونچایا دوسرے نے گردن اور ایک تیسرے نے سینہ پر ایسا نیزہ لگایا کہ پشت کو توڑ کر باہر نکل گیا جوں ہی آپ زمین پر تشریف لائے ویسے ہی مردود شمر چند سوار اپنے ساتھ لیکر اونکو آپکی نعش پر سے دوڑا لے گیا اور بار بار یوں ہی اِدھر سے اُدھر اور اُدھر سے اِدھر دوڑاتا رہا یہاں تک کہ اوس مقام پر سوائے خاک آلودہ گوشت اور خون کے ڈھیر کے اور کچھ نظر نہ آتا تھا۔ اس طرح اپنے بھائی حسنؑ کی شہادت سے بارہ برس بعد حسینؑ بن علیؑ خونیں میدان کربلا میں ۱۰ محرم ۶۱ھ ہجری مطابق ۶۸۰ء کو فائز بہ شہادت ہوئے جو ہر سال اول عشرہ محرم میں منائی جاتی ہے۔ ہندوستان اور ایران کے شیعوں میں اور اس جوش کے ساتھ جو سنیوں

کے مقابلہ میں اوس زخم کو تازہ کر دیتا ہے جو ابتداءً زائد از ایک ہزار سال کا زمانہ ہوا کہ لگایا گیا تھا اور امام حسینؑ کے آخری زمانہ کے ان حالات کا منظر ایسے پیرایہ میں دکھلایا جاتا ہے کہ یہ دردناک واقعہ اپنی اصلی حیثیت میں پیش نظر ہوجاتا ہے:۔

(۱۲) اوکلی نے اپنی تاریخ ہسٹری آف سارا سنس میں (۱۳) سر لیوس پیلے نے ڈرامہ مِلے آف حسین میں (۱۴) ادسیون نے تاریخ اسلام میں (۱۵) ڈاکٹر اوسن نے اینٹیسٹس برہمنس اینڈ محمڈنس آف انڈیا میں (۱۶) کوسن لی پریول نے اپنی کتاب میں (۱۷) ویلاسٹن نے اپنی کتاب میں (۱۸) ہسٹورینس ہسٹری آف دی ورلڈ میں۔ (۱۹) کمورے نے اپنے لارڈ کلایو پر ایسے میں (۲۰) آرتھر گلمن نے دی سارا سنس میں اور اسی طرح بکثرت مورخین نے اپنی اپنی کتابوں میں شہادت امام حسینؑ کو بڑی عظمت سے لکھا ہے۔ میں بیس کتابوں کے نام گنوا چکی اب کہاں تک بکتی رہوں۔ ان انگریزی کتابوں کا نام لینے سے میں گھبراتی ہوں۔ تم جانتے ہو کہ میں نے انگریزی نہیں پڑھی اردو رسالوں یا کتابوں میں کچھ نام چھپ گئے ہیں انھیں کو میں نے جمع کر لیا تھا۔

مولوی صاحب۔ مگر تمہارا دماغ تو پورا کتب خانہ ہے۔ انگریزی نہیں جانتی ہو اُس پر تو بیس کتابوں اور اُنکے لکھنے والوں کا نام بتا دیا۔ اگر پڑھی ہوتیں تو کیا کرتیں۔

حسینی بیگم۔ اچھا ماموں صاحب خط دوگے بھی یا ہضم ہی کرڈالنے کا ارادہ ہے؟

مولوی صاحب۔ نہیں ہضم کیوں کرنے لگا۔ یہ کہکر خط دے دیا۔

حسینی بیگم نے خط پڑھا تو اسکے آخر میں بہت سے یوروپین مصنفین اور انکی کتابوں کے نام جو شہادت کربلا کے متعلق ہیں انگریزی میں لکھے ہوئے تھے۔

حسینی بیگم۔ تم تو کچھ انگریزی بھی پڑھ لیتے ہو۔ دیکھو اس کاغذ میں کن لوگوں اور کن کتابوں کے نام لکھے ہیں۔

مولوی صاحب۔ (خط لیکر) ہاں اسمیں تو دس آدمیوں کے نام اور انکی کتابیں بھی لکھی ہیں اور یہ سب غالباً سابق بیس مصنفین کے علاوہ ہیں۔

حسینی بیگم۔ لو پھر تو میرے قول کے موافق تیس ۳۰ یورپ کے مورخین کی عبارتیں بھی ملگئیں

مگر افسوس یہ سب انگریزی فرانسیسی اور جرمنی زبانوں میں ہیں جن کو میں سمجھ نہیں سکتی[1]

---

[1] مسٹر ابوالخیر نے اپنے خط میں حسب ذیل کتابوں اور انکے مصنفین کے نام لکھکر بھیجے تھے۔

(1) Studies in Mohammadanism by John J. Pool Page 98 Edition of 1892 Published by Archibald Constable & Co. London. (2) A Traveller's Narrative by E. G. Brown Vol. II Page 297 Edition of 1891 Cambridge University Press. (3) Islam and its Founder by J. W. H. Stobart Page 188, Edition of 1876. (4) Half Hours with Muhammad by A. N. Wollaston Page 298 Edition of 1886 Published by W. H. Allen & Co London. (5) Mohammad and Mohammadanism by R. Bosworth Smith Page 291 second Edition of London 1876. (6) The Early Development of Mohammadanism by D. S. Margoliouth Page 56 London Edition of 1914. (7) Islam and the Psychology of the Mussalman by Andre Servier Translated by A. S. Moss Blundell Page 114 London Edition of 1924. (8) The Sword of Islam by A. N. Wollaston Page 119 Edition of 1905. (9) The Miracle Play of Hasan and Husain by Col. Sir Lewis Pelly Voll II Page 81 London Edition of 1879. (10) Lectures on the Religion of the Semites by W. Robertson Smith Page 321 London Edition of 1907.

مولوی صاحب۔ گریری تشفی ہوگئی۔ تم نے عربی فارسی انگریزی ہر کتاب سے ثابت کردیا کہ شہادت حضرت حسین رضی اللہ عنہ کا واقعہ اسلام کا سب سے زیادہ یقینی اور مشہور واقعہ ہے۔ جو شخص اس سے انکار کرے وہ گویا وجود آفتاب کا منکر ہے۔

تیئسواں باب ۲۳

حضرت امام حسین علیہ السلام کو یزید نے قتل کرایا یا نہیں

مولوی عبدالغفار صاحب وعظ کہنے میں روز بروز زیادہ مشہور ہوتے جاتے تھے دور دور کے لوگ بھی ان کو لے جاتے یا طلب کرتے۔ ایک دفعہ شہر کانپور کے مشہور تاجر حاجی محمد عثمان صاحب الہ آباد آئے اور مولوی صاحب سے وعظ کہنے کے لئے کانپور چلنے کو کہا۔ یہ راضی ہوگئے۔ جب اسٹیشن پر پہونچے تو جس ڈبے میں سوار ہوئے اسمیں مسٹر بنرجی ایم۔ اے پروفیسر اور مسٹر محمد عمر وکیل بنارس بھی تھے۔ مسٹر محمد عمر اور حاجی محمد عثمان میں پہلے سے ملاقات تھی۔ گاڑی میں انکے سوار ہوتے ہی وکیل صاحب السلام علیکم کہتے ہوئے اٹھے اور حاجی صاحب سے ہاتھ ملاکر اپنے بغل میں جگہ دیدی جب کچھ دیر تک مزاج پرسی وغیرہ ہوچکی تو وکیل صاحب نے مسٹر بنرجی اور حاجی صاحب میں تعارف کرایا اس طرح چاروں حضرات ایک دوسرے سے دل بہلانے لگے۔ مسٹر بنرجی بنارس میں رہنے کی وجہ سے کچھ اردو بول لیتے تھے اور اسلامی تاریخ سے بھی بالکل بے خبر نہیں تھے۔ جب الہ آباد اسٹیشن سے گاڑی کھل گئی تو اسکے کچھ دیر کے بعد اس طرح باتیں ہونے لگیں۔

مسٹر بنرجی۔ وکیل صاحب! آپ حاجی صاحب کا نام کیا بولا۔

مسٹر محمد عمر۔ حاجی محمد عثمان صاحب۔

مسٹر بنرجی۔ یہ تو آپ لوگ کا خلیفہ لوگ کا نام ہے؟

مسٹر محمد عمر۔ خلیفہ لوگ کا نام نہیں صرف تیسرے خلیفہ حضرت عثمان رضی اللہ عنہ کا نام تھا۔ کسی اور خلیفہ کا نام نہیں تھا۔

مسٹر بنرجی۔ ہاں ہاں ٹھیک۔ اور آپ کا پہلا خلیفہ لوگ حضرت ابوبکر اور دوسرا خلیفہ لوگ کا نام حضرت عمر تھا نہ؟

مسٹر محمد عمر۔ ہاں۔

مسٹر بنرجی۔ اور آپ کا چوتھا خلیفہ لوگ کا نام کیا تھا؟

مسٹر محمد عمر۔ حضرت علیؑ۔

مسٹر بنرجی۔ او بابا۔ ہاں ٹھیک۔ آپ ہم کو معاف کرنا ہم بھی جانتا ہے۔ باقی اس وقت خیال نہیں رہا۔ اور پانچواں خلیفہ لوگ کا نام کیا تھا؟

مسٹر محمد عمر۔ معویہ۔

مسٹر بنرجی۔ اور چھٹا خلیفہ لوگ کا نام؟

مسٹر محمد عمر۔ یزید۔

مسٹر بنرجی۔ او۔ ہاں ہاں۔ اوہی نا جو امام حسینؑ کو قتل کیا؟

مسٹر محمد عمر۔ نہیں یہ غلط ہے۔ یزید نے قتل نہیں کیا۔

مسٹر بنرجی۔ آپ لوگ تو یہی بولتا ہے۔

مسٹر محمد عمر۔ کلکتہ یونیورسٹی کے پروفیسر مسٹر صلاح الدین خدابخش نے ۱۹۳۱ء کے اخبار اسٹیٹسمین میں بہت زبردست مضمون لکھ کر ثابت کر دیا ہے کہ یہ غلط مشہور ہے یزید نے امام حسینؑ کو قتل نہیں کیا۔

مسٹر بنرجی۔ تو پھر مسلمان لوگ اپنا نام یزید پر کیوں نہیں رکھتا۔ عمر نام رکھتا ہے عثمان نام رکھتا ہے۔ علیؑ نام رکھتا ہے معویہ اور یزید نام کیوں نہیں رکھتا؟

اس سوال کا جواب مسٹر محمد عمر کے ذہن میں نہیں آیا۔ وہ چپ ہو کر رہ گئے۔ اتنے میں مولوی عبد الغفار صاحب بولے۔

مولوی صاحب۔ جناب وکیل صاحب! یہ آپ نے کیا فرمایا؟ یہ کون مسٹر صلاح الدین ہیں اور کب پیدا ہوئے۔ انھوں نے کیسے ثابت کر دیا کہ یزید نے حضرت حسین رضی اللہ عنہ کو قتل نہیں کیا؟ کیا اسلام کی کل تاریخ اور حدیث کی کتابیں جھوٹی ہو گئیں اور وہ

چشم دید گواہ آج ظاہر ہوئے؟

مسٹر محمد عمر۔ ان باتوں کا جواب میں کیا دوں۔ آپ تو انگریزی نہیں جانتے کہ اصل مضمون پڑھ سکیں مگر ہاں اس کا اردو ترجمہ کلکتہ کے روزانہ اخبار "جمہور" میں چھپا تھا اسے منگا کر ملاحظہ فرمالیجئے۔

مولوی صاحب۔ کیا آپ بتا سکتے ہیں کہ غالباً کس تاریخ کے اخبار میں وہ مضمون ملیگا؟

مسٹر محمد عمر۔ یہ تو مجھے بھی یاد نہیں مگر ہاں ۱۹۳۱ء میں جو محرم پڑا تھا اسی کی کسی تاریخ میں اسٹیٹسمین نے وہ مضمون شائع کیا تھا اور اُسکے چند روز بعد اردو ترجمہ چھپا۔

اسکے بعد دوسری باتیں چھڑ گئیں مگر مولوی صاحب کو اُس مضمون کے دیکھنے کی شدید فکر لاحق ہوئی۔ جبکہ بنور پہونچے تو وہیں سے ایک کارڈ کلکتہ میں اپنے دوست مولوی خلیل الحق صاحب کو لکھا کہ ۱۹۳۱ء میں جو محرم پڑا تھا اسکی کسی تاریخ کو انگریزی اخبار اسٹیٹسمین نے مسٹر صلاح الدین خدا بخش کا ایک مضمون شائع کیا تھا کہ یزید نے حضرت حسین رضی اللہ عنہ کو قتل نہیں کیا۔ اسکا اردو ترجمہ اخبار جمہور میں چھپا تھا۔ براہ کرم "جمہور" کا وہ پرچہ کسی طرح حاصل کر کے مجھے الہ آباد کے پتے سے بھیجدیجئے بہت ممنون ہوں گا اسکی شدید ضرورت ہے"۔

مولوی صاحب کابنور سے دو روز کے بعد واپس آگئے اور اب برابر اخبار جمہور کا انتظار کرنے لگے۔ کوئی ۱۶ روز کے بعد ڈاک سے انکے پاس اخبار جمہور مورخہ ۸ ارجون ۱۹۳۱ء پہونچ گیا جسے مولوی خلیل الحق صاحب نے بھیج دیا تھا۔ جلدی سے اسے کھول کر پڑھنے لگے تو "معرکہ کربلا" کی سرخی سے بہت بڑا مضمون تھا۔ ایک دفعہ پڑھ جانیکے بعد انہوں نے کچھ دیر تک آنکھیں بند رکھیں۔ پھر دوبارہ اس مضمون کو بہت غور سے پڑھ گئے۔ جب شب کو اخبار لئے ہوئے مکان پہونچے اور حسینی بیگم بھی کھاپی اور گھر کے تمام کاموں سے فارغ ہوکر آگئیں تو اس طرح باتیں ہونے لگیں۔

مولوی صاحب۔ میں نے تم سے بیان کیا تھا کہ مسٹر محمد عمر صاحب وکیل نے اخبار جمہور کا پتہ دیا تھا آج وہ اخبار آگیا۔ مضمون تو واقعاً بہت زوردار ہے۔ اور مسٹر صلاح الدین

بڑی جرأت سے کام لیکر اصلی بات ظاہر کردی۔

حسینی بیگم۔ ذرہ میں بھی تو دیکھوں۔ یہ کہکر اخبار جمہور کا وہ مضمون پڑھنے لگیں۔ جب پورا مضمون پڑھ گئیں تو کہا "یہ تو مرزا حیرت کے شاگرد نکلے۔ یہ کون سا بڑا کام ہے۔ کل کوئی پروفیسر صاحب کہ دینگے کہ حضرت عمر کو ابو لولو نے قتل نہیں کیا بلکہ وہ جنگ روم میں لڑتے ہوئے شہید ہوئے اور روم ہی میں دفن کئے گئے تو کیا تم مان لوگے؟"

مولوی صاحب۔ مگر مسٹر صلاح الدین تو صاف لکھتے ہیں کہ "جو کچھ بھی عمر بن سعد بن ابی وقاص کا اخلاقی جرم اس معاملہ میں رہا ہو لیکن ہم معتبر روایت کے ذریعہ سے یزید کو عزت کے ساتھ اس جرم سے بری کرتے ہیں"۔

حسینی بیگم۔ بس تو فیصلا آسان ہے۔ وہ معتبر روایت کون اور کس کی ہے؟ جسکے ذریعہ سے یزید اس جرم سے بری ہو سکتا ہے"۔

مولوی صاحب۔ یہ تو اس میں نہیں لکھا ہے۔

حسینی بیگم۔ پھر اس کو چانڈو خانہ کی گپ کہی جائے تو کیا خطاب دیا جائے میرا دعویٰ ہے اور اس دعویٰ پر میں دنیا بھر سے مقابلہ کرسکتی ہوں کہ جس قدر اسلامی تاریخیں لکھی گئیں کسی ایک میں بھی معتبر کیا غیر معتبر روایت بھی اس مضمون کی نہیں ہے کہ یزید اس جرم سے بری تھا یا بری ہو سکتا ہے۔ اب حسب ذیل تاریخی گواہوں کا بیان سنو:

(۱) علامہ جمال الدین محدث نے لکھا ہے کہ "یزید از استماع این اخبار در غضب رفتہ نامۂ بولید نوشت مضمونش آں کہ دست در طلب عبداللہ بن زبیر باز دارد کہ ہر کجا باشد اثر سخط ما باو خواہد رسید و سر حسین بن علیؓ را مصحوب جواب نامہ بفرستد یعنی ان خبروں کے سننے سے یزید غضبناک ہوا اور ولید حاکم مدینہ کو اس مضمون کا حکم لکھا کہ عبداللہ بن زبیر کی تلاش چھوڑ دو وہ میرے غضب سے کہاں بھاگ سکیں گے۔ اور حسینؓ فرزند علیؓ کا سر جواب خط کے ساتھ روانہ کرو"۔ (روضۃ الاحباب نسخہ قلمی)

(۲) مولانا شاہ سلامت اللہ صاحب شاگرد رشید مولانا عبدالعزیز صاحب دہلوی نے لکھا ہے "دریں شکے نیست کہ یزید پلید آمور راضی و مستبشر از قتل حسین علیہ السلام بودہ ہمیں ست

مذہب مختار جمہور اہلسنت وجماعة چنانچہ در کتب معتمدہ مثل مفتاح النجاة مرزا محمد بدخشی ومناقب السادات ملک العلماء قاضی شہاب الدین دولت آبادی وشرح عقائد نسفی ملا سعد الدین تفتازانی وتکمیل الایمان شیخ عبدالحق محدث دہلوی وغیر آں از اسفار معتبرہ باشواہد ودلائل مذکورہ مسطور است یعنی اسمیں تو شک ہی نہیں ہے کہ یزید پلید نے امام حسین علیہ السلام کے قتل کا حکم دیا۔ اس فعل پر راضی ہوا اور اس واقعہ سے خوش ہوا۔ جمہور اہلسنت وجماعة کا مختار مذہب یہی ہے جیسا کہ معتمد کتابوں میں لکھا ہے مثلاً علامہ مرزا محمد بدخشی کی کتاب مفتاح النجاة۔ ملک العلماء قاضی شہاب الدین دولت آبادی کی کتاب مناقب السادات۔ علامہ تفتازانی کی شرح عقائد نسفی اور شیخ عبدالحق محدث دہلوی کی تکمیل الایمان وغیرہ بہت سی معتبر کتابوں میں لکھا ہے (تحریر الشہادتین مطبوعہ لکھنؤ صـ۸) پھر لکھتے ہیں " یزید علیہ ما یستحقہ چوں از قتل حسینؑ دل خوش کرد یعنی یزید اس پر وہی (لعنت) نازل ہو جس کا وہ مستحق تھا جب حسینؑ کو قتل کرکے خوش ہو گیا (تحریر الشہادتین صـ۱۰۱) (۳) علامہ شبراوی نے لکھا ہے لاریب ان اللہ سبحانہ قضٰی علی یزید بالشقاء فقد تعرض لآل البیت الشریف بالاذی فارسل جندہ لقتل الحسین وقتلہ وسبی حریمہ واولادہ وھم اکرم اھل الارض یعنی کوئی شک نہیں کہ یزید پر بدبختی سوار تھی کہ اس نے اہلبیت پر ظلم وستم کے پہاڑ ڈھا دیئے۔ اپنا لشکر امام حسینؑ کے قتل کو بھیجا۔ امام حسینؑ کو تو قتل کیا اور آپ کے اہل وعیال کو جو زمین پر سب سے زیادہ عزت وشرف والے تھے قیدی بنایا (کتاب الاتحاف صـ۱۹) (۴) اور علامہ قسطلانی نے لکھا ہے اللعن علی یزید لما انہ کفر حین امر بقتل الحسین یعنی یزید پر لعن جائز ہے کیونکہ جب اس نے امام حسینؑ کے قتل کا حکم دیا تب ہی کافر ہو گیا۔ والحق ان رضا یزید بقتل الحسین واستبشارہ بذلک واھانتہ اھل بیت النبیؐ مما تواتر معناہ یعنی حق یہ ہے کہ قتل امام حسینؑ پر یزید کا راضی ہونا اور اس سے بہت خوش ہونا اور اہلبیت نبی صلعم کی اہانت کرنا متواتر واقعات سے ہے (شرح صحیح بخاری جلد ۵ صـ۸۵) (۵) بالکل یہی عبارت علامہ تفتازانی کی شرح عقائد نسفی صـ۱۸۱ میں بھی ہے

(۶) علامہ جلال الدین سیوطی نے لکھا ہے فکتب یزید الی والیہ بالعراق عبید اللہ بن زیاد بقتالہ یعنی پھر یزید نے اپنے حاکم عراق عبید اللہ بن زیاد کو لکھا کہ امام حسینؑ سے قتال کرو۔ (تاریخ الخلفاء صفحہ ۱۴۰) اور مسلم ہے کہ قتال میں ہر فریق دوسرے کو قتل کرنا چاہتا ہے تو یزید ہی نے ابن زیاد کو حکم دیا کہ امام حسینؑ سے لڑ کر انکو قتل کر دو۔

(۷) علامہ جلیل اور مورخ اعظم مسعودی اپنی بے مثل و نظیر تاریخ میں لکھتے ہیں:۔

جب بنی عباس نے بنی امیہ کو تباہ و برباد کر کے اُن سے سلطنت چھین لی ہے تو بنی عباس کے ایک سردار نے خلفاے بنی امیہ کے آخری بادشاہ مروان کی بیٹیوں کو گرفتار کر کے بنی عباس کے خلیفہ سفاح کے چچا صالح بن علی کے پاس بھیجا ہے جب وہ دربار میں داخل ہوئیں تو بڑی لڑکی نے صالح بن علی سے کہا کہ اے خلیفہ وقت کے چچا خدا آپکو سلامت رکھے۔ ہم سب بھی حضور ہی کی بیٹیاں ہیں تو آپ ہم لوگوں پر رحم فرمائیں اور ہمیں آزاد کر دیں صالح بن علی نے جواب دیا کہ یہ نہیں ہو سکتا۔ میں آج کسی مرد کو زندہ چھوڑوں گا نہ کسی عورت کو۔ کیا تمہارے باپ دادا نے آج سے پہلے میرے بھتیجے ابراہیم بن محمد بن علی بن عبد اللہ بن عباس کو قید خانہ میں قتل نہیں کیا۔ کیا تمہارے دادا ہشام بن عبد الملک نے حضرت امام زین العابدین علیہ السلام کے فرزند حضرت زید کو قتل نہیں کیا اور پھر اُنکی لاش کو کوفہ کے محلہ کناسہ میں سولی پر نہیں چڑھا دیا؟ اور پھر اُنکی بیوی کو بھی مقام حیرہ میں نہیں قتل کرا دیا تھا؟ کیا تمہارے دادا ولید بن یزید نے اُنھیں حضرت زید کے صاحبزادے حضرت یحییٰ کو خراسان میں قتل کر کے سُولی پر نہیں چڑھایا تھا؟ الم یقتل عبید اللہ بن زیاد الدعی مسلم بن عقیل بن ابی طالب بالکوفۃ الم یقتل یزید بن معویۃ الحسین بن علی علی یدی عمر بن سعد مع من قتل بین یدیہ من اھل بیتہ۔ الم یخرج بحرم رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم سبایا حتی وردیھم علی یزید بن معویۃ وقبل مقدمھم بعث الیہ براس الحسینؑ ابن علیؑ قد نصب دماغہ علی راس رمح یطاف بہ کور الشام وملہ انھا حتی قدموا بہ علی یزید بدمشق کانما بعث الیہ براس

رجل من اهل الشرک ثم اوقف حرم رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم موقف السبی یتصفحھن جنود اھل الشام الجفاۃ الطغام ویطلبون منہ ان یھب لھم حرم رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم استخفافا بحقہ صلی اللہ علیہ وسلم وجرأۃ علی اللہ عزوجل وکفرا لانعمہ یعنی کیا عبیداللہ بن زیاد نے جناب مسلم بن عقیل کو قتل نہیں کیا؟ کیا یزید بن معویہ نے امام حسینؑ کو حضرت کے بکثرت عزیزوں اور ساتھیوں کے ہمراہ قتل نہیں کیا؟ کیا یزید کے حکم سے عمر بن سعد رسولخدا صلعم کے حرم کو قید کرکے یزید کے پاس نہیں لایا اور اُن مخدرات عصمت وطہارت کے لانے کے پہلے حضرت امام حسینؑ کے سر مبارک کو شام کے دیہاتوں اور شہروں میں نہیں پھرایا؟ اس شان سے کہ حضرت کا سر مبارک ایک نیزہ کی نوک پر نصب کرادیا گیا تھا یہاں تک کہ اسی طرح لوگ اس سر کو یزید کے پاس دمشق میں لائے۔ معلوم ہوتا تھا کہ کسی مشرک کا سر لایا گیا ہے۔ پھر حضرت رسولخدا صلعم کے حرم کو اسی طرح قیدی بناکر وہاں کھڑا کردیا کہ اہل شام کے بدمعاش شیطان لشکر والے ان مخدرات عصمت وطہارۃ کو آنکھیں پھاڑ پھاڑ کر تکتے اور گھورتے تھے اور یزید سے سوال کرتے تھے کہ حرم رسولؐ کی لڑکیاں اُنکو دیدے تاکہ وہ لونڈی بنائیں۔ یہ سب کارروائی حضرت رسولخدا صلعم کو ذلیل ورسوا کرنے کے لئے اور خدا سے ڈھٹائی اور اسکی نعمتوں سے کفران کرکے انجام دی گئی۔ (مروج الذہب برحاشیہ تاریخ کامل مطبوعہ مصر جلد ۸ صفحہ ۲۱) دیکھو خود بنی عباس کے خلیفہ سفاح کے چچا صالح بن علی نے مروان کی بیٹیوں سے کہا کہ یزید ہی نے امام حسینؑ کو قتل کرایا اور حرم رسولخداؐ کو قیدی بناکر در بدر پھرایا۔ اس سے بھی بڑھکر کوئی گواہی اور ہوسکتی ہے؟ یہ واقعہ سنہ ۱۳۲ ہجری یعنی واقعہ کربلا سے صرف ۷۱ سال کے بعد کا ہے جب اسکے جاننے والے لاکھوں آدمی دنیا میں موجود تھے۔

(۸) یہی علامہ مسعودی دوسرے مقام پر لکھتے ہیں۔ ولما شمل الناس جور یزید وعمالہ وعمھم ظلمہ وماظھر من فسقہ من قتلہ ابن بنت رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم وانصارہ وماظھر من شرب الخمور وسیرۃ فرعون بل کان فرعون اعدل

منه فی رعیته و انصف منه لخاصته و عامته اخرج اهل المدینة عامله علیهم یعنی جب لوگوں کو یزید اور اسکے عمال کے جور و ستم نے گھیر لیا اور اس کا ظلم عام ہو گیا اور اس کا فسق کھل گیا کہ اس نے حضرت رسولخدا کے نواسے اور آپ کے انصار کو قتل کر دیا اور اسکی شراب خواری اور فرعونی روش کے واقعات ظاہر ہو گئے۔ بلکہ فرعون تو اپنی رعیت میں بمقابلہ یزید کے کہیں زیادہ عادل اور منصف مزاج تھا۔ تب مدینہ والوں نے یزید کے عامل مدینہ کو اپنے ہاں سے نکال دیا۔ (مروج الذہب برحاشیہ تاریخ کامل جلد ۶ ص ۱۴۲)۔ (۹) یہی علامہ مسعودی پھر لکھتے ہیں:۔ و لیزید وغیرہ اخبار عجیبة و مثالب کثیرة من شرب الخمر وقتل ابن الرسول ولعن الوصی وهدم البیت واحراقه وسفك الدماء والفسق والفجور وغیر ذلك مما ورد فیه الوعید بالیاس من غفرانه کورود فیمن جحد توحیده وخالف رسله۔ یعنی یزید وغیرہ کے لئے عجیب خبریں اور بڑی برائیاں ہیں کہ شراب پیتا تھا۔ فرزند رسول کو قتل کر دیا۔ حضرت علیؑ پر لعنت کیا کرتا تھا۔ خانہ کعبہ کو ڈھا دیا اور اسمیں آگ لگا دی۔ لوگوں کے خون بہا دیئے اور دوسرے فسق و فجور اس کثرت سے کئے جنکے متعلق خدا کا یہ وعدہ ہو چکا ہے کہ ان گناہوں کو نہیں بخشیگا۔ جس طرح خدا کا یہی وعدہ اُن لوگوں کے بارے میں بھی ہو چکا ہے جو خدا کی توحید کا انکار کریں اور اسکے رسولوں کی مخالفت کریں (غرض یزید اور کفار سب برابر ہیں) (مروج الذہب جلد ۶ ص ۱۵۲)۔ یہ بھی ملاحظہ ہو کہ مورخ مسعودی کس پایہ کا عالم ہے۔ جناب مولوی شبلی صاحب لکھتے ہیں:۔ "ابوالحسن مسعودی فن تاریخ کا امام ہے۔ اسلام میں آج تک اسکے برابر کوئی وسیع النظر مورخ پیدا نہیں ہوا۔ اسکی تمام تاریخی کتابیں ملتیں تو کسی اور تصنیف کی حاجت نہ ہوتی۔" (الفاروق ص ۸)

(۱۰) علامہ احمد بن داؤد ابو حنیفہ دینوری المتوفی ۲۸۱ھ ہجری نے لکھا ہے کہ جب یزید کے مرنے پر ابن زیاد عراق سے بھاگا ہے تو اسکے ساتھی نے کہا کہ شائد تم اس بات میں پریشان ہو گے کیونکہ امام حسینؑ کو قتل کیا تو ابن زیاد نے جواب دیا اما قتلی الحسینؑ

فانه خرج علی امام وامة مجتمعة وکتب الی الامام یامرنی بقتله فان کان ذلک خطاء کان لازما لیزید یعنی میں نے جو امام حسینؑ کو قتل کیا تو انھوں نے ایک بادشاہ (یزید) اور اسکی رعایا پر خروج کیا۔ اور اس بادشاہ (یزید) نے مجھے حکم لکھ بھیجا کہ امام حسینؑ کو قتل کردوں۔ اب اگر یہ بات خطا تھی تو اس کا الزام یزید پر ہے (اخبار الطوال مطبوعہ مصر ص۲۷۹) (۱۱) علامہ ابن اثیر جزری بھی مذکور بالا واقعہ کو لکھتے ہیں جب ابن زیاد نے کہا اما قتلی الحسین فانه اشار الی یزید بقتله او قتلی فاخترت قتله یعنی میں نے امام حسینؑ کو قتل کیا تو اس وجہ سے کہ یزید نے مجھکو اشارہ کیا کہ حضرتؑ کو قتل کردوں کیونکہ اگر حضرتؑ کو قتل نہیں کروں گا تو یزید مجھ ہی کو قتل کردیگا لہٰذا میں نے امام حسینؑ ہی کا قتل اختیار کیا (تاریخ کامل مطبوعہ مصر جلد ۴ ص۵۵) اس سے معلوم ہوا کہ یزید نے ابن زیاد پر اتنی سختی کی کہ لکھا اگر تو امام حسینؑ کو قتل نہیں کریگا تو میں تجھ ہی کو قتل کردوں گا۔

(۱۲) خود یزید نے اپنے اشعار میں اقرار کیا ہے کہ میں نے امام حسینؑ کو قتل کیا وہ سر امام حسینؑ کو سامنے رکھے ہوئے دانتوں کو چھڑی سے مار رہا تھا اور یہ اشعار پڑھتا جاتا تھا ۔ لیت اشیاخی ببدر شهدوا ۔ جزع الخزرج من وقع الاسل + لاهلوا واستهلوا فرحا ۔ ثم قالوا یا یزید لاتشل + قد قتلنا القرن من ساداتهم ۔ وعدلنا قتل بدر فاعتدل + لست من عتبة ان لم انتقم من بنی احمد ما کان فعل + لعبت هاشم بالملک فلا ۔ ملک جاء ولا وحی نزل + یعنی کاش آج میرے وہ بزرگ جو جنگ بدر میں مارے گئے موجود ہوتے تو خوش ہوکر مجھکو داد دیتے کہ میں نے رسولؐ کے خاندان سے ان کا کیسا اچھا بدلہ لیا میں نے انکے چنے ہوئے بزرگوں کو قتل کیا اور جنگ بدر کا عوض لیا تو عوض پورا ہوگیا اگر میں رسولؐ کی اولاد سے اس قدر انتقام نہ لیتا تو عتبہ کے خاندان میں شمار ہی نہیں ہوتا درحقیقت بنو ہاشم نے ملک گیری کے ڈھکوسلے نکالے تھے ورنہ واقعہ تو یہ ہے کہ انکے پاس نہ کبھی کوئی فرشتہ آیا نہ وحی نازل ہوئی (وسیلۃ النجاۃ مطبوعہ لکھنؤ ص۲۹۹ الااتحاف)

مطبوعہ مصر ص۱۸ - مفتاح النجاۃ - شہادۃ حسینؑ ص۵۹ و تاریخ طبری جلد ۱۱ ص۳۵۵)

(۱۳) حضرت رسول خدا صلعم فرما گئے تھے کہ یزید ہی حسینؑ کو قتل کرے گا - جناب مولوی وحید الزماں خانصاحب حیدر آبادی لکھتے ہیں اٰوَّہٗ لِفَرَاخِ مُحَمَّدٍ مِنْ خَلِیْفَۃٍ یُسْتَخْلَفُ عِتْرِیْفٍ مُتْرِفٍ یَقْتُلُ خَلَفِیْ وَخَلَفَ الْخَلَفِ ہائے افسوس اوس خلیفہ پر جو حاکم بنایا جائیگا وہ محمدؐ کے بچوں کو قتل کرے گا وہ کم بخت خلیفہ ظالم بدکار خبیث - عیش پسند ہو گا میرے جانشین کو قتل کرے گا - پھر جانشین کے جانشین کو اس حدیث میں صریح معجزہ ہے آنحضرتؐ کا آپ نے یزید مردود و ملعون کی خبر دی کہ وہ پہلے امام حسنؑ کو ہلاک کرائیگا جو آنحضرتؐ کے سچے خلیفہ اور قائم مقام اور امام برحق تھے - پھر اونکے جانشین یعنی امام حسینؑ کو قتل کرائیگا - ایسا ہی ہوا - اس یزید پلید خبیث ناپاک ملعون نے پہلے امام حسنؑ کی بی بی جعدہ کو ملا کر آپ کو زہر دلایا - پھر اوس پر بھی قناعت نہ کی - امام حسینؑ کو مع اولاد اور اعزہ اور رفقا بڑے ظلم اور سختی سے تشنہ اور پیاسا رکھکر قتل کرایا - لعنت خدا کی ایسے خلیفہ پر (انوار اللغتہ پارہ ۱۸ ص۱۹)

(۱۴) جب واقعہ کربلا کے بعد ابن زبیر نے لوگوں سے اپنی بیعتہ لینی شروع کی اور جناب عبد اللہ بن عباس نے اسکے ہاتھ پر بیعتہ کرنے سے انکار کر دیا جسکی خبر یزید کو بھی ہو گئی اور اس نے خیال کیا کہ ابن عباس نے انکی بیعتہ اس وجہ سے نہیں کی کہ وہ (ابن عباس) اسی (یزید) کی بیعتہ پر ہیں اور اسی کو خلیفہ جانتے ہیں تو اس نے بڑی خوشی میں ایک خط جناب عبد اللہ بن عباس کو بھیجا ہے جسمیں لکھا اما بعد فقد بلغنی ان الملحد ابن الزبیر دعاک الی بیعتہ وانک اعتصمت ببیعتنا وفاء منک لنا فجزاک اللہ من ذی رحم خیر ما یجزی المواصلین لارحامھم الموفین بعھودھم فما انسی من الاشیاء فلست بناس برک وتعجیل صلتک بالذی انت لہ اھل - فانظر من طلع علیک من الآفاق ممن سحرھم ابن الزبیر بلسانہ فاعلمھم بحالہ فانھم منک اسمع الناس ولک اطوع منھم للمحل - یعنی اما بعد مجھے معلوم ہوا ہے کہ اس ملحد عبد اللہ بن زبیر نے تم سے اپنی بیعتہ کی فرمایش کی

مگر تم اپنی وفاداری کی وجہ سے میری بیعت پر قائم رہے اور اسکی بیعت سے انکار کر دیا صلہ رحم کرنے والوں۔ اپنی قرابت کا لحاظ رکھنے والوں۔ اور اپنے عہد پر باقی رہنے والوں کو خدا جو جزا عطا کرے گا اس سے بھی بہتر جزا تم کو عطا فرمائے کہ تم نے اپنی قرابت کا خوب پاس کیا۔ اب دنیا کی اور باتوں کو میں بھول بھی جاؤں مگر تمہاری اس مہربانی کے انعام کو تو میں کبھی نہیں بھول سکتا بلکہ تمہارے اس صلہ رحم کا خاطر خواہ اور تمہاری شان کے لائق بدلہ بہت جلد تم کو دونگا (یعنی تم پر احسان عظیم کروں گا جاگیر عہد۔ حکومت۔ سب ہی عطا کروں گا) اس وقت دیکھو وہاں دور دور سے جو لوگ آئیں جن پر ابن زبیر نے اپنی زبان سے جادو کر دیا ہو ان سب کو اسکے کچے چٹھے کی خبر کر دو کیونکہ وہ لوگ تمہاری بات سب سے زیادہ سنیں گے اور اُس موقع و محل پر تمہاری ہی اطاعت سب سے زیادہ کریں گے۔

اسکے جواب میں جناب عبد اللہ بن عباس نے یزید کو یہ خط لکھا:- اما بعد فقد جاءنی کتابک فاما ترکی بیعۃ ابن الزبیر فواللہ ما ارجو بذلک برک ولا حمدک ولکن اللہ بالذی انوی علیم۔ وزعمت انک لست بناس بری فاحبس ایھا الانسان برک عنی فانی حابس عنک بری۔ وسالت ان احبب الناس الیک وابغضہم واخذلہم لابن الزبیر فلا ولا سرور ولا کرامۃ کیف وقد قتلت حسینا وفتیان عبد المطلب مصابیح الھدی ونجوم الاعلام غادرتھم خیولک بامرک فی صعید واحد مرملین بالدماء مسلوبین بالعراء مقتولین بالظماء لا مکفنین ولا مسودین۔ تسفی علیہم الریاح وتنشی بہم عرج البطاح حتی اتاح اللہ بقوم لم یشرکوا فی دمائھم کفنوھم واجنوھم وبی وبہم لو عزت وجلست مجلسک الذی جلست فما انسی من الاشیاء فلست بناس اطرادک حسینا من حرم رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم الی حرم اللہ وتسییرک الخیول الیہ فما زلت بذلک حتی اشخصتہ الی العراق فخرج خائفا یترقب فنزلت

به خیلك علی اولة منك لله ولرسوله ولاهل بيته الذين اذهب الله عنهم الرجس وطهرهم تطهيرا فاطلب اليكم الموادعة وسالكم الرجعة فاغتنمتم قتلة انصاره واستيصال اهل بيته وتعاونتم عليه كانكم قتلتم اهل بيت من الترك الكفر فلا شئ اعجب عندى من طلبتك ودى وقد قتلت ولد ابى وسيفك يقطر من دمى وانت احد ثارى ولا يعجبك ان ظفرت بنا اليوم فلنظفرن بك يوما والسلام

یعنی امابعد واضح ہو کہ مجھے تیرا خط ملا۔ میں نے عبداللہ بن زبیر کی بیعت سے جو انکار کیا تو خدا کی قسم اس وجہ سے نہیں کہ اس ذریعہ سے تیری مہربانی اور انعام کی امید رکھوں یا تو میرا شکریہ ادا کرے بلکہ اس سے جو میری غرض ہے اُسکو خدا ہی خوب جانتا ہے۔ تو نے مجھے لکھا ہے کہ "تمہاری اس مہربانی کے انعام کو تو میں کبھی نہیں بھول سکتا"۔ اس کا جواب یہ ہے کہ اے مردک تو اپنے انعام سے مجھے معاف رکھ میں خود بھی اپنی مہربانی تجھ سے روکے رہوں گا۔ تو نے مجھ سے خواہش کی ہے کہ میں لوگوں کو تیرا دوست اور ابن زبیر کا دشمن بنا دوں اور انکو ابن زبیر سے الگ کردوں کہ پھر وہ ان کا ساتھ نہ دیں۔ مگر یہ نہیں ہونے کا ہے۔ نہ اسکو میں پسند کرتا ہوں۔ نہ یہ شریفوں کا کام ہے۔ اور تو کس عقل سے مجھ سے ان باتوں کی امید رکھتا ہے۔ حالانکہ تو ہی نے امام حسین علیہ السلام اور خاندان بنی ہاشم کے جوانوں کو قتل کر ڈالا جو ہدایت کے روشن چراغ اور ارکان دین و ایمان کے چمکتے ہوئے ستارے تھے۔ تیرے ہی حکم سے تیری فوج نے ان سب کو ایک ہی زمین پر ذبح کرکے چھوڑ دیا کہ وہ سب اپنے خون میں لتھڑے ہوئے پڑے رہے۔ پھر ان کے سب لباس بھی لٹوائے اور انکی برہنہ لاشیں اسی طرح چٹیل میدان میں چھڑوا دیں۔ ہائے وہ حضرات پیاسے ہی مار ڈالے گئے اور پھر نہ ان کو کفن دیا گیا نہ دفن کیا گیا۔ میدان کی گرم ہوائیں ان کے بدن کو جھلساتی رہیں اور پتھریلی زمین کے موڑ ان پر گرد و غبار کے جھونکے چلاتے رہے

یہاں تک کہ خدا نے ایک ایسی قوم کو مقرر کردیا جو ان حضرات کی خونریزی میں شریک نہیں ہوئی تھی اُنھوں نے انکو کفن پہنا کر دفن کردیا۔ میں اپنی اور ان بزرگوں کی قسم کھا کر کہتا ہوں کہ اگر میرا بس چلے اور کسی طرح تیرے تخت پر بیٹھنے کا موقع مجھکو مل جائے تو دنیا کی اور باتوں کو میں بھول بھی جاؤں مگر تیرے اس ظلم کو کبھی نہیں بھول سکتا کہ تو نے حضرت امام حسین علیہ السلام کو حضرت رسولخدا صلعم کے روضہ سے آوارہ وطن کیا اور وہاں سے نکال کر خانہ کعبہ میں پہونچایا۔ پھر برابر تو اپنے سواروں کو اونکی طرف بھیجتا گیا اور اونکے پیچھے پڑا رہا۔ یہاں تک کہ اونکو مکہ معظمہ سے بھی چھڑا کر عراق کی طرف روانہ کردیا۔ حضرتؑ خانہ کعبہ سے ڈرتے ڈرتے جدا ہوئے کہ دیکھیں کیا ہوتا ہے۔ نتیجہ یہ ہوا کہ تیرے دل میں خدا اور رسولؐ اور حضرتؑ کے اُن اہلبیتؑ کی جن سے خدا نے ہر برائی کو دور رکھا ہے اور جنکو اس طرح پاکیزہ کردیا ہے جس سے زیادہ پاکیزگی ہو نہیں سکتی۔ جو دشمنی کوٹ کوٹ کر بھری ہوئی ہے اوسکی وجہ سے حضرتؑ پر تیری وہ فوجیں ٹوٹ پڑیں لیکن اب بھی حضرتؑ تم لوگوں سے صلح و آشتی ہی سے پیش آتے رہے اور اپنے امکان بھر تم لوگوں کو جنگ و خونریزی سے بچانا ہی چاہا مگر تم لوگوں نے حضرت کے انصار کی تعداد کی کمی سے اس موقع کو غنیمت سمجھا اور حضرتؑ کو آپ کے اہلبیتؑ کے ساتھ مٹا کر ہی چھوڑا اور اس طرح سے اُن حضرات کے دشمن ہوگئے کہ معلوم ہوتا تھا تم لوگوں نے اُن حضرات کو ترک اور دوسری کافر قومیں سمجھ لی تھیں۔ ایسی حالت میں میرے لئے اس سے زیادہ کوئی حیرت انگیز بات نہیں ہوسکتی کہ یہ سب کرنے کے بعد بھی تو میری دوستی کا خواہاں ہے درصورتیکہ تو ہی نے میرے خاندان والوں کا خاتمہ کردیا اور ابھی تک تیری تلوار سے ہم لوگوں کا خون ٹپک رہا ہے۔ یاد رکھ میں تو اس فکر میں ہوں کہ موقع ملے تو تیرا خون بھی پی ڈالوں یہ بھی سمجھ رکھ کہ اگر آج تو ہم لوگوں پر غالب آگیا تو اس پر مغرور نہ ہو۔ کیونکہ انشاءاللہ دوسرے روز (قیامت) میں ہم ہی لوگ تجھ پر غالب آئیں گے (تاریخ کامل مطبوعہ مصر جلد ۴ صفحہ ۵۰)۔

اس زمانہ میں یزید کے جو بعض طرفدار کہنے لگے ہیں کہ یزید نے امام حسینؓ کو قتل نہیں کیا بلکہ ابن زیاد نے اپنی خود رائی سے قتل کیا وہ حضرات آنکھ کھول کر دیکھیں کہ یزید کا امام حسینؓ کو قتل کرنا ایسا بدیہی واقعہ تھا کہ حضرت عبداللہ بن عباس ایسے صحابی نے ابن زیاد کا نام تک نہیں لیا اور پورا الزام یزید کو دیا کہ تم ہی نے حضرت امام حسینؓ کو مدینہ سے نکالا۔ مکہ معظمہ سے ہٹایا اور اپنی فوجیں بھیجکر حضرت کو قتل کیا اور اسکی وجہ بھی ظاہر کردی کہ یزید کے دل میں خدا و رسول اور اہلبیت کی جو عداوۃ مدۃ دراز سے بھری تھی اسی سبب سے اس نے ایسا کیا۔

(۱۵) خاندان بنی عباس کے مشہور خلیفہ معتضد باللہ نے بھی یزید ہی کو حضرت کا قاتل کہا ہے چنانچہ لکھا من اغلظ ما انتھک و اعظم۔ ما اجترہ سفکہ دم الحسین بن علیؓ وابن فاطمۃ بنت رسول اللہ ... فکانما یقتل بہ و باھل بیتہ قوما من کفار اھل الترک والدیلم یعنی یزید نے سب سے زیادہ اسلام سوز اور دین کش ظلم یہ کیا کہ حضرت رسولخداؐ کے فرزند اور حضرت فاطمہؑ کے پارہ جگر امام حسینؑ کو شہید کیا۔ وہ اس بے دردی سے ان لوگوں کو قتل کرتا رہا کہ معلوم ہوتا تھا وہ کسی مسلمان کو نہیں بلکہ ترک و دیلم کے کفار کو قتل کر رہا ہے (تاریخ طبری جلد ۱۱ ص ۳۵۵)

مولوی صاحب ۔ یہ تو بالکل یقینی گواہی ہے کہ اتنے بڑے خلیفہ نے حضرت حسین رضی اللہ عنہ کا قاتل صاف صاف یزید ہی کو لکھا۔ اور پھر تاریخ طبری میں یہ واقعہ موجود ہے جو اسلامی تاریخ کی سب سے زیادہ معتبر کتاب ہے۔

حسینی بیگم ۔ نہیں خاندان بنی امیہ کے خلیفہ بلکہ خود یزید کے بیٹے کی گواہی بھی سنو

(۱۶) جناب مولانا شاہ سلامت اللہ صاحب شاگرد حضرت مولانا شاہ عبدالعزیز صاحب دہلوی نے لکھا ہے کہ جب یزید کا بیٹا معویہ خلیفہ ہوا تو اس نے خطبہ میں کہا جد من معویہ از راہ خلافت با علی مرتضیٰ کہ احق و الیق بخلافت بود نزاع و جدال کرد بعد او پدرم کہ ہیچ گونہ اہلیت و استحقاق نداشت بر تخت سلطنت نشست و برائے استحکام حکومت خود ہم حسین بن علی فرزند رسولؐ را کشت یعنی میرا دادا معویہ نے حضرت

علیؑ سے جو خلافت کے سب سے زیادہ اہل اور مستحق تھے لڑتا رہا اُسکے بعد میرا باپ جو کسی قسم کی قابلیت نہیں رکھتا تھا تخت سلطنت پر بیٹھا اور اپنی حکومت مضبوط کرنے کے لئے حضرت حسین بن علیؑ کو قتل کر ڈالا۔ (۱۷) علامہ ابن حجر مکی نے بھی لکھا ہے کہ یزید کے بیٹے معویہ نے کہا ان جدی معویۃ نازع الامر اھلہ ومن ھو احق بہ منہ علی بن ابیطالب ورکب بکم ما تعلمون حتی اتتہ منیتہ فصار فی قبرہ رھینا بذنوبہ ثم قلدابی الامر وکان غیر اھلہ ونازع ابن بنت رسول اللہ وقد قتل عترۃ رسول اللہ یعنی میرے دادا معویہ نے خلافت کے بارے میں حضرت علیؑ سے جنگ کی جو اُس سے کہیں زیادہ خلافت کے اہل و مستحق تھے اور تم لوگوں کو اُس نے جس قدر گنہگار کیا خوب جانتے ہو جب وہ مرگیا اور اپنے گناہوں میں گرفتار ہو کر قبر کے قیدخانہ میں پہونچ گیا تو امر خلافت کا طوق میرے باپ (یزید) کی گردن میں ڈال گیا جو بالکل نااہل تھا۔ اس نے فرزند رسولؐ سے اس بارے میں جنگ کی... اور آخر عترت رسولؐ کو قتل کر کے رہا۔ (صواعق محرقہ صفحہ ۱۳۴) اور سب سے زیادہ قابل غور اسکے خطبہ کی وہ عبارت ہے جو علامہ دمیری نے اپنی کتاب حیوۃ الحیوان میں لکھی ہے مگر وہ کچھ طولانی ہے اس وجہ سے ترک کرتی ہوں۔

مولوی صاحب۔ نہیں نہیں اسکو بھی ضرور سنا دو۔

حسینی بیگم۔ (۱۸) علامہ دمیری نے لکھا ہے: ثم قام بالامر بعدہ ابنہ معویۃ وکان خیرا من ابیہ فیہ دین وعقل بویع لہ بالخلافۃ یوم موت ابیہ فاقام فیھا اربعین یوما وقیل اقام فیھا خمسۃ اشھر وایاما وخلع نفسہ وذکر غیر واحد ان معویۃ بن یزید لما خلع نفسہ صعد المنبر فجلس طویلا ثم حمد اللہ واثنی علیہ بابلغ ما یکون من الحمد والثناء ثم ذکر النبی باحسن ما یذکر بہ ثم قال ایھا الناس ما انا بالراغب فی الائتمار علیکم لعظیم ما اکرھہ منکم وانی لاعلم انکم تکرھوننا ایضا لانا بلینا بکم وبلیتم بنا الا ان جدی معویۃ رضی قد نازع فی ھذا الامر من کان اولی بہ منہ ومن غیرہ لقرابتہ من رسول اللہ

معویہ بن یزید کا خطبہ

وعظم فضله وسابقته ـ اعظم المهاجرين قدرا ـ واشجعهم قلبا ـ واكثرهم
علما واولهم ايمانا واشرفهم منزلة ـ واقدمهم صحبة ـ ابن عم رسول
الله صلعم وصهره واخوه ـ زوجه ابنته فاطمة وجعله لها بعلا باختيارها لها
وجعلها له زوجة باختياره له ـ ابو سبطيه سيدي شباب اهل الجنة ـ وافضل
هذه الامة تربية الرسول وابني فاطمة البتول ـ من الشجرة الطيبة الطاهرة
الزكية ـ فركب جدي معه ما تعلمون وركبتم معه ما لا تجهلون حتى انتظمت
لجدي الامور ـ فلما جاءه القدر المحتوم ـ واخترمته ايدي المنون بقي مرتهنا
بعمله ـ فريدا في قبره ـ ووجد ما قدمت يداه ـ ورأى ما ارتكبه واعتداه ـ ثم
انتقلت الخلافة الى يزيد ابي ـ فتقلد امركم لهوى كان ابوه فيه ـ ولقد كان ابي
يزيد بسوء فعله واسرافه على نفسه غير خليق بالخلافة على امة محمد صلعم ـ فركب هواه
واستحسن خطاه ـ واقدم على ما اقدم من جرأته على الله وبغيه على من استحل
حرمته من اولاد رسول الله ـ فقلت مدته وانقطع اثره وضاجع عمله وصار
حليف حفرته ـ رهين خطيئته ـ وبقيت اوزاره وتبعاته ـ وحصل على
ما قدم وندم حيث لا ينفعه الندم وشغلنا الحزن له عن الحزن عليه ـ فليت
شعري ماذا قال وماذا قيل له ـ هل عوقب باساءته وجزي بعمله ـ وذلك
ظني ـ ثم اختنقته العبرة فبكى طويلا وعلا نحيبه ـ ثم قال وصرت انا ثالث
القوم والساخط علي اكثر من الراضي وما كنت لاتحمل آثامكم ولا يراني الله
جلت قدرته متقلدا اوزاركم والقاه بتبعاتكم فشأنكم امركم فخذوه
ومن رضيتم به عليكم فولوه فلقد خلعت بيعتي من اعناقكم والسلام فقال له
مروان بن الحكم وكان تحت المنبر اسنة عمرية يا ابا ليلى ـ فقال اغد عني اعن
ديني تخدعني فوالله ما ذقت حلاوة خلافتكم واتجرع مرارتها ائتني برجال مثل
رجال عمر رض على انه ما كان من حين جعلها شورى وصرفها عمن لا يشك في عدالته
ظلوما ـ والله لئن كانت الخلافة مغنما لقد نال ابي منها مغرما ومأثما ولئن كانت

سوأ فحسبه منها ما اصابه ۔ ثم نزل فدخل علیه اقاربه وامه فوجدوه یبکی ۔ فقالت له امه لیتک کنت حیضة ولم اسمع بخبرک ۔ فقال وددت والله ذلک ۔ ثم قال ویلی ان لم یرحمنی ربی ۔ ثم ان بنی امیة قالوا المؤدبه عمر المقصوص انت علمته هذا ولقنته ایاه وصددته عن الخلافة وزینت له حب علی واولاده وحملته علی ما وسمنابه من الظلم وحسنت له البدع حتی نطق بما نطق وقال ما قال فقال والله ما فعلته ولکنه مجبول ومطبوع علی حب علی فلم یقبلوا منه ذلک واخذوه ودفنوه حیا حتی مات ۔ یہی مضمون تاریخ خمیس جلد ۲ صفحہ ۳۳۲ وغیرہ میں بھی ہے ۔ میں چاہتی ہوں اسکا ترجمہ بھی کردوں ۔

مولوی صاحب ۔ نہیں ترجمہ کی کیا ضرورت ہے سب سمجھ گیا ۔

حسینی بیگم ۔ یہ تو ٹھیک ہے کہ تم سب سمجھ گئے اور تم کو ترجمہ کی کیا ضرورت ہوسکتی ہے ۔ لیکن پہلے بھی جن عبارتوں کا میں نے ترجمہ پڑھا اور اب بھی جو ترجمہ پڑھنا چاہتی ہوں اسکی غرض یہ ہے کہ مجھے اس پر اطمینان نہیں ہوتا کہ جو مطلب میں سمجھی ہوں وہی صحیح ہے اس سبب سے تم کو سنا دیتی ہوں کہ جو غلطی ہوگی اس کو درست کردو گے ۔

مولوی صاحب ۔ ہاں اس خیال سے ترجمہ کرسکتی ہو ۔ اچھا بتاؤ ۔

حسینی بیگم ۔ یزید کا بیٹا معویہ جو اپنے باپ سے کہیں بہتر تھا کیونکہ اسمیں دین کی پابندی اور عقل بھی تھی اپنے باپ کے بعد خلیفہ بنایا اور تخت سلطنت پر بٹھایا گیا اور جس روز یزید مرا اسی دن لوگوں نے اسکو خلیفہ مان کر اسکی بیعة کی ۔ اس نے چالیس روز اور بعض قول کے مطابق پانچ مہینے چند دن خلافت کی اُس کے بعد خود اپنے کو خلافة سے علیحدہ کر لیا اور بہت سے لوگوں نے یہ بیان کیا ہے کہ معویہ بن یزید جب اپنے کو خلافة سے الگ کرنیوالا تو منبر پر پڑھا اور وہاں دیر تک خاموش بیٹھا رہا ۔ پھر اس طرح خطبہ شروع کیا کہ خدا کی حمد وثنا بہترین عنوان سے کی اور حضرت رسول خدا صلعم کا ذکر بہت خوبی سے کیا ۔ اسکے بعد کہا لوگو مجھے تم لوگوں پر حکومت کرنے کی خواہش نہیں ہے کیونکہ میں تم لوگوں کی جس بات (گمراہی اور بے ایمانی) کو ناپسند کرتا ہوں وہ معمولی درجہ کی نہیں ۔

(۲) ینابیع المودة ۔ اکمال المبرد ۔ (جلد ۱ صفحہ ۱۵)

بلکہ بہت بڑی ہے۔ اور یہ بھی جانتا ہوں کہ تم لوگ بھی مجھکو ناپسند کرتے ہو۔ اسلئے
کہ میں تم لوگوں کی خلافۃ کی وجہ سے سخت عذاب میں گرفتار رہوں اور تم لوگ میری حکومت
کے سبب سے گمراہی کی سخت مصیبت میں پڑے ہو۔ سُن لو کہ میرے دادا معویہ رضؓ نے اس خلافۃ
کے لئے اس بزرگ سے جنگ و جدال کی جو اس خلافت کے لئے اس سے کہیں زیادہ
سزاوار اور مستحق تھے اور وہ حضرت (علیؓ خلافۃ کے لئے) صرف معویہ ہی سے نہیں
بلکہ دوسرے لوگوں سے بھی بہت بہتر تھے۔ اس سبب سے کہ حضرتؓ کو حضرت رسولخدا صلعم
سے قرابۃ قریبہ تھی۔ آپکے فضائل بہت تھے۔ خدا کے ہاں آپکو سب سے زیادہ تقرب
حاصل تھا۔ آپ تمام صحابہ مہاجرین سے زیادہ عظیم القدر سب سے زیادہ بہادر سب سے
زیادہ صاحب علم۔ سب سے پہلے ایمان لانے والے۔ سب سے اعلےٰ اور اشرف درجہ رکھنے
والے اور سب سے پہلے حضرت رسولخدا صلعم کی صحبۃ کا فخر حاصل کرنے والے تھے۔ علاوہ
ان فضائل و مناقب کے آپ جناب رسالت مآب صلعم کے چچا زاد بھائی۔ حضرت کے
داماد اور حضرتؐ کے دینی برادر تھے۔ آپکا یہ درجہ تھا کہ حضرت رسولخدا صلعم نے اپنی بیٹی حضرت
فاطمہؓ کی شادی آپ ہی سے کی کہ حضرتؐ نے آپ ہی کو اپنی پسند سے اُنکا شوہر کیا اور
اپنی بیٹی فاطمہؓ کو اپنی پسند سے آپکی بیوی بنادی۔ حضرت رسولخدا صلعم کے دونوں نواسے
(حسنؓ و حسینؓ) جو جوانان اہل بہشت کے سردار اور اس امت میں سب سے افضل اور پروردۂ
رسولؐ اور رفاطمہؓ بتول کے دو لال یعنی پاک و پاکیزہ درخت (رسالت) کے پھول تھے ان کے
پدر بزرگوار آپ ہی تھے۔ ایسے بزرگ سے میرا دادا جس طرح سرکشی پر آمادہ ہوا اسکو
تم لوگ خوب جانتے ہو اور میرے دادا کی وجہ سے تم لوگ جس گمراہی میں پڑے اس سے
بھی تم بے خبر نہیں ہو۔ یہاں تک کہ میرے دادا کو کامیابی ہوئی اور اسکی دنیا کے
سب کام بن گئے۔ مگر جب اسکی اجل معلوم پہونچ گئی اور موت کے پنجوں نے اس کو اپنے
شکنجے میں کس لیا تو وہ اپنے اعمال میں اس طرح گرفتار ہو کر رہ گیا کہ اپنی قبر میں اکیلا
پڑا ہے اور جو جو ظلم کر چکا تھا ان سب کو اب اپنے سامنے پاتا اور جو شیطنت اور رعونیت
اس نے کی تھی ان سب کو اپنی آنکھ سے دیکھ رہا ہے۔ پھر یہ خلافۃ میرے باپ یزید

کے سپرد ہوئی تو جس گمراہی میں میرا دادا تھا اسی گمراہی میں پڑ کر میرا باپ بھی خلیفہ بن بیٹھا اور تم لوگوں کی حکومت اپنے ہاتھ میں لے لی۔ حالانکہ میرا باپ یزید بھی اپنی اسلام سوز حرکتوں اور اپنی روسیاہیوں کی وجہ سے کسی طرح اس کا اہل نہیں تھا کہ حضرت رسولخدا صلعم کی امت کا خلیفہ اور ان کا سردار بن سکے۔ مگر وہ اپنی نفس پرستی کی وجہ سے اس گمراہی پر آمادہ ہوگیا اور اپنے غلط کاموں کو اچھا سمجھا جسکے بعد اس نے دنیا میں جو جو اندھیر کیا اس سے زمانہ واقف ہے کہ اللہ سے مقابلہ اور سرکشی کرنے پر آمادہ ہوگیا اور حضرت رسولخدا صلعم سے اتنی بغاوت کی کہ حضرت کی اولاد کا خون بہانے پر کمر باندھ لی۔ مگر اس کی مدت کم رہی اور اس کا ظلم ختم ہوگیا۔ وہ اپنے اعمال کے فرسے جکڑا رہا ہے اور اپنے (قبر کی) گڑھے سے لپٹا ہوا اور اپنے گناہوں کی بلاؤں میں پھنسا ہوا پڑا ہے۔ البتہ اسکی سفاکیوں کے نتیجے جاری ہیں اور اسکی خونریزیوں کے علامات باقی ہیں۔ اب وہ وہاں پہونچ گیا جہاں اپنے کرتوتوں کا ذخیرہ مہیا کیا تھا اور اپنے کئے پر نادم ہو رہا ہے۔ مگر کب جب کسی ندامت کا کوئی فائدہ نہیں ہے۔ وہ اس عذاب میں پڑ گیا کہ ہم لوگ اسکی موت کو بھول گئے اور اسکی جدائی پر ہمیں افسوس نہیں ہوتا بلکہ اس کا غم ہے کہ اب وہ کس آفت میں گرفتار ہے۔ ہائے کاش مجھے معلوم ہوجاتا کہ وہاں اس نے اپنے ظلموں کا کیا عذر بیان کیا اور پھر اس سے کیا کہا گیا کیا وہ اپنے گناہوں کے عذاب میں ڈالدیا گیا اور اپنے اعمال کی سزا بھگت رہا ہے۔ میرا گمان تو یہی ہے۔ اسکے بعد گریہ اسکے گلوگیر ہوگیا اور وہ دیر تک روتا اور زور زور سے چیختا رہا۔ پھر بولا اب میں اپنے ظالم گھر کا تیسرا خلیفہ بنایا گیا حالانکہ جو لوگ مجھ پر (میرے دادا باپ کے ظلموں کی وجہ سے) غضبناک ہیں انکی تعداد ان لوگوں سے کہیں زیادہ ہے جو مجھ سے راضی ہیں۔ بھائیو! میں تم لوگوں کے گناہوں کا بوجھ اٹھانے کی طاقت نہیں رکھتا اور خدا وہ دن بھی مجھے نہ دکھائے کہ میں تمہاری گمراہیوں کا طوق پہنے ہوئے اور تمہاری برائیوں کے مارسے دبا ہوا اسکی درگاہ میں پہونچوں۔ اب تم لوگوں کو اپنی حکومت کے بارے میں اختیار ہے مجھ سے لے لو اور جسکو پسند کرو اسکو اپنا بادشاہ بنالو کہ میں نے تم لوگوں کی گردنوں سے اپنی بیعت اٹھالی والسلام۔ جس منبر پر معویہ بن یزید یہ خطبہ بیان کرتا تھا اسکے نیچے

مروان بن حکم بھی موجود تھا، خطبہ ختم ہونے پر وہ بولا۔ کیوں ابولیلیٰ (معویہ کی کنیت تھی) کیا حضرت عمر کی سنت جاری کرنے کا ارادہ ہے (کہ جس طرح انھوں نے اپنے بعد خلافت شوریٰ کے حوالہ کردی تھی تم بھی خلافت کو شوریٰ کے سپرد کردیتے ہو)۔ اس پر معویہ بولا آپ میرے پاس سے تشریف لیجائیں۔ کیا آپ مجھے بھی میرے دین میں دھوکا دینا چاہتے ہیں بخدا کی قسم میں نے تم لوگوں کی خلافت کا کوئی مزا نہیں پایا۔ البتہ اکی تلخیاں برابر چکھ رہا ہوں (عمر کے شورے کی جو مثال تم نے ذکر کی تو) جیسے لوگ عمر کے زمانہ میں تھے ویسے لوگوں کو میرے پاس بھی لاؤ۔ علاوہ بریں کیا جس تاریخ سے کہ انھوں نے اس خلافت کو شوریٰ کے سپرد کیا اور جس بزرگ کی عدالت میں کسی قسم کا شک و شبہ کسی کو ہو ہی نہیں سکتا تھا ان سے (یعنی حضرت علی سے) اس کو ہٹا دیا۔ اس وقت سے وہ (حضرت عمر) بھی ظالم نہیں سمجھے گئے؟ خدا کی قسم اگر خلافت کوئی نفع کی چیز ہے تو میرے باپ نے اس سے نقصان ہی اٹھایا اور گناہی کا ذخیرہ مہیا کیا۔ اور اگر خلافت کوئی بری چیز ہے تو میرے باپ کو اس سے جس قدر برائی پہونچی وہی کافی ہے۔ یہ کہ کر منبر سے اتر آیا۔ پھر اسکی ماں اور رشتہ دار اسکے پاس گئے تو دیکھا کہ وہ رو رہا ہے۔ اس کی ماں نے کہا کاش تو حیض ہی میں ختم ہوگیا ہوتا اور میں نے تیرے پیدا ہونے کی خبر بھی نہیں سنی ہوتی۔ معویہ بولا خدا کی قسم میں بھی یہی تمنا کرتا ہوں۔ پھر کہا اگر میرے رب نے مجھ پر رحم نہیں کیا تو میری نجات کسی طرح نہیں ہو سکتی ہے۔ اسکے بعد بنی امیہ اسکے استاد عمر مقصوص سے کہنے لگے کہ تو ہی نے معویہ کو یہ باتیں سکھائی ہیں اور اسکو خلافت سے الگ کیا اور علیؑ اور انکی اولاد کی محبت اسکے دل میں ڈالی ہے۔ غرض اس نے ہم لوگوں کے جو مظالم بیان کئے اس کا باعث تو ہی ہے اور تو ہی نے ان بدعتوں کو اسکی نظر میں پسندیدہ قرار دیا ہے جس پر اس نے یہ خطبہ بیان کیا اور کہا جو کہا۔ عمر مقصوص نے جواب دیا کہ خدا کی قسم مجھ سے اسکو کوئی واسطہ نہیں ہے بلکہ معویہ فطرۃً ہی حضرت علیؑ کی محبت پر پیدا ہوا ہے مگر ان لوگوں نے اس کا کوئی عذر نہیں سنا اور اسکو زندہ دفن کردیا جس سے وہ مرگیا۔

مولوی صاحب۔ ہاں مطلب یہی ہے۔ اگرچہ ایک زبان کی عبارت کا ترجمہ دوسری زبان میں کرنا بہت مشکل ہے کیونکہ کل باتیں آ نہیں سکتیں۔ مگر تم نے تو مسٹر صلاح الدین خدا بخش

کے مضمون کی دھجیاں اُڑا دیں۔ کس کس کتاب سے نکال کر دکھا دیا کہ یزید ہی نے حضرت حسین رضی اللہ عنہ کو شہید کیا اور وہی حضرت کا قاتل ہے۔

حسینی بیگم۔ نہیں ابھی تو سیکڑوں کتابوں کی عبارتیں باقی ہیں۔

چوبیسواں باب ۲۴

کیا قاتلان امام حسینؑ شیعہ تھے؟

مولوی صاحب۔ اور یہ بھی تم نے سنا ہے کہ مولوی عبدالشکور صاحب اڈیٹر النجم پاٹا نالہ لکھنؤ نے دعویٰ کیا ہے کہ قاتلان حضرت حسین رضی اللہ عنہ سُنی نہیں بلکہ شیعہ تھے۔

حسینی بیگم۔ ہاں میں نے بھی سُنا ہے وہ بہت دنوں تک مرزا حیرت صاحب سے پڑھتے تھے یا اور کوئی کام کرتے تھے مگر دونوں نکلے ایک ہی فیشن کے کہ مرزا حیرت صاحب نے یہ دعویٰ کر دیا کہ امام حسینؑ شہید ہی نہیں ہوئے اور مولوی عبدالشکور صاحب نے یہ دعوی کر دیا کہ امام حسینؑ شہید ہوئے مگر دوسروں کے ہاتھ سے نہیں بلکہ شیعوں کے ہاتھ سے۔ اب کل کوئی صاحب پیدا ہو گئے جو دعویٰ کرینگے کہ امام حسینؑ دنیا میں آئے ہی نہیں اور اس نام کے کوئی بزرگ دنیا میں یا اسلام میں ہوئے ہی نہیں تم ہی بتاؤ کہ آج کوئی شخص کہدے کہ حضرت رسولخدا صلعم کو مکہ معظمہ سے کفار نے نہیں بلکہ مسلمانوں نے نکالا یا جنگ احد میں حضرت رسولخدا کا دانت کفار نے نہیں بلکہ مسلمانوں نے توڑا۔ یا حضرت حمزہ کو کافروں نے نہیں بلکہ مسلمانوں نے شہید کیا تو کوئی ایسا کہنے والوں کا قلم پکڑلے گا یا اسکی دوات کو توڑ دیگا یا اسکے کاغذ کو پھاڑ سکتا ہے؟ مرزا غلام احمد صاحب قادیانی ہی دعویٰ کر بیٹھے کہ حضرت عیسیٰؑ زندہ نہیں بلکہ مر چکے ہیں تو کسی نے کیا بنا لیا؟ خدا ہی سے لوگ انکار کر جاتے ہیں تو کوئی کیا کر لیتا ہے؟ اور سنو مرزا حیرت صاحب اور مولوی عبدالشکور صاحب اڈیٹر النجم لکھنوی کی طرح ضلع گیا (صوبہ بہار) میں ایک صاحب محمد یحییٰ خاں صاحب ہوئے ہیں انھوں نے تو عین اللہ (یعنی وہی خدا ہیں) ہونے کا دعویٰ کیا اور اپنی کتاب بھی چھپوادی ہے جس کا نام رکھا ہے فرمان۔ مولوی عبدالشکور صاحب اور انکے مذاق والوں کو چاہئے کہ یہ کتاب

ضرور دیکھیں ۔ اس کتاب کے پہلے صفحہ کی عبارت تسنو لا الہ الا اللہ یحییٰ عین اللہ فرمان ۔ ماجناب اعلیٰ حضرت احدیت مآب فرماں روا سید محمد یحییٰ خاں یحییٰ دوران نائب اللہ علے العالمین ۔ دی لینڈ لارڈ آف موضع ۔ یحییٰ پرگنہ اردل ضلع گیا صوبہ بہار نے بحکم جناب حضرت رب العالمین جل جلالہ وعم نوالہ سنٹرل پرنٹنگ ورکس لاہور میں چھپوایا ۔" اور پھر پوری کتاب میں جو ۲۴ صفحہ کی ہے اسی کو ثابت کیا ہے کہ وہ خود ہی خدا ہیں پس جب ہر شخص کو قلم کی آزادی ہے اور جو چاہتا ہے دعویٰ کر بیٹھتا ہے اور اس پر پوری کتاب لکھ ڈالتا ہے تو مولوی عبدالشکور صاحب اڈیٹر النجم کے اس دعویٰ پر کہ قاتلان امام حسینؑ شیعہ تھے کیا تعجب ہو سکتا ہے ۔

مولوی صاحب ۔ مگر مولوی عبدالشکور صاحب کی دلیل تو بڑی زبردست ہے ۔

حسینی بیگم ۔ ذرہ میں بھی تو سنوں ۔

مولوی صاحب ۔ وہ کہتے ہیں کہ امام حسینؑ کے قتل کرنے والے سب کوفہ کے تھے اور کوفہ کے رہنے والے سب کے سب شیعہ تھے ۔

حسینی بیگم ۔ یہ ٹھیک ہے کہ حضرتؑ کے قاتل سب کوفہ کے تھے ۔ مگر یہ کس نے کہا کہ کوفہ کے رہنے والے سب شیعہ تھے ؟

مولوی صاحب ۔ چونکہ حضرت علیؑ کوفہ میں رہتے تھے اس وجہ سے وہاں کے باشندے شیعہ ہو گئے تھے

حسینی بیگم ۔ اے سبحان اللہ ۔ قربان جاؤں مولوی عبدالشکور صاحب کی عقل اور تمہاری فہم کے ۔ اگر کہیں کسی کے رہنے ہی سے وہاں والے اسکے مذہب والے ہو جائیں تو حضرت رسولخدا صلعم نے مکہ معظمہ سے ہجرت کیوں کی ؟ حضرت تو وہیں رہتے تھے ۔ اگر سب مکہ والے مسلمان ہو گئے ہوتے تو حضرت وہاں سے ہجرت کیوں فرماتے ؟ جب حضرت رسولخدا صلعم کے مکہ معظمہ میں رہنے سے مکہ والے مسلمان نہیں ہوئے تو حضرت علیؑ کے کوفہ میں رہنے کی وجہ سے کوفہ والے کیوں شیعہ ہو جائیں گے ؟

مولوی صاحب ۔ تو کوفہ والے کس مذہب کے تھے ؟

حسینی بیگم ۔ عام مسلمان تھے سوا چند شیعوں کے جیسے مدینہ شریف میں سب سنی

ہیں سوا چند شیعوں کے۔

مولوی صاحب ۔ اچھا تو سنہ ۶ ہجری میں جو لوگ کوفہ میں رہتے تھے انکے عام مسلمان ہونے کی کوئی دلیل تم دے سکتی ہو۔

حسینی بیگم ۔ آفتاب بھی کسی دلیل کا محتاج ہوتا ہے؟ کوفہ کی تاریخ خود اسکی سب بڑی دلیل ہے۔ دیکھو مولانا شبلی نعمانی نے تحریر فرمایا ہے "مدائن وغیرہ جب فتح ہو چکے تو سعد وقاص نے حضرت عمر کو خط لکھا کہ یہاں رہکر اہل عرب کا رنگ روپ بالکل بدل گیا۔ حضرت عمر نے جواب میں لکھا کہ... ایسی جگہ تلاش کرنی چاہیئے جو بری و بحری دونوں حیثیت رکھتی ہو۔ چنانچہ سلمان و حذیفہ نے... کوفہ کی زمین انتخاب کی... اس کا نام کوفہ رکھا گیا... سنہ ۱۷ ہجری میں اسکی بنیاد شروع ہوئی اور جیسا کہ حضرت عمر نے تصریح کے ساتھ لکھا تھا ۴۰ ہزار آدمیوں کی آبادی کے قابل مکانات بنائے... شہر کی وضع اور ساخت کے متعلق خود حضرت عمر کا تحریری حکم آیا تھا... جب آگ لگنے کا واقعہ پیش آیا تو حضرت عمر نے اجازت دی اور مائینٹ گارے کی عمارتیں تیار ہوئیں... حضرت عمر کا یہ عدل و انصاف تھا کہ مجوسی رعایا کو اُن ستونوں کی قیمت ادا کی گئی... چونکہ حضرت عمر کو ہر ہر جزئی واقعہ کی خبر پہنچتی تھی انھوں نے سعد کو لکھا کہ ایوان حکومت مسجد سے ملا دیا جائے... یہ شہر حضرت عمر ہی کے زمانہ میں اس عظمت و شان کو پہنچا کہ حضرت عمر اسکو راس الاسلام فرماتے تھے اور در حقیقت وہ عرب کی طاقت کا اصلی مرکز بن گیا تھا" (الفاروق جلد ۲ ص ۸۹)

بتاؤ اس عبارت سے کچھ بھی پتا چلتا ہے کہ کوفہ میں کبھی بھی کوئی شیعہ ہوا۔ کیا حضرت عمر کے بنائے اور آباد کئے ہوئے شہر میں شیعوں کی امید کسی طرح مطابق عقل ہو سکتی ہے۔ اب دوسری مشہور کتاب جو شہروں کی مفصل تاریخ ہے علامہ یاقوت حموی کی کتاب معجم البلدان اسکی جلد ۷ میں ص ۲۹۵ سے ۳۰۰ تک کوفہ کے حالات لکھے ہیں۔ وہ سب پڑھ جاؤ اور بتاؤ کہ اس میں اسکے آباد ہونے سے کئی صدی بعد تک کے حالات لکھے ہیں مگر کہیں بھی کسی شیعہ کا ذکر ہے؟

مولوی صاحب ۔ (کتاب معجم البلدان کی پوری عبارت پڑھکر) اسمیں تو اسکی بو

بھی نہیں ملتی کہ کوفہ میں کبھی کوئی رافضی رہا ہے۔

حسینی بیگم۔ حالانکہ یہ کتاب اُس زمانہ کے کل اسلامی شہروں کی نہایت معتبر اور موثق تاریخ ہے کہ ایسی کتاب پھر لکھی ہی نہیں گئی۔

مولوی صاحب۔ مگر مولوی عبدالشکور صاحب کہتے ہیں کہ حضرت علیؑ کے ساتھ رافضی مدینہ سے یہاں چلے آئے تھے۔

حسینی بیگم۔ تو مدینہ ہی میں رافضی کتنے تھے؟ رافضی اوسی کو تو کہتے ہیں جو حضرت ابوبکر صدیق، حضرت عمر فاروق، حضرت عثمان رضی اللہ عنہم کو خلیفہ نہ مانے اور حضرت علیؑ کو خلیفہ بلافصل جانے؟

مولوی صاحب۔ ہاں رافضیوں کا عقیدہ تو یہی ہے۔

حسینی بیگم۔ تو بتاؤ کہ مدینہ میں ایسے عقائد والے کتنے تھے جو حضرت علیؑ کے ساتھ کوفہ میں آئے تو تمام کوفہ رافضی ہو گیا؟

مولوی صاحب۔ مدینہ میں تو شاید پچاس رافضی بھی رہے ہوں۔

حسینی بیگم۔ تو اُن میں سے کتنے آئے ہونگے۔

مولوی صاحب۔ ہاں بہت کم شاید بیس پچیس ہوں۔ مگر انہیں لوگوں نے اور کوفہ والوں کو رافضی بنا دیا ہوگا۔

حسینی بیگم۔ کیا خوب۔ اگر کوفہ میں کچھ لوگ بھی رافضیوں کا مذہب قبول کرتے اور حضرت علیؑ کے جان نثار ہو جاتے تو حضرت علیؑ کوفہ والوں کی اتنی مذمت کیوں بیان کرتے حضرت کے کلام سے تو معلوم ہوتا ہے کہ کوفہ کے سب لوگ حضرتؑ کے دشمن ہیں اور انہیں پچاس ساٹھ فردوں کو بھی حضرت اپنا دوست نہیں جانتے ہیں۔ حضرتؑ کے کلام کے مجموعہ نہج البلاغہ مطبوعہ مصر کے صفحہ ۴۷ و ۵۷ و ۸۲ و ۹۰ و ۹۸ و ۱۲۸ و ۲۰۳ و ۲۰۹ و ۲۲۲ و ۲۴۸ و ۲۵۰ و ۳۰۸ و ۳۵۶ و ۴۷۴ و ۴۹۷ میں پڑھو کر جس قدر حضرت رسولخدا صلعم کو اپنے زمانہ کے منافقین سے اذیت پہنچی اس سے زیادہ حضرت علیؑ اپنے کوفہ کے مسلمانوں سے کرب میں تھے پھر وہ کیونکر حضرت کے شیعہ کہے جا سکتے ہیں؟ اللہ اکبر حضرتؑ کوفہ والوں سے خطاب کرکے

فرماتے ہیں کنت امس امیرا فاصبحت الیوم مامورا وکنت امس ناھیا فاصبحت الیوم منھیا کل میں امیر تھا مگر آج تم ہی میرے حاکم اور میں تمہارا محکوم ہوگیا۔ کل تک میں تم کو منع کرتا تھا آج تم ہی مجھکو منع کرتے ہو (ص۱۴۴ نہج البلاغہ) بتاؤ یہی شیعہ کی شان ہے؟ انھیں کوفہ والوں سے حضرت فرماتے ہیں ایھا الفرقۃ التی اذا امرت لم تطع واذا دعوت لم تجب یعنی اے وہ فرقہ جس کو میں کوئی حکم دیتا ہوں تو مانتا نہیں اور کسی بات کی طرف بلاتا ہوں تو آتا نہیں (ص۳۵۶) کیا یہی لوگ حضرت کے شیعہ کہے جاسکتے ہیں؟

مولوی صاحب ۔ البتہ یہ باتیں مخالفین ہی سے کیجاتی ہیں۔

حسینی بیگم۔ بس بات یہی ہے کہ جو مسلمان حضرت کو چوتھا خلیفہ مانتے تھے اور جن لوگوں نے حضرت عثمان غنی رضی اللہ عنہ کے بعد حضرتؑ سے بیعت کی تھی وہی حضرت کے ساتھ کوفہ آئے اور انھیں کے مختلف حالات سے عاجز آکر حضرت اس قسم کا کلام کرتے تھے ہاں یہ میں مانتی ہوں کہ کچھ شیعہ بھی آگئے تھے مگر وہ انگلیوں پر گننے کے قابل تھے۔ انکی حضرت نے کوئی شکایت نہیں کی اور وہ برابر حضرتؑ کے فرمانبردار رہے مگر ہزاروں مسلمانوں میں ان گنے گنے چند شیعوں سے بن ہی کیا سکتا تھا۔ اس وجہ سے حضرت عام مسلمانوں کے محتاج تھے جو حضرتؑ کی اطاعت نہیں کرتے اور حضرتؑ ان سے نالاں رہتے تھے۔ ایسے نالاں کہ ان سے برابر روتے ہی رہے چنانچہ فرماتے تھے قاتلکم اللہ لقد ملأتم قلبی قیحا وشحنتم صدری غیظا وجرعتمونی نغب التھام انفاسا وفسدتم علی رائی بالعصیان والخذلان یعنی اے کوفہ والو خدا تمہیں غارت کرے۔ تم نے تو میرے دل کو اس قدر زخمی کیا کہ وہ پیپ سے بھر گیا اور میرے سینہ میں آگ لگا دی اور مجھے غم وغصہ کے عالم میں ڈال دیا اور میری مخالفت کرکے سب کام خراب کردیئے (نہج البلاغہ ص۶۴) پھر ایک دفعہ فرمایا ملکتنی عینی وانا جالس فسنح لی رسول اللہ فقلت یا رسول اللہ ماذا لقیت من امتک من الاود واللدد فقال ادع علیھم فقلت ابدلنی اللہ بھم خیرا منھم وابدلھم بی شرا منی یعنی اے کوفہ والو ایک دفعہ بیٹھے بیٹھے میری آنکھ جھپک گئی تو خواب میں حضرت رسولخدا صلعم ظاہر ہوئے۔ میں نے عرض کی یا رسول اللہ آپ کی امۃ (مسلمانوں) سے مجھے کس قدر پریشانی اور جھگڑے کا سامنا ہوا حضرت نے

فرمایا ان کے لئے بددعا کرو۔ میں نے اس طرح بددعا کی کہ اے اللہ مجھے ان لوگوں سے بہتر مسلمان مرحمت فرما اور ان کو مجھ سے بدتر حاکم دے (ص ۱۲۵) ایک دفعہ اور فرمایا تھا اما و اللہ ما اتیتکم اختیارا ولکن جئت الیکم سوقا ولکنی بلغنی انکم تقولون علی یکذب قاتلکم اللہ فعلی من الکذب یعنی خدا کی قسم میں تم لوگوں کے ہاں خوشی سے نہیں آیا بلکہ مجبوراً آنا پڑا لیکن میں نے سُنا کہ تم کہتے ہو علیؑ جھوٹ بولتے ہیں۔ خدا تمہیں غارت کرے میں کس پر جھوٹ بولوں گا (ص ۱۲۹) غرض حضرت نے ان کوفہ والے منافقین کی نہایت کثرت سے شکایت کی ہے کہ یہ کمبخت ہمیں پریشان کرتے ہیں اور جس طرح مدینہ کے منافقین نے حضرت رسولخدا صلعم کو آرام سے نہیں بیٹھنے دیا اسی طرح یہ کوفہ والے منافقین بھی ہمیں چین نہیں لینے دیتے۔ پس ایسے لوگ حضرتؑ کے شیعہ کہے جا سکتے ہیں یا حضرتؑ کے شدید دشمن تھے؟

مولوی صاحب۔ جو رافضی حضرت علیؑ کے ساتھ کوفہ گئے تھے وہی حضرت حسینؑ کے قتل کو گئے ہوں۔

حسینی بیگم۔ خیر سے یہ بھی نہیں ہے۔ حضرت علیؑ کے بعد شیعہ بھی چن چن کر فنا کر دیئے گئے تھے اور اِکا دُکا کے سوا کوئی بھی شیعہ وہاں نہیں رہا تھا۔ چنانچہ علامہ محمد بن عقیل نے لکھا ہے: فاستعمل علیھم زیاد بن سمیۃ وضم الیہ البصرۃ فکان یتبع الشیعۃ وھو بھم عارف لانہ کان منھم ایام علیؑ فقتلھم تحت کل حجر ومدر واخافھم وقطع الایدی والارجل وسمل العیون وصلبھم علی جذوع النخل وطردھم وشردھم عن العراق فلم یبق بھا معروف منھم یعنی معویہ نے کوفہ والوں پر زیاد بن سمیہ کو حاکم مقرر کیا اور بصرہ کو بھی اس سے ملا دیا۔ زیاد چونکہ حضرت علیؑ کے زمانہ میں کوفہ میں رہ چکا تھا وہ یہاں کے شیعوں سے واقف تھا۔ اس نے ہر پتھر اور ڈھیلے کے نیچے سے شیعوں کو نکال کر قتل کیا انکو دھمکیاں دیں۔ انکے ہاتھ پاؤں کاٹ ڈالے۔ انکی آنکھوں میں سلائیاں پھروا دیں انکو درختوں پر سولی دی۔ انکو عراق سے نکال دیا اور آوارہ وطن کر دیا۔ یہاں تک کہ شیعوں کا کوئی معروف شخص عراق میں نہیں بچا (نصائح کافیہ مطبوعہ بمبئی ص ۷)

مولوی صاحب۔ تم کہتی تھیں کہ کوفہ میں شیعہ بہت کم تھے مگر علامہ محمد بن عقیل کی

عبارت سے تو معلوم ہوتا ہے کہ کوفہ میں رافضی بہت ہو گئے تھے۔

حسینی بیگم - ہاں عراق کے دوسرے شہروں میں جس قدر شیعہ تھے اس سے زیادہ کوفہ میں تھے۔ یعنی بصرہ میں۔ موصل میں۔ بغداد میں اتنے شیعہ بھی نہیں تھے جتنے کوفہ میں تھے۔ یہ نہیں لکھا ہے کہ کوفہ والوں میں زیادہ تعداد شیعوں کی تھی۔

مولوی صاحب - ہاں یہ ٹھیک ہے۔ اور شیعوں کی تعداد زیادہ رہی بھی تو زیاد نے ان سب کو قتل کر کے ختم کر دیا تھا۔

حسینی بیگم - اب فیصلہ آسان ہے کہ جب معاویہ ہی کے زمانہ میں عراق میں کوئی معروف شیعہ نہیں بچا کیونکہ زیاد نے ہر شیعہ کو ایک ایک گوشہ سے نکال کر قتل کر دیا تو پھر معاویہ کے مرتے ہی اتنے شیعہ کوفہ میں کہاں سے ہو گئے جن کو ابن زیاد نے امام حسینؓ کے قتل کے لئے کربلا بھیجا۔ ظاہر ہے کہ واقعہ کربلا سے پہلے کوفہ تقریباً کل شیعوں سے خالی ہو چکا تھا اور اب جو لوگ امام حسینؓ سے لڑنے گئے وہی عام مسلمان تھے جو حضرت علیؓ کے بھی دشمن معلوم ہوتے تھے۔ پھر وہ حضرت امام حسینؓ کو بھی کیوں نہ قتل کرتے۔

مولوی صاحب - البتہ جب زیاد نے کوفہ کے کل رافضیوں کو قتل کر دیا تھا تو پھر وہاں شیعہ رہے کیونکر جو حضرت حسینؓ کو قتل کرتے۔

حسینی بیگم - اس وقت کوفہ میں شیعوں کے نہ ہونے کی ایک اور دلیل سنو: جب حضرت امام حسینؓ نے مکہ سے کوفہ کی طرف آنے کا ارادہ کیا تو جناب عبداللہ بن عباسؓ نے بھی آپ کو منع کیا۔ دوسری مرتبہ جب وہ حضرتؓ کے پاس آئے ہیں تو کہا یا ابن عم انی اتصبر ولا اصبر انی اتخوف علیک فی ھذا الوجہ الھلاک والاستیصال ان اھل العراق قوم غدر فلا تقربنھم۔ اقم بھذا البلد فانک سید اھل الحجاز فان کان اھل العراق یریدونک کما زعموا فاکتب الیھم فلینفوا عدوھم ثم اقدم علیھم فان ابیت الا ان تخرج فسر الی الیمن فان بھا حصونا وشعابا وھی ارض عریضۃ طویلۃ ولابیک بھا شیعۃ وانت عن الناس فی عزلۃ یعنی اے میرے بھائی! میں صبر کرنا چاہتا ہوں مگر کیا کروں یہ مصیبت ہی اتنی بڑی ہے کہ مجھ سے صبر ہو نہیں سکتا ہے۔ مجھے آپ کے اس سفر میں آپ کے ہلاک اور برباد ہونے کا

خوف ہو رہا ہے۔ کیونکہ عراق والے دھوکہ فریب کی جماعت ہیں تو آپ انکے قریب بھی جائیں بلکہ اسی شہر (مکہ معظمہ) میں قیام کئے رہیں۔ کیونکہ آپ حجاز والوں کے سردار ہیں۔ اب اگر عراق والے واقعاً آپ کی خاطر جانا چاہتے ہیں جیسا کہ وہ دعویٰ کرتے ہیں تو آپ انہیں لکھیں کہ وہ پہلے اپنے دشمن (یزید کے حاکم اور لشکر وغیرہ) کو اپنے ہاں سے نکال دیں اسکے بعد آپ انکے پاس جائیں۔ لیکن اگر آپ کو یہاں سے جانے ہی پر اصرار ہو تو (عراق نہیں بلکہ) یمن کو تشریف لیجائیے کہ وہاں بڑے بڑے قلعے اور پہاڑوں کی گھاٹیاں ہیں اور وہاں آپ کے پدر بزرگوار کے شیعہ ہیں اور وہاں آپ ان لوگوں (بنی امیہ) سے کنارے رہیں گے (تاریخ طبری جلد ۶ ص ۲۱۷)

اسمیں حضرت ابن عباس ایسے تجربہ کار ہوشیار اور جہاں دیدہ بزرگ آپ سے فرماتے ہیں کہ عراق نہ جائیے وہاں کے لوگ دھوکہ فریب کے ہیں اور یمن جائیے کہ وہاں حضرت علیؑ کے شیعہ ہیں جس سے یقین ہوا کہ کوفہ میں شیعہ نہیں تھے۔ نہ جناب ابن عباس یمن کی یہ خصوصیت نہ بیان کرتے۔ حضرت ابن عباس کے ان الفاظ کو بھی خوب سمجھ لیجئے کہ وہ یمن کے بارے میں کہتے ہیں کہ بہاں شیعہ یعنی حضرت ابن عباس جناب حسینؑ کو یمن جانے کی رائے اس وجہ سے دیتے ہیں کہ وہاں حضرت علیؑ کے شیعہ تھے۔ لیکن اگر اس وقت کوفہ میں بھی شیعہ ہوتے تو جناب ابن عباس یہ کیوں کہتے کہ یمن جائیے کہ وہاں آپکے والد کے شیعہ ہیں۔ ہر شخص انکا جواب دے دیتا کہ جس طرح یمن میں حضرت علیؑ کے شیعہ ہیں کوفہ میں بھی ہیں۔ مگر چونکہ کوفہ میں حضرت علیؑ کے شیعہ نہیں تھے اور یمن میں تھے اس وجہ سے اس جملہ کے کہنے کی ضرورت ہوئی۔ اسکے ساتھ علامہ طبری کے اس بیان کو بھی پڑھو کہ جب ابن زیاد یزید کے حکم سے حضرت مسلم کو قتل کرنے کے لئے کوفہ میں آیا ہے اور حضرت مسلم کے میزبان جناب ہانی رضی اللہ عنہ کو گرفتار کراکے اپنے ہاں بلایا فقال عبیداللہ یا ھانی اما تعلم ان ابی قدم ھذا البلد فلم یترک احدا من ھذہ الشیعۃ الا قتلہ غیر ابیک وغیر حجر وکان من حجر ما قد علمت یعنی تب عبیداللہ ابن زیاد نے جناب ہانی سے کہا کہ اے ہانی! کیا تمہیں معلوم نہیں ہے کہ میرا باپ (زیاد) اس شہر کا حاکم ہو کر آیا تھا تو جتنے شیعہ ملے سب کو قتل کر دیا سوا تمہارے باپ اور حجر کے کسی کو نہیں چھوڑا۔ جناب حجر کی جو حالت قتل کئے گئے تم کو معلوم ہے

(تاریخ طبری مطبوعہ مصر جلد ۶ صـ ۲۰۲ واقعات سنہ ۶۰ ہجری) اس عبارت سے معلوم ہوا کہ امام حسینؑ کو کوفہ سے جن لوگوں نے بلایا انمیں کوئی شیعہ نہیں تھا سب غیر ہی غیر تھے اس لئے کہ کل شیعوں کو تو زیاد نے اس سے بہت پہلے ہی قتل کر دیا تھا تو کیا مقتول اور مردہ شیعوں نے امام حسین کو خطوط لکھکر حضرتؑ کو وہاں طلب کیا تھا؟ اور زیاد سنہ ۵۰ ہجری میں کوفہ کا حاکم ہو کر بیان آیا تھا چنانچہ یہی مورخ لکھتا ہے کان زیاد علی البصرۃ واعمالھا الی سنۃ ۵۰ فمات المغیرۃ بن شعبہ بالکوفہ وھو امیرھا فکتب معویۃ الی زیاد بعھدہ علی الکوفۃ والبصرۃ یعنی زیاد صوبہ بصرہ کا حاکم سنہ ۵۰ ہجری تک رہا پھر مغیرہ حاکم کوفہ مر گیا تو معاویہ نے زیاد ہی کو حاکم بصرہ و کوفہ بنا دیا (تاریخ طبری جلد ۶ صـ ۱۳۱)

مولوی صاحب - یہ سب تو صحیح ہے مگر رافضیوں کی کتاب سے بھی معلوم ہوتا ہے کہ قاتلان حسین رضی اللہ عنہ شیعہ تھے -

حسینی بیگم - شیعوں کی بہت کتابیں میں نے بھی دیکھی ہیں۔ مجھے تو ایسی کوئی کتاب نہیں ملی۔ تم کسی کتاب کا نام مجھے بھی بتاؤ -

مولوی صاحب - انکے ایک بہت بڑے مجتہد قاضی نور اللہ شوستری تھے جو قتل کئے گئے اور انکی قبر آگرہ میں ہے - انھیں قاضی صاحب کی کتاب مجالس المومنین میں ہے " بالجملہ تشیع اہل کوفہ حاجت باقامۃ دلیل ندارد وسنی بودن کوفی الاصل خلاف اصل ومحتاج بدلیل ست یعنی مختصر یہ کہ کوفہ والوں کا شیعہ ہونا کسی دلیل قائم کرنے کا محتاج نہیں ہے اور اصلی کوفی کا سنی ہونا خلاف اصل اور دلیل کا محتاج ہے (مجالس المومنین صـ ۱۲)

حسینی بیگم - تو اس سے یہ کیونکر معلوم ہوا کہ قاتلان امام حسینؑ شیعہ تھے -

مولوی صاحب - اس لئے کہ کوفہ والوں نے حضرت حسینؑ کو قتل کیا اور وہ شیعہ تھے -

حسینی بیگم - سبحان اللہ۔ قاضی صاحب نے یہ عبارت کس زمانہ کے لوگوں کے بارے میں لکھی ہے؟

مولوی صاحب - یہ تو اس کتاب میں نہیں ہے -

حسینی بیگم - خیر یہ بتاؤ کہ واقعہ کربلا کس سال ہوا اور کتاب مجالس المومنین کس سال میں لکھی گئی؟

مولوی صاحب - حضرت حسین سنہ ۶۱ ہجری میں قتل کئے گئے اور قاضی صاحب نے سنہ ۱۰۱۹ھ

میں انتقال کیا۔ اس سے دس بارہ سال قبل لکھی ہوگی۔

حسینی بیگم۔ اچھا مان لو کہ کتاب مجالس المومنین سنہ ۱۰۰۰ہجری میں لکھی گئی تو واقعہ کربلا کے کتنے دنوں کے بعد لکھی گئی؟

مولوی صاحب۔ ۹۴۰ سال کے بعد۔

حسینی بیگم۔ اور قاضی صاحب سنہ ۶۱ہجری کے متعلق وہ عبارت نہیں لکھتے ہیں تو کیا ۹۴۰ سال میں سب کوفہ والوں کا شیعہ ہو جانا نہیں ممکن ہے۔ اس ہندوستان ہی میں دیکھ لو کہ دو سو برس پہلے کتنے مقام تھے جہاں ایک مسلمان نہیں تھا اور اب وہاں مسلمان ہی مسلمان نظر آتے ہیں۔ خیر اسے جانے دو۔ یہ بتاؤ کہ سنہ ۱۱ہجری میں جب حضرت رسولخدا صلعم نے انتقال فرمایا مدینہ میں مسلمان تھے یا نہیں۔

مولوی صاحب۔ کتابوں سے تو معلوم ہوتا ہے کہ تقریباً سب ہی مسلمان ہو گئے تھے۔

حسینی بیگم۔ اور گیارہ برس پہلے یعنی جب حضرت مدینہ میں نہیں تشریف لے گئے تب مدینہ میں کتنے مسلمان تھے؟

مولوی صاحب۔ اُس وقت کون تھا اور کہاں سے آتا۔

حسینی بیگم۔ یعنی جس مدینہ میں سنہ ۱۱ہجری میں سب مسلمان ہی نظر آتے تھے اسی مدینہ میں گیارہ سال پہلے کافر ہی کافر تھے تو پھر کوفہ میں اگر سنہ ۶۱ہجری میں کوئی شیعہ نہیں تھا اور اسکے چند سال کے بعد شیعہ بڑھتے گئے اور سب شیعہ ہو گئے تو اسمیں کیوں تعجب ہوتا ہے۔

مولوی صاحب۔ مگر واقعہ کربلا کے بعد کیوں وہاں اس قدر شیعہ ہو جائیں گے۔

حسینی بیگم۔ یہ تو بالکل واضح بات ہے کہ سنہ ۶۱ہجری میں کوفہ کے مسلمانوں نے یزید کی سختی اور ابن زیاد کے ظلم سے مجبور ہو کر امام حسین علیہ السلام کو قتل کیا اُس کے بعد اسقدر نادم ہوئے۔ توبہ کی حضرت حسینؑ کو امام ماننے لگے اور اسکے ساتھ خلفائے ثلثہ کا اعتقاد اُٹھا کر اور ان سے بیزاری ظاہر [illegible] ہو گئے تم [illegible] ہو کر دیکھ [illegible] بادشاہوں کا دار السلطنت تھا۔ وہاں کوئی [illegible] ان بادشاہوں کا [illegible] کم ہوا تو [illegible] شیعہ [illegible] پھیل گئے چنانچہ حضرت مولانا شاہ عبد[illegible]

صاحب دہلوی رحمۃ اللہ نے اپنی مشہور کتاب تحفۂ اثنا عشریہ لکھنے کی وجہ یہ تحریر فرمائی ہے کہ "غرض [illegible] اس رسالے اور تسوید اس مقالے سے یہ کہ ہمارے زمانہ اور شہروں میں [illegible] شیعہ یہاں تک شائع ہو گیا اور پھیل گیا ہے کہ بہت کم گھر ہوں گے جنہیں دو ایک آدمی [illegible] نہ ہوئے ہوں اور اس عقیدے کی طرف راغب نہ ہوں"

(مقدمہ ترجمہ تحفۂ اثنا عشریہ [illegible]) اب [illegible] انصاف کرو کہ شاہ صاحب نے سنہ ۱۲۳۹ھ میں انتقال فرمایا [illegible] کتاب تحفۂ اثنا عشریہ لکھی ہوگی۔ اس وقت مغل بادشاہ موجود تھے [illegible] سالوں میں شیعہ گھر گھر پھیل گئے پھر سنہ ۱۸۶۱ء [illegible] گیا۔ وہاں شیعوں کی تعداد کیوں نہ بڑھتی۔

مولوی صاحب [illegible] تشریف لے گئے تو وہاں کوفہ والوں نے اپنے کو شیعہ ہی [illegible] محمد باقر مجلسی نے لکھا ہے کہ شیعیان کوفہ کا خط اس عبارت [illegible] حسین بن علی از جانب سلیمان بن صرد [illegible] بن مظاہر و سائر شیعیان او" یعنی یہ خط ہے حسین بن علی کی طرف سلیمان بن صرد خزاعی مسیب بن نجبہ رفاعہ بن شداد بجلی حبیب بن مظاہر اور باقی حضرت کے کل شیعوں کی جانب سے (جلاء العیون ص ۱۷۱)۔

اس سے ثابت ہوا کہ حضرت حسین کو شیعوں ہی نے بلایا۔ اور حضرت نے جو جواب بھیجا ہے وہ بھی شیعوں ہی کی طرف چنانچہ لکھا "از حسین بن علی بسوئے گروہ مومنان و شیعیان" یعنی یہ خط ہے حسین بن علی کا مومنوں اور شیعوں کی طرف (جلاء العیون ص ۱۷۱) اس سے ثابت ہوا کہ حضرت حسین کو شیعوں ہی نے کوفہ میں بلایا اور پھر انہوں نے قتل کیا۔

حسینی بیگم [illegible] کہ بعض شیعوں نے حضرت امام حسین کو خطوط بھیجے۔ مگر یہ کیسے معلوم ہوا کہ انہیں نے قتل بھی کیا۔

مولوی صاحب جس جس نے بلایا اسی نے قتل کیا۔

حسینی بیگم کیا خوب۔ آج کسی مذہبی جلسہ کیلئے ہم مسلمان کسی عالم کو بلائیں اور

اور یہاں کے غیر مسلم لوگ ان عالم کو گرفتار کرا دیں تو کیا یہ کہا جائیگا کہ مسلمانوں نے
انکو گرفتار کیا یا کرایا؟ یہ تو معمولی عقائد والے بھی کہہ دینگے کہ جو بیس پچیس شیعہ کوفہ میں
چھپے چھپائے پڑے تھے انھوں نے امام حسین کو خط لکھا تھا حضرت نے انکو جواب دیا اور اسکے
مطابق چلے بھی، مگر یزید کو خبر ہو گئی اس نے ابن زیاد کو وہاں کا حاکم مقرر کر دیا جس نے ناکہ بندی
کر دی۔ اور حضرت [illegible] بعد باہر ہی اپنی فوجیں بھیجکر حضرت
کو قتل کر دیا۔ اسکی حالت میں بیچارے دو چار بیس پچیس شیعہ کیا کر سکتے تھے؟ اور پھر بھی
بہت لوگوں نے [illegible] جو کوفہ سے نکلکر حضرت کی خدمت میں پہونچ گئے اور آپکے
ساتھ رہ کر [illegible] حضرت کی محافظت کی اور خود شہید ہو گئے۔ غرض جن
شیعوں نے حضرت [illegible] کو خطوط بھیجے انمیں سے ایک شخص بھی یزید یا ابن زیاد کیطرف
سے لڑنے کو نہیں نکلا۔ بلکہ وہ سب تو کوفہ میں ہاتھ پاؤں مار کر رہ گئے کہ کیونکر حضرت کی خدمت
میں پہونچیں۔ اور بعض حضرت کے پاس پہونچکر اپنی جان نثار کر دی جیسے حبیب بن مظاہر
وغیرہ مختصر یہ ہے کہ کوفہ میں جو [illegible] مخفی یا ظاہری اکثر شیعہ باقی رہ گئے تھے انھوں نے امام حسین
کو بلایا۔ حضرت نے ان شیعوں کو جواب بھیجا اور ادھر روانہ ہو گئے مگر کوفہ پہونچنے سے پہلے
ابن زیاد یہاں آ گیا۔ اس نے تمام راہوں کو بند کر لیا۔ نہ کسی کو باہر سے کوفہ میں آنے دیتا تھا
اور نہ کسی کو کوفہ سے باہر جانے دیتا تھا۔ جب اسکو حضرت کے قریب پہونچنے کی خبر ملی تو خود کوفہ سے
باہر جا کر مقام نخیلہ میں قیام لیا اور کوفیوں کو حضرت سے لڑنے کے لئے روانہ کرتا رہا مگر کسی
تاریخ سے یہ ثابت نہیں ہو سکتا کہ حضرت سے لڑنے کے لئے کوفہ کا ایک شیعہ بھی گیا۔ بلکہ صرف
وہ سنی مسلمان گئے جو یزید کو خلیفہ مان کر بیعت کر چکے تھے لیکن جو شیعہ تھے وہ تڑپتے رہے کہ کیونکر حضرت
کی مدد کو جائیں۔ چنانچہ علامہ طبری نے لکھا ہے۔ لما قتل الحسين بن علي ورجع ابن
زياد من معسكره بالنخيلة ودخل الكوفة تلاقت الشيعة بالتلاوم والتندم
ورأت انها قد اخطأت خطأ كبيرا بدعائهم الحسين الى النصرة وتركهم
اجابته ومقتله الى جانبهم لم ينصروه۔ یعنی جب امام حسین قتل ہو گئے اور ابن زیاد
اپنے لشکر گاہ نخیلہ سے کوفہ میں واپس آیا تو شیعہ ایک دوسرے کو ملامت اور آپس میں ندامت

کرنے لگے اور انھوں نے خیال کیا کہ ان سے غلطی ہوئی کہ انھوں نے امام حسینؑ کو مدد کے
وعدہ پر بلایا اور پھر حضرتؑ کے پاس نہ پہنچ سکے۔ یہاں تک کہ حضرت شہید ہی ہوگئے
(تاریخ طبری جلد ۷ صفحہ ۴) یہ عبارت پکار کر کہتی ہے کہ قاتلان امام حسینؑ میں ایک شخص بھی شیعہ
نہیں تھا بلکہ جب کوفہ میں ابن زیاد واپس آیا اور امام حسینؑ کے قتل کی خبر پھیلی تو ان چند شیعوں
نے جنھوں نے حضرت امام حسینؑ کو بلایا تھا مگر حضرتؑ کے پاس نہ پہونچ سکے افسوس کیا کہ ہائے
ہم لوگ حضرتؑ کی مدد سے مجبور رہ گئے۔ کاش حضرتؑ کو بلایا ہی نہ ہوتا۔ پس جو واقعہ ہے وہ صرف
اس قدر کہ ابن زیاد کی ناکہ بندی کی وجہ سے جو شیعہ کوفہ سے نہیں نکل سکے وہ بعد کو غم کھاتے رہے
کہ حضرتؑ کی مدد نہ کر سکے جسکو امام حسین علیہ السلام نے خود بھی فرمایا کہ شیعیان ما دست از یاری
ما برداشتند یعنی میرے شیعوں نے میری مدد نہیں کی (جلاء العیون صفحہ ۱۸۶) اور یہ بالکل صحیح
تھا کیونکہ ان بے بس شیعوں سے ابن زیاد کی خونخوار تلوار کے مقابلہ میں ہو کیا سکتا تھا۔ مکہ
معظمہ میں تو بہت سے مسلمان ہوگئے تھے مگر وہ کفار کے ظلم و جور سے نہ اپنی حفاظت کر سکے اور
نہ حضرت رسولخدا صلعم کو مدد پہونچا سکے چنانچہ بہت سے مسلمان بھی مکہ معظمہ سے ہجرت کرتے
رہے اور پھر حضرت رسولخدا صلعم نے بھی ہجرت کی۔ پس جس طرح مکہ معظمہ کے کچھ مسلمان کفار مکہ
کے مقابلہ میں آنحضرتؐ کی مدد نہیں کر سکے اسی طرح کوفہ کے چند شیعہ بھی یزید اور ابن زیاد کے
مقابلہ میں حضرت امام حسینؑ کی مدد سے مجبور رہے۔ اگرچہ کئی بہادر ان سختیوں میں بھی نکل پڑے
اور جا کر حضرت پر اپنی جان فدا کی مگر جو نہیں نکل سکے اور ہر طرح کی مدد سے مجبور رہے اُن پر
اعتراض نہیں ہو سکتا کیونکہ خدا نے فرمادیا ہے لا یکلف اللہ نفسا الا وسعہا یعنی خدا
کسی کو اسکی طاقت سے زیادہ حکم دیتا ہی نہیں ہے۔ اُس وقت کوفہ کے ان چند شیعوں کی
طاقت بھی نہیں تھی کہ امام حسینؑ کی مدد میں ابن زیاد ایسے قہار کا مقابلہ کر سکیں۔ ہاں جو مسلمان
حضرت کے قتل کو جاتے تھے انکے اختیار میں تھا کہ کوفہ سے روانہ ہونے کے بعد ابن زیاد کے
حکم کی مخالفت کرتے اور حضرتؑ کے پاس پہونچ جاتے مگر سوا حضرت حُر بن ریاحی کے کوئی ایسا
ایماندار نہیں نکلا۔ حالانکہ حضرت برابر مسلمانوں سے استغاثہ کرتے رہے۔

مولوی صاحب ۔ مولوی عبدالشکور صاحب اڈیٹر النجم نے اپنے رسالہ میں کئی برس

تک اس مضمون کو خوب خوب لکھا اور شایع کیا کہ قاتلان حسینؑ شیعہ تھے اور اسکے لئے مستقل کتاب لکھی اور کتنے صفحہ سیاہ کر دیئے مگر تم نے تو چند ہی منٹ میں انکی کل کوششوں پر پانی پھیر دیا اور سب لیلیو کا ایسا تشفی بخش جواب دیدیا کہ کسی شخص کو اسکے ماننے میں عذر ہو ہی نہیں سکتا۔ میں بہت غور کر رہا ہوں کہ کسی طرح مولوی عبدالشکور صاحب کی حمایت میں کچھ بولوں لیکن اب کوئی بات سوجھتی ہی نہیں ہے

حسینی بیگم۔ حق کے مقابلہ میں باطل کا فریب کتنا ہی پھیلایا جائے مگر اسکو استقلال نہیں ہو سکتا ہے اور مکڑی کے جالے سے زیادہ طاقتہ ہو ہی نہیں سکتی ہے۔ مکانوں میں دیکھتے ہو کہ ایک مکڑی کتنے لمبے جال پھیلا دیتی ہے کہ اسکی حکمت و تدبیر پر انسان کو حیرت ہونے لگتی ہے۔ مگر ان تمام جالوں کی حقیقت اتنی ہی ہوتی ہے کہ دو برس کا بچہ بھی ذرہ برابر تنکا اٹھا کر اسکو چھیڑ دیتا ہے تو سب جالے درہم برہم ہو جاتے اور اس مکڑی کی کتنے دنوں کی محنت آن واحد میں ہبا منثورا ہو جاتی ہے۔ اسی طرح مولوی عبدالشکور صاحب کی دلیلیں بالکل بے حقیقت ہوتی ہیں۔

مولوی صاحب۔ اب تم زیادہ تعلّی نہ کرو۔ بات یہ ہے کہ مولوی عبدالشکور صاحب نے مرزا حیرت صاحب دہلوی کی طرح بالکل ایجاد بندہ کیا کہ کہنے لگے قاتلان حسینؑ شیعہ تھے جس کا غلط ہونا ایسا ہی ہے جیسا رات کو آفتاب کا نکلنا اس وجہ سے تم کو اتنا جواب دینے کا موقع ملا۔

حسینی بیگم۔ مگر مولوی عبدالشکور صاحب نے یزید۔ ابن زیاد۔ عمر بن سعد کے بارے میں کیا لکھا ہے؟ کیا یہ لوگ بھی شیعہ تھے؟ کیونکہ یزید کا قاتل امام حسینؑ ہونا میں پہلے ثابت کر چکی ہوں۔ اور اس نے خود بھی اپنے اس جرم کا بارہا اعتراف کیا ہے۔ مورخ طبری نے لکھا ہے۔ لما قتل عبید الله بن زیاد الحسین بن علی وبنی ابیه بعث برؤسهم الی یزید بن معویه فسر بقتلهم اولا وحسنت بذلک منزلة عبید الله عنده ثم لم یلبث الا قلیلا حتی ندم علی قتل الحسین یعنی جب ابن زیاد نے امام حسینؑ کو قتل کیا تو پہلے یزید اُن لوگوں کے قتل سے بہت خوش ہوا اور اس وجہ سے ابن زیاد کا درجہ بھی اسکے ہاں بڑھ گیا مگر پھر یزید نادم ہوا کہ اس نے کیوں امام حسینؑ کو قتل کیا (تاریخ طبری جلد ۷ صک) اور یزید برابر کہتا تھا فبغضنی بقتله الی المسلمین وزرع فی قلوبهم العداوة فبغضنی البر والفاجر

بما استعظم الناس من قتلی حسیناً یعنی ابن زیاد نے امام حسینؑ کو قتل کر کے مسلمانوں کی نظروں میں مجھے مبغوض کر دیا اور ان کے دلوں میں میری عداوت پیدا کر دی جسکی وجہ سے اچھے اور برے سب ہی میرے دشمن ہو گئے کیونکہ میں نے امام حسینؑ کو قتل کیا تو لوگوں نے اس کو میرا بڑا جرم سمجھا (تاریخ طبری جلد ۷ صفحہ ۱۹) اور ابن زیاد کہتا تھا۔ اقتلی الحسین فانہ خرج علی امام و امۃ مجتمعۃ وکتب الی الامام یامرنی بقتلہ فان ذلک خطاءً کان لازماً لیزید یعنی میں نے جو امام حسینؑ کو قتل کیا تو اس سبب سے کہ انھوں نے ہمارے امام (یزید) پر خروج کیا اور مجھے اس امام (یزید) نے حکم بھیجا کہ امام حسینؑ کو قتل کرو۔ اب اگر حضرت کا قتل جرم ہے تو اس کا الزام یزید ہی پر ہے (اخبار طوال صفحہ ۲۳۳) وہ یہ بھی کہتا تھا کہ اما قتلی الحسین فانہ اشار الی یزید بقتلہ او قتلی فاخترت قتلہ یعنی میں نے جو امام حسینؑ کو قتل کیا تو اس سبب سے کہ یزید نے مجھے اشارہ کیا کہ حضرتؑ کو قتل کر دوں ورنہ وہ مجھے قتل کر دیگا۔ تو میں نے حضرتؑ کا قتل اختیار کر لیا (تاریخ کامل جلد ۴ صفحہ ۵۵) ان عبارتوں سے صاف معلوم ہوا کہ امام حسینؑ کے قتل کا حکم یزید اور ابن زیاد نے دیا اب اس حکم کی تعمیل ان لوگوں نے کی جو ابن زیاد کو اپنا حاکم اور یزید کو اپنا خلیفہ جانتے تھے۔ یہ بتاؤ کہ حضرت ابو بکر صدیق نے اپنی خلافت میں جن لوگوں سے لڑنے کو اپنی فوجیں بھیجیں وہ فوجیں حضرت ابو بکر کو خلیفہ مانتی تھیں یا کسی اور کو۔

مولوی صاحب۔ یہ بھی کچھ پوچھنے کی بات ہے۔ اگر اس فوج کا کوئی شخص حضرت ابو بکرؓ کو خلیفہ نہیں مانتا بلکہ کسی اور شخص کی خلافت کا قائل ہوتا تو پہلے اسی سے جنگ کیجاتی۔

حسینی بیگم۔ اور حضرت عمر فاروق نے عراق شام۔ ایران میں اپنی فوجیں بھیجیں وہ حضرت عمر کو خلیفہ جانتی تھیں یا کسی اور کو۔

مولوی صاحب۔ واہ حضرت عمر کی فوج میں کسکی مجال تھی کہ انکو خلیفہ نہ مانتا۔ پھر تو حضرت اس سے اپنی تلوار یا درہ ہی سے باتیں کرتے۔ اور فوج تو صرف انھیں لوگوں کی رکھی جاتی ہے جو اپنے خاص ماننے والے ہوں اور جن پر پورا بھروسہ ہو کہ یہ کسی اور کو نہیں مانیں گے۔ نہ کسی خیال میں اپنے افسر کا ساتھ چھوڑیں گے۔

حسینی بیگم۔ اور حضرت علیؑ اور معویہ میں جو لڑائی ہوئی اسمیں دونوں صاحبوں کی فوجیں کسکو

خلیفہ جانتی تھیں۔

مولوی صاحب معویہ والے انکو اور حضرت علیؑ والے انکو خلیفہ جانتے تھے۔

حسینی بیگم ۔ تو معلوم ہوگیا کہ ہر شخص اپنے دشمن سے لڑنے کے لئے اپنے ماننے والوں ہی کو بھیجتا ہے اپنے دشمن کے ماننے والوں کو نہیں بھیجتا۔

مولوی صاحب ۔ ہاں یہ تو بدیہی بات ہے۔

حسینی بیگم ۔ پھر یزید نے امام حسینؑ سے لڑنے کے لئے جن فوجوں کو بھیجا وہ یزید کو خلیفہ مانتی تھیں یا امام حسینؑ کو؟

مولوی صاحب ۔ واہ وہ تو حضرت حسینؑ کو قتل کرتی تھیں حضرتؑ کو خلیفہ کیسے مانتیں جس طرح معویہ والے حضرت علیؑ سے لڑتے تھے اور حضرت علی کو نہیں بلکہ معویہ کو خلیفہ جانتے تھے۔ اسی طرح یزید کی فوج بھی امام حسینؑ کو قتل کرتی تھی اور حضرتؑ کو نہیں بلکہ یزید کو خلیفہ جانتی تھی۔ اور اُسی یزید کی تو سب نے بیعت کرلی تھی کسی اور کو وہ خلیفہ جانتی کیسے؟

حسینی بیگم ۔ تو کیا کوئی شیعہ بھی یزید کو خلیفہ مان سکتا ہے؟

مولوی صاحب ۔ نہیں بلکہ وہ لوگ تو اس سے حد درجہ بیزار ہیں اور اسکو بدترین ناس سمجھتے ہیں بلکہ جو لوگ اسکو خلیفہ جانتے ہیں انکو گمراہ کہتے ہیں۔

حسینی بیگم ۔ پھر یہ کہنا کہ قاتلان امام حسینؑ شیعہ تھے کہاں تک صحیح ہوسکتا ہے۔

مولوی صاحب ۔ بے شک قاتلان حسین رضی اللہ عنہ کو شیعہ کہنا ایسا ہی ہے جیسا کوئی کہے کہ حضرت رسولخدا صلعم کو مکہ شریف سے مسلمانوں نے نکالا۔ غزوہ احد میں حضرت حمزہ کو مسلمانوں نے شہید کیا اور حضرت رسولخدا صلعم کے دندان مبارک کو صحابہ کرام نے توڑا!

حسینی بیگم ۔ یزیدی فوج جو یزید ہی کو اپنا خلیفہ جانتی تھی حضرت امام حسینؑ کی ایسی دشمن تھی کہ حضرتؑ کو سلام تک نہیں کرتی تھی کیا کسی شیعہ سے یہ ممکن ہے کہ ابن زیاد کے نوکر کو سلام کرے اور حضرت کو نہ کرے؟ (تاریخ طبری جلد ۶ صفحہ ۲۳۲) خود قاتلان حسینؑ نے اپنے کوئی بار کہا ہے کہ ہم یزید کے پیرو ہیں۔ ہمیں حسینؑ سے کوئی مطلب نہیں ہے مثلاً ایک قاتل کا یہ شعر دیکھو فابلغ عبید اللہ اما لقیتہ۔ بانی مطیع للخلیفۃ سامع یعنی اگر تم ابن زیاد سے ملو تو اس سے کہہ دو کہ میں خلیفہ یزید ہی کا فرمانبردار اور اس کا حکم بجا لانے والا ہوں (طبری جلد ۶ صفحہ ۲۴۸)

پچیسواں باب ۲۵

کیا امام حسینؑ نے یزید سے بغاوت کی۔ کیا حضرت اپنے نانا کی تلوار سے قتل کئے گئے

مولوی صاحب۔ یہ تو صحیح ہے کہ حضرت حسینؑ کو یزید نے قتل کرایا اور انھیں لوگوں نے قتل کیا جو یزید کو خلیفہ مانتے تھے مگر یہ ضرور مانو گی کہ ایسا کرنے میں یہ لوگ بے قصور تھے کیونکہ یزید کے خلیفہ ماننے والے اپنے خلیفہ اور پیشوا کے حکم سے مجبور تھے اور یزید اپنی سلطنت کی حفاظت کے سبب مجبور تھا۔ اگر حضرت حسینؑ اس سے بغاوت نہ کرتے اور اسکی بیعت کرکے سلطنت اسلام میں امن قائم رکھتے تو نہ یزید حضرتؑ کو قتل کراتا اور نہ اسکے خلیفہ ماننے والے حضرتؑ کو قتل کرتے۔

حسینی بیگم۔ ہاں یہ بہت ضروری بحث تم نے چھیڑی۔ ایسی ہی باتوں کی تحقیق میں جی لگتا ہے۔ مگر اسکے متعلق میں خود کیوں کچھ کہوں۔ اہلحدیث بھائیوں کے امام اعظم جناب مولانا وحید الزماں خانصاحب حیدرآبادی سے دریافت کروں کہ حضرت امام حسینؑ نے بغاوت کی یا نہیں۔ انکے قول کو تو تم زیادہ مانوگے۔

مولوی صاحب۔ بے شک وہ ہمارے بلکہ تمام مسلمانوں کے بڑے پیشوا تھے اور انھوں نے صحاح ستہ کے ترجمہ وغیرہ کی بے مثل خدمات انجام دی ہیں۔

حسینی بیگم۔ ممدوح تحریر فرماتے ہیں "برخلاف معویہ کے وہ تو مرتے دم تک اہل بیت علیہم السلام کے دشمن اور مخالف رہے اور حضرت علیؑ کو گالیاں دینے کے لئے تمام خطیبوں کو حکم دیا اور اپنی آخری عمر میں مکر و فریب اور پولٹیکل چالوں سے یزید کے سے نالائق فرزند کو خلیفہ بنایا حالانکہ امام حسینؑ کے ہوتے ہوئے یزید اونکے پاخانہ کا لوٹا اوٹھانے کے بھی لائق نہ تھا۔ اور اوپر گزر چکا کہ حضرت علیؑ نے معویہ کو شیطان ردیہ فرمایا اور حق بھی یہی ہے۔" (انوار اللغتہ پارہ ۱۴ صفحہ) پھر لکھتے ہیں: "فاضربوا عنق الآخر جب ایک امام سے حسب وصیت ایک امام کے یا بصلاح و مشورہ اور باتفاق اکثر ارباب حل و عقد بیعت ہو جائے۔ اب دوسرا کوئی شخص امام بننا چاہے تو اوسکی گردن مارو کوئی بھی ہو کیونکہ وہ

مسلمانوں میں نااتفاقی اور لڑائی کرانا چاہتا ہے اور امام وقت کی مخالفت اور بغاوت کرتا ہے
اس حدیث کے بموجب حضرت علیؑ معویہ اور انکے طرفداروں سے لڑے۔ چونکہ وہ باغی تھے حضرت
علیؑ کی خلافت بصلاح ومشورہ واتفاق اکثر ارباب حل وعقد ہوئی تھی اور انکی امامت صحیح اور
برحق تھی لیکن معویہ اور انکے حامیوں نے خلاف کیا اس وجہ سے باغی قرار پائے۔ اب اگر
کوئی کہے کہ یزید کی بیعت پر بھی اکثر لوگوں نے اتفاق کرلیا تھا۔ پس جناب امام حسینؑ کو اوس سے
مخالفت کرنا کیونکر روا ہوا تو اوس کا جواب یہ ہے کہ یزید کی بیعت بصلاح ومشورہ نہیں ہوئی
تھی بلکہ صرف معویہ کی دھینگامشتی اور زور زبردستی سے ورنہ کوئی شخص دل سے اوسکو پسند
نہیں کرتا تھا۔ دوسرے اوسکی بیعت خلاف معاہدہ تھی۔ معویہ نے جناب امام حسنؑ سے عہد کیا تھا کہ
میرے بعد پھر خلافت اپنے مستحق کی طرف رجوع کریگی۔ اس بنا پر معویہ کو لازم تھا کہ اپنے مرتے وقت
امام حسینؑ کو جو سب سے زیادہ خلافت کے مستحق تھے خلیفہ بناتے۔ مگر دنیا کی طمع نے اون پر ایسا
زور کیا تھا کہ نہ معاہدہ کا خیال رہا۔ نہ دینداری اور خدا ترسی کا۔ ایسے ظالم۔ نابکار۔
شرابخوار بیٹے کو خلیفہ بنایا۔ وہ بھی لوگوں کو ڈرا دھمکا کر۔ اونکے سر پر تلوار رکھکر۔ مال وزر ملک
و دولت کی طمع دیکر۔ بھلا ایسی خلافت کب صحیح ہوسکتی ہے۔ اسی لئے جناب امام حسینؑ نے اوس سے
بیعت نہیں کی۔ کیونکہ اوس سے بیعت کرلینے میں دین کی خرابی متصور تھی اور جان دینا گوارا کیا۔
رضی اللہ عنہ وعن اتباعہ واحبابہ۔ اگر کوئی کہے کہ یزید کی خلافت حسب وصیت امام وقت یعنی
معویہ ہوئی تھی اسلئے اوسکی خلافت صحیح ہوگئی۔ گو اہل حل وعقد کا اوس پر اتفاق نہ ہوا ہو۔
جیسے حضرت عمرؓ کی خلافت حسب وصیت ابوبکر صدیقؓ درست اور صحیح تھی تو اوس کا جواب یہ
ہے کہ خود معویہ کی خلافت صحیح نہ تھی تو یزید کی خلافت کیونکر صحیح ہوگی۔ وہ تو بناے فاسد علی الفاسد
ہے۔ جیسے ایک ڈاکو دوسرے ڈاکو کو اپنی جگہ بٹھا جائے (انوار اللغۃ پارہ ۱۵ ص ۱۹)
پھر یہ بھی لکھا ہے "اگر قریشی خلیفہ بھی فسق وفجور اختیار کرے۔ احکام شرعی کو بدل دے۔ نماز
ترک کردے۔ اوسکی حکومت سے دین میں خلل آنے کا ڈر ہو یا استبداد اختیار کرے یعنی خودرائی
علماء وفضلاء سے مشورہ لینا چھوڑ دے۔ تو اوس سے لڑنا اور اوس کو معزول کرنا درست بلکہ
باعث اجر اور ثواب ہے۔ امام حسین علیہ السلام نے دل سے یزید پلید سے بیعت ہی نہیں کی تھی

دوسرے اس مردود نے استبداد برائے اختیار کیا تھا۔ یعنی شخصی حکومت۔ تیسرے اوس مردود نے فسق و فجور شرب خمر زنا وغیرہ اختیار کیا تھا۔ چوتھے اموال بیت المال کو اپنی ذاتی خواہشات میں اوڑا رہا تھا۔ پانچویں اوس نے خلاف معاہدہ جو اوسکے باپ کے ساتھ ہوا تھا کیا مستحق خلافت کا حق تلف کرکے خود خلیفہ بن بیٹھا۔ چھٹے امام حسن علیہ السلام کو اونکی بی بی کی سازش کرکے ناحق زہر دلوایا اس ڈر سے کہ معویہ کے بعد از روئے معاہدہ اونکی طرف خلافت جانے والی تھی۔ بھلا ایسا نالائق شخص کیسے خلیفہ شرعی اور امیر المومنین ہو سکتا ہے۔ اسی لئے امام از روئے قواعد اسلام دین کی حفاظت کے لئے اوسکے مخالف ہوئے اور شہادۃ کا درجہ حاصل کیا۔ اب جو کوئی امام حسین علیہ السلام کو باغی اور طاغی قرار دیتا ہے اوس کا حشر یزید پلید ہی کے ساتھ ہوگا اور ہم منتظر ہیں کہ وہ قیامت کے دن آنحضرتؐ کو اپنا منہ کیسے دکھلائیگا" (پارہ ۵ صفحہ ۱۹) "اگر خلافت اونکی صحیح مانی جائے تو امام حسین علیہ السلام باغی ٹھہرتے ہیں نعوذ باللہ من ہذا الاعتقاد حالانکہ یزید اور عبدالملک اور ہشام اوسکا بیٹا سب قریشی بھی تھے مگر چونکہ اونکی حکومت جابرانہ تھی اہل حل و عقد کے مشورے سے نہ تھی اس لئے وہ خلیفہ نہیں ہو سکتے اور اسی لئے امام ابو حنیفہ نے ہشام بن عبدالملک کے برخلاف حضرت زید بن علی کی امداد پر لوگوں کو برانگیختہ کیا اور ہشام کو جور متغلب قرار دیا۔" (پارہ ۱۱ صفحہ ۳) "یا اللہ ہم گنہگاروں کو بھی اونکا طفیلی بنا کر حوض کوثر سے سیراب کیجیو جس وقت آنحضرتؐ اور حضرت علیؓ دونوں صاحب حوض کوثر پر کھڑے ہونگے اوس وقت معلوم نہیں وہ لوگ اپنا مونہ کیسے دکھائیں گے جو دنیا میں حدیث شریف کو چھوڑ کر دوسرے الفتوں کے قول و فعل قیاس پر چلتے رہے یا حضرت علی اور دونوں شہزادوں (امام حسن اور امام حسین علیہما السلام) سے بغض اور عداوت رکھتے رہے۔ کہتے رہے یزید خلیفہ برحق تھا اور امام حسینؑ اوس سے ناحق لڑے۔ بعضے مردود آپکو باغی قرار دیتے ہیں۔ انا للہ وانا الیہ راجعون ہم اہلحدیث تو دنیا اور آخرت دونوں میں حضرت علیؑ اور حسنین علیہما السلام کے ساتھ ہیں۔ اور جو اونکا دشمن ہے اوس سے لڑنے اور مرنے کو طیار ہیں۔ یا اللہ ہمارا حشر اہل بیت کے غلاموں اور کفش برداروں میں کر اور یزید اور یزیدیوں سے ہم کو دور رکھ۔ آمین یا رب العالمین" (انوار اللغۃ پارہ ۹ صفحہ ۳۱) ممدوح نے اپنی کتاب میں اس مسئلہ پر بہت تفصیل سے کئی جگہ روشنی

ڈالی ہے اور انصاف کا حق ادا کیا ہے بس دو جگہ کی عبارت اور سن لو۔

ہائے افسوس اُس خلیفہ پر جو حاکم بنایا جائیگا وہ محمدؐ کے بچوں کو قتل کریگا۔ وہ کمبخت خلیفہ ظالم۔ بدکار خبیث عیش پسند ہوگا۔ میرے جانشین کو قتل کریگا۔ پھر جانشین کے جانشین کو۔ اس حدیث میں صریح معجزہ ہے آنحضرتؐ کا۔ آپنے یزید مردود ملعون کی خبر دی کہ وہ پہلے امام حسنؑ کو ہلاک کرائیگا جو آنحضرتؐ کے سچے خلیفہ اور قائم مقام اور امام برحق تھے۔ پھر اونکے جانشین یعنی امام حسینؑ کو قتل کرائیگا۔ ایسا ہی ہوا۔ اس یزید پلید خبیث۔ ناپاک ملعون نے پہلے امام حسنؑ کی بی بی جعدہ کو ملا کر آپ کو زہر دلایا پھر اوسپر بھی قناعت نہ کی امام حسینؑ کو مع اولاد اور اعزہ اور رفقاء بڑے ظلم اور سختی سے تشنہ اور پیاسا رکھکر قتل کرایا۔ لعنت خدا کی ایسے خلیفہ پر مترجم کہتا ہے جو لوگ معویہ کی خلافت کو صحیح جانتے ہیں اس وجہ سے کہ امام حسنؑ نے اپنی تئیں معزول کرکے خلافت اونکے تفویض کردی تھی۔ اونکو یزید کی بھی خلافت صحیح ماننا ہوگا کس لئے کہ معویہ جب خلیفہ برحق ہوئے تو معویہ نے جسکو خلیفہ بنایا اوسکی بھی خلافت صحیح ہوگی جیسے حضرت ابوبکر نے حضرت عمر کو خلیفہ بنایا تو حضرت عمر کی خلافت صحیح ہوئی کیونکہ خلیفہ برحق نے اون کو خلیفہ بنایا اور جب یزید خلیفہ برحق ہوا تو لامحالہ امام حسینؑ کو معاذ اللہ باغی قرار دینا ہوگا۔ نہ شہید فی سبیل اللہ۔ اس سے بڑھکر کیا گمراہی ہوگی۔ ہم اہلحدیث لوگ کہتے ہیں کہ نہ معاویہ کی خلافت صحیح تھی نہ یزید کی دونوں ظلمی اور جبری حکومتیں تھیں۔ یزید کی تو ظاہر ہے کہ ایک فاسق فاجر۔ دنیا کے تعیشات کا دلدادہ۔ رنڈی باز۔ شرابخور۔ کبوتر باز۔ مرغ باز۔ زبردستی حاکم بن بیٹھا اور معویہ کی خلافت اس وجہ سے صحیح نہ تھی کہ امام حسنؑ نے خوشی کے ساتھ اونکو مستحق سمجھکر خلافت اونکے سپرد نہیں کی تھی بلکہ مجبوری سے مصلحت وقت سمجھکر۔ کیونکہ معویہ جنگ پر مستعد تھے اور امام حسنؑ کو اپنی فوج کی وفاداری پر اعتماد نہیں رہا تھا۔ آپنے یہ خیال کیا اگر اس وقت میں معویہ سے جنگ کرتا ہوں تو مسلمانوں کی خرابی اور اسلام کی بربادی کے سوا اور کوئی نتیجہ نہ ہوگا اسکے علاوہ میری جان بھی محفوظ نہ رہیگی۔ اور آنحضرت کی اولاد تباہ ہوگی قطع نظر اسکے معویہ کو خلافت کا بالکل استحقاق نہ تھا جب وہ امام برحق سے باغی ہوچکے تھے۔ وہ تو از روئے قانون کورٹ مارشل کے لائق تھے۔ نہ وہ مہاجرین میں سے تھے۔ نہ انصار میں سے۔ بلکہ طلقاء میں سے

اور اُس وقت عشرہ مبشرہ میں سے سعد بن ابی وقاص زندہ تھے۔ اونکے مقابلہ میں فرمائیے
معویہ کو جو باغی اور طاغی اور مجرم سنگین تھے خلافۃ کا کیا استحقاق تھا اور اسی لئے سعد نے
معویہ کو جب سلام کیا تو کہا السلام علیک ایہا الملک اور یہ نہیں کہا السلام علیک یا امیر المومنین
اسکے علاوہ جو معاہدہ معویہ سے ہوا تھا معویہ نے نقض عہد کرکے اوس پر عمل نہیں کیا بلکہ یزید کو خلیفہ
بنانے اور امام حسنؑ کے جان لینے کی فکر کی۔ اس لئے اگر اونکی خلافۃ بالفرض ابتداءً صحیح بھی
مانی جائے تو انتہاءً باطل ٹھہرتی ہے۔ خطابی نے کہا حدیث میں میرے جانشین سے امام
حسینؑ اور آپکی اولاد مراد ہیں جو آپکے ساتھ شہید ہوئے اور جانشین کیجانشین سے مہاجرین
اور انصار مراد ہیں جو یوم الحرہ شہید ہوئے۔ غرض یزید پلید نے نہ آنحضرتؐ کے جگر گوشوں
کا لحاظ کیا نہ آپکی اولاد کو چھوڑا۔ نہ دوسرے مہاجرین اور انصار کو جنہوں نے آنحضرت پر
سے اپنا جان اور مال تصدق کیا۔ اور اونھیں کے جوتیوں کے طفیل سے یزید اور یزید کے
باپ کو اتنی بڑی حکومت اور بادشاہت ملی ورنہ جنگل میں سوّر چراتا پھرتا اونٹ کا دودھ
اور موت اور گوڑ پہوڑ کا گوشت کھاتا رہتا۔ اس محسن کشی اور کو نمکی کا کوئی ٹھکانا ہے*۔
" دیکھو اگر مسلمان یزید پلید کو تخت سے اتار دیتے اور امام حسین علیہ السلام کو جو اس وقت کے
موجودہ لوگوں میں سب سے اعلیٰ اور افضل اور سب سے زیادہ خلافت کے مستحق تھے تخت پر بٹھلاتے تو یہ
خرابی اور بربادی دین کی اور اہلبیت رسول مقبولؐ کی کیوں ہوتی جس پر مخالفین اسلام یہود
اور نصاری تک تعجب کر رہے ہیں اور سب سے زیادہ عجیب یہ ہے کہ ایسے ظالموں اور بدکاروں کو
مسلمان خلفاء رسولؐ میں شمار کرتے ہیں بلکہ بعضے جاہل تو یزید کو پیغمبر سمجھتے تھے انا للہ وانا الیہ
راجعون " (انوار اللغۃ پارہ ۲۶ صفحہ ۱)

مولوی صاحب۔ بعض جاہل کیا علماء تک یہی اعتقاد رکھتے تھے گو زبان سے نہیں کیونکہ
اسی وجہ سے تو انھوں نے کہا کہ حضرت حسینؑ اپنے نانا کی تلوار سے قتل کئے گئے یعنی جس طرح
حضرت رسولخداؐ پیغمبر تھے اسی طرح یزید بھی پیغمبر تھا تو یزید کی تلوار بالکل حضرت رسولخدا صلعم کی
تلوار ہوئی لہذا اس نے جو حضرت حسینؑ کو قتل کیا درحقیقت حضرت رسولخداؐ ہی کی تلوار سے
قتل کیا۔ علامہ شیخ ابن حجر نے لکھا ہے کہ امام شیخ ابوبکر ابن عربی مالکی علیہ الرحمہ کہتے تھے لمہ یقتل

* (انوار اللغۃ پارہ ۲۶ صفحہ ۱۰۱)

یزید الحسین الابسیف جدہ یعنی یزید نے حسینؑ کو انکے نانا کی تلوار سے قتل کیا۔ پھر اس کا مطلب بھی واضح کردیا ہے وقول بعضھم لاملام علی قتلۃ الحسین لانھم انما قتلوہ بسیف جدہ الآمر بسلہ علی البغاۃ وقتالھم یعنی اے مسلمانو! تم ان لوگوں کی برائی اور ملامت نہ کرو جنہوں نے حسینؑ کو قتل کر دیا۔ اس لئے کہ حسینؑ کو لوگوں نے انکے نانا ہی کی تلوار سے قتل کیاہے کیونکہ آپکے نانا حضرت رسولخدا صلعم ہی نے تو حکم دیا تھا کہ جو بادشاہ وقت سے بغاوۃ اور جنگ کرے وہی قتل کردیا جائے (منح مکیہ مطبوعہ مصر صہ ۲۲۳)

حسینی بیگم۔ مگر مولانا وحیدالزماں خانصاحب کی مذکورہ بالا عبارتوں سے تو ثابت ہوچکا کہ حضرت امام حسین علیہ السلام نے بغاوۃ کی ہی نہیں اس لئے کہ یزید خلیفہ ہی نہیں تھا تو اسکی مخالفۃ بغاوۃ کیسے کہی جائیگی۔ مولانا ممدوح نے اس قول کو بھی ذکر کیاہے۔ چنانچہ تحریر فرمایا ہے۔

آن ابنی ھذا سید یہ میرا بیٹا (امام حسنؑ کی طرف اشارہ کیا) سردار ہے (یعنی بڑا شریف النفس کریم الطبع۔ ہمت والا۔ دنیا پر لات مارنے والا) اللہ تعالی اوسکے وجہ سے مسلمانوں کے دو بڑے گروہوں کو ملادیگا (اونمیں صلح ہوجائیگی لاکھوں آدمیوں کی جان اوسکی وجہ سے بچ جائیگی) اس حدیث کا ظہور ہوا امام صاحب نے دنیا کی حکومت اور دولت پر لات ماری اور معویہ کو دیدی مگر افسوس کہ معویہ نے اپنا عہد پورا نہ کیا اور امام حسنؑ کی جان لینے کے درپے ہوا۔ اور اپنی پلید یزید پلید سے بیعۃ کرنے کے لئے سب کو مجبور کیا۔ حالانکہ یزید کا کوئی حق نہ تھا کہ اوس کو مسلمانوں پر حکومت ملے بھلا جب فرشتے موجود ہوں تو کوئی شیطان کی حکومت منظور کریگا۔ مگر معلوم نہیں کہ اہل شام کس قبیل کے مسلمان تھے۔ امام حسینؑ کی کفش برداری کی بھی یزید لیاقت نہیں رکھتا تھا۔ چہ نسبت خاک را با عالم پاک۔ کجا عیسے کجا دجال ناپاک۔ مگر امام صاحب کے موجود ہوتے ہوئے بھلے مانسوں نے یزید سے بیعۃ کرلی۔ اور اوسپر بھی اکتفا نہ کی۔ امام صاحب کے جان کے درپے ہوگئے۔ آخر کس ظلم اور شقاوۃ سے آپکو بچوں اور عزیزوں سمیت قتل کرایا۔ اگر اسلام ہمین ست کہ اینہا دارند وا گردر پے امروز بود فردا ئے۔ پھر لطف یہ کہ اب تک ان اہل شام کے چیلے چاپڑوں سے جہان پاک نہیں ہوتا۔ کوئی تو یزید کو پیغمبری تک پہونچا دیتاہے کوئی اس کو خلیفہ برحق کہتاہے۔ امام صاحب کو باغی قرار دیتاہے۔ کوئی کہتاہے اگر یزید امام صاحب کو اپنے ہاتھ سے ذبح کرتا

تب بھی میں اوس پر لعنت نہ کرتا۔ کیونکہ وہ اولو الامر سے تھا۔ کوئی کہتا ہے امام حسینؑ اوسی تلوار سے مارے گئے جو اونکے نانا کی تھی۔ اللہ اون لوگوں سے سمجھے معلوم نہیں قیامت کے دن آنحضرتؐ کے سامنے یہ لوگ اپنا منہ کیسے بتائیں گے۔ ہم تو یزید کو مع اوسکے معاونین جیسے شمر لعین۔ ابن زیاد۔ عمر بن سعد۔ خولی وسنان وغیرہم کو ملعون اور مطرود اور اشقی الخلق والخلیقہ جانتے ہیں۔ یزید سے بیتہ تو کجا اگر ہم اوسکو پالیں تو اوسکے گوشت پوست کے ٹکڑے کرکے چیل کوؤں کو کھلائیں اوس وقت ہمارے دل کی کچھ تشفی ہوگی اور ہمارا غیظ قلب کسی قدر کم ہوگا۔ الف الف لعنت یزید پر اور الف الف یزید کے طرفداروں اور حامیوں اور تعریف کرنے والوں پر جو اوسکو خلیفہ یا اولو الامر سے سمجھتے ہیں اون لوگوں کو اتنا وقوف نہیں کہ خلافت شرعی کوئی خالہ جی کا گھر ہے کہ جو زبردست ہوا اوس نے دبالیا اور خلیفہ بن بیٹھا ارے یارو خلافت صلحاء اور عمائدین اور علماء اور فضلائے امت کے اتفاق اور مشورے سے منعقد ہوتی ہے یعنی یہ لوگ جسکو اہل قریش میں سے اس منصب عظمیٰ کے لائق پاتے ہیں اپنی خوشی سے نہ جبر واکراہ سے اوسکو خلیفہ مقرر کرتے ہیں۔ پھر اگر وہ شریعت کے خلاف عمل کرنے لگے یا عمائدین امت سے مشورہ لینا چھوڑ دے۔ خودرائی اور استبداد اختیار کرے تو اوسی وقت اوس کو معزول کردیتے ہیں ایسا شخص جو قرشی ہو اور باتفاق وصلاح ومشورہ عمائدین اوسکی امامت مقرر ہوا ہو اوسکو خلیفہ کہہ سکتے ہیں نہ ہر ایرے غیرے نتھو خیرے تیخ کلیان قاچار۔ یا مغل افغان کو۔ یہ لوگ کبھی خلیفہ شرعی نہیں ہوسکتے بلکہ قزل ارسلان کی طرح اگر شریعت کے تابع ہوں تو بادشاہ اسلام اور دنیاوی بادشاہ کہلائے جاسکتے ہیں۔ (انوار اللغتہ پارہ ۱۲ صفحہ ۱۵۲)

مولوی صاحب ۔ مولانا وحید الزماں خاں صاحب نے تو عبادہ کے مسئلہ کی پوری تحقیق کردی۔

حسینی بیگم۔ اور یہ بھی تم نے سُنا کہ ابن عربی صاحب کو خود بڑے بڑے علماء نے کافر کہا ہے۔ بلکہ تمہارے مولانا ابن تیمیہ بھی ابن عربی صاحب کو کافر کہتے تھے۔ جناب مولانا نواب صدیق حسن خاں صاحب۔ نوبانی نے تحریر فرمایا ہے وشیخ الاسلام ابن تیمیہؒ تکفیر ابن عربی می کند یعنی شیخ الاسلام علامہ ابن تیمیہ صاحب ابن عربی کو کافر کہتے تھے۔

(دلیل الطالب صفحہ ۱۵۹)

اور حضرت مولانا شاہ عبدالعزیز صاحب دہلوی مصنف تحفہ اثنا عشریہ نے تحریر فرمایا ہے
سوال :- باوصف صحۃ حدیث خلافۃ الخلافۃ بعدی ثلثون سنۃ و ترک خلافۃ حضرت
امام حسن رضی بجہت استماع ہمیں حدیث پس حضرت امام حسین رضی بہ کدام دعوے از مکہ معظمہ
برآمدہ در کربلا شہید شدند۔ وعلاوہ حدیث متواتر در مشکوٰۃ وغیرہ موجود است کہ اکثر بادشاہان
ظالم خواہند بود و بسیار ظلم خواہند کرد صحابہ عرض نمودند کہ در آں وقت مسلمانان تعرض از
بادشاہان نہ خواہند کرد حضرت علیہ السلام فرمودند کہ مسلمانان را نمی رسد کہ از بادشاہ
وقت کہ بہ تسلط سلطنت گرفتہ باشد تعرض نمایند ورنہ آں مسلمانان خود ظالم و باغی خواہند
گردید پس حضرت امام حسین رضی چرا مقابلہ کردند و سلطنت یزید از روئے تسلط ظاہر و ثابت
است -جواب :- خروج حضرت امام حسین علیہ السلام بنا بر دعوے خلافۃ راشدہ پیغامبر
کہ بمرور سی سال منقضی گشت نبود بلکہ بنا بر تخلیص رعایا از دست ظالم بود- واعانۃ المظلوم
علی الظالم من الواجبات -وانچہ در مشکوٰۃ ثابت است کہ حضرت از بغی و خروج بر بادشاہ وقت
اگرچہ ظالم باشد منع فرمودہ اند پس در آں وقت است کہ آں بادشاہ ظالم بلا مبازع ومزاحم
تسلط تام پیدا کردہ باشد۔ وہنوز اہل مدینہ واہل مکہ واہل کوفہ بہ تسلط یزید پلید راضی
نہ شدہ بودند ومثل حضرت امام حسین وعبداللہ بن عباس وعبداللہ بن عمر وعبداللہ بن زبیر رضی اللہ
عنہم بیعۃ نہ کردہ۔ بالجملہ خروج حضرت امام حسین رضی برائے دفع تسلط او بود نہ برائے رفع تسلط
وانچہ در حدیث ممنوع است آں خروج است کہ برائے رفع تسلط سلطان جائز باشد
والفرق بین الدفع والرفع ظاہر مشہور فی المسائل الفقہیۃ۔ اس کا ترجمہ یہ ہے۔
سوال :- باوجودیکہ آنحضرت صلعم کی یہ حدیث کہ میرے بعد خلافۃ صرف تیس سال رہیگی
صحیح ہے اور باوجودیکہ حضرت امام حسن رضی نے اسی حدیث کو سنکر خلافۃ کو ترک کر دیا تھا
پھر حضرت امام حسین رضی کس دعوی کی بنا پر مکہ معظمہ سے تشریف لاکر کربلا میں شہید ہو گئے۔
اور علاوہ حدیث متواتر کے مشکوٰۃ شریف وغیرہ میں لکھا ہے کہ آنحضرت صلعم نے فرمایا کہ اکثر
بادشاہ ظالم ہی ہونگے اور وہ بہت ظلم کرتے رہیں گے۔ اس پر صحابہ نے عرض کی کہ اُس
وقت کے مسلمان اُن بادشاہوں سے مقابلہ یا اونکی مخالفۃ کریں یا نہیں؟ حضرت صلعم نے

فرمایا کہ مسلمانوں کو مناسب نہیں ہے کہ اس بادشاہ سے جس نے اپنے تسلط سے سلطنت کو حاصل کرلیا ہو مقابلہ یا اسکی مخالفت کریں۔ اگر اس وقت کے مسلمان ان ظالم بادشاہوں سے مقابلہ کرینگے تو خود ہی ظالم اور باغی ہو جائیں گے۔ پس باجود اس حدیث کے حضرت امام حسینؓ نے کیوں مقابلہ کیا اس لئے کہ یزید کی سلطنت تو اسکے تسلط کی وجہ سے قائم اور ثابت ہو چکی تھی۔ جواب: حضرت امام حسین علیہ السلام نے خلافت راشدہ کے دعوے کے مطابق یزید سے مقابلہ نہیں کیا کیونکہ خلافت راشدہ تو آنحضرتؐ کی حدیث کے مطابق تیس سال گزرنے پر ختم ہو چکی تھی۔ بلکہ حضرت نے یزید کی مخالفت اس غرض سے کی کہ مسلمان رعایا کو ظالم (یزید) کے پنجہ سے نجات دلائیں۔ اور یہ معلوم ہے کہ مظلوم کو ظالم کے ظلم سے بچانا اور اسمیں مظلوم کی ہر طرح مدد کرنا واجب ہے اور مشکوٰۃ شریف میں جو یہ حدیث ہے کہ آنحضرت صلعم نے ہر بادشاہ وقت سے اگرچہ وہ ظالم ہو مقابلہ یا بغاوت اور مخالفت کرنے کو منع فرمایا ہے تو یہ اس وقت کے لئے ہے جب وہ بادشاہ بغیر کسی روکنے یا اعتراض یا مقابلہ کرنے والے کی مخالفت کئے ہوئے پورا تسلط پیدا کرلے مگر یزید پلید کو تو ایسا تسلط ہوا نہیں تھا کیونکہ ابھی مدینہ، مکہ اور کوفہ والے اس کے تسلط سے راضی نہیں تھے اور حضرت امام حسین و عبداللہ بن عباس و عبداللہ بن عمر و عبداللہ بن زبیرؓ ایسے لوگوں نے اسکی بیعت نہیں کی تھی۔ مختصر یہ کہ حضرت امام حسینؓ نے یزید سے مقابلہ اور اسکی مخالفت کی وہ صرف اسلئے کہ ظالم یزید کا تسلط نہ ہونے دیں نہ اس لئے کہ اس کا تسلط ہو چکا تھا اسکے اٹھانے کے لئے حضرت آمادہ ہوئے۔ اور حدیث میں جو بات منع کی گئی ہے وہ یہی ہے کہ جب بادشاہ ظالم کا تسلط ہو چکا ہو اسکو نہ اٹھاؤ۔ یہ منع نہیں ہے کہ کسی ظالم کا تسلط ہی نہ ہونے دو اور اس بات میں کہ کسی ظالم بادشاہ کا تسلط ہونے ہی نہ دیا جائے اور اسمیں کہ اس کا جو تسلط ہو چکا اسکو اٹھا دیا جائے بہت فرق ہے جو فقہ کے مسائل میں مشہور ہے (فتاویٰ عزیزی جلد ۱ صـ۲۱)

مولوی صاحب۔ واہ۔ واہ۔ واہ۔ مولانا شاہ عبدالعزیز صاحب دہلوی علیہ الرحمہ نے کیسی باریک بات پیدا کی ہے۔

حسینی بیگم - بے شک انکا کیا کہنا ہے۔ اس سے حضرت نے بالکل واضح کردیا کہ حضرت امام حسین علیہ السلام پر واجب تھا کہ یزید سے مقابلہ اور اُس سے مخالفت کریں تا کہ مسلمان اسکے ظلم سے بچیں۔ اور حضرت علامہ جناب مولانا عبدالحی صاحب فرنگی محلی لکھنوی رحمۃ اللہ نے بھی اس بات کو سمجھا کر لکھا ہے چنانچہ تحریر فرمایا ہے" بعضے در شان وے براہ افراط و موالاۃ رفتہ می گویند کہ وے بعد از آں کہ باتفاق مسلمانان امیر شد اطاعتش برامام حسین واجب شد۔ و نہ دانستند کہ وے باوجود امام حسین امیر شود؟ اتفاق مسلمانان کے شد؟ جماعتے از صحابہ و اولاد صحابہ خارج از اطاعۃ او بودند۔ و برخے کہ حلقۂ اطاعۃ او بہ گردن انداختند چوں حال او از شرب خمر و ترک صلوۃ و زنا و استحلال محارم معاینہ کردند بمدینہ منورہ باز آمدند و خلع بیعۃ کردند یعنی بعض لوگ یزید کے بارے میں افراط اور محبت کی راہ سے کہتے ہیں کہ جب یزید مسلمانوں کے اتفاق سے امیر ہوگیا تو امام حسینؑ پر بھی اسکی اطاعۃ واجب ہوئی حالانکہ وہ نہیں سمجھتے کہ امام حسینؑ کے ہوتے ہوئے کیا یزید خلیفہ ہو بھی سکتا تھا؟ ان مسلمانوں کا اتفاق کب ہوا؟ صحابہ اور اولاد صحابہ سے ایک جماعۃ اسکی اطاعۃ سے تو خارج ہی تھی۔ اور کچھ لوگوں نے جو اوسکی بیعۃ کرلی تھی جب اوسکی شرابخواری۔ نماز چھوڑے رہنے۔ زنا کرنے ماں بہنوں سے منہ کالا کرنے کو دیکھا تو مدینہ منورہ میں واپس آئے اور اسکی بیعۃ اپنی اپنی گردن سے نکال دی (مجموعہ فتاوے جلد ۳ صک)۔ اب تم ہی بتاؤ کہ جب یزید حاکم ہی نہ تھا تو پھر کوئی شخص اسکے خلاف ہوکر اور اس کا مقابلہ کرکے اس کا باغی کیونکر کہا جا سکتا ہے؟ یہ بات بھی قابل غور ہے کہ اگر حضرت امام حسینؑ باغی ہوتے تو خود حضرت رسولخدا صلعم کی روح آپ سے ناراض ہوتی اور آپ کے قتل کو آپکی بغاوۃ کی سزا سمجھتی مگر تمام کتابوں میں بھرا ہوا ہے کہ حضرتؑ کی شہادت کے بعد جناب ام سلمہ اور جناب ابن عباس نے جناب رسولخداؐ کو خواب میں دیکھا کہ بہت مصیبت زدہ اور غمناک ہیں جب ان لوگوں نے اسکی وجہ دریافت کی تو حضرتؐ نے فرمایا کہ ابھی میرا حسین قتل کیا گیا۔ بلکہ اگر حضرت باغی ہوتے تو خدا بھی حضرتؑ کے قاتلین سے غضبناک نہیں ہوتا حالانکہ اس کے غضب کے ذکر سے کتابیں بھری ہیں (دیکھو سر الشہادتین و صواعق محرقہ)

چھبیسواں باب ۲۶

یزید کے فضائل کی بحث - یزید کی نبوت

مولوی صاحب - مولانا وحید الزماں خانصاحب اور مولانا عبدالحی صاحب وغیرہ یزید میں ہر برائی دکھاتے ہیں مگر حضرت علامہ مولانا ابن تیمیہ علیہ الرحمہ نے تو یزید کی فضیلت لکھی ہے۔ ذرہ منہاج السنۃ نکال لاؤ (انکے یہ کہنے پر حسینی بیگم نے منہاج السنۃ لاکر دیدی تو مولوی صاحب نے کہا) دیکھو اسمیں تحریر فرمایا ہے الناس فی یزید طرفان ووسط قوم یعتقدون انه من الصحابه او من الخلفاء الراشدین المهدیین او من الانبیاء یعنی یزید کے بارے میں مسلمانوں کے تین گروہ ہیں۔ بہت سے مسلمانوں کا اعتقاد ہے کہ وہ صحابہ سے تھا بلکہ خلفاء راشدین میں داخل تھا بلکہ پیغمبر تھا (منہاج السنۃ جلد ۲ ص ۲۴۷ و ص ۲۴۸)

حسینی بیگم - جی ہاں ایسے ایمان والے بھی تھے جو معاذاللہ یزید کو نبی اور پیغمبر جانتے تھے۔ علامہ ممدوح نے اپنی ایک دوسری کتاب میں بھی لکھا ہے اقوام یعتقدون انه کان اماما عادلا هادیا مهدیا وانه کان من الصحابة او اکابر الصحابة وانه کان من اولیاء الله تعالیٰ وربما اعتقد بعضهم انه کان من الانبیاء وانه کان من اولیاء الله ویقولون من وقف فی یزید وقفه الله علی نار جهنم یعنی مسلمانوں کی بہت سی قوموں کا اعتقاد ہے کہ یزید امام - عادل - ہادی - مہدی تھا وہ صحابی بلکہ صحابہ کرام سے تھا۔ اور یہ بھی اعتقاد رکھتے ہیں کہ یزید اولیاء اللہ سے تھا۔ اور بہت سے لوگوں کا اعتقاد ہے کہ یزید نبی تھا اور اولیاء خدا سے تھا اور یہ لوگ یہ بھی کہتے ہیں کہ جو شخص یزید کو خدا کا ولی اور پیغمبر نہ مانیگا اسکو اللہ جہنم کی آگ میں جھونک دیگا (وصیۃ کبریٰ از علامہ ابن تیمیہ مطبوعہ مصر ص ۳۰) اس عبارت سے معلوم ہوا کہ یزید کی نسبت مسلمانوں کا یہ اعتقاد بوجہ جلالت دربار نہیں تھا اور نہ بوجہ اسکی ظاہری شان و شوکت کے بلکہ اسکے مرنے کے بہت مدت کے بعد مسلمانوں میں یہ اعتقاد پیدا ہوا جو برابر قائم رہا اور اس اعتقاد کے

مسلمان حضرت مولانا ابن تیمیہ کے زمانہ تک کثرت سے تمام پھیلے ہوئے تھے۔
مولوی صاحب۔ سخت تعجب ہے کہ مسلمانوں نے یزید کا درجہ حضرت رسولخدا صلعم کے برابر کردیا اور اسکو حضرت ابوبکر صدیق اور حضرت عمر فاروق سے بھی بڑھادیا۔
حسینی بیگم۔ اگر حضرت ابوبکر صدیق و حضرت عمر فاروق رضی اللہ عنہم امام حسینؑ کو قتل کئے ہوتے تو انکا درجہ بھی زیادہ بڑھادیا گیا ہوتا۔
مولوی صاحب۔ مگر مولانا ابن تیمیہ نے یزید کی فضیلت کی ایک ایسی بات لکھی ہے جس سے مولانا وحیدالزماں خاں صاحب اور مولانا علیؔ صاحب کی بیان کردہ برائیاں جو اسکی لکھی ہیں حرف غلط ثابت ہوجاتی ہیں۔
حسینی بیگم۔ ذرہ پڑھو وہ کون سی بات ہے۔
مولوی صاحب۔ دیکھو لکھتے ہیں:۔ کان الصحابۃ رضی اللہ عنہم یغزون مع یزید وغیرہ فانہ غزا القسطنطنیۃ فی حیاۃ ابیہ معویہ رضؔ وکان معہ فی الجیش ابوایوب الانصاری رضی اللہ عنہ وذلک الجیش اول جیش غزا القسطنطنیۃ وفی صحیح البخاری عن ابن عمر رضی اللہ عنہما عن النبیؐ انہ قال اول جیش یغزو القسطنطنیۃ مغفور لھم یعنی صحابہ رضی اللہ عنہما یزید کی ماتحتی میں جاکر جہاد کرتے تھے۔ چنانچہ معویہ کی زندگی میں یزید نے قسطنطنیہ پر حملہ کیا تو جو لشکر اسکی ماتحتی میں تھا اسمیں حضرت ابوایوب انصاری بھی تھے۔ اور یہی وہ پہلا لشکر ہے جس نے قسطنطنیہ پر حملہ کیا تھا۔ اور صحیح بخاری شریف میں ہے کہ حضرت عبداللہ بن عمر بیان کرتے تھے کہ حضرت رسولخدا صلعم نے ارشاد فرمایا کہ قسطنطنیہ پر جو لشکر پہلے پہلے حملہ کریگا خدا اسکو بخش دیگا (منہاج السنۃ جلد ۲ صفحہ ۲۴۵ و ۲۵۲ وغیرہ)۔ اب تم ہی بتاؤ کہ جب حضرت رسولخدا صلعم نے ہی یزید کی مغفرت کی پیشین گوئی کردی تھی تو وہ جو چاہے کرے خدا اسکو ضرور بہشت میں داخل کرے گا۔ اسلئے کہ حضرت رسولخدا صلعم کی پیشین گوئی تو غلط نہیں ہوسکتی ہے۔
حسینی بیگم۔ ہاں یہ تو محال ہے کہ حضرت صلعم کی خبر غلط ہوجائے۔ مگر صحیح بخاری شریف میں یزید کا ذکر کہاں ہے جس سے یہ ثابت ہوسکے۔ مجھے تو یہ بھی یاد نہیں پڑتا

کہ بخاری شریف میں قسطنطنیہ کا ذکر ہو۔ تم تو اس کتاب سے بہت کام لیتے ہو۔ تمہیں یاد ہوگا۔ بتاؤ تو قسطنطنیہ کا ذکر کس پارے یا کس باب میں ہے۔

مولوی صاحب۔ مجھے بھی یاد نہیں پڑتا کہ یہ لفظ بخاری شریف میں آیا ہے۔ مگر ممکن ہے کہ اسمیں ہو اور ہم لوگوں کو خیال نہ ہو۔

حسینی بیگم۔ اگر بخاری شریف میں یہ لفظ نہیں ہے تو مولانا ابن تیمیہ سے سخت تعجب ہے کہ ایسی اجرءت کردی کہ جس چیز کا نام ہی صحیح بخاری میں نہ ہو اس کے بارے میں ایک مستقل روایت وضع کردیں اور اس پر عالی شان عمارت قائم کرلیں

مولوی صاحب۔ ہاں یہ بات تو نہایت درجہ قابل نفرت ہے۔

حسینی بیگم۔ مجھے صحیح بخاری شریف کی جو حدیث خیال پڑتی ہے یہ ہے قال النبیؐ اول جیش من امتی یغزون مدینۃ قیصر مغفور لھم یعنی فرمایا حضرت رسولخدا صلے اللہ علیہ وسلم نے کہ اول جیش (پہلا لشکر) میری امت کا جو قیصر کے شہر پر چڑھائی کریگا وہ مغفور ہے (صحیح بخاری جلد اول کتاب الجہاد باب ما قیل فی قتال الروم صنا۴۱ مطبوعہ دہلی) اس حدیث میں قسطنطنیہ کا ذکر نہیں بلکہ قیصر کے شہر کا ذکر ہے

مولوی صاحب۔ تو یہی شہر قسطنطنیہ ہوگا۔

حسینی بیگم۔ نہیں یہ ضروری نہیں کہ قیصر کا ہر شہر قسطنطنیہ ہی ہوجائے۔ اسکی سلطنت کا ہر شہر اسی کا شہر کہا جائیگا۔ میں اس حدیث کے متعلق جو سمجھی ہوں اسکو بیان کرلوں تب تم میری غلطی کو بتادینا۔

مولوی صاحب۔ اچھا بیان کرو۔

حسینی بیگم۔ سب سے پہلا شخص جس نے اس حدیث سے فضیلت یزید پر استدلال کیا مہلب ہے جو معاویہ کے وقت سے عبدالملک کے زمانہ تک عراق وغیرہ کا گورنر رہا ہے اور حجاج کے مخصوص مصاحبین میں تھا۔ پھر اس شخص کی محبت بنی امیہ اور ہوا خواہی وطرفداری یزید کا کیا کہنا ہے مگر الحمد للہ کہ ہمارے علماء مثلاً علامہ ابن حجر عسقلانی وعلامہ عینی وعلامہ قسطلانی وغیرہم نے شروح بخاری مثلاً فتح الباری وعمدۃ القاری وارشاد الساری وغیرہا

میں اس حدیث کی شرح میں مہلب کا قول اور ابن التین اور ابن المنیر کے جوابوں کو نقل کیا
اور خود بھی اسکی رد کی اور جوابات دیئے ہیں جو یہ ہے کہ لا یلزم من دخوله فی ذلک
العموم ان لا یخرج بدلیل خاص اذ لا یختلف اهل العلم ان قوله مغفور لهم
مشروط بان یکون من اهل المغفرة حتی لو ارتد واحد ممن غزاها بعد ذلک
لم یدخل فی ذلک العموم اتفاقا فدل علی ان المراد مغفور لمن وجد شرط
المغفرة فیه منهم (فتح الباری جلد ۱۱ صـ ۹۲ وقسطلانی جلد ۵ صـ ۹۴ وعینی جلد ۶ صـ ۶۴۹)
یعنی اس علم حکم میں یزید کے داخل ہونے سے یہ لازم نہیں آتا کہ وہ کسی دلیل خاص سے بھی
اس حکم سے خارج نہ ہو کیونکہ باتفاق اہل علم یہ مغفوریت مشروط ہے۔ اس امر کے ساتھ کہ
اس شخص میں مغفور ہونے کی صلاحیت اور اہلیت بھی موجود ہو۔ یہاں تک کہ اگر ان غازیوں
سے کوئی شخص بعد میں مرتد ہو جائے تو وہ باتفاق اس حکم عموم میں داخل نہ ہوگا۔ پس
ثابت ہوا کہ مغفوریت اسکے لئے ہوگی جسمیں شرط مغفوریت پائی جائے۔ انتہیٰ یہ مطلب
یہ ہے کہ جب یہ معلوم ہو گیا تو اس حدیث کی رو سے یزید کا مغفور ہونا لازم نہیں آسکتا
کیونکہ وہ مغفرت کا اہل ہی نہ تھا اور اسمیں شرط مغفوریت وصلاحیت مغفرت موجود ہی
نہیں تھی۔ پس وہ اس عموم حکم سے خاص اور اس سے خارج ہے اور اس کا اس حکم سے
خارج ہونا اور اسمیں داخل نہ ہونا بدلائل کثیرہ ثابت ہے منجملہ انکے قتل امام حسینؓ ہے
جسکی تصریح قسطلانی نے بھی کر دی۔ چنانچہ وہ کہتے ہیں:۔ وقد اطلق بعضهم
فیما نقله المولی سعد الدین اللعن علی یزید لما انه کفر حین امر بقتل
الحسینؓ واتفقوا علی جواز اللعن علی من قتله او امر به او اجازه او رضی
به والحق ان رضا یزید بقتل الحسینؓ واستبشاره بذلک واهانته اهل
بیت النبیؐ مما تواتر معناه وان کان تفاصیلها احادا یعنی بعضوں نے مطلقاً
کہا ہے جیسا کہ مولی سعد الدین تفتازانی بعض محققین سے نقل فرماتے ہیں کہ یزید اسی
وقت کافر ہو گیا جب اس نے قتل امام حسینؓ کا حکم دیا اور علمائے اہلسنت کا اتفاق ہے اس
امر پر کہ جس شخص نے امام حسینؓ کو قتل کیا یا اوس کا حکم دیا یا اوسکی اجازت دی یا اوس سے

راضی ہوا ان سب پر لعنت کرنا جائز ہے۔ اب علامہ قسطلانی فرماتے ہیں کہ حق یہ ہے کہ یزید کا قتل امام حسینؑ سے راضی اور خوش و مسرور ہونا اور اہلبیت نبوی صلعم کی اہانت کرنا بتواتر معنوی ثابت ہے اگرچہ اسکی تفاصیل احادسے ملی ہیں انتہیٰ۔ اب زیادہ تحقیق و تفصیل کی ضرورت نہیں ہے۔ علامہ ابن تیمیہ یزید کی بخشش کی دلیل یہی دیتے ہیں کہ "معلوم ہے کہ اسلام میں سب سے پہلے جس فوج نے قسطنطنیہ پر لڑائی کی اس کا سپہ سالار یزید ہی تھا" تو آؤ تاریخ اسلام سے دریافت کریں کہ جس فوج نے قسطنطنیہ پر لڑائی کی اوس کا سپہ سالار کون تھا۔ اسلام کی سب سے بڑی اور مشہور جامع تاریخ کامل ابن اثیر کی ہے اوسکی جلد ۳ صفحہ ۱۸۱ مطبوعہ مصر میں یہ عبارت ہے فی ھذہ السنۃ وقیل سنۃ خمسین سیر معویۃ جیشا کثیفا الی بلاد الروم للغزاۃ وجعل علیھم سفیان ابن عوف اور تاریخ ابن خلدون مطبوعہ مصر جلد ۳ صفحہ ۹ میں ہے ثم بعث معویۃ سنۃ خمسین جیشاً کثیفاً الی بلاد الروم مع سفیان بن عوف یعنی معویہ نے سنہ ۵۰ھ میں ایک فوج کثیر ملک روم کیطرف سفیان بن عوف کی سرداری میں روانہ کی۔ ان عبارتوں سے ثابت ہوا کہ اس لشکر کا سردار یزید نہیں بلکہ سفیان بن عوف تھا۔ لہذا ابن تیمیہ صاحب کی عمارت پوری منہدم ہو گئی۔ ہاں ان کتابوں میں یہ ضرور ہے کہ معویہ نے اپنے بیٹے یزید کو بھی اس فوج کے ساتھ جانے کو کہا تو یزید ٹال مٹول کرنے لگا۔ معویہ نے چھوڑ دیا زیادہ اصرار نہیں کیا۔ پھر جب فوج کی پریشان حالی کی خبر مشہور ہوئی اور معویہ کو معلوم ہوا کہ یزید نے اس بارے میں چند شعر بھی کہے ہیں تو اس نے قسم کھائی کہ ضرور یزید کو وہاں جا کر اس فوج سے ملنا ہوگا۔ تب یزید دوسری فوج کے ساتھ جو معویہ نے بعد کو جمع کیا تھا روانہ ہوا۔ اوسمیں حضرت ابن عباس اور ابن عمر و ابن زبیر و ابو ایوب انصاری بھی تھے۔ اور علامہ عینی عمدۃ القاری جلد ۶ صفحہ ۴۹ میں اس لشکر کے متعلق لکھتے ہیں کہ غالباً یہ صحابہ کرام (ابن عباس وغیرہ) اصل لشکر میں سفیان بن عوف کے ساتھ تھے نہ یزید پلید کے ہمراہ کیونکہ وہ نالائق اس کا اہل نہ تھا کہ یہ جلیل القدر اصحاب اسکے ماتحت ہوں۔ ان تمام عبارتوں کا نتیجہ یہ نکلا کہ یزید نہ تو اصل لشکر کا امیر جیش تھا نہ افسر نہ سپہ سالار بلکہ وہ تو اس اول جیش

میں شریک نہیں ہوا۔ [illegible] زبردستی قسمیں [illegible] جبر و اکراہ ادھر روانہ
کیا۔ ایسی صورت [illegible] ہو سکتا ہے اور اول لشکر میں اس کا شمول کس طرح
ہوگا کیونکہ [illegible] فوج [illegible] کے سپہ سالار سفیان بن عوف تھے اور اسمیں یزید گیا
ہی نہیں۔ [illegible] سب سے پہلے قسطنطنیہ پر جو فوج لڑے گی اسکی
بخشش ہوگی۔ [illegible] فوج کے بعد جو فوج لڑے گی اسکی بخشش کا ذکر
نہیں ہے اور [illegible] ہوا کہ سب سے پہلی فوج سفیان بن عوف
کے ساتھ [illegible] اسکو کہا گیا [illegible] نہیں گیا۔ بعد کو دوسری فوج
[illegible] پہلی فوج [illegible] لے لئے۔ اور یزید
اس فوج میں [illegible] بعد کو نہیں مرا۔ یا قدرت نے یزید کو پہلی
فوج کے [illegible] حدیث صحیح بخاری [illegible]
[illegible] قدرت تو معلوم [illegible] قسطنطنیہ [illegible] پہلی فوج کے
ساتھ دوسری فوج [illegible] میں ہے [illegible] جو نہ جیتا
[illegible] سفیان بن عوف الی القسطنطینیة [illegible] الروم وحاصروا
[illegible] ابو ایوب
الانصاری [illegible] ابو ایوب الانصاری [illegible] یعنی [illegible] قسطنطنیہ
کی طرف ایک بڑی فوج [illegible] سفیان بن عوف کے ساتھ بھیجی وہ روم کے شہروں میں گھس گئے
اور قسطنطنیہ کا محاصرہ کر لیا۔ [illegible] ابن عباس۔ ابن زبیر ابو ایوب انصاری
بھی تھے۔ اور زمانہ محاصرہ میں ابو ایوب انصاری نے وہیں وفات پائی۔ انتہی۔ اس سے
معلوم ہوا کہ جس [illegible] ابن تیمیہ صاحب کر رہے ہیں اسکے تو شاہ (یزید) کا
پتہ ہی نہیں ہے۔

[illegible] بیان کرنے [illegible] ہے کہ یزید کی محبت میں ابن تیمیہ صاحب نے حدیث صحیح بخاری
کے الفاظ میں تحریف [illegible] مطلب کچھ کا کچھ ہو گیا۔ اس حدیث صحیح بخاری
[illegible] کتاب الجہاد [illegible] قال النبی اول جیش من امتی یغزون

مدینۃ قیصر مغفور لھم یعنی رسول خدا صلعم نے فرمایا کہ میری امت سے سب سے پہلی فوج جو قیصر کے شہر پر حملہ کریگی بخشی جائیگی۔ اس حدیث میں کہیں قسطنطنیہ کا لفظ نہیں ہے نہ معویہ کا نہ یزید کا۔ بلکہ صرف اوس فوج کا ذکر ہے جو سب سے پہلے قیصر کے شہر پر چڑھائی کریگی۔ پس اسی کی تحقیق کر لینے سے کہ آنحضرت صلعم کی امت سے سب سے پہلی کس فوج نے قیصر کے شہر پر چڑھائی کی اس حدیث کا فیصلہ ہو جائیگا۔ اگرچہ ہمارے بعض علماء اسکے متعلق لکھتے ہیں "کہ قرینہ غالب ہے کہ اس سے مراد شہر حمص ہو اس لئے کہ شام میں قیصر کا دارالسلطنت وہیں تھا۔ چنانچہ رسول خدا صلعم کا نامہ مبارک بھی ایلیا میں ملا تھا اسکے بعد وہ حمص میں مقیم ہوا اور وہیں اسکی فوج اور علماء روم بھی رہتے تھے جیسا کہ صحیح بخاری سے خود یہ ظاہر ہے۔ اور یہ شہر حمص اور ایلیا وغیرہ ۱۵ھ میں بزمانہ خلافت شیخین فتح ہوا تھا۔ اس وقت یزید رحم مادر میں بھی نہ تھا پھر کہاں کا غزوہ اور کس کی مغفرت" چنانچہ فتح الباری جلد ۱ صفحہ ۹۲ میں ہے وجوز بعضھم ان المراد بمدینۃ قیصر المدینۃ التی کان بھا یوم قال النبی تلک المقالۃ وھی حمص وکانت دار مملکتہ اذ ذاک یعنی بعضوں نے کہا ہے کہ قیصر کے شہر سے مراد اس کا وہ شہر ہے جس میں وہ اُس وقت تھا جب آنحضرت صلعم نے یہ حدیث بیان فرمائی تھی اور وہ شہر حمص ہے کیونکہ یہی اس وقت اس کا دارالسلطنت تھا۔ اور شیخ الاسلام شرح فارسی صحیح بخاری میں فرماتے ہیں "وبعضے تجویز کنند کہ مراد بمدینہ قیصر مدینہ باشد کہ قیصر در آں جا بود روزے کہ فرمود ایں حدیث را آنحضرت صلعم و آں حمص است کہ در آں وقت دارالمملکت او بود" (حاشیہ تیسیر القاری جلد ۴ صفحہ ۴۶۹) اس سے یہ تو صاف ہو گیا کہ اول جیش سے مراد وہ لشکر نہیں ہے جس نے قسطنطنیہ پر چڑھائی کی تھی اور نہ اس حدیث سے یزید کی مغفرت ثابت ہوتی ہے۔ لیکن پھر بھی ہمارے علماء کو ذرہ اشتباہ رہ گیا کیونکہ وہ حضرات مدینۃ قیصر سے خاص اس کا دارالسلطنت مراد لیتے ہیں جس سے کوئی قسطنطنیہ سمجھتا ہے اور کوئی حمص۔ لیکن الفاظ حدیث میں نہ دارالسلطنۃ کا ذکر ہے اور نہ دارالمملکۃ کا بلکہ صرف مدینۃ قیصر ہے اور اس سے ہر وہ شہر مراد ہے جو قیصر کی بادشاہت میں ہو لہذا اسکی تعیین اس لشکر سے ہوگی جو سب سے پہلے قیصر کے شہر میں گیا اور

یہ وہ لشکر ہے جو ۸ ہجری میں غزوہ موتہ کے لئے گیا تھا کیونکہ وہ حضرتؐ کی امت کا لشکر تھا اور سب سے پہلا لشکر تھا جو قیصر کے شہر کی طرف گیا ہے۔ زمانہ حال کے مشہور مورخ و علامہ اہل سنت مولوی شبلی صاحب اپنی کتاب سیرۃ النبی جلد اول صفحہ ۴۳ میں لکھتے ہیں "موتہ شام میں ایک مقام کا نام ہے جو بلقا کے اس طرف ہے۔۔ سلاطین اور رؤسا کو دعوت اسلام کے جو خطوط بھیجے گئے ان میں ایک خط شرحبیل بن عمرو کے نام تھا جو بصریٰ (حوران) کا بادشاہ اور قیصر کا ماتحت تھا۔ یہ عربی خاندان ایک مدت سے عیسائی تھا اور شام کے سرحدی مقامات میں حکمران تھا۔ یہ خط حارث بن عمیر لے کر گئے تھے۔ شرحبیل نے انکو قتل کر دیا اسکے قصاص کے لئے آنحضرت صلعم نے تین ہزار فوج طیار کر کے شام کی طرف روانہ کی۔ زید بن حارثہ کو جو آنحضرتؐ کے آزاد کردہ غلام تھے سپہ سالاری ملی" اس سے معلوم ہوا کہ موتہ قیصر کی سلطنت کا شہر تھا اور آنحضرت صلعم نے وہاں زید بن حارثہ کی ماتحتی میں فوج بھیجی لہذا اگر اس سے پہلے کوئی فوج آپکی امت کی ملک شام میں نہیں گئی تو اس حدیث صحیح بخاری کا مصداق یہی غزوہ موتہ ہوگا۔ اور تمام تاریخوں سے معلوم ہوتا ہے کہ اس غزوہ سے پہلے کوئی فوج مسلمانوں کی شام میں چڑھائی کے لئے نہیں گئی۔

چنانچہ تاریخ ابوالفدا جلد اول مطبوعہ مصر ۱۳۲۵ میں ہے:۔ "ثم کانت سنہ ۸ موتہ وھی اول الغزوات بین المسلمین والروم" یعنی پھر غزوہ موتہ ہوا اور مسلمانوں اور رومیوں (قیصر والوں) کے درمیان یہی پہلا غزوہ تھا۔ لہذا قطعاً پہلی فوج قیصر کے شہر پر چڑھائی کرنے والی اسی غزوہ موتہ کی تھی نہ کوئی اور۔ اسکو مختصر لفظوں میں یوں سمجھو کہ عدن انگریزوں کا شہر ہے کوئی شخص کسی عرب سے پوچھے کہ یہ کس کا شہر ہے تو فوراً کہ دیگا کہ "ھذہ مدینۃ انکلس" یہ انگریزوں کا شہر ہے۔ اور جدہ کو پوچھے تو فوراً کہ دیگا "ھذہ مدینۃ العرب" یہ عربوں کا شہر ہے۔ جس کا مطلب یہی ہوگا کہ عدن انگریزوں کے قبضہ کا اور جدہ عربوں کے قبضہ کا شہر ہے۔ اس کا یہ مطلب کوئی شخص نہیں سمجھے گا کہ عدن انگریزوں کا دار السلطنت اور جدہ عربوں کا پایہ تخت ہے۔ اسی طرح حضرتؐ کی حدیث میں مدینۃ قیصر کا مطلب ہے [illegible] ہو نہ وہ شہر جس میں

رہتا ہو۔ اگر پایۂ تخت یا دار السلطنت منا ہوتا تو حضرت مدینۃ قیصر نہیں فرماتے بلکہ
دار ملک قیصر یا دار مملکۃ قیصر یا دار الامارۃ روم یا دار الملک روم فرماتے۔ چنانچہ علامہ علی
بہجت وکیل دار الآثار العربیۃ کی کتاب قاموس الامکنۃ والبقاع مطبوعہ مصر ص ۱۲۶ میں ہے
القسطنطنیۃ اسمہا بیزنطیۃ نخرمہا قسطنطین الاکبر وبنی علیہا سورا
وسماہا باسمہ وصارت دار ملک الروم یعنی شہر قسطنطنیہ میں قسطنطین اکبر نے
قیام کیا تو اسکو اپنے نام سے موسوم کیا اور وہ رومیوں کا دار السلطنت ہو گیا۔ دیکھا تم نے
قسطنطنیہ کو مدینۃ قیصر نہیں کہتے بلکہ دار ملک الروم کہتے تھے۔ اسی طرح ص ۱۸۵ میں مدائن
کے متعلق "صارت دار الامارۃ یعنی مدائن حکومت کی جگہ ہو گیا" غرض کسی طرح مدینۃ
قیصر سے مراد اسکا پایۂ تخت نہیں ہے بلکہ اس کا معنی صرف "قیصر کا شہر" ہے اور پہلا لشکر
جو قیصر کے شہر میں گیا وہ غزوہ موتہ کے مجاہدین تھے جو زید بن حارثہ اور جناب جعفر بن
ابیطالب کے ہمراہ گئے تھے لہذا اس حدیث سے یزید کی مغفرت پر کسی طرح استدلال صحیح
نہیں ہو سکتا وہ اس وقت پیدا بھی نہیں ہوا تھا۔

مولوی صاحب۔ تم نے تو ایسی توضیح سے اس مسئلہ کی تحقیق کی کہ اسکے متعلق میں کچھ بول
ہی نہیں سکتا ہوں۔

حسینی بیگم۔ اب یزید کی مذمت بھی دیکھو کہ حضرت رسولخدا صلعم نے کس کس طرح فرمائی
تھی۔ علامہ عینی محدث حنفی نے تحریر فرمایا ہے:۔ وای منقبۃ کانت لیزید وحالہ مشہور
یعنی یزید کی کون سی فضیلت ہو سکتی ہے جب کہ اس کا حال (فسق و فجور۔ ظلم و ستم۔ اہانت اہل بیت
قتل سید الشہداء اور استحلال مدینہ و بے حرمتی حرمین شریفین وغیرہ) مشہور اور تمام جہان پر روشن
ہے (عمدۃ القاری جلد ۱۴ ص ۶۴۹) اور مولانا سیوطیؒ نے تحریر فرمایا ہے عن ابی ذر
سمعت رسول اللہ صلعم یقول اول من یبدل سنتی رجل من بنی امیۃ قال البیہقی یشبہ
ان یکون ہو یزید بن معاویۃ یعنی جناب ابوذر صحابی بیان کرتے تھے کہ میں نے حضرت
رسولخدا سے سنا فرماتے تھے پہلا آدمی جو میری سنت کو بدل دیگا وہ بنی امیہ کا ایک شخص ہوگا
امام بیہقی نے کہا کہ غالبا وہ شخص یزید بن معویہ تھا (خصائص کبری جلد ۲ ص ۱۳۸) حضرت

صلعم نے یہ بھی فرمایا کانی انظر الی کلب ابقع یلغ فی دماء اھل بیتی یعنی گویا میں اس چتلے کتے کو دیکھ رہا ہوں جو میرے اہل بیت کے خون کو چاٹیگا (کنز العمال جلد ۷ صفحہ ۱۱۱)

یہ بھی فرمایا یزید لا بارک اللہ فی یزید الطعان اللعان اما انہ نعی الی حبیبی وسخیلی حسین اتیت بتربتہ ورائیت قاتلہ اما انہ لایقتل بین ظھرانی قوم فلا ینصرونہ الا عمھم اللہ بعقاب یعنی یزید خدا یزید ... سے میرا اپنی برکت کو نہ استعمال کرے جو دین اسلام کو اس طرح زخمی کر دیگا جس طرح نیزہ ... مارنے سے جانور مجروح ہوجاتے ہیں جو بہ لوگوں تک پر لعنت کرے گا تو مجھے خبر دی گئی کہ میرا پیارا اور میری جان حسین اسی یزید کے حکم سے قتل کیا جائیگا میرے پاس اسکی قتل گاہ کی مٹی بھی لائی گئی اور مجھے اسکا قاتل بھی دکھایا گیا سن رکھو جس قوم کے درمیان میں وہ قتل کیا جائیگا اس قوم کے جو لوگ اس (حسین) کی مدد نہیں کرینگے اُن سب پر خدا کا عذاب نازل ہوگا (کنز العمال جلد ۶ صفحہ ۲۲۳) اور علامہ ابن حجر مکی نے تحریر فرمایا ہے قال رسول اللہ صلعم لا یزال امر امتی قائما بالقسط حتی یکون اول من یثلمہ رجل من بنی امیہ یقال لہ یزید یعنی حضرت رسولخدا صلعم فرمایا کرتے تھے کہ میری امت کا حال اُس وقت تک درست رہیگا کہ بنی امیہ سے ایک شخص جس کا نام یزید ہوگا ظاہر ہوگا اور وہ اس دین کو برباد کر دیگا۔ عن ابی الدرداء قال سمعت النبی صلعم یقول اول من یبدل سنتی رجل من بنی امیۃ یقال لہ یزید جناب ابو درداء نے سنا کہ حضرت رسولخدا صلعم فرماتے تھے سب سے پہلے جو شخص میری سنت کو بدل دیگا وہ بنی امیہ کا ایک آدمی یزید ہوگا۔ وکان مع ابی ھریرۃ رضی علم من النبی صلعم بما عندہ فی یزید فانہ کان یدعو اللھم انی اعوذبک من راس الستین وامارۃ الصبیان فاستجاب اللہ لہ فتوفاہ سنۃ تسع واربعین وکانت وفاۃ معویہ وولایۃ ابنہ سنۃ ستین فعلم ابو ھریرۃ بولایۃ یزید فی ھذہ السنۃ فاستعاذ منھا لما علم من قبیح احوالہ بواسطۃ اعلام الصادق المصدوق یعنی حضرت رسولخدا صلعم نے یزید کی مذمت میں جو حدیثیں فرمائی تھیں ان سے حضرت ابو ہریرہ کو یزید کے فسادات کا یقین ہوگیا تھا اسی وجہ سے وہ یہ دعا کیا کرتے تھے کہ اے اللہ میں سنہ ۶۰ھ

اور لونڈوں کی حکومت سے پناہ مانگتا ہوں تو خدا نے انکی دعا قبول کرلی اور انکو سنہ ۵۹ھ
میں ہی دنیا سے اٹھا لیا اور معویہ کی موت اور اسکے بیٹے یزید کی خلافت سنہ ۶۰ ہجری میں
شروع ہوئی۔ غرض حضرت ابوہریرہ کو معلوم ہو گیا تھا کہ سنہ ۶۰ ہجری میں یزید کی حکومت
شروع ہوگی اس وجہ سے وہ اس سال ہی سے پناہ مانگا کرتے تھے کیونکہ حضرت مخبر صادق ص
کی خبروں سے جناب ابوہریرہ کو یزید کے برے حالات اور خرابیوں کا پورا یقین ہو چکا تھا۔ وقال
نوفل بن ابی الفرات کنت عند عمر بن عبد العزیز فذکر رجل یزید فقال قال
امیر المومنین یزید بن معویۃ فقال تقول امیر المومنین فامر بہ فضرب
عشرین سوطا یعنی نوفل بیان کرتے تھے کہ میں خلیفہ عمر بن عبد العزیز کے پاس بیٹھا تھا
کہ ایک شخص نے کہا کہ امیر المومنین یزید نے یہ بات کہی تھی۔ اس پر خلیفہ عمر بن عبد العزیز
بگڑ گئے اور اس سے کہا تو یزید کو امیر المومنین کہتا ہے! پھر حکم دیا کہ اس کو بیس کوڑے
مارے جائیں کہ اس نے یزید کو امیر المومنین کیوں کہا (صواعق محرقہ ص ۱۳۲) اور علامہ
جلال الدین سیوطی نے تحریر فرمایا ہے عن عبد اللہ بن حنظلۃ بن الغسیل قال واللہ
ما خرجنا علی یزید حتی خفنا ان نرمی بالحجارۃ من السماء ان رجلا ینکح امہات
الاولاد والبنات والاخوات ویشرب الخمر ویدع الصلوۃ یعنی عبد اللہ بن حنظلہ بن
غسیل بیان کرتے تھے کہ خدا کی قسم ہم نے یزید پر اس وقت خروج کیا جب ڈر سے کہ اب جب رہتے
میں ہم لوگوں پر آسمان سے عذاب کے پتھر پھینکے جائیں گے۔ اللہ اکبر یہ شخص یزید ایسا
تھا کہ اپنی ماؤں اور بیٹیوں اور بہنوں سے جماع کرتا۔ شراب پیتا اور نماز چھوڑے رہتا تھا
(تاریخ الخلفاء ص ۱۴۲)

مولوی صاحب۔ ہاں یزید کی مذمت کہاں تک بیان کروگی بہت ہے۔ مولانا
شاہ سلامت اللہ صاحب نے یہ بھی لکھا ہے از انجملہ است حلت واباحت منہیات
شرعیہ از قبیل زنا و لواطت وشرب خمر وتزویج برادر با خواہر یعنی منجملہ ان برائیوں کے
یہ ہے کہ اس نے خدا کی حرام کی ہوئی باتوں جیسے زنا۔ لواطہ۔ شراب پینے اور بھائی کو بہن
بیاہنے کو حلال کردیا (تحریر الشہادتین ص ۱۰۲)

ستائیسواں باب ۲۷

یزید کے کفر اور خلافۃ کی بحث ۔ اُسپر لعنت کرنا جائز ہی یا نہیں

حسینی بیگم ۔ اسی وجہ سے علماء اعلام نے یزید کو کافر کہا ہے ۔

مولوی صاحب ۔ مگر یہ تو بڑی زیادتی ہے ۔ یزید خلیفہ کا فرزند تھا ۔ خود خلیفہ تھا مسلمانوں کا حاکم تھا وہ کافر کیسے ہو سکتا ہے ۔ تم جانتی ہو کہ ہم لوگ اس کو خلیفہ مانتے ہیں ۔ اگر اسکو خلیفہ نہ مانیں تو خلافۃ کا سلسلہ ہی نہیں ٹھیک ہوگا ۔ اسی وجہ سے مولانا جلال الدین سیوطی نے تاریخ الخلفاء میں یزید کو بھی خلیفہ لکھا ہے اور اسکے حالات درج کیئے ہیں ۔ پس اگر وہ خلیفہ نہیں ہوتا تو مولانا ئے ممدوح اپنی کتاب میں اسکا ذکر نہیں کرتے ۔ اور جو خلیفہ ہو اوسکو مسلمان ماننا ضروری ہے ۔

حسینی بیگم ۔ ہاں لوگ تو یزید کو خلیفہ ضرور مانتے ہیں حضرت رسولخدا صلعم نے جو فرمایا تھا کہ میرے بعد ۱۲ خلیفہ ہونگے ان بارہ کی فہرست پوری کرنے کے لیئے علماء نے جن خلفاء کا نام ذکر کیا وہ یہ ہیں: حضرت ابوبکر صدیق ۔ حضرت عمر فاروق ۔ حضرت عثمان غنی ۔ حضرت علی امیرالمومنین ۔ معویہ ۔ یزید ۔ عبدالملک ۔ ولید ۔ سلیمان ۔ یزید بن عبدالملک ۔ ہشام ۔ ولید بن یزید بن عبدالملک (کتاب شفاء از مولانا قاضی عیاض ص ۔ فتح الباری از علامہ ابن حجر عسقلانی جلد ۷ ص ۶۲۹ تاریخ الخلفاء ص ۷ شرح فقہ اکبر ص ۔ ازالۃ الخفاء ص ۳۰ وغیرہ)

مولوی صاحب ۔ پھر یزید کو کافر کیسے کہہ سکتے ہیں ؟

حسینی بیگم ۔ تم ہی انصاف کرو اور عقل سے بتاؤ کہ حضرت رسولخدا صلعم کی بات مانوگے یا علماء کی ۔

مولوی صاحب ۔ حضرت رسولخدا صلعم کے مقابلہ میں صحابہ اور خلفاء تو کوئی چیز ہی نہیں ہو سکتے ۔ علماء و محدثین کی کیا حقیقت ہے ۔

حسینی بیگم۔ تو حضرت ... رضی اللہ عنہ نے یزید کے بارے میں جو فرمایا پہلے بیان کر چکی کہ یزید دین اسلام کو تباہ و برباد کر دے گا۔ اب تم ہی بتاؤ کہ خدا و رسول ﷺ کے دین کو تباہ و برباد کرنا سو خدا کے خلیفہ کا کام ہو سکتا ہے یا کافروں کا؟

مولوی صاحب۔ چپ ہو گئے کچھ جواب نہیں دے سکے۔ کچھ دیر تک انتظار کرنے کے بعد حسینی بیگم نے پوچھا

حسینی بیگم۔ کچھ کہتے کیوں نہیں کہ جو شخص خدا اور رسول ﷺ کا دین ہی مٹانا چاہے وہ مسلمان رہ سکتا ہے۔

مولوی صاحب۔ نہیں میری عقل تو نہیں کہتی۔

حسینی بیگم۔ پھر جن لوگوں نے یزید کو خلیفہ رسول مانا انھوں نے خدا اور رسول کو جھٹلایا یا نہیں۔

مولوی صاحب۔ مگر علمائے کرام تو اس کو خلیفہ لکھتے ہیں۔

حسینی بیگم۔ بعض علمائے کرام تو اسکو نبی بھی لکھتے ہیں۔ پھر نبی بھی مان لوگے؟

مولوی صاحب۔ لاحول ولا قوۃ۔ ایسا شیطان نبی کیسے ہو سکتا ہے۔

حسینی بیگم۔ ... فسق و فجور ... اور ایسا شیطان خلیفہ رسول ہو سکتا ہے!

مولوی صاحب۔ ... کسی نے کہا بھی ہے۔

حسینی بیگم۔ بہت سے علمائے اہل سنت محققین نے لکھا ہے۔ چنانچہ جناب مولانا ... صاحب ... لکھتے ہیں ... اکابر محدثین و بزرگان دین مثلاً امام احمد بن حنبل و علامہ ابن جوزی و جلال الدین سیوطی و علامہ سعد الدین تفتازانی ... رحمہم اللہ تعالیٰ یزید کے کفر کے قائل ہیں اور سرے سے اُسے مسلمان ہی نہیں جانتے۔ پس جب یہ ثابت ہو گیا کہ یزید بے شک قاتل حسین و ہمین اہل بیت اور ... ہے تو یہی بڑی دلیل اسکے کفر کی ہے۔ اہل بیت اطہار کی اہانت و بے حرمتی۔ اُن کو ستانا اور سید شباب اہل الجنۃ لخت دل مصطفیٰ جگر گوشہ ... راحت جان زہرا محبوب خالق ارض و سما (القول جلد ۲) علیہ الصلوۃ والسلام

اللھم انی احبہ فاحبہ) شاہ کونین سیدنا و مولانا حضرت امام ہمام جناب امام حسین
صلوات اللہ وسلامہ علی جدہ وابیہ وامہ واخیہ وعلیہ وعلی محبیہ ومتبعیہ اجمعین الی یوم الدین
کو اس ظلم و جفا اور اس بے حرمتی سے قتل کرنا خود کفر ہے حسینؑ رسولخدا کے لاڈلے نواسے
تھے۔ اونکے ذرہ سا رونے سے آنحضرتؐ کو روحی تکلیف ہوتی تھی۔ اب غور کیا جا سکتا
ہے کہ حسینؑ مظلوم کے اس بیکسی و مصیبت میں ایسی بے رحمی سے قتل کئے جانے سے روح
رسولؐ کو کیسی کچھ اذیت پہونچی ہوگی جس کا ایک شمہ ابن عباسؓ و ام سلمہؓ کا خواب ہے۔ پس
حسینؑ کی ایذا دہی و بے حرمتی و اہانتہ اور اُنکے اہلبیت پر ظلم عین رسولخداؐ پر ظلم و جفا اور آپ
کی اہانتہ و ایذا دہی ہے۔ اور کون کہہ سکتا ہے کہ رسولخداؐ کی دشمنی و ایذارسانی و اہانتہ بہت ہی
بڑا کفر و بے دینی نہیں ہے؟ نعوذ باللہ من ذلک۔ اسی لئے اکثر محققین کہتے ہیں کہ انہ
کفر حین امر بقتل الحسینؑ۔ یعنی یزید بے شک اُسی وقت کافر ہو گیا جب کہ اُس نے
امام حسینؑ کے قتل کا حکم دیا... صاحبو! رسولخدا صلے اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا تھا کہ مسلمانو!
میں دو بڑی چیزیں چھوڑ جاتا ہوں۔ میرے بعد انھیں کے ساتھ تمسک کرنا۔ اگر تم ان کا
خیال رکھو گے۔ قدر کرو گے اور انکے ساتھ متمسک رہو گے تو گمراہی و ضلالت سے بچو گے۔
وہ دو چیزیں کیا ہیں۔ کلام اللہ و عترتی قرآن پاک اور میری عترت و اولاد اطہار۔
گویا آپ نے تمسک و عظمت کے لئے قرآن و اہل بیت کو برابر کیا تھا۔ تو اگر کوئی قرآن کی
توہین کرے۔ اُسے پامال کرے۔ اُس کے اوراق کو بے حرمتی سے۔ اسکی تذلیل کیلئے
منتشر کرے اور خوب جان بوجھکر علانیہ اسکی اہانتہ کرے۔ یا ان امور پر وہ راضی و خوش
ہو تو وہ مسلمان رہ سکتا ہے؟ اور کیا کلام اللہ کی اہانتہ کفر نہیں ہے؟ ضرور ہے۔
بس اسی طرح سمجھو کہ اہل بیت اطہار قرآن ناطق شان نزول آیۃ تطہیر کی اہانتہ بھی بلا ریب
کفر ہے۔ اور جس نے اہلبیت اطہار خصوصاً سیدنا امام حسینؑ کی بے حرمتی کی۔ انکی نعش کو
پامال کیا۔ اُنکو حد سے زیادہ ستایا۔ اور جو اونکی بے حرمتی و قتل سے خوش و راضی یا اسمیں شریک
ہوا یا اُسے گوارا کیا وہ ہرگز مسلمان نہیں ہے بلکہ فی الدرک الاسفل من النار.....
صاحب تفسیر روح المعانی یہ لکھکر فرماتے ہیں کہ علماء کی ایک جماعت نے یزید کے کفر کا یقین کیا۔

اور علامہ تفتازانی کہتے ہیں کہ ہم لوگ اس پر لعنت کرنے کے بارے میں بلکہ اسکے کفر کے بارے میں بھی کچھ توقف نہیں کرتے۔۔ سید آلوسی بغدادی نے اسکے بعد تاریخ ابن وردی و کتاب الوافی بالوفیات سے نقل کیا ہے کہ جب اسیران اہلبیت دمشق سے قریب ہوئے اور مقام جیرون کے ٹیلے پر چڑھے تو شہیدوں کے سر بلند ہوئے اور کوّے دیکھکر ٹائیں ٹائیں کرنے لگے۔ اُس وقت یزید۔۔نے دو شعر پڑھے جس کا آخری مصرع یہ ہے کہ ع

"فقد اقتضیت من الرسول دینی"

یعنی میں نے رسول سے اپنا بدلہ لیا (روح المعانی جلد ہشتم صفحہ ۱۲۶)

پھر اُن اشعار کا ذکر کیا ہے جو اتحاف لحب الاشراف و وسیلۃ النجاۃ و مفتاح النجاۃ وغیرہ دیگر کتب میں بھی منقول ہیں کہ بیت اشیاخی ببدر الخ جس کا یہ مطلب ہے کہ رسول خدا نے جنگ بدر میں میرے آباء کو قتل کیا تھا اُس کا بدلہ ہم نے آج اونکی اولاد کو قتل کیا اور خوب ہی بدلہ لیا۔ کاش میرے وہ اشیاخ جو بدر میں قتل کئے گئے زندہ ہوتے اور دیکھتے کہ ہم نے کیسا بدلہ لیا اور اخیر میں دو شعر اور بھی ہیں جو اتحاف صفحہ ۵۵ وغیرہ میں منقول ہیں جس کا مطلب ہے کہ محمد صاحب کے پاس نہ کوئی وحی نازل ہوئی نہ فرشتہ آیا۔ یہ سب بنی ہاشم نے ملک گیری کے ڈھنگ نکالے تھے۔ یہ پُراز کفر اشعار اگر اس کی زبان سے نکلے ہیں جیسا کہ علماء نے لکھا ہے تو بے شک اسکے کافر مردود ہونے میں ذرہ برابر بھی کوئی ادنیٰ شبہ باقی نہیں رہتا۔ جیسا کہ صاحب روح المعانی و صاحب اتحاف لحب الاشراف و صاحب تاریخ بن وردی و صاحب کتاب الوافی بالوفیات وغیرہم من العلماء نے فرمایا ہے۔ اپنی تفسیر جلد ۸ صفحہ ۱۲۶ میں علامہ سید آلوسی رحمۃ اللہ علیہ اُسکے بارے میں علماء کا اختلاف بیان فرماکر فرماتے ہیں کہ میرے گمان غالب میں بھی یہی ہے کہ وہ خبیث ہرگز مسلمان و مصدق رسالت نہ تھا جبکہ اُسکے تمام افعال و حرکات پر نظر کرتے ہیں اور دیگر قرائن و دلائل سے واضح ہوتا ہے (رسالہ شہادۃ حسین از صفحہ ۵۴ تا ۶۰)

مولوی صاحب۔ یہ تو بہت بڑے علماء کی فہرست ہوگئی جو یزید کو کافر کہتے ہیں۔

حسینی بیگم۔ اور تمہارے عقائد کی کس قدر مشہور کتاب شرح عقائد نسفی ہے جو کل

عربی مدرسوں میں ہمارے فاضل طلباء کو پڑھائی جاتی ہے۔ اسمیں بھی یزید کے ذکر میں صاف
لکھا ہے:۔ انہ کفر حین امر بقتال الحسین یعنی یقیناً یزید اُسی وقت کافر ہوگیا
جب اُس نے امام حسینؑ کے قتل کا حکم دیا (شرح عقائد نسفی مطبوعہ مصر ص۱۸۱) یہ بھی لکھا
ہے فنحن لا نتوقف فی شانہ بل فی ایمانہ یعنی ہم اسکے حال میں کوئی تردد بلکہ اس کے
کافر ہونے میں بھی کوئی شبہ نہیں کرتے (ایضاً ص۱۸۱) اور حضرات اہلحدیث کے بہت بڑے
علامہ مولانا نواب صدیق حسن خان صاحب نے بھی لکھا ہے۔ مثل امام احمد و امثال ایشان
و ابن جوزی لعن وے از سلف نقل نمودہ زیرا کہ وے وقت امر بقتل حسینؑ کافر شد
یعنی امام احمد بن حنبل اور انکے امثال اور ابن جوزی نے بزرگوں کے بارے میں
نقل کیا ہے کہ وہ یزید پر لعنت کرتے تھے کیونکہ اس نے جس وقت امام حسینؑ کے قتل کا
حکم دیا اُسی وقت کافر ہوگیا (بغیۃ الرائد ص۹) اور جناب مولانا عبدالحی صاحب
فرنگی محلی لکھنوی کے بارے میں مولانا شاہ [illegible] صاحب نے تحریر فرمایا ہے "حضرت
مولانا عبدالحی رحمۃ اللہ علیہ فرنگی محلی کے مجموعہ فتاوی میں بھی موجود ہے جناب مولانا نے
پاسداران یزید کی خوب خبر لی ہے اور بصاف لکھدیا ہے کہ از روے تحقیق و انصاف
کفریت و ملعونیت سے بھی اُس خبیث مردود کا درجہ بڑھا چڑھا ہے۔ دیکھو مجموعہ
فتاوی جلد دوم ص... فرماتے ہیں ... و بعضے گویند کہ وے امر بقتل امام حسینؑ نکردہ
و نہ بداں راضی بود نہ بعد از قتل وے و اہل بیتؑ وے مستبشر شد۔ و این سخن نیز باطل
است قال العلامۃ التفتازانی فی شرح العقائد النسفیۃ والحق ان رضا یزید
بقتل الحسین الی قولہ مما تواتر معناہ وان کان تفاصیلہ احادا و بعضے دیگر
گویند کہ قتل امام حسینؑ گناہ کبیرہ است نہ کفر و لعنت مخصوص بکفار است) و نادم بر فطانت
ایشان نہ دانستند کہ کفر یک طرف ایذائے رسول ثقلین چہ قدر دارد وقال اللہ
تعالی ان الذین یؤذون اللہ ورسولہ لعنہم اللہ فی الدنیا والآخرۃ الآیۃ یعنی
بعض کہتے ہیں کہ یزید نے امام حسینؑ کے قتل کا حکم نہیں دیا اور نہ اس پر راضی ہوا اور نہ حضرت
کے اور آپکے اہل بیت کے قتل سے خوش ہوا مگر یہ بات بھی بالکل غلط اور باطل ہے۔

چنانچہ علامہ تفتازانی نے شرح عقائد نسفی میں کہا ہے کہ حق یہ ہے کہ یزید کا امام حسینؑ کے قتل سے راضی ہونا اور اُس پر اپنی خوشی کا اظہار کرنا اور حضرت رسولخداؐ کے اہل بیت کی اہانت کرنا ان باتوں سے ہے جو متواتر ہیں۔ اگرچہ اسکی تفصیلیں احادیث ہیں۔ کچھ اور لوگ کہتے ہیں کہ امام حسینؑ کا قتل گناہ کبیرہ تو ہے مگر کفر نہیں ہے اور لعنت کافروں کے لئے خاص ہے ان لوگوں کی عقل و فہم پر قربان ہو جاؤں۔ انکو یہ بھی خبر نہیں کہ یزید کا کفر تو الگ رہا۔ خود حضرت رسولخداؐ کو اذیت پہونچانے کا کیا نتیجہ ہے۔ حالانکہ اللہ تعالیٰ نے فرمادیا ہے کہ جو لوگ اللہ اور اسکے رسولؐ کو اذیت پہونچاتے ہیں خدا اُن پر دنیا و آخرت میں لعنت کرتا رہیگا۔" (رسالہ شہادۃ حسینؑ صفحہ ۵۲)

مولوی صاحب۔ مگر یزید پر لعنت تو نہیں کرنی چاہئے۔ حضرت مولانا غزالی علیہ الرحمہ نے بھی احیاء العلوم میں اس سے منع کیا ہے اور شاید یزید نے توبہ بھی کرلی ہو۔

حسینی بیگم۔ جناب مولانا عبدالحی صاحب نے اسکے متعلق بھی تحریر فرمایا ہے لکھتے ہیں۔ "مخفی مباد کہ احتمال توبہ و رجوع از معاصی احتمالے است و الا آں بے سعادت آنچہ در اسلام کردہ ہیچ کس نکردہ باشد و پسرش معویہ بر سر منبر زشتی حال پدر خود بیان کردو بعضے بے باکانہ بلعن آں شقی تجویزمی سازند از سلف و اعلام امت امام احمد و امثال ایشاں بروے لعنت کردہ اند۔۔۔ و ابن جوزی کہ کمال عصبیت در حفظ سنت و شریعت می دارد در کتاب خود لعن وے را از سلف منقول کردہ علامہ تفتازانی بکمال جوش و خروش بروے و بر انصار و اعوان وے لعنت کردہ اند۔ یعنی پوشیدہ نہ رہے کہ یزید کے توبہ اور اپنے گناہوں سے رجوع کرنے کا خیال محض احتمال ہی احتمال ہے ورنہ اُس کمبخت نے اسلام میں جو کیا کسی نے بھی نہ کیا ہوگا۔ اور اسکے بیٹے معویہ نے بر سر منبر اپنے باپ کی برائیاں بیان کی ہیں اور بعض تو بہت بیباکی سے اس شقی پر لعنت کو تجویز کرتے ہیں۔ سابق بزرگوں اور امت کے ارکان و اعلام مثلاً امام احمد بن حنبل اور انکے امثال نے اس پر برابر لعنت کی ہے۔۔۔ اور علامہ ابن جوزی نے جو سنت و شریعت اسلام کی حفاظت میں نہایت متعصب واقع ہوئے ہیں اپنی کتاب میں ان علماء و

محدثین کا ذکر کیا ہے جو یزید پر لعنت کیا کرتے تھے۔ اور علامہ تفتازانی نے کمال جوش و خروش سے یزید اور اوسکے اعوان و انصار پر لعنت کی ہے" (مجموعہ فتاوی جلد ۳ صک)

اور جناب مولانا شاہ محمد سلیمان صاحب پھلواروی نے لکھا ہے " یزید کی لعنت کی بحث بالتفصیل تفسیر روح المعانی جلد ہشتم و صواعق محرقہ ، وسیلۃ النجاۃ و اتحاف بحب الاشراف و شرح عقائد نسفی وغیرہ وغیرہ میں دیکھنا چاہیے۔ ہم یہاں پر یزید پر لعنت بھیجنے کی مختصر بحث لکھتے ہیں... واضح ہو کہ بلا تخصیص اسم۔ قاتلین امام حسینؑ پر یا جس نے اونکے قتل کا حکم دیا یا اس امر سے راضی ہوا اس پر لعنت بھیجنے کے بارے میں کوئی اختلاف نہیں۔ چنانچہ اتحاف بحب الاشراف ص ۶۳ میں ہے:۔ قال السید السمهودی فی جواهر العقدین اتفق العلماء علی جواز لعن من قتل الحسینؑ او امر بقتله او اجازہ او رضی به من غیر تعیین یعنی سید سمہودی جواہر العقدین میں فرماتے ہیں کہ علماء کا اتفاق ہے اس شخص پر لعنت بھیجنے کے جواز میں جس نے حسینؑ کو قتل کیا یا اونکے قتل کا حکم دیا یا اس کو جائز رکھا۔ یا اس سے راضی ہوا بلا کسی کے نام کی تعیین کے اور ایسا ہی علامہ تفتازانی "شرح عقائد نسفی ص ۱۱۷ میں فرماتے ہیں واتفقوا علی جواز اللعن علی من قتله او امر به او اجازہ او رضی به۔ کہ لوگوں کا اس پر لعنت بھیجنے میں جس نے حسینؑ کو قتل کیا یا اس کا حکم دیا یا اُسے جائز رکھا یا اسکی اجازت دی یا اس سے راضی ہوا اتفاق ہے۔ اب اختلاف اسمیں ہے کہ آیا خاص کر یزید کا نام لیکر اس پر لعنت بھیجنا درست ہے یا نہیں... اوس پر بہ تخصیص اسم لعنت بھیجنے میں کوئی کلام نہیں۔ لیکن اکثر علماء کا خیال ہے کہ وہ مسلم ہے مگر فاسق ہے اور کوئی صریح دلیل اسکے کفر کی معلوم نہیں۔ اور کسی مسلمان پر اگرچہ وہ فاسق و فاجر ہو لعنت کرنا درست نہیں لہذا یزید پر بہ تخصیص اسم لعنت بھیجنا نادرست ہے۔ اور بعض لوگوں کا گمان ہے کہ یزید کا امام حسینؑ کا قاتل ہونا قطعی و یقینی طور سے ثابت نہیں۔ لہذا اس پر لعنت کرنا روا نہیں۔ لیکن انصاف یہ ہے کہ یہ بات مسلم اور پایہ ثبوت کو پہونچ گئی ہے اور بتواتر ثابت ہے کہ یزید ہی نے امام حسینؑ کو شہید کرایا۔ اسی نے ابن زیاد وغیرہ کو اس کا حکم

دیا اور آپکی شہادت اُس کا عین مطلوب تھا۔ اور آپکے قتل سے اُسے کمال مسرت و خوشی حاصل ہوئی جس پر عامہ کتب شاہد ہیں۔ اتحاف میں ہے ولاشک عاقل ان یزید بن معویہ ھو القاتل للحسین لانہ الذی ندب عبید اللہ بن زیاد لقتل الحسینؑ (اتحاف لحب الاشراف ص۶۶) کہ کوئی عاقل اسمیں شک کریگا کہ یزید بن معویہ ہی قاتل حسینؑ ہے کیونکہ اسی نے ابن زیاد کو آپکے قتل کا حکم دیا اور اس پر مستعد کیا اور ایسا ہی سید آلوسی بغدادی تفسیر روح المعانی جلد ہشتم ص۱۲۵ میں فرماتے ہیں کہ وامضاہ لقتل الحسین علے جدہ وعلیہ الصلوٰۃ والسلام واستبشارہ بذالک واھانتہ لاھل بیتہ مما تواتر معناہ وان کانت تفاصیلہ احادا (ترجمہ وہی ہے جو اوپر گزرا)....

اب ناظرین خود انصاف فرمالیں کہ یزید اور یزیدیوں پر لعنت بھیجنا جائز ہے یا ناجائز جب ایمان ہی ندارد ہے تو پھر لعنت کیوں ناجائز ہوگی؟ بزرگان و علماء متورعین و اسلاف نے یزید پر اور یزیدیوں پر لعنت بھیجی اور اس کو مطابق حکم خدا اور رسولؐ فرمایا اور قرآن و حدیث سے اس پر استدلال کیا ہے۔ تفسیر روح المعانی جلد ہشتم ص۱۵۲ میں زیر تفسیر آیہ فھل عسیتم ان تفسدوا الآیہ۔ ہے واستدل بھا ایضا علی جواز لعن یزید علیہ من اللہ تعالی ما یستحقہ۔ نقل البرزنجی فی اشاعتہ والھیتمی فی الصواعق ان الامام احمد لما سالہ ولدہ عبد اللہ عن لعن یزید قال کیف لا یلعن من لعنہ اللہ تعالی فی کتابہ فقال عبد اللہ قد قرأت کتاب اللہ عزوجل فلم اجد فیہ لعن یزید فقال الامام ان اللہ تعالی یقول فھل عسیتم ان تولیتم ان تفسدوا فی الارض وتقطعوا ارحامکم اولئک الذین لعنھم اللہ الآیۃ وای فساد وقطیعۃ اشد مما فعلہ یزید انتھی (تفسیر روح المعانی لسید الآلوسی البغدادی رحمۃ اللہ علیہ)

خلاصہ یہ ہے کہ اس آیت سے لعن یزید پر استدلال کیا گیا ہے۔ برزنجی نے اشاعہ میں اور ابن حجر ہیثمی مکی نے صواعق محرقہ میں نقل کیا ہے کہ امام احمد سے انکے صاحبزادے عبد اللہ نے پوچھا یزید پر لعنت کرنے کے بارے میں۔ تو امام احمد نے فرمایا جس پر خدا نے قرآن میں لعنت کی ہو اُس پر کیونکر نہ لعنت کی جائیگی۔ عبد اللہ نے کہا کہ میں نے قرآن میں یزید کی

لعنت نہیں پائی۔ آپ نے فرمایا۔ خدائے تعالیٰ قرآن شریف میں فرماتا ہے فھل عسیتم الآیۃ یعنی کیا اگر تم پیٹھ پھیر گئے[1] تو زمین پر فساد پھیلاؤ گے (معاصی و کفر سے) اور قطع رحمی کرو گے۔ یہی لوگ ہیں جن پر خدا نے لعنت کی ہے۔ اور کون سا فساد اور قطع رحم اس سے بڑھکر ہے کہ جو کہ یزید نے کیا۔ اور صواعق محرقہ صفحہ ۱۹۵ چھاپہ مصر میں ابن حجر فرماتے ہیں... یعنی یزید کے فاسق ہونے پر اتفاق علماء ہونے کے بعد اختلاف اس پر بتخصیص لعنت کرنے میں ہوا تو ایک گروہ نے اس کو جائز بتایا۔ ان مجوزین میں سے ایک ابن جوزی ہیں۔ انھوں نے جواز لعن کو امام احمد وغیرہ سے نقل کیا ہے اور اپنی کتاب میں فرماتے ہیں کہ مجھ سے کسی نے جواز لعن یزید کے متعلق سوال کیا۔ میں نے کہا یزید پر لعنت کرنے کو علماء متورعین نے جائز رکھا ہے۔ انہیں سے امام احمد بھی ہیں۔ انھوں نے یزید کے حق میں لعنت سے بڑھکر کہا ہے اور ایسا ہی اتحاف وغیرہ میں بھی مذکور ہے۔ اور الاتحاف بحب الاشراف صفحہ ۶۳ و ۶۴ میں ہے کہ علامہ ابن جوزیؒ نے قاضی ابو یعلیٰ سے بالاسناد روایت کی ہے کہ صالح بن امام احمد نے فرمایا میں نے والد ماجد سے لعن یزید کو پوچھا۔ فرمایا جس پر خدا نے لعنت کی ہو اس پر کیونکر نہ لعنت کیجائے۔ دیکھو خدائے عزوجل نے فرمایا ہے فھل عسیتم الآیۃ ... پس (جان پدر) قتل حسینؑ سے بڑھکر روئے زمین پر کون سا فساد ہوگا اور اس سے زیادہ کیا قطع رحم ہوگا۔ اور سنو خدا نے فرمایا ہے۔ اِنَّ الَّذِیْنَ یُؤْذُوْنَ اللّٰہَ وَ رَسُوْلَہٗ لَعَنَھُمُ اللّٰہُ فِی الدُّنْیَا وَ الْاٰخِرَۃِ یعنی جو لوگ خدا اور رسولؐ کو ایذا دیتے ہیں بے شک ان پر خدا نے دونوں جہان میں لعنت کی ہے اور حسینؑ جگر گوشۂ رسولؐ قرۃ عینِ بتولؑ کے قتل سے بڑھکر رسو خدا کی کون سی ایذا رسانی ہے۔ تفسیر روح المعانی کے اسی صفحہ میں ہے... یعنی بنا برین قول لعن یزید میں کوئی توقف نہیں بسبب اس کے کثرت

---

[1] میں کہتی ہوں کہ رسالہ شہادۃ حسینؑ میں اسی طرح لکھا ہے مگر یہ ترجمہ غلط ہے کوئی شخص پیٹھ پھیر کر کیسے فساد پھیلائیگا۔ صحیح ترجمہ یہ ہے کہ اگر تم حاکم اور بادشاہ ہوئے تو زمین پر فساد پھیلاؤ گے ۱۲ منہا

اوصاف خبیثہ اور ارتکاب کبائر کے اور اسکی لعنت کے لئے کافی ہیں وہ مظالم جو
جو اُس نے اپنے غلبہ کے زمانہ میں اہل مکہ و اہل مدینہ پر کئے۔ کیونکہ طبرانی نے بسند
حسن روایت کی ہے کہ رسولخدا صلے اللہ علیہ وسلم نے فرمایا خدایا! جو اہل مدینہ پر
ظلم کرے اور اُن کو خوف زدہ کرے اوسکو تو خوف زدہ کر اور اُس پر خدا کی اور ملائکہ اور
تمام لوگوں کی لعنت ہو۔ اور اس شخص سے نہ صرف اور نہ عدل (کوئی نیکی) قبول
نہ ہوگی۔ اور بڑی قیامت اُس نے یہ برپا کی کہ اہل بیت کے ساتھ سخت سے
سخت ظلم وستم سے پیش آیا (اور اونھیں ایذا دی اور سیدنا امام حسینؑ کو قتل کیا جو بتواتر
معنوی ثابت ہے)۔ او رحدیث شریف میں وارد ہے کہ چھ شخص ہیں جن پر میں نے
لعنت کی اور ایک روایت میں ہے کہ ان پر خدا نے لعنت کی اور ہر نبی مستجاب الدعوات
نے۔ وہ چھ شخص یہ ہیں خدا کی کتاب میں تحریف اور اسمیں کمی بیشی کرنے والا اور قضا
و قدر کا منکر و مکذب اور وہ شخص جو لوگوں پر متسلط ہو۔ اس لئے کہ جسے خدا نے
ذلت دی ہے اُسے وہ عزت دے اور جس کو خدا نے عزت دی ہے اوسکو وہ ذلیل
کرے۔ اور میری عترت و اولاد کی بے حرمتی کرنے والا۔ اور خدا کے حرم کی بے حرمتی کرنے
والا۔ اور میری روش کو چھوڑ دینے والا (یہ دو حدیثیں یزید پر لعنت بھیجنے کی پوری
موید ہیں کیونکہ اہل مدینہ پر اُس نے سخت ظلم کیا اور خوف زدہ کیا اور وہ متسلط بالجبروت
بھی تھا۔ خدا کے معزز بندوں کو ذلیل اور ذلیلوں کو معزز بنایا اور حرم بلکہ حرمین
کی سخت بے حرمتی واہانت کی اور کرائی اور اہل بیت و عترت رسولؐ کی بھی سخت سے
سخت توہین و بے حرمتی کی فعلیہ لعنۃ اللہ والنبیین والملائکۃ والناس
اجمعین)..... اور اس کو بالفرض تسلیم بھی کر لیا جائے کہ وہ کافر نہیں ہوا
تو اسمیں کوئی شبہ اور اختلاف نہیں ہو سکتا کہ وہ ایک ایسا مسلم ہے جس نے بے شمار فواحش
اور کبائر غیر محیط کو جمع کیا ہی اور ایسا ہی علامہ ابن حجر صواعق میں فرماتے ہیں۔ ملاحظہ ہو
صواعق صـ ۱۹۴ وعلی القول بانہ مسلم فھو فاسق شریر سکیر جائر یعنی
اس قول کی رو سے کہ وہ مسلم ہے مسلم فاسق، شریر، سکیر، بدمعاش، نشہ باز ظالم ہے

پھر سید آلوسیؒ فرماتے ہیں کہ ہم اس کی لعنت کے جواز میں تامل نہیں کرتے۔ اور نیز ابن زیاد وابن سعد اور اس کی جماعت پر لعنت کرنے میں ہمیں توقف نہیں۔ یہ لوگ بھی یزید سے ملحق ہیں۔ فلعنۃ اللہ عزوجل علیہم اجمعین وعلی انصارھم واعوانھم وشیعتھم ومن مال الیھم الی یوم الدین۔ مادمعت عین علی ابی عبد اللہ الحسین یعنی خدا کی لعنت ہو یزید وابن زیاد وابن سعد اور اس کی جماعت پر اور ان لوگوں کے اعوان وانصار اور انکے پاسداروں اور جو ان لوگوں کی طرف مائل ہو قیامت تک۔ جب تک آنکھیں امام حسینؓ کو روئیں۔ اور آخر میں لکھتے ہیں کہ جو اس طرح یزید اور یزیدیوں پر بوجہ احتیاط لعنت کرنے میں مضائقہ کرے وہ یوں کہے کہ خدا اس شخص پر لعنت کرے جو قتل امام حسینؓ سے راضی ہوا۔ اور جس نے اہلبیت رسولؐ کو ایذا دی ستایا۔ بلا قصور اور جس نے ان کا حق غصب کر لیا اس پر لعنت کرے۔ کیونکہ اس طرح لعنت کرنے کا کوئی بھی مخالف نہیں ہے سوائے ابن عربی مالکی اور اس کے دو چار ہم خیالوں کے کیونکہ ان کے خیال میں شاید اس شخص پر لعنت کرنا بھی جو قتل حسینؓ سے راضی وخوش ہوا ہو جائز نہیں ہو۔ وذلک لعمری ھو الضلال البعید الذی یکاد یزید علی ضلال یزید (تفسیر روح المعانی جلد ۸ ص ۱۳۹) اور واللہ یہ سخت ضلال بعید ہے جو یزید مرید کی ضلالت سے بھی بڑھا چڑھا ہے۔ اب ناظرین انصاف فرماویں کہ کتنے بڑے بڑے علماء اسلاف وائمہ نے یزید پر لعنت کی ہو... سب سے پہلے... حضرت ام المومنین ام سلمہ رضی اللہ عنہا ہوئیں کیونکہ اوپر مسند امام احمد کی یہ صحیح حدیث مذکور ہو چکی کہ ام سلمہؓ نے قاتلین امام حسینؓ پر لعنت بھیجی ہے کہ قتلوہ قتلھم اللہ عزوجل وذلوہ لعنھم اللہ۔ انکے بعد حضرت امام احمدؒ بن حنبل رحمۃ اللہ علیہ اور حضرت امام مالکؒ بروایتے۔ اور حضرت امام اعظم ابو حنیفہؒ بروایتے اور علامہ کیاہراسیؒ شافعی غزالی اور قاضی ابو یعلیؒ اور علامہ ابن جوزی اور علامہ شفارینی اور سید سمہودیؒ اور علامہ سعد الدین تفتازانیؒ اور علامہ جلال الدین سیوطی۔ اور علامہ سید آلوسیؒ وغیرہم وغیرہم من العلماء المحققین والمتورعین رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہم اجمعین (رسالہ شہادت حسینؓ ص ۶۱)

مولوی صاحب ۔ اب کہاں تک اسکے حوالے دیتی جاؤگی میں بھی مانتا ہوں کہ ہمارے ہزاروں علماء اور پیشوایان دین نے یزید پر لعنت کی ہے اور اس کا حکم دیا ہے مگر ہمارے بہت بڑے امام علامہ ابن تیمیہ رحمہ اللہ نے تحریر فرمایا ہے" لیکن کسی فاسق کو معین کر کے لعنت کرنا سنت نبوی میں موجود نہیں ۔ البتہ عام لعنت وارد ہے مثلاً نبی صلعم نے فرمایا چور پر خدا کی لعنت کہ ایک انڈے پر اپنا ہاتھ کٹوا دیتا ہے ۔ یا فرمایا جو بدعت نکالے یا بدعتی کو پناہ دے اس پر خدا کی لعنت (منہاج السنۃ جلد ۲ صفحہ ۲۵۱)

حسینی بیگم ۔ نہ معلوم علامہ ابن تیمیہ صاحب کیا لکھتے ہیں اور کس اصول سے لکھتے ہیں میں اوپر اونکی غلطی بتا چکی کہ حدیث میں تو مدینہ قیصر لکھا تھا جس کو علامہ موصوف نے قسطنطنیہ بنا دیا ۔ اب آپ دعویٰ کرتے ہیں کہ کسی فاسق کو معین کر کے لعنت کرنا سنت نبوی میں موجود نہیں " بہت اچھا علامہ موصوف تو اب موجود ہیں نہیں ۔ البتہ تم اون کے قول کی سچائی جانچو ۔ حضرت امام بخاری علیہ الرحمہ نے لکھا ہے قول النبیؐ لعن اللہ الیہود یعنی آنحضرتؐ کا ارشاد کہ خدا یہودیوں پر لعنت کرے (صحیح بخاری پارہ ۲ صفحہ ۲۹۰) اور معلوم ہی کہ یہود ایک معین فرقہ ہے ۔ ایک دفعہ حضرتؐ نے فرمایا کہ اے اللہ اپنے اوپر عمرو بن ہشام اور عتبہ بن ربیعہ اور شیبہ بن ربیعہ اور ولید بن عتبہ اور امیہ بن خلف اور عقبہ بن ابی معیط اور عمارہ بن ولید کی ہلاکی کو لازم فرمالے ۔ پھر یہ لوگ کنوئیں میں ڈالدیئے گئے تو حضرتؐ نے فرمایا اس کنوئیں والوں پر لعنت کیگئی ہے (صحیح بخاری پارہ ۲ صفحہ ۲۹۵) دیکھو اس کنوئیں میں وہی معین لوگ تھے جن پر آنحضرتؐ پہلے بددعا کرتے تھے ۔ جب وہ معین لوگ اس میں بھر دیئے گئے تو آنحضرتؐ نے اون پر لعنت کی ۔ حضرتؐ نے ایک موقع پر یہ بھی فرمایا اللھم العن شیبۃ بن ربیعۃ وعتبۃ بن ربیعۃ و امیۃ بن خلف یعنی اے اللہ تو لعنت کر اوپر شیبہ بن ربیعہ ۔ عتبہ بن ربیعہ ۔ اور امیہ بن خلف پر (صحیح بخاری پارہ ۷ صفحہ ۲۳۷) نام کی تعیین کے ساتھ لعنت کرنا کیا اس سے زیادہ ممکن ہی؟ اچھا اور سنو علامہ سیوطی نے لکھا ہے قال رسول اللہؐ یوم احد اللھم العن اباسفیان اللھم العن سھیل بن عمرو اللھم العن صفوان بن امیہ یعنی حضرت رسولخداؐ غزوہ احد میں فرماتے تھے اے خدا تو ابوسفیان

حرث بن ہشام ۔سہیل بن عمرو اور صفوان بن امیہ پر لعنت نازل کرتے رہناد تفسیر درمنثور جلد ۲ صدا) کہو آنحضرتؐ نے نام لیکر اور شخص کی تعیین کر کے لعنت بھیجی یا نہیں؟

اور سنو علامہ ابن حجر لکھتے ہیں انہ صلی اللہ علیہ وسلم لعن الحکم وما یخرج من صلبہ کہ حضرت رسولخدا صلعم نے حکم پر اور اسکی کل اولاد (بنی امیہ) پر لعنت کی ہے۔ (تطہیر الجنان صا) ۔ اور جب امام حسنؑ خلافت سے علیحدہ ہو گئے تو ایک موقع پر جہاں حضرت بھی تھے اور معویہ بھی تھا عمرو عاص نے حضرت علیؑ کو برا کہا ۔ پھر مغیرہ نے بھی ویسا ہی کیا ۔ اسکے بعد امام حسنؑ سے کہا گیا کہ آپ منبر پر جاکر ان دونوں کا جواب دیجئے تو حضرتؑ نے جا کر فرمایا اے عمرو عاص اور مغیرہ بتاؤ کہ حضرت رسولخدا صلعم نے ابوسفیان اور معویہ پر لعنت نہیں کی تھی ؟ دونوں نے کہا ہاں لعنت کی ہے (تطہیر الجنان ص۱۲۰ و نصائح کافیہ ص۹ وغیرہ) ۔ اب بولتے کیوں نہیں ۔ بتاؤ کہ تمہارے امام ابن تیمیہ صاحب نے صحیح لکھا یا غلط ۔

مولوی صاحب ۔ کیا کہوں کچھ کہا نہیں جاتا تم نے تو علامہ موصوف کا بھی پورا جواب دے دیا ۔

حسینی بیگم ۔ حضرت رسولخدا صلعم کے بعد حضرتؐ کے صحابہ کرام بھی معین لوگوں پر ان کا نام لیکر لعنت کرتے تھے ۔ جنکے ہزاروں واقعات ہیں ۔ صرف ایک واقعہ بیان کرتی ہوں ۔ علامہ ابن اثیر جزری نے لکھا ہے ثم عزلہ معویۃ فقال سمرۃ لعن اللہ معویۃ واللہ لو اطعت اللہ کما اطعتہ ما عذبنی ابدا یعنی جب معویہ نے سمرہ کو بصرہ کی گورنری سے معزول کر دیا تو اس نے کہا خدا معویہ پر لعنت کرے اگر میں خدا کی اطاعۃ اس قدر کئے ہوتا جتنی معویہ کی کی ہے تو وہ مجھ پر کبھی عذاب نہیں کرتا (تاریخ کامل جلد ۳ ص۱۹۵)

مولوی صاحب ۔ علامہ ابن تیمیہ نے یہ بھی تحریر فرمایا ہے کہ " دو باتیں ثابت کرنی چاہیئیں اول یہ کہ یزید ایسے فاسقوں اور ظالموں سے تھا جن پر لعنت کرنا مباح ہے اور اپنی اس حالت پر موت تک قائم رہا ۔ دوسرے یہ کہ ایسے ظالموں فاسقوں

میں سے کسی ایک کو معین کر کے لعنت کرنا جائز ہے" (منہاج السنۃ جلد ۲ ص۲۵۲)
حسینی بیگم - مگر میرے سابق بیانات سے دونوں باتیں ثابت ہو گئی ہیں۔ یزید کا اپنی حالت پر موت تک قائم رہنا سب علمائے کرام لکھتے آئے ہیں۔ اسی وجہ سے آج تک لوگ اس پر لعنت کرتے ہیں۔ اگر اس نے کبھی توبہ کی ہو تو کوئی صاحب ثبوت دیں ورنہ اصل جرم ثابت رہیگا۔ اور وہ کافر ہی سمجھا جائیگا۔ معلوم ہوتا ہے کہ اگر علامہ ابن تیمیہ صاحب آج زندہ ہوتے تو کل مسلمانوں کو حکم دیتے کہ جس قدر کافر مرا کریں وہ ان سب پر نماز پڑھا کریں۔ اور جب کوئی مسلمان پوچھتا کہ مولانا یہ تو کافر ہے۔ اس پر نماز کیسے پڑھیں تو غالباً وہ یہی جواب دیتے کہ "ثابت کرو کہ یہ کافر اپنی اس حالت پر موت تک قائم رہا" مگر تم معاف کرنا اگر میں کہوں کہ ہمارے یا تمہارے دوسرے علماء و پیشوایان دین جناب ابن تیمیہ کے خیال کے نہیں ہیں۔ وہ تو جب تک یزید کی توبہ کا ثبوت نہیں پالیں گے اس وقت تک اسکو کافر ہی سمجھتے اور اس پر لعنت ہی کرتے رہیں گے۔ ہمارے مشہور پیشوا مولانا شیخ عبدالحق صاحب محدث دہلوی بھی جو یزید سے تقریباً ہزار سال کے بعد ہوئے۔ یزید پر لعنت کرتے تھے چنانچہ تحریر فرمایا ہے۔

وجی برأسہ فی طشت حتی وضع بین یدی ابن زیاد لعن اللہ قاتلہ وابن زیاد معہ و یزید ایضاً یعنی امام حسینؑ کا سر مبارک ایک طشت میں ابن زیاد کے سامنے رکھا گیا۔ خدا حضرتؑ کے قاتل اور ابن زیاد اور یزید پر لعنت کرے"۔
(کتاب ماثبت بالسنۃ ص۱۵) - مولانا عبدالحق صاحب کا کیا ذکر ہے خود حضرت عائشہؓ بھی ایک طرح یزید پر لعنت ہی کرتی تھیں۔ چنانچہ اسی کتاب میں ہے:- عن عائشۃؓ یزید لا بارک اللہ فی یزید الطعان اللعان یعنی حضرت عائشہ فرماتی تھیں کہ یزید خدا یزید کے کسی کام میں برکت نہ دے جو طعان لعان تھا (ماثبت بالسنۃ ص۱۲) رہا یزید کو معین کر کے اس پر لعنت کرنا تو اسکو میں ابھی ثابت کر چکی ہوں۔ اور مولانا عبدالحی صاحب فرنگی محلی کی عبارت بھی سنا چکی ہوں جنھوں نے لکھا ہے کہ اسکے توبہ کا خیال بس احتمال ہی احتمال ہے۔ ورنہ اسکے واقعات کفر سے زمانہ واقف ہے۔

مولوی صاحب - علامہ ابن تیمیہؒ نے یہ بھی تحریر فرمایا ہے "اگر لعنت کا دروازہ اس طرح کھول دیا جائے تو مسلمانوں کے اکثر مُردے لعنت کا شکار ہو جائیں گے حالانکہ اللہ تعالیٰ نے مردہ پر نماز پڑھنے کا حکم دیا ہے نہ لعنت کرنے کا ......
(منہاج السنۃ جلد ۲ صفحہ ۲۵۲)

حسینی بیگم - اب تم ہی فیصلہ کرو کہ علامہ ممدوح کے ارشاد پر عمل کیا جائے یا قرآن شریف کے بیان پر جو مرنے کے بعد لعنت کرنے کا کیا ذکر ہے آخرت اور قیامت میں بھی لوگوں پر لعنت کرتا ہے۔ چنانچہ فرمایا ان الذین یرمون المحصنات الغافلات المومنات لعنوا فی الدنیا والاخرۃ یعنی جو لوگ پارسا مومنہ عورتوں پر تہمت لگاتے ہیں ان پر دنیا اور آخرت دونوں میں لعنت کی جاتی ہے (سورۂ نور) یہ بھی فرمایا ان الذین یؤذون اللہ ورسولہ لعنھم اللہ فی الدنیا والاخرۃ۔ یعنی جو لوگ اللہ اور اسکے رسولؐ کو اذیت پہونچاتے ہیں ان پر اللہ دنیا اور آخرت دونوں جگہ لعنت کرتا ہے (سورہ احزاب) اور پہلے میں بیان کر چکی ہوں کہ شہادت امام حسینؑ سے خدا و رسولؐ کو خاص اذیت ہوئی لہذا اس اذیت پہونچانے والوں پر خدا اور رسولؐ کی برابر لعنت ہوتی رہیگی - یہ بھی فرمایا ہے ومن یقتل مومنا متعمداً فجزائہ جہنم خالداً فیہا وغضب اللہ علیہ ولعنہ و اعدلہ عذاباً عظیما یعنی جو شخص کسی مومن کو عمداً قتل کرے اوسکی جزا جہنم ہے جسمیں وہ ہمیشہ رہیگا اور خدا اس پر غضبناک رہیگا اور اس پر لعنت بھی کرتا رہیگا اور اسکے لئے عذاب عظیم بھی مہیا رکھیگا (سورہ لنساء) اور علامہ ابن حجر مکی نے لکھا ہے کہ حضرت رسولخدا صلعم نے ارشاد فرمایا من آذانی فی عترتی فعلیہ لعنۃ اللہ یعنی جو شخص مجھے میری عترت کے بارے میں اذیت پہونچائے اس پر خدا کی لعنت ہے (صواعق محرقہ صفحہ ۱۴۳) اور پہلے تفصیل سے کہہ چکی ہوں کہ حضرت رسولخدا صلعم اور دوسرے بزرگان دین مستحق لعنت پر برابر لعنت کرتے رہے ہیں بلکہ جو لعنت کا مستحق ہو اس پر لعنت کرنا اس قدر مناسب ہے کہ حضرت رسولخدا صلعم نے آخر وقت تک اس کو نہیں چھوڑا۔ جب حضرت نے اسامہ کی ماتحتی میں

اپنے صحابہ کو بھیجا اور ان لوگوں نے جانے میں پہلو تہی کی تو حضرت غضبناک ہو کر فرمایا لعن اللہ من تخلف عن جیش اسامہ یعنی جو شخص اسامہ کے لشکر میں نہ جائے اُس پر خدا کی لعنت ہے (ملل و نحل شہرستانی مطبوعہ مصر جلد ا صت ۲۰)

اٹھائیسواں باب ۲۸

قاتلان امام حسینؑ کا عذاب

مولوی صاحب ۔ علامہ ابن تیمیہ نے ان لوگوں کی بھی خبر لی ہے جو حضرت حسین رضی اللہ عنہ کے قاتلوں کا عجیب غریب عذاب بیان کرتے ہیں ۔

حسینی بیگم ۔ علامہ صاحب نے کیا لکھا ہے ذرہ مجھے بھی سُنا دو ۔

مولوی صاحب ۔ ممدوح نے تحریر فرمایا ہے کہ "وہ حدیث جو قاتلین حسینؑ کے حق میں روایت کی جاتی ہے کہ رسول صلعم نے فرمایا حسینؑ کا قاتل آگ کے تابوت میں ہوگا اِس اکیلے پر آدھی دوزخ کا عذاب کیا جائیگا الخ تو یہ حدیث بالکل جھوٹی ہے ۔ کہاں آدھی دوزخ اور کہاں ایک حقیر آدمی ۔ فرعون اور دوسرے کفار و منافقین قاتلین ابنیا اور قاتلین مومنین اولین کا عذاب قاتلین حسینؑ سے کہیں زیادہ سخت ہوگا بلکہ حضرت عثمان کے قاتلوں کا گناہ بھی حسینؑ کے قاتلوں سے زیادہ ہے ۔" (منہاج السنۃ جلد ۲ صت ۲۵۶)

حسینی بیگم ۔ قلم اور کاغذ انکے اختیار میں تھا جو چاہتے لکھ دیتے ۔ جس حدیث کو چاہیں جھوٹی کہہ دیں اور جس کو پسند کریں موضوع بنا دیں ۔ میں تو انکے بارے میں کچھ بول نہیں سکتی مگر ہمارے علماء و ائمہ دین نے جو فرمایا اسکو تو عرض کر سکتی ہوں ۔ علامہ آمدی نے انکے بارے میں لکھا ہے کہ آپکا علم تو اچھا مگر عقل کم تھی ۔ اور علامہ صفوی نے لکھا ہے عقلہ ناقص یورطہ فی المھالک و یوقعہ فی المضایق یعنی ابن تیمیہ کی عقل ناقص تھی جو انھیں ہلکوں میں مبتلا کرتی اور پریشانیوں میں پھنساتی تھی ۔ اور علامہ ابن حجر نے درر کامنہ میں لکھا ہے کہ علامہ ابن تیمیہ نے احادیث موجودہ کو رد کر دیا اور موضوع کہا بہت سی مستند و معتمد حدیثوں کو غلط بتایا ۔ اور علامہ زرقانی نے شرح مواہب لدنیہ میں

لکھا ہے کہ ابن تیمیہ نے ایک نیا مذہب ایجاد کیا۔ انکی یہ حالت ہے کہ جب ان سے
کسی بات کا جواب بن نہیں پڑتا تو کہدیتے ہیں کہ یہ حدیث ہی جھوٹی یا موضوع ہے اور
علامہ ابن بطوطہ نے اپنے سفرنامہ میں لکھا ہے کہ ابن تیمیہ کی عقل میں فتور ہے۔
ایک جمعہ کو اونھوں نے وعظ میں بیان کیا کہ خدا عرش سے آسمان دنیا پر اس طرح
اُترتا ہے جیسے ہم اُترتے ہیں یہ کہکر اوپر کے زینے سے اُتر کر دوسرے زینے پر چلے آئے
اسی طرح اُنکے بارے میں بہت سی باتیں لکھی ہیں۔ کوئی صاحب کہتے ہیں کہ وہ تو
جسمیت خدا کے قائل تھے۔ کوئی صاحب فرماتے ہیں کہ وہ زندیق تھے۔ کسی کا خیال
ہے کہ منافق تھے۔ اور مولانا عبدالحلیم صاحب نے تحریر فرمایا ہے کہ ابن تیمیہ صاحب
اگرچہ حنبلی فرقہ سے تھے مگر خدا کی جہت اور جسمیت کے قائل ہوئے اور بہت سی بیہودہ
سرائیاں کیں۔ انھیں بُرے عقائد کی وجہت بار بار وہ قید کئے گئے اور آخر کار
قید ہی میں وہ مرے۔ انکی تحقیقات پر تم کب تک ناز کروگے۔ معاف کرنا۔ انھوں نے
خدا ہی کو اپنے ایسا بنا دیا تو اور باتوں کو کیا کچھ نہ لکھا ہوگا۔

مولوی صاحب خیر انکے بارے میں جو لکھا ہو مگر انھوں نے قاتلان حضرت
حسینؑ کے عذاب کے متعلق جو لکھا وہ تو صحیح ہے۔

حسینی بیگم۔ میری سمجھ میں تو نہیں آتا کہ کیونکر صحیح ہوسکتا ہے۔ اگر خدا قاتلان
حسینؑ پر سب سے زیادہ عذاب کرے تو خلاف عقل و نقل کس طرح ہوسکتا ہے خدا
نے حضرت رسولخدا صلعم سے فرمایا ہے لولاک لما خلقت الافلاک۔ اے رسولؐ
اگر تم نہ ہوتے تو میں افلاک تک کو پیدا نہ کرتا اور آنحضرت صلعم نے فرمایا حسین منی وانا
من الحسین کہ حسین مجھ سے ہیں اور میں حسینؑ سے ہوں (صواعق محرقہ صفحہ ۱۱۴) لہذا
امام حسینؑ کا قتل بعینہ حضرت رسولخداؐ کا قتل ہے۔ تو جو عذاب آنحضرت صلعم کے قاتل
کو ہوتا وہی امام حسینؑ کے قاتل کو ہوگا۔ دنیا ہی میں قاتلان امام حسینؑ کے اس
عذاب کو خدا نے دکھا دیا جو نہ فرعون کو ہوا نہ ہامان کو نہ قاتلان انبیاء و قاتلان
حضرت عثمان رضی اللہ عنہ کو۔ تم ہی زحمت کرو اگر کسی کافر یا ملحد یا قاتل انبیاء کو

ایسا عذاب ہوا ہو تو مجھے بتا دو۔ علامہ عبداللہ شبراوی نے لکھا ہے "جو لوگ امام حسینؑ کے قتل میں شریک تھے ان سے ایک شخص نے کہا کہ اہل عراق بھی کس قدر جھوٹے ہیں جو کہتے ہیں کہ امام حسینؑ کے قتل میں جو بھی شریک ہوا اس پر کوئی عذاب ضرور نازل ہوا خود میں آپ کے قتل میں شریک تھا مگر کوئی عذاب نہیں ہوا۔ یہ کہنے کے بعد وہ شخص چراغ درست کرنے کو اٹھا تو اسکے بدن میں اس چراغ کی لو لگ گئی اور مشتعل ہو گئی لوگوں نے اس کے بجھانے میں بڑی کوشش کی مگر بیکار رہی۔ وہ شخص اسی سے جل کر مر گیا اور دنیا میں بھی جلنے کا عذاب پا لیا" (کتاب الاتحاف مطبوعہ مصر ص۲۴) بتاؤ دنیا میں کسی اور کو ایسا عذاب ملا ہے؟ اور سنو علامہ ابوبکر بن شہاب الدین نے لکھا ہے "علامہ سبط ابن الجوزی نے واقدی سے بیان کیا ہے کہ کوفہ میں ایک نابینا شخص تھا جو قتل امام حسینؑ میں شریک تھا۔ ہم نے اس سے نابینا ہونے کی وجہ پوچھی۔ اس نے کہا میں صرف لشکر یزید میں موجود تھا۔ اسکے سوا کوئی کام نہیں کیا۔ نہ کوئی تلوار ماری نہ نیزہ لگایا۔ پھر حضرتؑ کے شہید ہو جانے کے بعد صحیح و سالم اپنے مکان پر آیا تو شب کو خواب میں دیکھا کہ ایک شخص نے کہا رسولخدا صلعم کے پاس چل۔ میں حضرت کے پاس حاضر ہوا اور سلام کیا تو حضرتؐ نے فرمایا اے دشمن خدا! او ملعون!! تجھ پر کبھی سلامتی نہ ہو۔ اور نہ خدا تجھے خوش رکھے۔ تو نے میرے حق کا کوئی خیال نہیں کیا اور میری ہتک حرمت کی؟ میں نے عرض کی یا حضرتؐ میں لڑا تو نہیں تھا۔ فرمایا ہاں لیکن تو نے لشکر یزید کی تعداد تو بڑھائی تھی!!! ناگاہ حضرت کے داہنی طرف ایک طشت دکھائی دیا جس میں امام حسینؑ کا خون بھرا تھا۔ حضرت رسولخدا صلعم نے ایک سلائی لیکر اور گرم کر کے میری آنکھ میں پھیر دی۔ پھر میں جگا تو اپنے کو اندھا پایا اور جب سے اسی حال میں ہوں" (رشفۃ الصادی ص۱۶۳) بتاؤ قاتلین انبیاء اور قاتلین حضرت عثمان کے لئے بھی ایسا کوئی عذاب تم بتا سکتے ہو؟ ایک اور بوڑھا شخص لشکر یزید میں تھا اوس نے بھی نہ کسی کو قتل کیا نہ اور کوئی کام کیا مگر صرف وہاں رہنے کی یہ سزا ملی کہ اندھا ہو گیا۔ لوگوں نے

اس سے پوچھا کہ کیا ہوا۔ اس نے کہا میں نے خواب میں حضرت رسولِ خدا صلعم کو دیکھا کہ مارے غصہ کے اپنی آستین اُلٹے ہوئے اور ہاتھ میں تلوار لئے ہوئے ہیں حضرتؐ کے سامنے ایک چمڑے کا بچھونا بڑا ہے۔ اُس پر دس آدمی جنہوں نے امام حسینؑ کو شہید کیا تھا ذبح کئے ہوئے پڑے ہیں۔ پھر حضرتؐ نے مجھ پر لعنت کی۔ مجھے بُرا کہا اور ایک سلائی جس میں امام حسینؑ کا خون لگا تھا میری آنکھوں میں پھیر دی۔ صبح کو میں اُٹھا تو بالکل اندھا تھا جب سے اسی طرح اندھا ہوں (اسعاف الراغبین ص۱۴۵)

ہمارے بہت بڑے عالم زہری علیہ الرحمہ کہتے تھے کہ جو لوگ امام حسینؑ سے لڑنے گئے تھے اُن سے ہر شخص نے قیامت کے پہلے دنیا میں بھی اپنی سزا ضرور پائی۔ یعنی ہر ایک کوئی نہیں بچا۔ یا تو وہ بھی بُری طرح قتل کیا گیا۔ یا اس کے منہ میں ایسی سیاہی لگا دی گئی کہ وہ ہمیشہ کیلئے روسیاہ ہو گیا۔ یا اس کا بدن اور کسی طرح خراب ہو گیا یا اُسکی بادشاہت تھوڑے دنوں میں مٹ گئی۔ ایک شخص نے حضرتؑ کے سر مبارک کو گھوڑے کی گردن میں لٹکا دیا تھا۔ تھوڑے ہی دنوں کے بعد لوگوں نے دیکھا کہ اس کا چہرہ کوئلہ سے بھی زیادہ سیاہ ہو گیا تھا۔ لوگوں کو اس سے بڑا تعجب ہوا۔ اُس سے پوچھا کہ تم تو عرب میں بڑے گورے اور چمکتے چہرے والے تھے۔ اب سیاہ آبنوس کیسے ہو گئے۔ اس نے کہا جب سے میں نے امام حسینؑ کے سر کو اپنے گھوڑے کی گردن میں لٹکایا کوئی رات ایسی نہیں ہوتی جس میں دو فرشتے خواب میں آ کر میرے دونوں بازو نہ پکڑتے اور آگ میں لے جا کر نہ ڈال دیتے ہوں جو خوب بھڑکتی رہتی ہے۔ میں اس سے بھاگتا ہوں مگر وہ میرے چہرہ سیاہ ہی کرتی جاتی ہے۔ اسی حال میں وہ شخص بُری موت مرا (اسعاف الراغبین ص۱۴۶) رہا قاتل امام حسینؑ پر آدھی دنیا کا عذاب ہونا" علامہ سید علی ہمدانی نے بھی لکھا ہے حضرت رسولِ خدا صلعم نے فرمایا کہ قاتل حسینؑ آگ کے تابوت میں ہوگا اس پر آدھی دوزخ کا عذاب کیا جائیگا۔ اسکے ہاتھ پاؤں آگ کی زنجیروں سے جکڑے ہونگے اور اسمیں اتنی سخت بدبو ہوگی کہ دوزخی تک خدا سے پناہ مانگیں گے۔ وہ ہمیشہ دوزخ میں پڑا جلتا رہیگا اور کھولتا ہوا پانی پلایا جائیگا (کتاب مودۃ القربیٰ

صہ ۱۴ مطبوعہ بمبئی) اور علامہ صبان نے بھی لکھا ہے عن المصطفیٰ[ع] انہ قال قاتل الحسین[ع] فی تابوت من نار علیہ نصف عذاب اھل الدنیا یعنی حضرت رسولخدا صلعم نے فرمایا کہ حسینؑ کا قاتل آگ کے ایک تابوت میں رکھا جائیگا اس اکیلے پر آدھی دنیا والوں کا عذاب ہوگا۔ (اسعاف الراغبین بر حاشیہ مشارق الانوار مطبوعہ مصر صہ ۱۴۳) اور خدا نے دنیا میں ایسا عذاب دکھا کر لوگوں کو سمجھا بھی دیا ہے کہ یہ کل حدیثیں ضرور صحیح ہیں چنانچہ ترمذی شریف میں جو صحاح ستہ میں داخل ہے یہ واقعہ مرقوم ہے کہ جب ابن زیاد کا سر رحبہ کی مسجد میں لاکر رکھا گیا تو لوگ سمجھے کہ آ گیا۔ آ گیا۔ ناگاہ ایک سانپ آیا ابن زیاد کی ناک میں گھسا اور پھر نکل گیا۔ اسی طرح کئی مرتبہ آیا گھسا اور نکل گیا۔ (جامع ترمذی مطبوعہ لکھنو صہ ۴۲۶ وغیرہ)۔ تم ہی غور کرو دنیا میں کسی اور شخص کی یہ ذلت خدا کی طرف سے کیگئی کہ اسکے مرنے کے بعد سانپ آکر اسکے نتھنوں کے دراز سے اسکے جسم میں گھستا اور نکلتا رہے۔ پھر قاتل امام حسینؑ پر تمام دنیا کا آدھا عذاب ہونے میں کیا عذر ہو سکتا ہے۔ جب خدا نے حضرت امام حسینؑ کے بدلے ایک لاکھ چالیس ہزار آدمیوں کے قتل کا وعدہ کیا تھا (سر الشہادتین صہ ۹۱ و کنز العمال جلد ۶ صہ ۲۲۳ وغیرہ) تو پھر آخرت میں حضرتؑ کے قاتل کو تمام دنیا کا نصف عذاب دے تو کیوں حیرت ہوگی۔

انتیسواں باب ۲۹

وہ قدرتی آثار جو واقعہ کربلا کے بعد ظاہر ہوئے

حسینی بیگم۔ بلکہ خدا کا غضب ان واقعات سے بھی ثابت ہے جو واقعہ کربلا کے بعد ظاہر ہوئے۔

مولوی صاحب۔ وہ کیا ہیں۔

حسینی بیگم۔ لو اور سنو۔ تم تو سب باتیں جان کر بھی انجان بنتے رہتے ہو۔ کیا تم نے بھی کتابوں میں اُن واقعات کو نہیں پڑھا۔ جیسے علامہ ابن اثیر

جزری نے لکھا ہے کہ واقعہ شہادت کربلا کے بعد دو تین مہینے تک طلوع آفتاب کے وقت سے کچھ دن چڑھے تک لوگوں کو ایسا معلوم ہوتا تھا کہ گویا مکانوں کی دیواریں خون آلود ہو رہی ہیں (تاریخ کامل جلد ۴ ص ۳۷) اور حضرت مولانا شاہ عبدالعزیز صاحب دہلوی رحمۃ اللہ علیہ نے لکھا ہے لما قتل الحسین مطرت السماء دما فاصبحنا وجبابنا وجرارنا وکل شئی لنا ملآن دما یعنی جب امام حسینؑ قتل ہوئے تو خدا نے آسمان سے خون برسایا اور لوگ صبح کو اٹھے تو دیکھا کہ انکے مشکوں اور برتنوں میں خون بھرا تھا۔ یوم قتل الحسین لم یرفع حجر من حجارة بیت المقدس الا وجد تحته دم عبیط۔ یعنی جب امام حسینؑ قتل کئے گئے تو بیت المقدس میں یہ حالت ہوئی کہ جو پتھر اٹھایا جاتا اسکے نیچے سے تازہ خون جوش مارتا ہوا نکلتا تھا یوم قتل الحسین اظلمت الدنیا ثلاثا ولم یمس منا احد من زعفرانهم شیئا یجعله علی وجهه الا احترق یعنی جس دن امام حسینؑ شہید ہوئے اُس روز سے تین روز تک دنیا بالکل تاریک ہی اور جو شخص اپنے چہرے پر زعفران ملتا تھا اس کا چہرہ جل جاتا تھا۔ علی ابن مسہر قال حدثتنی جدتی قالت کنت ایام قتل الحسین جاریة شابة فکانت السماء ایاما تبکی له۔ علی بن مسہر کی دادی کہتی تھیں کہ جب امام حسینؑ شہید ہوئے تو میں جوان لڑکی تھی کئی روز تک حضرتؑ پر آسمان روتا رہا۔ اصابوا ابلا فی عسکر الحسین یوم قتله فنحروها فصارت مثل العلقم فما استطاعوا ان یسیغوا منها شیئا یعنی جس روز امام حسینؑ شہید ہوئے لوگوں نے ایک اونٹ پکڑ کر ذبح کیا تو اس کا گوشت حنظل ایسا کڑوا ہوگیا کوئی شخص اس کو نہ کھا سکا (سر الشہادتین در تحریر الشہادتین ص ۴۵) اور علامہ ابن حجر نے لکھا ہے کہ "حضرت امام حسینؑ کی شہادت کے روز جو عجائب و غرائب ظاہر ہوئے ان میں سے ہے کہ آفتاب میں گہن لگ گیا اور دنیا اس قدر اندھیری ہوگئی کہ دن کو ستارے نظر آنے لگے اور جو پتھر اٹھایا جاتا اسکے نیچے سے تازہ خون اُبلتا تھا۔ دشمنوں کے

لشکر میں جو ماش کی دال تھی وہ راکھ ہو گئی۔ آسمان سرخ ہو گیا۔ لوگ خیال کرنے لگے کہ اب قیامت آ گئی۔ اور عثمان بن ابی شیبہ بیان کرتے تھے کہ امام حسینؑ کی شہادت کے بعد سات روز تک آسمان کی یہ حالت رہی کہ دیواروں پر معلوم ہوتا تھا سرخ چادریں پھیلا دی گئی ہیں۔ اور برابر ستارے ٹوٹتے رہے۔ اور علامہ ابن جوزی نے لکھا ہے کہ دنیا تین روز تک اندھیری پڑی رہی پھر آسمان میں سرخی نمودار ہوئی اور آسمان سے خون برستا رہا جس کا اثر کپڑوں پر ایسا گہرا ہوا کہ کسی طرح نہیں چھوٹا یہاں تک کپڑے پھٹ گئے مگر وہ رنگ نہیں گیا۔ اور جب امام حسینؑ کا سر دربار ابن زیاد میں لایا گیا تو وہاں کی دیواروں سے خون بہنے لگا۔ اور ثعلبی بیان کرتے تھے کہ شہادت امام حسینؑ پر آسمان روتا رہا اور اس کا رونا وہ سرخی ہے جو اس پر شام کو ظاہر ہوتی ہے۔ دوسرے علماء نے لکھا ہے کہ امام حسینؑ کی شہادت کے بعد آسمان کے کنارے چھ مہینہ تک سرخ رہے اسکے بعد یہ سرخی آسمان پر مستقل ہو گئی جو شام کو دکھائی دیتی ہے۔ اور ابن سیرین کہتے تھے کہ شام کو آسمان پر جو سرخی دکھائی دیتی ہے یہ شہادت امام حسینؑ سے پہلے نہیں تھی اور علامہ ابن سعد نے بھی یہی لکھا ہے کہ آسمان کی سرخی (جو شام کو ہوتی ہے) شہادت امام حسینؑ سے پہلے نہیں تھی۔ علامہ ابن جوزی کہتے تھے کہ اس سرخی کی حکمت یہ ہے کہ ہم لوگوں کو غصہ ہوتا ہے تو ہمارا چہرہ سرخ ہو جاتا ہے مگر خدا کے تو چہرہ ہی نہیں ہے اس وجہ سے اس نے اپنے غصہ کو جو اسکو امام حسینؑ کے قتل سے ہوا اسطرح ظاہر کیا کہ آسمان کے کناروں کو سرخ کر دیا تاکہ دنیا والوں کو معلوم ہو جائے کہ واقعہ کربلا کس قدر عظیم الشان حادثہ گزرا ہے۔ اور علامہ بیہقی نے لکھا ہے کہ جس روز حضرت علیؑ شہید کئے گئے اس روز بیت المقدس میں جو پتھر اٹھایا جاتا اس کے نیچے سے تازہ خون ابلتا تھا اور جس روز امام حسینؑ شہید ہوئے اس روز بھی یہی حال رہا۔ ایک دفعہ کچھ لوگ ذکر کرتے تھے کہ جو شخص امام حسینؑ سے لڑنے گیا وہ کسی نہ کسی عذاب میں ضرور پڑا۔ ایک بڈھے نے کہا میں بھی تو گیا تھا مگر کچھ نہیں ہوا۔ پھر وہ چراغ

جلانے اوٹھا تو اس کو آگ لگ گئی وہ چیخنے لگا۔ آگ۔ آگ۔ مگر کسی طرح نہیں بجھی پھر تو وہ فرات میں ڈوب گیا اسمیں بھی وہ جلتا ہی مرگیا۔ اور کتنے ایسے ہو کہ پیاس کے عذاب میں مبتلا ہوئے۔ پانی پیتے جاتے تھے مگر کسی طرح سیر نہیں ہوتے تھے (صواعق محرقہ ص ۱۱۶)۔ میں کہاں تک بیان کروں۔ ایسے ہزاروں واقعات ہیں۔ جن سب کے بیان کرنے کو ایک مدت دراز چاہیئے۔

تیسواں باب ۳۰

کیا امام حسنؑ نے معوّیہ کی بیعتہ کی تھی؟ امام حسینؑ نے بھی یزید کی بیعتہ کیوں نہیں کی؟ حضرت نے تقیہ کیوں نہیں کیا؟ لوگوں نے حضرت کو سمجھایا اور عراق جانے سے منع کیا تو آپ کیوں نہیں مانے؟

مولوی صاحب۔ البتہ ان سبھوں کا جرم ہی اتنا بڑا تھا کہ انکو دنیا میں بھی جو سزا ملی وہ کم ہی تھی مگر جس طرح حضرت حسن رضی اللہ عنہ نے حضرت معویہ کی بیعتہ کر لی تھی حضرت حسین رضی اللہ عنہ بھی یزید کی بیعتہ کر لیتے تو نہ خود وہ شہید ہوتے نہ اسلام میں اتنا بڑا حادثہ پیش آتا۔

حسینی بیگم۔ حضرت امام حسنؑ نے بھی تو معویہ کی بیعتہ نہیں کی تھی۔ بلکہ صرف صلح کی تھی۔ تاریخ ابوالفدا جلد ۱ ص ۱۸۲۔ تاریخ الخلفاء ص ۱۳۰ تاریخ کامل جلد ۳ ص ۱۶۱ تاریخ طبری جلد ۶ ص ۹۲ وغیرہ میں صلح کا ذکر ہے مگر بیعتہ کا کسی نے نام بھی نہیں لیا۔

مولوی صاحب۔ تاریخوں میں نہیں ہونے سے کیا ہوتا ہے۔ حدیث کی کتابوں میں ہوگا کہ حضرت حسنؑ نے معویہ کی بیعتہ کی تھی۔

حسینی بیگم۔ حدیث کی کتابوں میں صحیح بخاری شریف سے بہتر کوئی کتاب نہیں ہے اسکے پارہ ۲۰ کتاب الصلح (مطبوعہ دہلی ص ۱۸۵) میں صلح امام حسنؑ کی پوری تفصیل درج

درج ہے۔ اسمیں تو کہیں بیعت کا ذکر نہیں ہے۔ جناب مرزا حیرت صاحب دہلوی نے
صحیح بخاری شریف کا اردو ترجمہ بھی چھپوا دیا ہے اس سے اس کا ترجمہ پڑھتی ہوں
حسن بصری کہتے ہیں کہ خدا کی قسم حسن بن علی حضرت معویہ کے مقابلہ پر پہاڑوں
کے مثل لشکر لے گئے تھے تو حضرت عمرو بن عاص نے حضرت معویہ سے کہا میں حسن
بن علی کے ہمراہ ایسے جنگی لشکر دیکھ رہا ہوں کہ وہ جب تک اپنے حریفوں کو قتل نہ کریں
پیٹھ نہ پھیریں گے تو اُن سے حضرت معویہ نے کہا اور خدا کی قسم وہ ان دونوں یعنی
معویہ اور عمرو بن عاص میں اچھے تھے کہ اے عمرو اگر اُن لوگوں نے اِن لوگوں کو قتل کر ڈالا
اور اِن لوگوں نے اُن لوگوں کو قتل کر ڈالا تو پھر میرے پاس رعایا کا انتظام کرنے کو
کون رہ جائیگا۔ اُنکی عورتوں کے انتظام کے لئے میرے پاس کون ہوگا۔ اُن کے مال کا
انتظام کرنے کے لئے میرے پاس کون ہوگا۔ پھر حضرت معویہ نے حضرت امام حسن
کے پاس دو قریشی مرد قبیلہ بنی عبد شمس کے یعنی عبدالرحمن بن سمرہ اور عبداللہ
بن عامر کو بھیجا اُن سے کہا کہ اس شخص یعنی حضرت امام حسن کے پاس جاؤ اور اس پر
صلح کی بات چیت پیش کرو اور اُس سے خوب اچھی طرح کہنا اور اُس کو صلح کی طرف
بلانا۔ چنانچہ وہ دونوں حضرت امام حسن کے پاس گئے اور اُن کے سامنے پہونچے۔
اور دونوں نے ان سے گفتگو کی اور اُن سے کہا اور صلح کیطرف انھیں بلایا تو ان سے
حسن بن علی نے کہا کہ ہم عبدالمطلب کی اولاد ہیں ہم نے بہت کچھ مال جنگ کی تیاری میں
خرچ کیا ہے اور یہ لوگ اپنے خونوں میں مبتلا ہو چکے ہیں۔ اب ہم اگر خلافت سے
دست بردار ہو جائیں تو ان لوگوں کی عافیت میں خلل پڑ جائیگا۔ ان دونوں نے کہا
کہ معویہ تو آپ سے صلح چاہتے ہیں اور یہی آپ سے درخواست اور خواہش کرتے ہیں حضرت
امام حسن نے کہا کہ پھر اس بات کا ذمہ دار کون ہوگا کہ ان لوگوں کی عافیت اور معاش
کا انتظام عمدہ طور پر رہے۔ ان دونوں نے کہا کہ ہم آپ کے سامنے اسکے ذمہ دار
ہیں۔ پس جو بات اُن سے حضرت امام حسن نے کہی اُنھوں نے یہی جواب دیا کہ ہم
اسکے ذمہ دار ہیں۔ لہذا حضرت امام حسن نے حضرت معویہ سے صلح کر لی۔" (ترجمہ صحیح بخاری

از مرزا حیرت دہلوی جلد ۱ ص ۳۷۶) اس پوری عبارت میں کہیں بھی بیعت کا ذکر ہے؟ بلکہ خود معویہ نے دو آدمی بھیجے ۔ درخواست کی خوشامد کی اور حضرت سے صلح کی حضرت امام حسنؑ حضرت رحمتہ للعالمین کے نواسے تھے اُن مسلمانوں پر بھی آپکو رحم آگیا اور صلح منظور کرلی ۔ بخاری شریف کی جلد ۳ ص ۲۴۲ و ۳۱۶ و ۳۴۸ و ۳۴۹ و ۳۹۷ اور جلد ۶ کے ص ۵۵ و ۴۸۸ و ۵۳۶ اور جلد ۷ ص ۱۵۵ وغیرہ میں بھی حضرت امام حسنؑ کا ذکر ہے مگر کہیں بیعت کا نام تک نہیں ۔

مولوی صاحب ۔ مگر صلح تو کرلی تھی ۔ اسکی کیا ضرورت تھی معویہ سے جنگ ہی کرلی ہوتی ۔

حسینی بیگم ۔ ہاں صلح کی وجہ یہ کہ حضرت رسولخدا صلعم نے پیشین گوئی کردی تھی کہ میرا یہ بیٹا مسلمانوں کے دو بڑے گروہ میں صلح کرادے گا ۔ امام بخاری صاحب ہی نے لکھا ہے "حسن بصری کہتے ہیں کہ میں نے حضرت ابوبکرہ کو یہ کہتے ہوئے سنا کہ میں نے رسولخدا صلعم کو منبر پر دیکھا اور حسنؑ بن علیؑ آپ کے پہلو میں تھے آپ کبھی لوگوں کی طرف متوجہ ہوتے تھے اور کبھی انکی طرف متوجہ ہوتے تھے اور فرماتے تھے کہ یہ میرا بیٹا سید ہے اور امید ہے کہ اللہ اسکے ذریعہ سے مسلمانوں کے دو بڑے گروہوں کے درمیان صلح کرادیگا (ترجمہ صحیح بخاری جلد ۱ ص ۳۷۶) ۔ غرض حضرت امام حسنؑ اسکو کسی طرح پسند نہیں کرسکتے تھے کہ حضرت رسولخدا صلعم کے ارشاد کے خلاف کریں اور جب حضرتؑ سے صلح کی درخواست پیش کی جائے تو اس سے انکار کردیں ۔

مولوی صاحب ۔ پھر حضرت حسین رضی اللہ عنہ نے بھی یزید سے صلح کیوں نہیں کرلی

حسینی بیگم ۔ اسکی وجہ بھی کچھ پوچھنے کی ضرورت ہے پہلے یہ کہ حضرتؑ سے صلح کی درخواست ہی نہیں کیگئی ۔ حضرت تو مدینہ میں اپنے گھر کے اندر بیٹھے تھے وہاں آپ پر بیعت کے لئے دباؤ دیا گیا ۔ دوسرے یہ کہ آپکے بارے میں حضرت رسولخدا صلعم کی ایسی پیشین گوئی نہیں تھی جسکے مطابق حضرتؑ سے صلح کی درخواست کی بھی جاتی تو آپ اسے منظور کرنے کے پابند ہوتے ۔ بلکہ جس طرح حضرت رسولخدا صلعم مکہ معظمہ میں کفار

سے صلح و امن کے ساتھ بنا ہنے کے پابند تھے اسی طرح آپکے بڑے نواسے حضرت امام حسنؑ معویہ والوں کے ساتھ صلح کرنے کے پابند تھے اور جس طرح وہی حضرت رسولخداؐ صلعم مدینہ میں آنے کے بعد انھیں مکہ والوں سے جنگ کرنے کے لئے مامور ہوئے اسی طرح آپکے چھوٹے نواسے یزید کی حکومت میں انھیں معویہ والوں سے جنگ کرنے کے لئے مجبور ہوئے مختصر یہ امام حسنؑ و امام حسینؑ حضرت رسولخدا صلعم کی دونوں (مکہ اور مدینہ) کی زندگی کے آئینہ تھے جو وجہ اس کی قرار دی جا سکتی ہے کہ آنحضرت صلعم نے مکہ میں کفار مکہ سے جنگ کیوں نہیں کی اور کیوں صلح و امن سے رہے؟ یہی وجہ امام حسنؑ سے صلح کرنے کی قرار پائیگی اور جو وجہ اس کی قرار دی جا سکتی ہے کہ آنحضرتؐ نے مدینہ میں آکر کفار مکہ سے کیوں جہاد کیا وہی وجہ امام حسینؑ کے یزید سے جہاد کرنے کی قرار پائیگی۔ دونوں میں کوئی فرق نہیں۔

مولوی صاحب ۔ تو حضرت رسولخدا صلعم نے مکہ میں کیوں صلح و امن سے بسر کیا اور مدینہ میں کیوں جہاد کیا۔

حسینی بیگم ۔ اتمام حجت کے لئے کہ پہلے ان لوگوں کو صلح کا موقع دیا گیا کہ شاید اس طرح ہدایت پر آجائیں جب اس تدبیر سے بھی لوگوں نے اپنی بیدینی نہیں چھوڑی اور ظلم کرتے رہے تو مجبوراً مدینہ میں آکر حضرتؐ نے ان کے حملوں کا مقابلہ کیا۔ بالکل اسی طرح امام حسنؑ نے بھی اتمام حجت کے لئے معویہ والوں سے صلح کی کہ شاید اس طرح یہ لوگ ہدایت پر آجائیں اور دنیا میں فساد کو موقوف کریں۔ جب اس تدبیر سے بھی ان لوگوں نے اپنی بیدینی نہیں چھوڑی اور اسلام کو مٹاتے ہی رہے تو حضرت امام حسینؑ نے یزید والوں کے حملوں کا مقابلہ کر کے اُن سے جہاد کیا۔ مختصر یہ کہ حضرت رسولخداؐ نے خود دو کام پہلے صلح پھر جہاد کیا انھیں دونوں کاموں کو امام حسنؑ و امام حسینؑ نے ملکر کیا کہ پہلے نواسے نے صلح کی اور دوسرے نے جہاد۔ جس طرح سابق انبیاء کے زمانہ میں بھی ہوتا رہا کہ پہلے خدا کفار کو سمجھاتا اور فہمائش کرتا رہا جب وہ کسی طرح نہیں مانتے تھے تو اُن پر عذاب نازل کر دیتا تھا۔ خدا کا یہی اصول برابر رہا۔ حدیث میں یہ بھی ہے:۔ کان الحسن اشبہ الناس

رسول اللہ ما بین الصدر الی الرأس ۔ والحسین اشبہ الناس بالنبیؐ ما کان اسفل من ذلک یعنی امام حسنؓ حضرت رسولخدا صلعم کے سر سے سینہ تک اور امام حسینؑ حضرتؐ کے سینہ سے پاؤں تک بے حد مشابہ تھے (استیعاب جلد ۱ ص ۱۴۳) اسکی وجہ بھی شاید یہی ہو کہ امام حسنؑ سے وہ کام (صلح) ظاہر ہونے والا تھا جو (صلح) حضرت رسولخدا صلعم کی ابتدائی زندگی میں ہوا ۔ اور حضرت امام حسینؑ سے وہ کام (جہاد) ظاہر ہونے والا تھا جو (جہاد) حضرت رسولخدا صلعم کی آخری زندگی میں ہوا ۔

مولوی صاحب ۔ واہ یہ نکتہ تم نے بہت ہی قابل قدر پیدا کیا ۔ پھڑکا دیا ۔ البتہ ہو سکتا ہے کہ اسی مناسبت سے امام حسنؑ آنحضرتؐ کے سر سے سینہ تک اور امام حسینؑ حضرتؐ کے سینہ سے نیچے تک مشابہ ہوئے ۔ یعنی حضرتؐ کی (مکہ کی) زندگی حضرت کے سر سے سینہ تک قرار دیگئی اور آخری (مدینہ کی) زندگی سینہ سے پاؤں تک قرار دیگئی ۔ مگر پھر بھی امام حسینؑ سے یہ الزام تو نہیں اٹھ سکتا کہ آپکو آپکے خاص اعزہ جناب محمد بن حنفیہ و حضرت عبداللہ بن عباس وغیرہ سمجھاتے رہے کہ عراق نہ جائیے مگر حضرت اپنی ضد سے باز نہیں آئے اور عراق جا کر ہی رہے جس سے قتل کئے گئے ۔

حسینی بیگم ۔ ضد تو اُس وقت کہی جاتی جب حضرت صرف اپنے دل سے یزید کی مخالفت پر آمادہ ہوتے اور ان اعزہ و احباب کے مشورے کو ٹھکرا دیتے ۔ لیکن جب حضرت کو ایسی طاقت کا حکم ہو جسکی مخالفت کسی کو جائز نہیں ہے تو حضرت کیونکر اس حکم کی تعمیل نہیں کرتے ۔

مولوی صاحب ۔ وہ کون طاقت تھی جس نے حضرت حسینؓ کو حکم دیا تھا کہ یزید سے صلح نہ کریں ۔ اس کے مطیع نہ ہوں اور اسکی بیعت نہ کرلیں ۔

حسینی بیگم ۔ خود حضرت رسولخدا صلعم کا حکم تھا ۔

مولوی صاحب ۔ واہ تم بھی کیا باتیں بناتی ہو جسکا نہ سر نہ پاؤں ۔

حسینی بیگم ۔ تم قرآن و حدیث سب کو چھوڑ دو تو کیا علاج ہے جس طرح حضرت

رسولخدا صلعم نے حضرت امام حسنؑ کے بارے میں پیشینگوئی کی تھی کہ خدا ان کے ذریعہ سے مسلمانوں کے دو بڑے گروہوں میں صلح کرا دیگا اسی طرح حضرت امام حسینؑ کے بارے میں پیشینگوئی فرمادی تھی کہ یہ مظلوم قتل کئے جائیں گے اور شہادۃ کے درجہ پر پہونچیں گے حضرت امام حسینؑ ان ارشادات نبوی سے واقف تھے۔ پھر کیونکر اعزہ کی بات مان کر حضرت کی پیشینگوئی کو جھوٹی ہونے دیتے۔ میں پہلے بہت سی حدیثوں کو بیان کرچکی ہوں انکو غور کرلو[1] حضرتؑ سے تو ممکن ہی نہیں تھا کہ ان پیشینگوئیوں کو جھوٹی ہونے دیں کیونکہ حضرت رسولخدا صلعم نے حضرت امام حسینؑ کی شہادت کو اسلام کے لئے اس قدر ضروری سمجھا تھا کہ اپنے صحابہ کرام کو بھی امام حسینؑ کے ساتھ عراق جاکر شہادۃ کا درجہ حاصل کرنے کی تاکید کی تھی۔ چنانچہ جناب مولانا شیخ عبدالحق صاحب دہلوی نے لکھا ہے کہ آنحضرت صلعم نے فرمایا تھا ان ابنی ھذا یعنی الحسین یقتل بارض من ارض العراق یقال لھا کربلا فمن شھد ذلک منکم فلینصرہ۔ یعنی میرا فرزند حسینؑ عراق کی زمین کربلا میں شہید کیا جائیگا۔ تم میں سے اس وقت جو لوگ موجود ہوا نھیں چاہئے کہ حسینؑ کی مدد کو ضرور جائیں (ماثبت من السنۃ صـ۱۱)۔ پھر حضرت امام حسینؑ اس موقع کو کیوں چھوڑ دیتے جسکے لئے آنحضرت صلعم نے اس قدر اہتمام فرمایا تھا۔ اسی وجہ سے حضرت امام حسینؑ اس سے نہایت خوش ہوتے تھے کہ آنحضرت صلعم کی کل باتیں درست اور صحیح ثابت ہو رہی ہیں۔ یہاں تک کہ جب حضرت ذبح ہو رہے تھے اس وقت بھی اس پر خوشی ظاہر فرمائی کہ حضرت رسولخدا صلعم کے قول کی تصدیق ہوگئی۔ چنانچہ عن محمد بن عمر بن حسین قال کنا مع الحسین بنھر کربلاء فنظر الی شمر ذی الجوشن۔ فقال صدق اللہ ورسولہ۔ قال رسول اللہ کانی انظر الی کلب ابقع یلغ فی دماء اھلبیتی وکان شمر ابرص یعنی محمد بن عمر بن حسین کہتے ہیں کہ ہم لوگ کربلا میں امام حسینؑ کے ساتھ تھے۔ آپ نے شمر ذی الجوشن کیطرف دیکھکر فرمایا سچ فرمایا تھا اللہ اور اسکے رسولؐ نے حضرت رسولخدا صلعم نے فرمادیا تھا

[1] ملاحظہ ہو اس کتاب تصویر عزا کا باب ۱۵-۱۲

کہ میں ایک ابقع (جسکے جسم میں جابجا سفید داغ ہوں) کتے کو دیکھتا ہوں کہ وہ میرے اہلبیت کے خون میں منہ ڈالتا اور ان کا لہو چاٹتا ہے۔ راوی کا بیان ہے کہ شمر ابرص تھا اسکے جسم میں جابجا سفید داغ تھے۔ پس بیشک حضرت رسولخدا صلعم کا یہ قول بہت صحیح ہوا (کنز العمال جلد ۷ ص۱۱۱ وغیرہ)

مولوی صاحب ۔ خیر حضرت امام حسینؑ یزید کی بیعت نہیں کرتے مگر مکہ شریف ہی میں بیٹھے رہتے۔ جیسا حضرت ابن عباس وغیرہ ان سے اصرار کرتے تھے غرض عراق نہ جاتے جسکی وجہ سے آپ شہید کیے گئے۔

حسینی بیگم ۔ تاریخوں کو پڑھو جس سے خود معلوم ہو جائیگا کہ جس وقت حضرت امام حسینؑ روانہ ہونے لگے اور اعزہ نے آپکو روکا تب بھی حضرت کو جناب رسولخدا صلعم نے یہی حکم دیا کہ عراق کیطرف ضرور جاؤ تاکہ تمہاری شہادت سے دین اسلام کی حفاظت کا سامان ہو جائے۔ چنانچہ علامہ ابن اثیر جزری ایسے مشہور مورخ نے لکھا ہے "جب حضرت معویہ کی وفات ہوئی تب بھی حضرت حسینؑ نے (یزید کی) بیعت نہیں کی اور مدینہ سے مکہ چلے گئے۔ مکہ ہی میں اہل کوفہ کے خطوط ان کے پاس پہونچے لہذا انھوں نے سفر کا سامان تیار کرلیا۔ بہت لوگوں نے انھیں منع کیا ان منع کرنے والوں میں انکے بھائی محمد بن حنفیہ اور ابن عمر اور ابن عباس وغیرہ تھے مگر حضرت حسین نے فرمایا کہ میں نے رسولخدا صلعم کو خواب میں دیکھا ہے۔ آپ نے مجھے جس بات کا حکم دیا ہے اس کو میں ضرور کروں گا چنانچہ وہ عراق چلے گئے" (ترجمہ اسد الغابہ جلد ۳ ص۲۱) اور علامہ دیار بکری نے بھی یہی لکھا ہے (تاریخ خمیس جلد ۲ ص۳۳۲)۔ یہ مضمون بہت سی کتابوں میں ہے۔ چنانچہ تاریخ طبری و کامل میں اس طرح ہے۔ قال انی رایت رؤیا رایت فیہا رسول اللہ ﷺ و امرت فیہا بامر انا ماض لہ علی کان اولی۔ فقالا ما تلک الرؤیا۔ قال ما حدثت بہا احدا وما انا محدث بہا احدا حتی القی ربی یعنی حضرت نے ان لوگوں کی نصیحت نہ قبول کرنے کی وجہ یہ بیان فرمائی کہ میں نے حضرت رسولخداؐ کو خواب میں دیکھا جسمیں آپ نے مجھے اس بات

کا حکم دیا ہے جس کو میں ترک نہیں کرسکتا۔ خواہ اس سے میرا نقصان ہو یا نفع۔ لوگوں نے پوچھا وہ خواب کیا ہے آپ نے فرمایا میں نے ابتک یہ خواب کسی سے بیان نہیں کیا اور نہ آیندہ بیان کروں گا۔ یہاں تک کہ اپنے پروردگار کی خدمت میں پہونچ جاؤں (طبری جلد ۶ صفحہ ۲۱۹ و کامل جلد ۴ صفحہ ۱۷)۔ آخری جملہ تی تلقی ابی سے صاف معلوم ہوتا ہے کہ حضرت نے خواب میں یہی دیکھا کہ اے حسین! دین اسلام مٹ رہا ہے اور وہ بغیر تمہارے شہید ہوئے بچ نہیں سکتا۔ تم یزید کی اطاعت نہ کرنا ورنہ ہماری سب ریاضت مٹی میں ملجائیگی۔ بلکہ عراق جاؤ اور لوگ تمہیں قتل کریں تو اس کو قبول کرکے اپنے پروردگار کی خدمت میں پہونچ جاؤ۔

مولوی صاحب۔ مگر خواب کی باتوں پر حضرت کو توجہ نہیں کرنا چاہئے تھی۔

حسینی بیگم۔ معاذ اللہ یہ کیا کہتے ہو۔ حضرت رسولخدا صلعم کو خواب میں دیکھنا ویسا ہی ہے جیسا جاگتے میں۔ اور کسی شخص کو حضرت خواب میں کوئی حکم دیں تو اسکی تعمیل ویسی ہی ضروری ہے جیسی حضرت کے اس حکم کی جو جاگتے میں دیں۔ چنانچہ حضرت نے خود فرمایا ہے من رانی فی المنام فقد رانی فان الشیطان لا یتمثل صورتی یعنی جو شخص مجھے خواب میں دیکھیگا وہ درحقیقت مجھ ہی کو دیکھیگا اس سبب سے کہ شیطان میری صورت نہیں اختیار کرسکتا ہے (صحیح بخاری پارہ ۲۵ صفحہ ۱۳۳ مطبوعہ دہلی)۔ اسکے متعلق میں اس سے پہلے بھی بحث کرچکی ہوں [1]

مولوی صاحب۔ ہاں سچ ہے اس مضمون کی حدیثیں بہت کثرت سے ہیں واقعاً جو شخص حضرت کو خواب میں دیکھے اور اسکو حضرت کوئی حکم دیں تو اسکی تعمیل واجب ہے۔

حسینی بیگم۔ حضرت امام حسین کو حضرت رسولخدا صلعم کی اس حدیث کی بھی خبر تھی کہ مکہ معظمہ میں ایک شخص قتل و خونریزی کا بازار گرم کرکے خانہ کعبہ کی حرمت زائل کرے گا۔ اس سبب سے حضرت نے اپنے نانا کی اس حدیث کو سچ جانکر مکہ معظمہ چھوڑدیا تاکہ آپکی شہادت مکہ شریف میں واقع ہو اور آپ اس حدیث کے مصداق نہ بنیں۔ چنانچہ جب حضرت کے

[1] ملاحظہ ہو اسی کتاب تصویر عزا کا باب ۳۰

اعزہ و احباب نے مکہ معظمہ چھوڑنے سے آپکو منع کیا ہے تو حضرتؑ نے فرمایا ان ابی حدثنی

ان بہا کبشا یستحل حرمتہا فما احب ان اکون انا ذلک الکبش یعنی میرے جد بزرگوار نے

مجھ سے فرمایا تھا کہ مکہ معظمہ میں ایک مینڈھا ہوگا جو مکہ معظمہ کی حرمت کو ضائع اور اسکی

عزت کو مٹا دیگا تو میں اسکو پسند نہیں کرسکتا کہ وہ مینڈھا میں بنوں (تاریخ طبری جلد ۶

صہ ۲۱۷ و تاریخ کامل جلد ۴ صہ ۱۶) ۔ اسی خوف سے یہ بھی فرماتے تھے واللہ لان اقتل

خارجا منہا بشبر احب الی من اقتل داخلا منہا بشبر یعنی خدا کی قسم اگر مکہ معظمہ سے ایک

ہی بالشت باہر میں قتل کیا جاؤں تو مجھے یہ پسند ہوگا مگر یہ کسی طرح گوارا نہیں ہے کہ مکہ

معظمہ کے اندر قتل کیا جاؤں اگرچہ وہ ایک ہی بالشت اندر ہو (طبری جلد ۶ صہ ۲۱۷ و

کامل جلد ۴ صہ ۱۶ و مروج الذہب جلد ۲ صہ ۱۳۳)

مولوی صاحب ۔ مگر حضرت مکہ معظمہ میں رہ جاتے تو ممکن تھا کہ قتل ہی نہیں ہوتے

لوگ اس شہر کے خیال سے آپکو چھوڑ دیتے ۔ کیونکہ مکہ معظمہ دار امن و امان ہے ۔

حسینی بیگم ۔ نہیں اس کا تو یقین تھا کہ لوگ حضرتؑ کو چھوڑنیگے نہیں ۔ اور حضرت امام

حسینؑ بھی اس کو یقینی طور پر جانتے تھے ۔ چنانچہ اسی موقع پر حضرتؑ نے یہ بھی فرمایا تھا

وایم اللہ لو کنت فی جحر ھامۃ من ھذہ الھوام لاستخرجونی حتی یقضوا فی حاجتہم یعنی

خدا کی قسم اگر میں ان چھوٹے چھوٹے حشرات الارض کے سوراخ میں جا چھپوں جب بھی یہ لوگ

مجھے اس سے نکال کر قتل کر کے رہیں گے (طبری جلد ۶ صہ ۲۱۷ و کامل جلد ۴ صہ ۱۶) ۔ اور

یہ جو کہا کہ لوگ مکہ معظمہ کے خیال سے حضرت کو چھوڑ دیتے تو حضرتؑ کی شہادت کے بعد

جب اسی یزید کے لشکر سے حضرت عبداللہ بن زبیر کی لڑائی ہوئی تو ان کو لوگوں نے کیوں

نہیں چھوڑ دیا اور کیوں خاص مسجد کعبہ کے اندر انکو قتل کر دیا ۔

مولوی صاحب ۔ مگر رافضی کہتے ہیں کہ انسان کو جب جان کا خطرہ ہو تو وہ تقیہ

کر لے ۔ پھر امام حسین رضی اللہ عنہ نے بھی کیوں تقیہ نہیں کر لیا ۔ جس سے آپکی جان بچ جاتی

حسینی بیگم ۔ تقیہ کا حکم شیعوں کے لئے خاص تو ہے نہیں بلکہ ہر شخص کے لئے ہے

قرآن مجید میں خدا نے فرما دیا ہے الا ان تتقوا منہم تقیۃ یعنی سوا اس صورت کے کہ تم ان لوگوں سے تقیہ کر کے بچ رہو (پارہ ۳ ع ۱۱)۔ اور علامہ سیوطی نے اسکی تفسیر میں لکھا ہے عن ابن عباس فی قولہ الا ان تتقوا منہم تقیۃ فالتقیۃ باللسان من حمل علی امر یتکلم بہ وھو معصیۃ للہ فیتکلم بہ مخافۃ الناس وقلبہ مطمئن بالایمان فان ذلک لا یضرہ انما التقیۃ باللسان۔ یعنی حضرت ابن عباسؓ آیہ الا ان تتقوا منہم تقیۃ کی تفسیر میں کہتے تھے کہ تقیہ صرف زبان سے ہے۔ جو شخص ایسی بات بولنے پر مجبور کیا جائے جو خدا کے نزدیک گناہ ہو اور وہ لوگوں کے ڈر سے وہ بات بول دے مگر اسکے دل میں پورا ایمان ہو تو اسکو زبان سے وہ گناہ کی بات کہہ دینے میں کوئی حرج نہیں کیونکہ تقیہ کا حکم صرف زبان سے ہے۔ (تفسیر درمنثور جلد ۲ صفحہ ۱۶) خدا نے یہ بھی فرمایا ہے من کفر باللہ من بعد ایمانہ الا من اکرہ وقلبہ مطمئن بالایمان (پارہ ۱۴ ع ۲۰) اس کا ترجمہ جناب مولانا نذیر احمد صاحب دہلوی نے اس طرح کیا ہے "جو شخص کفر پر مجبور کیا جائے مگر اس کا دل ایمان کی طرف سے مطمئن ہو اس سے کچھ مواخذہ نہیں" (حمائل مترجمہ نذیر احمد صاحب دہلوی صفحہ ۴۴۴)۔ اسی طرح بہت سی آیتیں اور حدیثیں ہیں۔ رہا یہ سوال کہ حضرت امام حسینؑ نے تقیہ کیوں نہیں کیا تو اسکی وجہ یہ ہے کہ حضرتؑ اسلام کے زندہ کرنے اور ایمان کے محفوظ رکھنے کے لئے مقرر کئے گئے تھے۔ اگر آپ تقیہ کر لیتے تو یہ مقصود حاصل نہیں ہوتا۔ اسلام پائمال ہو جاتا۔ دین حق مٹ جاتا۔ کفر پھیل جاتا۔ اور لوگ خدا کی سیدھی راہ کو بھول جاتے۔ غرض خدا نے حضرتؑ کے ذمہ جو فرض کیا تھا اور آنحضرت صلعم نے آپ سے جس حفاظت اسلام کی امید کی تھی وہ سب ضائع و برباد ہو جاتی۔ آپ تقیہ کر کے یہی تو کرتے کہ یزید کی بیعت کر لیں۔ اس کا حکم مانیں۔ اور اسکی ہر بات کو پسند کریں۔ اور سب جانتے ہیں کہ وہ کل امور خلاف مرضی خدا و رسولؐ و مخالف احکام دین و ایمان کرتا تھا۔ تو حضرتؑ کے تقیہ کا نتیجہ یہی ہوتا کہ اسلام بالکل رخصت ہو جائے اور کفر پلٹ آئے۔ دینداری کا خاتمہ اور دنیا پرستی کا عہد شروع ہو جائے۔ آنحضرت اس کو کیونکر

پسند فرماتے - عوام کا حکم دوسرا ہے اور پیشوایان دین کے فرائض علیحدہ - دیکھو جب کفار مکہ نے حضرت عمار صحابی پر ظلم کیا تو انھوں نے حضرت رسولخدا صلعم کو گالیاں دیدیں اور لات وعزیٰ کی تعریف کردی - لوگوں نے آنحضرت صلعم سے یہ واقعہ بیان کردیا حضرتؐ نے جناب عمار سے پوچھا تم اپنا دل کیسا پاتے ہو - عرض کی میں دل میں تو ایمان کو پورا پورا پاتا ہوں تو حضرتؐ نے فرمایا پھر کوئی مضائقہ نہیں بلکہ اگر وہ پھر تم کو مجبور کرکے ایمان کے خلاف باتیں کہلائیں تو کہہ دینا (تاریخ کامل جلد ۲ صفحہ ۲۴) حضرتؐ نے جناب عمار کو اجازت دیدی مگر خود آنحضرتؐ نے تقیہ نہیں کیا نہ ان کفار کے موافق کوئی بات کہی جس سے ثابت ہوا کہ حضرت عمار کے لئے تقیہ جائز تھا مگر حضرت رسولخدا صلعم تقیہ نہیں کرسکتے تھے ورنہ دین اسلام ہی رخصت ہوجاتا - اسی طرح حضرت امام حسینؑ بھی تقیہ نہیں کرسکتے تھے ورنہ کفر پلٹ آتا اور دین اسلام ہمیشہ کے لئے رخصت ہوجاتا -

اکتیسواں باب ۳۱

امام حسینؑ کی شجاعت

مولوی صاحب - خیر تقیہ نہیں کیا تو مقابلہ کرنا چاہئے تھا - یہ کیا کہ ساتھیوں کو لڑنے کے لئے آگے کردیا اور خود بیٹھ رہے -

حسینی بیگم - معاذ اللہ ایکیا تم کہنے لگے -

مولوی صاحب - دیکھو اسی اخبار جمہور میں مسٹر صلاح الدین خدابخش پروفیسر کلکتہ نے یہ بھی لکھا ہے "حسینؑ کے انکار کردینے پر عمر سعد نے حسینؑ کے خیموں کا محاصرہ کرلیا حسینؑ کے ساتھیوں نے مقابلہ کیا لیکن حسینؑ نے خود اپنی جگہ سے قطعی جنبش نہ کی حسینؑ کے ساتھیوں کے بعد خود حسینؑ سے مقابلہ ہوا اور بہت جلد زخمی ہوکر حسینؑ گر پڑے - حسینؑ نے کوئی بھی ایسا کام بہادری کا نہیں کیا جیسا کہ شیعہ انکی جانب منسوب کرتے ہیں - ایک زبانی خبر جو یزید تک پہونچائی گئی وہ یہ تھی کہ حسینؑ کے قتل میں صرف

اتنا ہی وقفہ گزرا جس قدر کہ ایک اونٹ کے ذبح کرنے یا پلک مارنے میں عرصہ گزرتا ہے“
(اخبار جمہور کلکتہ مورخہ ۱۸ جون ۱۹۳۱ء)

حسینی بیگم ۔ مسٹر صلاح الدین خدا بخش نے کسی کتاب کا حوالہ بھی دیا ہے ۔

مولوی صاحب ۔ نہیں حوالہ تو نہیں ہے ۔

حسینی بیگم ۔ پھر کیا کہا جائے ۔ ان کی بات مانو گے یا اسلام کے مسلم الثبوت علماء و مورخین کی تحقیقات

مولوی صاحب ۔ نہیں علماء کے مقابلہ میں مسٹر صلاح الدین کیا چیز ہو سکتے ہیں ۔

حسینی بیگم ۔ اب علماء اسلام کی تحقیقات سنو ۔ (۱) جناب مولوی عطا محمد صاحب نے لکھا ہے ” اب بر سر مصاف حسین بن علی کی ذوالفقار رہوئی ... آثار قیامت نظر آئے امام نے قبضہ پر ذوالفقار حیدر کرار کے ہاتھ رکھا ... بجلی کی طرح جا پڑے ۔ گویا مثل حیدر کرار در خیبر پر جا پڑے ... تلوار تھی یا صاعقہ قہر خالق جبار تھی ۔ خود سروں کے انبار ۔ ہزاروں تن تنہا بے کار زنگار رہوئے ... چار سو دس پیادے آنجناب کے ہاتھ سے مارے گئے “ (کتاب الشہادتین مطبوعہ گورکھپور ص ۱۷۹) (۲) جناب مولانا شاہ محمد سلیمان صاحب پھلواروی نے لکھا ہے ” پھر امام بھی حملہ آور ہوئے اور لشکر مخالف کو درہم و برہم کرنے لگے ... لڑتے لڑتے آپ کو پیاس کی شدت ہوئی تو فرات کی طرف قصد کیا ۔ ظالمین بیچ میں آ گئے مگر آپ انھیں کاٹتے کاٹتے لب دریا پہونچ گئے .... ظالموں نے دیکھا کہ امام بڑی بہادری سے لڑ رہے ہیں اور ہمارا لشکر تباہ ہوا جاتا ہے (رسالہ غم حسین ص ۲۹) (۳) جناب مولوی احسان اللہ صاحب گورکھپوری نے لکھا ہے ” امام حسینؑ کے ساتھیوں نے دکھا دیا کہ بنی ہاشم کے بازوؤں میں کتنی قوت تھی ۔ امام حسینؑ کو تو کبھی لڑنے کا اتفاق نہیں ہوا تھا ۔ آج ہی معلوم ہوا کہ الولد سر لابیہ علی علیہ السلام کی طرح ان کی لڑائی بھی بہت سخت تھی ۔ یہ جدھر پہونچ جاتے تھے میدان صاف کر دیتے تھے (تاریخ اسلام ص ـــ) (۴) صاحب روضۃ الشہداء نے لکھا ہے جس کا ترجمہ یہ ہے ” امرائے شام میں سے تمیم بن قحطبہ نے امام حسینؑ کے روبرو آ کر کہا

کہ اے پسر علی۔ تمہارے لڑکے۔ بھائی۔ عزیز۔ رفیق سب قتل ہو چکے۔ اور تم تن تنہا رہ گئے۔ پھر بھی جنگ کا حوصلہ رکھتے ہو۔ بھلا تم اکیلے بیس ہزار جنگجو سپاہیوں کا مقابلہ کس طرح کر سکتے ہو۔ امام حسینؑ نے فرمایا میں لڑنے نہیں آیا تم خود مجھ سے لڑتے ہو۔ اچھا اب لڑائی کے جوہر دکھا۔ یہ کہ کر امام حسینؑ نے ایسا نعرہ کیا کہ اکثر سپاہیوں کے پتے پانی ہو گئے۔ اور امام حسینؑ نے تلوار کھینچکر ایسی ضرب لگائی کہ تمیم کا سر کٹ کر دور جا گرا۔ یہ حال دیکھکر ابن سعد کے ہوش و حواس جاتے رہے (روضۃ الشہداء قلمی)

(۵) محدث جمال الدین لکھتے ہیں جس کا ترجمہ یہ ہے "پھر امام حسینؑ نے دریا کا قصد کیا شمر نے لشکر کو پکار کر حکم دیا کہ دیکھو حسینؑ پانی نہ پینے پائیں۔ اگر وہ تھوڑا پانی بھی پی لیں گے تو تم میں سے ایک کو بھی زندہ نہ چھوڑیں گے۔ یہ سنتے ہی لشکر یزید امام حسینؑ اور فرات کے درمیان حائل ہو گیا مگر امام حسینؑ نے گھوڑے کو جولاں کر کے ایسی شمشیر زنی فرمائی کہ تین چار بار صف اعدا کو درہم برہم کر دیا اور لب آب پہونچ گئے۔ گھوڑے کو دریا میں ڈال دیا۔" (روضۃ الاحباب نسخہ قلمی) (۶) امام حسینؑ نے فرات سے خیمہ گاہ تک واپس آتے آتے بھی بہت سے آدمیوں کو قتل کر ڈالا (روضۃ الشہداء) (۷) امام حسینؑ پیاس کی شدت میں لب فرات پہونچ گئے اور ابن سعد کا اتنا بڑا لشکر حضرتؑ کو کچھ بھی نہیں روک سکا (تاریخ کامل جلد ۴ صہ ۳۲) (۸) علامہ ابن حجر مکی نے لکھا ہے ولوما کادوا بہ من انہم حالوا بینہ وبین الماء لم یقدروا علیہ وھو الشجاع القوم الذی لا یزدل ولا یتحول یعنی اگر یزیدی لشکر یہ فریب کرتا کہ امام حسینؑ اور نہر کے درمیان حائل ہو گیا تو کبھی امام حسینؑ پر قابو نہ پاتا کیونکہ آپؑ وہ بہادر اور دلاور سردار تھے جو نہ کبھی اپنی جگہ سے ہٹتے اور نہ ٹلتے تھے... فلما فنی اصحابہ وبقی بمفردہ حمل علیہم وقتل کثیرا من شجعانہم فحمل علیہ کثیرون یعنی جب حضرتؑ کے ساتھی ختم ہو گئے اور آپ تنہا رہ گئے تو لشکر یزید پر اس زور کا حملہ کیا کہ اسکے بہت سے بہادروں

کو قتل کر ڈالا۔ تب بہت سی جماعتوں نے ملکر حضرتؑ پر حملہ کیا (صواعق محرقہ مطبوعہ مصر صفحہ ۱۱۸) (۹) اور علامہ مومن شبلنجی نے لکھا ہے فلما فنی اصحاب الحسین وقتلوا جمیعھم وبقی وحدہ حمل علیھم فقتل کثیرا من الرجال والابطال ورجع سالما الی موقفہ عند الحریم۔ ثم حمل علیھم حملۃ اخری واراد الکر راجعا الی موقفہ یعنی جب اصحاب امام حسینؑ سب قتل ہو گئے اور آپ تنہا رہ گئے تو لشکر یزید کے بہت سے آدمیوں اور بڑے بڑے بہادروں کو قتل کر ڈالا۔ پھر بالکل محفوظ اپنے خیمہ گاہ کے پاس واپس آکر ٹھہرے پھر ان لوگوں پر دوبارہ حملہ کیا اور اس حملہ سے اپنی جگہ واپس آتے وقت بھی ان لوگوں پر تیسرا حملہ کرنا چاہا (نور الابصار صفحہ ۱۳۰) (۱۰) علامہ ابن ابی الحدید معتزلی نے لکھا ہے قالوا ما رأینا مکثورا قد افترق منہ اغوتہ واھلہ وانصارہ اشجع منہ کان کاللیث المحرب یحطم الفرسان حطما یعنی یزید کے لشکر والے کہتے تھے کہ ہم نے امام حسینؑ سے زیادہ بہادر کسی کو نہیں دیکھا کہ باوجود اسکے کہ شکستہ خاطر اور زخمی تھے اور بھائی اور اصحاب سب قتل کئے گئے تھے لیکن جب حملہ فرماتے تھے تو مثل تجربہ کار شیر کے لشکر شام پر ٹوٹ پڑتے تھے (شرح نہج البلاغۃ از علامہ ابن ابی الحدید جلد ۳ صفحہ ۲۸۲ مطبوعہ مصر) (۱۱) علامہ قسطلانی شارح صحیح بخاری لکھتے ہیں قتل الحسینؑ من عسکر ابن زیاد قتلی کثیرۃ یعنی خود حضرت امام حسینؑ نے ابن زیاد کے لشکر سے بکثرت بہادروں کو قتل کر ڈالا (ارشاد الساری شرح صحیح بخاری جلد ۶ صفحہ ۱۲۹) (۱۲) علامہ مسعودی نے لکھا ہے فلم یزل یقاتل حتی قتل رضوان اللہ علیہ یعنی امام حسینؑ برابر لڑتے ہی رہے یہاں تک کہ آخر میں قتل ہو گئے (مروج الذہب بر حاشیہ تاریخ کامل جلد ۶ صفحہ ۱۴۰) (۱۳) علامہ ابن اثیر جزری نے حضرت کی وہ حالت جو آخر وقت میں ہو گئی تھی لکھی ہے وقاتل راجلا قتال الفارس الشجاع یتقی الرمیۃ ویفترص العورۃ ویشد علی الخیل وھو یقول اعلی قتلی تجتمعون اما واللہ لا تقتلون بعدی عبدا من عباد اللہ اللہ اسخط علیکم لقتلہ منی یعنی حضرت

امام حسینؑ پیدل ہوکر بھی بڑے بہادر سوار کی طرح لڑتے تھے اور تیروں کی بوچھار سے بچتے ہوئے اور خالی مقام میں گھس گھس کر سواروں پر سخت حملے کرتے تھے اور فرماتے جاتے تھے کیا تم میرے قتل پر اکٹھے ہو رہے ہو؟ خدا کی قسم میرے بعد کوئی بندۂ خدا ایسا نہیں ہوگا جسکے قتل پر خدا میرے قتل سے زیادہ غضبناک ہو (تاریخ کامل جلد ۴ صـ ۳۲) (۱۴) علامہ طبری اور علامہ ابن اثیر جزری نے لکھا ہے وحمل الناس علیہ عن یمینہ وشمالہ فحمل علی الذین عن یمینہ فتفرقوا ثم حمل علی الذین عن یسارہ فتفرقوا فواللہ ما روی مکثور قط قد قتل ولدہ واہل بیتہ واصحابہ اربط جاشا منہ ولا امضی جنانا منہ ولا اجرء مقدما واللہ ما رایت قبلہ ولا بعدہ مثلہ واللہ ان کانت الرجالۃ لتنکشف عن یمینہ وشمالہ انکشاف المعزی اذا شد فیہا الذئب یعنی دشمن دونوں جانب سے امام حسینؑ پر حملہ کرنے لگے۔ تو امام حسینؑ بھی ان پر ٹوٹ پڑے اب یہ حالت ہوگئی کہ جب آپ داہنی جانب والوں پر حملہ کرتے تھے تو اس پوری جماعت کو تتر بتر کر دیتے تھے۔ اور جب بائیں طرف والوں پر حملہ آور ہوتے تھے تو ان سب کو بدحواس کر ڈالتے تھے۔ راوی کہتا ہے کہ خدا کی قسم میں نے امام حسین سے زیادہ ثابت قدم بہادر اور قوی دل کسی شخص کو بھی نہیں پایا اور نہ آگے بڑھنے میں آپ سے زیادہ جری دیکھا بلکہ خدا کی قسم میں نے تو آپ کا مثل بھی نہیں دیکھا نہ آپ سے پہلے کسی شخص کو اور نہ آپکے بعد کسی بہادر کو۔ حالانکہ آپ ہر طرح مغلوب ہو چکے تھے۔ کیونکہ آپ کے بھائی بھتیجے۔ بیٹے۔ عزیز اور رفیق سب قتل ہو گئے تھے۔ بخدا یزید کی فوج آپ کے حملوں سے داہنے بائیں اس طرح بھاگتی تھی جس طرح بھیڑیئے کے حملہ کرنے سے بکریاں بدحواس ہوکر بھاگتی ہیں (تاریخ طبری جلد ۶ صـ ۲۵۹ و تاریخ کامل جلد صـ ۲۲) (۱۵) یورپین مورخ مسٹر جیمس کارکرن نے بھی حضرت کی بہادری کو جن زوردار الفاظ میں لکھا ہے پہلے بیان کر چکی ہوں [۱]۔ کیا ان عبارتوں کے بعد بھی کوئی شخص حضرت امام حسینؑ کی شجاعۃ کا

---

[۱] ملاحظہ ہو صـ ۲۸۹

اندازہ کر سکتا ہے ۔ تم ہی بتاؤ اکیلے بھوکے پیاسے کا اس طرح جہاد کرنا کہ جس طرح بھیڑیئے کے حملہ سے بکریاں بھاگتی ہیں اسی طرح حضرتؑ کے حملہ سے ابن زیاد کے بیس تیس ہزار بہادر بھاگتے تھے کسی اور ملک اور قوم کی تاریخ میں بھی مل سکتا ہے؟

بتیسواں باب ۳۲

یزیدی لشکر کی تعداد اور لشکر امام حسینؑ کی شجاعت

مولوی صاحب ۔ بیس تیس ہزار بہادر کہنا تو صریح مبالغہ ہے ۔ اتنی فوج کربلا میں کس غرض سے بھیجی جائیگی ۔

حسینی بیگم ۔ مبالغہ کی خوب کہی ۔ تاریخوں میں دیکھو کہ ابن زیاد نے کوفہ سے کتنی فوجیں روانہ کی تھیں (۱) مولانا محمد مبین صاحب فرنگی محلی نے تحریر فرمایا ہے ۔ "و عبید اللہ بن زیاد از بصرہ آمد چہار ہزار کس کہ رئیس آنہا عمرو بن سعد را مقرر نمود بجانب کربلا رواں ساخت و از پس آنہا فوج دیگر فرستاد بست و دو ہزار و در بعضے روایت سی ہزار رسیدہ روز ہشتم محرم جنود بدبختان بکربلا جمع شد" یعنی عبید اللہ بن زیاد بصرہ سے آیا اور چار ہزار فوج کو جس کا سردار عمر بن سعد کو مقرر کیا تھا کربلا کی طرف روانہ کیا اور اسکے بعد دوسری فوج ۲۲ ہزار کی اور بعض روایت کے مطابق تیس ہزار کی روانہ کی ۔ آٹھویں محرم کو یہ بدبخت لشکر کربلا میں جمع ہو گئے (وسیلۃ النجاۃ ص۲۸۹) (۲) علامہ ابن حجر مکی نے لکھا ہے وکان لما شارف الکوفۃ سمع بہ امیرھا عبید اللہ بن زیاد فجھز الیہ عشرین الف مقاتل یعنی جب حضرت امام حسینؑ کوفہ کے قریب پہونچے اور ابن زیاد کو حضرتؑ کے آنے کی خبر ہوئی تو بیس ہزار لڑنے والوں کو حضرتؑ کے مقابلہ کے لئے روانہ کیا (صواعق محرقہ ص۱۲۳) (۳) جامع التواریخ میں ہے روز دیگر عمر و سعد با چہار ہزار نفر بعزم جنگ امام در آں جا فرود آمد و بعدہ بدفعات ابن زیاد بمدد او لشکر فرستاد تا ایں کہ عدد سپاہ بہ بست و دو ہزار رسید یعنی دوسرے روز عمر سعد چار ہزار فوج کے ساتھ حضرت امام حسینؑ سے لڑنے کے لئے

پہونچ گیا اور اسکے بعد بھی کئی دفعہ ابن زیاد نے اسکی مدد میں فوجیں روانہ کیں۔ یہاں تک کہ یزیدی فوج کی تعداد ۲۲ ہزار تک پہونچ گئی (جامع التواریخ مطبوعہ لکھنؤ صفحہ ۱۴۶) اسی طرح یزیدی فوج کی تعداد جو کربلا میں آئی تھی مورخ اعثم کوفی نے ۲۰ ہزار۔ علامہ طلحہ شافعی نے مطالب السئول میں اور علامہ یافعی نے ۲۲ ہزار اور صاحب شرح شافیہ نے ۵۰ ہزار اور ابومخنف نے اسی ہزار بتائی ہے اور حضرت امام حسینؑ کی طرف صرف ۳۲ سوار اور ۵۰ پیادے تھے مگر شجاعت کے وہ کارنامے چھوڑ گئے جو تاریخ میں اپنی نظیر نہیں رکھتے علامہ ابن اثیر جزری نے لکھا ہے وقاتل اصحاب الحسین قتالا شدیدا وھم اثنان وثلاثون فارسا فلم یحمل علی جانب من خیل الکوفۃ الا کشفتہ فلما رای ذلک عروۃ بن قیس وھو علی خیل الکوفۃ بعث الی عمر فقال الا تری ما تلقی خیلی ھذا الیوم من عدۃ العدۃ الیسیرۃ ابعث الیھم الرجال والرماۃ یعنی امام حسینؑ کے اصحاب میں کل ۳۲ سوار تھے مگر ان لوگوں نے ایسا سخت مقاتلہ کیا کہ جدھر حملہ کیا اُدھر کی فوج کو بھگا دیا۔ آخرکار یزیدی فوج کے سردار عروہ بن قیس نے عمر و بن سعد کے پاس پیغام بھیجا کہ کیا تو نہیں دیکھتا کہ اس قلیل لشکر نے ہم لوگوں کا کیا حال کر دیا۔ اب جلد اور تیر اندازوں اور پیادوں کو بھیجو (تاریخ کامل جلد ۲۸) پھر لکھا ہے وجاء عابس بن ابی شبیب الشاکری وشوذب مولی شاکر الی الحسین فسلما علیہ وتقدما فقاتلا فقتل شوذب واما عابس فطلب البراز فتحاماہ الناس لشجاعتہ فقال لھم عمر ارموہ بالحجارۃ فرموہ من کل جانب فلما رای ذلک القی درعہ ومغفرہ وحمل علی الناس فھزمھم بین یدیہ یعنی پھر جناب عابس بن ابو شبیب شاکری اور شوذب جو شاکر کے آزاد کردہ تھے دونوں امام حسینؑ کی خدمت میں حاضر ہوئے پھر حضرتؑ کو سلام کر کے جہاد کو روانہ ہو گئے اور لڑنا شروع کیا۔ جناب شوذب تو لڑتے لڑتے شہید کئے گئے مگر عابس کی شجاعت نے ابن سعد کے لشکر کو ایسا بدحواس کیا کہ یہ اُن لوگوں کو اپنے مقابلہ پر لڑنے کو بلاتے تھے مگر کوئی بھی آپکے سامنے آنے کی جرأت نہیں کرتا تھا۔ آخر عمر بن سعد نے حکم دیا کہ ان پر پتھر

برسائو۔ پھر کیا تھا ہر طرف سے پتھر پڑنے لگے۔ جب اُنھوں نے یہ دیکھا تو اپنے بدن سے زرہ اور سر سے خود اُتار دیا اور یزیدی فوج پر حملہ کر دیا۔ پھر کیا تھا سب بھاگ گئے (تاریخ کامل جلد ۴ صفحہ ۳۱) ایک اور بزرگ کا حال سن لو۔ علامہ ابن اثیر جزری نے لکھا ہے واما سوید بن المطاع فکان قد صرع فوقع بین القتلی مثخنا بالجراحات فسمعهم یقولون قتل الحسین فوجد خفة فوثب ومعه سکین وکان سیفه قد اخذ فقاتلهم بسکینه ساعة یعنی حضرت امام حسینؑ کے ساتھی سوید بن مطاع زخموں سے چور ہو کر شہداء میں پڑے تھے۔ انھوں نے سنا کہ لوگ کہتے ہیں کہ امام حسینؑ تو قتل کر دیئے گئے۔ یہ سنتے ہی ان میں پھر جوش پیدا ہو گیا اور وہ اس حالت میں بھی اچھل پڑے۔ مگر کرتے کیا۔ انکی تلوار تو پہلے ہی چھن چکی تھی۔ البتہ انکے پاس ایک چاقو بچا رہ گیا تھا۔ اسی چاقو سے انھوں نے لڑنا شروع کیا اور ایک گھنٹہ تک ان لوگوں کو مارتے رہے (تاریخ کامل جلد ۴ صفحہ ۳۲)

اب تم ہی انصاف کرو کہ دنیا کسی اور جانباز کو پیش کر سکتی ہے جو زخمی ہو کر اور موت کے قریب پہونچنے کے بعد بھی شجاعت کے ایسے جوہر دکھائے؟

تینتیسواں باب ۳۳

کیا امام حسین علیہ السلام سید الشہداء نہیں تھے؟

مولوی صاحب۔ ہاں ان تاریخی تحقیقات کو کون جھٹلا سکتا ہے۔ مگر لوگ امام حسینؑ اور انکے ساتھیوں کے بارے میں مبالغہ سے ضرور کام لیتے ہیں۔ حضرت حمزہ سید الشہداء تھے جو جنگ احد میں شہید کئے گئے مگر اب حضرت امام حسین رضی اللہ عنہ کو سید الشہداء کہتے ہیں

حسینی بیگم۔ تو کیا بُرا کرتے ہیں۔ حضرت حمزہ اپنے زمانہ تک کے شہیدوں سے بڑھے ہوئے تھے اسی وجہ سے وہی اس وقت سید الشہداء تھے۔ مگر حضرت امام حسینؑ انکے

بود خصوصیات شہادت میں حضرت حمزہ سے بھی بڑھ گئے تو اب حضرتؑ ہی سید الشہداء
کہے جانیکے مستحق ہیں۔ اسی وجہ سے جاہلوں نے نہیں بلکہ علماء اسلام نے حضرتؑ کو
سید الشہداء کہا اور بالکل بجا کہا۔

مولوی صاحب - حضرت حسین رضؓ کس وجہ سے حضرت حمزہ رضی اللہ عنہ سے
بڑھ جائیں گے۔ انہوں نے تو حضرت رسولخدا صلعم کے ساتھ ۔غزوہ احد میں جہاد کیا شہید
ہوئے ۔ اس وجہ سے سید الشہداء کہے گئے ۔ امام حسین علیہ السلام تو حضرت رسولخدا
صلعم کے ساتھ جہاد نہیں کیا ۔نہ حضرتؐ کے زمانہ میں شہید ہوئے ۔ پھر ان کو سید الشہداء
کہنا زبردستی نہیں تو کیا ہے ؟

حسینی بیگم - اگر حضرت حمزہ اس وجہ سے سید الشہداء ہیں کہ آنحضرت صلعم کے
ساتھ لڑے اور قتل ہوئے تو یقیناً حضرت امام حسینؑ اُن سے بڑھ گئے ۔

مولوی صاحب - کیا خوب ۔کس عقل سے تم ایسی باتیں کرتی ہو ۔

حسینی بیگم - یہ بتاؤ کہ جس بزرگ کی شہادت سے حضرت رسولخدا صلعم کو درجہ شہادۃ
حاصل ہو وہ افضل ہونگے یا وہ جن کی شہادت سے حضرت رسولخدا صلعم کو کوئی
درجہ نہ حاصل ہو ۔

مولوی صاحب - یہ بھی کچھ پوچھنے کی بات ہے جسکی شہادۃ سے آنحضرتؐ
کو شہادۃ کا درجہ حاصل ہوگا وہ ضرور افضل ہونگے ۔

حسینی بیگم - اچھا جس بزرگ کی شہادۃ کے بغیر حضرت رسولخدا صلعم کے کمالات ناقص
رہیں اور جسکی شہادت سے حضرت رسولخدا صلعم کے کمالات پورے ہوجائیں وہ بہتر
ہیں یا وہ بزرگ جنکی شہادت سے حضرت رسولخداؐ کے کمالات پر کوئی اثر نہ پڑے ۔

مولوی صاحب - یقیناً وہی بزرگ بہتر ہیں جن کی شہادۃ سے آنحضرت صلعم
کے کمالات پورے ہوجائیں ۔

حسینی بیگم - اب جناب مولانا شاہ عبدالعزیز صاحب دہلوی رحمۃ اللہ کی وہ تحقیق

دیکھو جسمیں انھوں نے لکھا ہے کہ حضرت امام حسینؑ کی شہادت سے آنحضرتؐ کو درجہ شہادت حاصل ہوا۔ اور آپکے کمالات نبوت پورے ہوگئے (دیکھو سر الشہادتین)

مولوی صاحب۔ ہاں اسکی عبارت تم پہلے سنا چکی ہو[۱]

حسینی بیگم۔ اب کیا کہتے ہو جس بزرگ کی شہادت کا یہ درجہ ہو کہ اس سے حضرت رسولخدا صلعم کو شہادۃ کا مرتبہ حاصل ہو گیا اور حضرت کے کمالات نبوت کی کمی زائل ہوگئی اور آپ کے فضائل پورے ہو گئے، وہ بزرگ سید الشہداء ہو سکتے ہیں۔ یا وہ جن کی شہادت سے اس قسم کی کوئی بات نہیں ہوئی۔

مولوی صاحب۔ مگر حضرت رسولخدا صلعم نے تو حضرت حمزہ کو سید الشہداء فرمایا ہے۔ تو ہم لوگوں کو چاہیئے کہ یہ لفظ صرف جناب حمزہ کے لیئے بولیں کہ وہی اسکے مستحق ہیں لہذا حضرت کے قول کے مطابق ہم لوگ دوسرے کو سید الشہداء کیسے کہہ سکتے ہیں۔

حسینی بیگم۔ پھر حضرت رسولخدا صلعم نے تو جرجیس کو بھی سید الشہداء کہا ہے۔

مولوی صاحب۔ ارے یہ تم کیا کہنے لگیں۔ معاذ اللہ آنحضرت صلعم نے حضرت حمزہ کے سوا اور کسی کو کب اس لقب سے سرفراز فرمایا ہے۔

حسینی بیگم۔ (اٹھیں اور تفسیر در منثور لاکر بولیں) دیکھو علامہ سیوطی نے کیا لکھا ہے اخرج احمد فی الزھد عن وھب بن منبہ قال نادی مناد من السماء ان یحیی بن ذکریا سید من ولدت النساء وان جرجیس سید الشہداء یعنی حضرت رسولخدا صلے اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا کہ آسمان سے ایک منادی نے پکار کر کہا کہ حضرت یحییٰ سب آدمیوں کے سردار اور جرجیس سید الشہدا ہیں۔ (تفسیر درمنثور جلد ۲ صـ ۲۲)

مولوی صاحب (نے حسینی بیگم کے ہاتھ سے کتاب لیلی اور کئی مرتبہ پڑھکر کہا تم نے

[۱] ملاحظہ ہو یہ کتاب تصویر عزا صـ ۱۴۵

تو عجیب بات دکھا دی۔ اب اس سے کون انکار کر سکتا ہے۔

حسینی بیگم۔ انکار کرنے کی ضرورت ہی نہیں ہے۔ مطلب یہ ہے کہ جو لوگ اپنے زمانہ میں سید الشہداء تھے اور جناب حمزہ اپنے زمانہ میں مگر حضرت امام حسینؑ ابتدائے خلقت عالم سے قیامت تک کے شہیدوں کے سردار ہیں۔ اس وجہ سے آنحضرت ہی سید الشہداء ہیں۔

مولوی صاحب۔ مگر حضرتؐ نے تو امام حسینؓ کو سید الشہداء نہیں فرمایا۔

حسینی بیگم۔ آنحضرتؐ کے زمانہ میں امام حسینؑ شہید ہی نہیں ہوئے تو آنحضرتؐ فرماتے کیسے۔ ہاں حضرتؐ کے سامنے یہ واقعہ ہوتا تو ضرور فرماتے۔

مولوی صاحب۔ مگر آنحضرتؐ نے نہیں فرمایا تو ہم کیوں کہیں۔

حسینی بیگم۔ ہم لوگ حضرت رسولخدا صلعم کو سید الانبیاء والمرسلین کیوں کہتے ہیں۔

مولوی صاحب۔ اس سبب سے کہ حضرتؐ ہی کل انبیاء و مرسلین کے سردار تھے۔

حسینی بیگم۔ مگر آنحضرتؐ نے بھی کبھی اپنے کو سید المرسلین فرمایا ہے۔

مولوی صاحب۔ (بہت دیر تک غور کرتے رہے۔ پندرہ بیس منٹ کے بعد بولے) نہیں مجھے تو کسی کتاب میں حضرتؐ کا اپنے کو سید المرسلین فرمانا خیال نہیں پڑتا۔

حسینی بیگم۔ تو پھر حضرتؐ کو بھی سید المرسلین نہیں کہنا چاہئے۔ بلکہ اوپر ہی کی عبارت میں ہم نے سُنا کہ آنحضرتؐ نے حضرت یحییٰ کو سید من ولدت النساء (یعنی عورتوں نے جن بچوں کو پیدا کیا ان سب کے سردار حضرت یحییٰ تھے) فرمایا۔ تو حضرت یحییٰ ہی کو سید المرسلین کہا کرو۔

مولوی صاحب۔ مگر آنحضرت صلعم نے اپنے بارے میں یہ تو فرمایا ہے کہ انا سید ولد آدم یعنی میں کل بنی آدم کا سردار ہوں (کنز العمال جلد ۶ صـ۱۵۷) اور بنی آدم میں مرسلین بھی ہیں۔

حسینی بیگم۔ تو آنحضرتؐ کے کس قول کو مانو گے۔ ایک جگہ حضرتؐ نے فرمایا کہ

حضرت یحییٰ سب لوگوں کے سردار تھے اور ایک جگہ فرمایا کہ میں کل بنی آدم کا سردار ہوں۔

مولوی صاحب۔ مگر امام حسینؑ کے بارے میں تو کوئی بات نہیں فرمائی جس سے معلوم ہو کہ وہ سید الشہداء تھے۔

حسینی بیگم۔ نہیں حضرتؐ کی مشہور حدیث ہے الحسن والحسین سیدا شباب اھل الجنۃ پس جس طرح بنی آدم میں انبیاء و مرسلین بھی ہیں اسیطرح شباب اہل الجنۃ میں شہداء بھی ہیں۔

یعنی جو شہید ہوئے اور بڑھاپے میں مرے ہوں وہ بھی بہشت میں جوان ہی ہو کر جائیں گے ۔

مولوی صاحب۔ مگر تم کہتی ہو کہ صرف جاہل ہی نہیں علماء بھی امام حسین رضی اللہ عنہ کو سید الشہداء لکھتے اور کہتے ہیں۔ کیا تم کسی مستند عالم کا نام بتا سکتی ہو جس نے حضرت کو سید الشہداء لکھا ہے۔

حسینی بیگم۔ سیکڑوں ہیں (۱) مثلاً جناب استاذ العلماء مولانا محمد عبد الحق صاحب سہارنپوری نواسہ استاذ کل حضرت مولانا احمد علی صاحب محدث سہارنپوری رحمۃ اللہ نے اپنی کتاب تصدیق شہادت میں متعدد مقام پر سید الشہداء امام حسینؑ لکھا ہے اور (۲) جناب مولانا مولوی اختر شاہ صاحب مدرس مدرسہ امداد الاسلام میرٹھ نے بھی حضرت کو سید الشہداء لکھا ہے (تصدیق شہادت صـ ۹۴) (۳) جناب مولانا شاہ محمد سلیمان صاحب پھلواروی نے اپنی کتابوں میں ہر جگہ حضرتؑ کو سید الشہداء لکھا ہے (دیکھو رسالہ شہادۃ حسینؑ و رسالہ غم حسینؑ) (۴) جناب مولانا ابو الکلام صاحب آزاد دہلوی بھی برابر حضرتؑ کو سید الشہداء لکھتے ہیں۔ مثلاً دیکھو انکا مضمون فلسفہ شہادۃ در اخبار حقیقت لکھنؤ ۱۵ و ۱۶ محرم سنہ ۱۳۵۱ ہجری (۵) جناب مولانا محمد مبین صاحب عالم جلیل فرنگی محل لکھنؤ نے حضرتؑ کو اپنی کتاب میں سید الشہداء لکھا ہے (دیکھو وسیلۃ النجاۃ مطبوعہ لکھنؤ) میں کہاں تک کتابوں کا نام لوں۔ بس ایک ایسے بزرگ کا نام بتا دیتی ہوں جن کے بعد تم کچھ بول ہی نہیں سکتے۔

مولوی صاحب۔ وہ کون۔

حسینی بیگم - حضرت مولانا شاہ عبدالعزیز صاحب دہلوی رحمہ اللہ

مولوی صاحب - ہاں ہاں وہ تو ہزار علماء کے مقابلہ میں تنہا کافی ہیں۔ انکے لکھنے کے بعد تو کسی شخص کو عذر ہو ہی نہیں سکتا ہے۔

حسینی بیگم - دیکھو ممدوح لکھتے ہیں "چوں حضرت امام حسین رضی سید الشہداء از دست اشقیاء شام و عراق منصب با شہادت یافت" یعنی جب حضرت امام حسین سید الشہداء نے دشمنوں کے ہاتھ سے شہادت کا درجہ پایا (تحفہ اثنا عشریہ مطبوعہ فخر المطابع سنہ ۱۲۶۸ ہجری ص۲۸)

مولوی صاحب - بس اب کسی اور کا نام لینے کی ضرورت ہی نہیں ہے۔ یقیناً حضرت امام حسین رضی اللہ عنہ سید الشہداء تھے۔

حسینی بیگم - مختصر سمجھ لو کہ جس طرح حضرت رسولخدا صلعم نے رسالت کا کام سب رسولوں سے بہتر ادا کیا اس وجہ سے خدا نے تمام مسلمانوں کی زبان پر حضرت کا نام سید المرسلین جاری کر دیا۔ اسی طرح حضرت امام حسینؑ نے شہادۃ کا درجہ سب شہداء سے بہتر حاصل کیا۔ اس وجہ سے خدا نے تمام مسلمانوں کی زبان پر حضرتؑ کا نام بھی سید الشہداء جاری کر دیا۔

چونتیسواں باب ۳۴

کیا شہادت امام حسینؑ پر رونا منع یا مکروہ ہی اور کیا حضرت عورت رونے سے خدا خوش نہیں ہوگا

مولوی صاحب - جو لوگ مرجاتے ہیں یا راہ خدا میں شہید ہوتے ہیں ان پر رونے کو عقل بھی منع کرتی ہے اور شریعت بھی بلکہ صبر کرنا چاہیئے کہ ہوگو نکو اسیکا حکم ہو گر لوگ نہیں جہالت

کتنی بڑھتی جاتی ہے کہ ادھر حضرتؓ کا نام آیا اور لوگ رونا شروع کر دیتے ہیں حالانکہ رونا
اور نوحہ و ماتم کرنا منع ہے۔ کیونکہ آپکو رونا۔ آپ کے غم میں آنسو بہانا۔ آپ کے مصائب
پر گریہ و بکا کرنا یا غایۃ صدمہ سے آہ یا ہائے واے کرنا بے صبری اور حرام و ممنوع ہے۔
حسینی بیگم۔ اس جگہ میں پہلے جناب مولانا حسن میاں صاحب ابن جناب مولانا شاہ
محمد سلیمان صاحب پھلواروی کے رسالہ گریہ و بکا مطبوعہ سے کچھ عبارتیں سناتی ہوں
ممدوح تحریر فرماتے ہیں "حضرت امام حسینؑ کے واقعہ کو یاد کر کے رونے اور اُن کے غم
میں آنسو بہانے کو شاید آج تک کسی نے حرام و ناجائز نہیں بتایا تھا بلکہ علماء کرام و
صوفیاء عظام و اکابر ملت و محققین اہلسنت برابر اس واقعہ پر روتے چلے آئے ہیں۔
اور اس کو سعادت و ثواب سمجھا کئے ہیں۔ ہم نہیں سمجھ سکتے کہ مظلوم سید الشہداء جگر گوشۂ
رسول الثقلین حضرت امام ہمام سیدنا امام حسین علی جدہ و علیہ الصلوۃ والسلام کی مصیبت
پر آنسو بہانا۔ اُن کے غم میں گریہ و بکا کرنا یا دلی صدمہ کی وجہ سے ہائے واے کرنا کیونکر
اور کس وجہ سے حرام و ممنوع ہوگا۔ جبکہ اپنی بیوی اور بال بچوں کے لئے رونا اور بے
قرار ہونا حرام و ممنوع نہیں ہے۔ یوسف و یعقوب علیہما السلام کا واقعہ ذرہ قرآن
میں پڑھو۔ دیکھو حضرت یعقوبؑ مدت ہائے دراز تک یوسفؑ کی جدائی سے کیسا
ہائے واے کرتے رہے اور کیسا کچھ محزون و مغموم رہے۔ نور چشم کے فراق میں نور بصر بھی
کھو بیٹھے تھے وقال یا اسفا علی یوسف وابیضت عیناہ من الحزن فھو کظیم
قالوا تاللہ تفتؤ تذکر یوسف حتی تکون حرضا او تکون من الھالکین۔ قال انما
اشکو بثی وحزنی الی اللہ واعلم من اللہ مالا تعلمون یعنی حضرت یعقوبؑ جناب
یوسفؑ کو یاد کر کے لگے کہنے ہائے یوسف اور ہر چند ضبط کرتے تھے۔ مگر مارے غم کے
ان کی دونوں آنکھیں سفید پڑ گئی تھیں اور وہ جی ہی جی میں گھٹا کرتے تھے۔ باپ کا حال
دیکھکر بیٹے لگے کہنے کہ بخدا تم تو سدا یوسف ہی کی یادگاری میں لگے رہو گے یہاں تک
کہ جھُر جھُر کر یا تو ازکار رفتہ ہو جاؤ گے یا ہلاک ہی ہو جاؤ گے۔ یعقوبؑ نے کہا میں تم سے

تو کچھ کہتا نہیں جو پریشانی اور رنج مجھکو ہے اسکی فریاد خدا ہی سے کرتا ہوں اور خدا ہی کی طرف سے مجھکو وہ باتیں معلوم ہیں جو تم کو معلوم نہیں (پارہ ۱۳ رکوع ۴) اور بریرہ حضرت عائشہ کی لونڈی کا قصہ صحیح بخاری میں موجود ہے کہ انھوں نے اپنے آزاد ہونے پر حسب مسئلہ خیار اپنے زوج مغیث سے (جو غلام تھے) علیحدگی اختیار کی تو وہ مدینہ کی گلیوں میں بریرہ کے پیچھے پیچھے دوڑتا تھا اور اس قدر روتا تھا اور گریہ و بکا کرتا تھا کہ داڑھی آنسوؤں سے تر ہو جاتی تھی حضور انور رسول اللہ نے نہ اسکو منع کیا اور نہ اسکے اس گریہ وزاری پر نفرین کی نہ اسکو حرام و ناجائز و ممنوع بتایا بلکہ آپ کو اس حال پر افسوس ہوا اور بریرہ سے اسکی سفارش فرمائی۔ چنانچہ صحیح بخاری جلد ثانی صفحہ ۷۹۵ ملاحظہ ہو۔ ان زوج بریرۃ کان عبداً یقال لہ مغیث کانی انظر الیہ یطوف خلفہا یبکی و دموعہ تسیل علی لحیتہ فقال النبی لعباس یا عباس الا تعجب من حب مغیث بریرۃ و من بغض بریرۃ مغیثا فقال النبی لو راجعتیہ قالت یا رسول اللہ تامرنی قال انما اشفع قالت فلا حاجۃ لی فیہ اس روایت سے معلوم ہوا کہ اپنی بیویوں کے لئے رونا گریہ و بکا کرنا حرام و نادرست نہیں پس جب یہ ممنوع نہیں تو مظلوم سبط رسول خدا سیدنا امام حسین شہید دشت کربلا کو رونا اُنکے غم میں آنسو بہانا گریہ و بکا کرنا کیوں حرام و ممنوع و ناروا ہوگا؟ احادیث صحاح و سنن اور کتب سیر میں آنحضرت رسول اللہ کی وفات شریف کے بعد اصحاب کرام و اہلبیت اطہار کے گریہ و بکا و زاری کا حال دیکھو اگر یہ حرام و ممنوع ہوتا تو صحابہ عظام و اہلبیت کرام اسکے کیوں مرتکب ہوتے؟ مدارج النبوۃ صفحہ ۸۸۸ ملاحظہ ہو وبصحت رسیدہ کہ چون آنحضرت رحلت کرد فاطمہ زہرا اندبہ کرد و زاری نمود و گفت یا ابتاہ دعوت حق را اجابت فرمودی۔ وا ابتاہ بجنت الفردوس نزول نمودی (صحیح طریقہ سے ثابت ہے کہ جب حضرت رسول خدا صلعم نے انتقال فرمایا تو حضرت فاطمہ زہرا نوحہ و ماتم کرنے لگیں اور گریہ و بکا میں مشغول ہوئیں۔ کہتی تھیں ہائے بابا آپ نے دعوت حق کو قبول کرلیا

ہائے بابا آپ جنت الفردوس میں تشریف لے گئے)۔ ماثبت بالسنہ میں ہے:۔
فقعدت تندب علی رسول اللہ م وتقول یا ابتاہ وا رسول اللہ یعنی حضرت فاطمہؓ
حضرت رسول خدا صلعم پر نوحہ وزاری کرنے لگیں اور کہتی تھیں اے بابا۔ اے رسول
اور صحیح بخاری جلد ثانی صلا۶۴ ملاحظہ ہو فلما مات قالت یا ابتاہ من جنۃ الفردوس
ماواہ یا ابتاہ الی جبریل ننعاہ (جب آنحضرت کا انتقال ہو گیا تو جناب سیدہ
کہنے لگیں ہائے بابا جنکی منزل اب جنت الفردوس میں ہے۔ ہائے بابا میں جبرئیل
کو آپ کے موت کی خبر سناتی ہوں) یا ابتاہ۔ وا ابتاہ کے ٹھیک معنی ہائے
ابا۔ آہ اے پدر بزرگوار۔ وا اے اے ابا ہیں۔ نہیں معلوم مضمون نگار۔ ہائے
ہائے کرنے کو حرام وممنوع بتلا کر نعوذ باللہ کیسے کیسے بزرگان دین ومقبولان و
مقربان بارگاہ حق کو حرام وممنوع کا مرتکب بنائیگا۔ شیخ الاسلام سیدی حضرت
مولانا بابا فرید گنج شکر رح قدس سرہ العزیز کے متعلق لکھا ہے کہ اس واقعہ
شہادت کو یاد کرکے ہائے ہائے کرنے لگتے اور بے ہوش ہو جاتے تھے ...... یہ
غم واندوہ اور گریہ وبکا تمام صحابہ اور ہر کس وناکس کو تھا جیسا کہ کتب احادیث وسیر میں
موجود ہے۔ کسی کے ہوش جاتے رہے۔ کسی کے ہوش جاتے رہے۔ کسی کے حواس باختہ
ہو گئے۔ کسی کو سکتہ ہو گیا وغیر ذلک دیکھو ماثبت بالسنہ اور مدارج النبوۃ وغیرہ اور
ماثبت بالسنہ صلا۵ میں حضرت ابوبکرؓ کے گریہ وبکا کا حال یوں منقول ہے عن عائشہ
رضؓ ان ابابکرؓ دخل علی النبی بعد وفاتہ فوضع فاہ بین عینیہ ووضع یدیہ علی
صدغیہ فقال وا نبیاہ وا خلیلاہ وا صفیاہ (یعنی حضرت ابوبکرؓ آنحضرتؐ کے
انتقال کے بعد حضرت کے پاس پہونچے اور اپنا منہ حضرت کی پیشانی پر اور اپنے
دونوں ہاتھ حضرت کی کن پٹی پر رکھکر فرمانے لگے۔ ہائے ہمارے نبی۔ ہائے ہمارے
دوست۔ ہائے ہمارے صفی) اور شواہد الحق صلا۸۸ میں علامہ نبہانی لکھتے ہیں وفی
روایۃ للامام احمد فقبل جبہتہ ثم قال وا نبیاہ (یعنی ایک روایۃ میں امام احمد کے

ہے کہ پھر حضرت ابوبکر نے حضرت رسولخدا صلعم کی پیشانی کو بوسہ دیا اور کہنے لگے ہائے ہمارے نبی) پس جس طرح سیدہ زہرا علیہا السلام حضرت رسولخداؐ کو ہائے اے پدر بزرگوار اور حضرت صدیق اکبرؓ ہائے اے نبی اور آہ اے رسول اللہؐ کہہ روتے تھے۔ اسی طرح اگر حضرت بابا فرید گنج شکر سید الشہدا کو روئے اور اس غم میں ہائے ہائے کیا تو کیوں نادرست و حرام ہوگا۔۔۔ اور سنئے صحیح بخاری جلد اول ص ۴۲۹ میں مروی ہے عن ابن عباس انہ قال یوم الخمیس وما یوم الخمیس ثم بکی حتی خضب دمعہ الحصباء فقال اشتد برسول اللہ وجعہ یوم الخمیس یعنی حضرت ابن عباسؓ نے جمعرات کے دن کو یاد فرمایا کہ جمعرات کا دن (ہائے) کون سا دن ہے۔ پھر رونے لگے اور اس قدر روئے اور بکا کیا کہ زمین آنسوؤں سے تر ہوگئی۔ پھر فرمایا جمعرات ہی کے دن رسول اللہؐ کا مرض (موت) شدید ہوا تھا۔ انصاف شرط ہے کہ جس طرح حضرت ابن عباسؓ جمعرات کو یاد کرکے گریہ و بکا کرتے تھے اگر اسی طرح بابا فرید گنج شکر یا کوئی شخص عاشورہ کے دن کو یاد کرکے سید الشہدا کی مصیبت اور انکے غم میں آنسو بہائے روئے اور گریہ و بکا کرے تو کیا قباحت ہے۔ ہم نے غم حسین میں ایک بزرگ کی حکایت جو بابا صاحب رحمۃ اللہ علیہ سے منقول ہے نقل کی ہے کہ اُنکے سامنے واقعہ شہادت کا ذکر ہوا۔ وہ اس قدر روئے اور فرط غم میں اس قدر بے قرار ہوئے کہ زمین پر سر دے مارا۔ سر پھٹ گیا اور انتقال فرما گئے۔ مضمون نگار لکھتا ہے کہ یہ خودکشی ہوئی۔ نعوذ باللہ۔ ایک تو اضطرار بے قراری و بے خودی کی حالت میں اور پھر اہلبیت اطہار علیہم السلام کی محبت میں جاں بحق ہونا۔ خودکشی بتائی جاتی ہے۔ خودکشی تو جب ہوتی کہ وہ قصداً اپنے کو ہلاک کرتے۔ زہر کھالیتے۔ دریا میں ڈوب مرتے یا اپنا گلا گھونٹ دیتے وغیرہ۔ بیقراری و بے خودی کی بات خودکشی کس طرح ہوئی۔ مع ہذا۔ آؤ میں بتلاؤں کہ یہ خودکشی کا الزام اسی بزرگ پر نہیں ہے۔ بلکہ اصحاب رسول اللہؐ نے بھی آنحضرتؐ کی محبت اور

اور حضور کے غم میں جان دیکر آپ کے خیال میں الٹا خودکشی نکر معاذ اللہ بہت بڑے مجرم ہوئے ۔ مدارج النبوۃ ص۸۸۹ ملاحظہ ہو۔ آوردہ اند کہ صحابہ بعد از فوت آں حضرت سراسیمہ و حیران گشتند الی قولہ و بعضے مریض و لاغر شدہ و کاہیدہ کاہیدہ از عالم رفتند و بعضے دعا کردند کہ خداوند اعمار اکوساز کہ طاقت نظر بروئے دیگران نداریم (یعنی راویوں نے بیان کیا ہے کہ حضرت رسولخدا صلعم کی وفات کے بعد صحابہ بدحواس اور حیران ہو گئے ... اور بعض صحابہ بیمار اور دُبلے ہوگئے اور گھلتے گھلتے دنیا سے انتقال کر گئے اور بعضے صحابہ نے دعا کی کہ اے خدا تو ہمیں اندھا کر دے کیونکہ ہم میں کی طاقت نہیں ہے کہ ان آنکھوں سے دوسروں کے چہرے دیکھیں) اور ما ثبت بالسنۃ ص۱۱۹ میں ہے واضنی عبد اللہ بن انیس حتی مات کمدا (یعنی عبد اللہ بن انیس گھلتے گئے یہاں تک کہ اسی حزن و اندوہ میں مر گئے) شاید یہ بھی مضمون نگار کے خیال میں خودکشی ہوگی ۔ نعوذ باللہ من ذلک ۔ اب میں ان ... خارجیوں کو جو ذکر امام حسینؑ اور انکے غم میں رونے کو حرام و ممنوع سمجھتے ہیں ایک حدیث سناتا ہوں جسکے جواب میں ان کو سوائے ہائے وائے کرنے اور سر پیٹ کر رہ جانے کے اور کچھ نہ بن پڑیگی ۔ صحاح کی روایۃ ہے اور صحیح بخاری جلد ثانی ص۵۷۰ میں بھی (نیز صحیح بخاری میں کئی جگہ) مروی ہے بنت معوذ قالت دخل علی النبیؐ غداۃ بنی علیّ فجلس علی فراشی کمجلسک منی وجویریات یضربن بالدف یندبن من قتل من آبائھن یوم بدر حتی قالت جاریۃ وفینا نبی یعلم ما فی غد فقال النبیؐ لا تقولی ھکذا وقولی ما کنت تقولین ۔ ندبہ کے معنی بھی ملاحظہ ہوں صراح میں ہے ۔ برمردہ گریستن و برشمردن محاسن او ۔ اور خود صحیح بخاری کے حاشیہ پر موجود ہے قولہ یندبن ای یذکرن باحسن اوصافھم بما یھیج البکاء والشوق ۔ اب غور کرو انصار کی چھوکریوں نے خدا جانے کتنی مدت کے بعد حضور سید نا و مولانا محمد رسول اللہ کے سامنے اپنے آباء کا جو بدر میں مقتول ہوئے تھے ندبہ کیا اور حضور بھی سنتے رہے

آپ نے انکو منع نہ کیا۔ بلکہ ایک دوسرے امر پر انکو روک کر فرمایا کہ تم جو جملے کہہ رہی تھیں اسے کہو۔ پس جب انصار کی لڑکیوں کا اپنے مقتولوں کا ندبہ کرنا (اُن کو یاد کر کے انکے محاسن واوصاف ذکر کر کے اُن پر افسوس کرنا رقت آمیز جملے کہنا اور اُن کو رونا) منع نہیں بلکہ جائز و درست ہوا تو پھر سید اشباب اہل الجنۃ جگر گوشۂ نبی الرحمۃ سید الشہداء امام ہمام حضرت سیدنا جناب امام حسین علی جدہ وعلیہ الصلوۃ والسلام کا ندبہ کرنا۔ انکو یاد کر کے رونا۔ اُنکے غم میں آنسو بہانا اور اُن کا مرثیہ سننا سنانا کیوں حرام و نادرست اور منع ہوگا؟ افسوس۔۔ خدا جانے کیوں خاندان نبوت سے ایسی دل کشیدگی پیدا ہوگئی ہے کہ اُن کا ذکر تک اُن لوگوں کو ناگوار گزرتا ہے اور ان کو رونا اُن کے غم میں آنسو بہانا اور انکی مصیبت کو یاد کرنا تو ان لوگوں کے گمان فاسد میں بہت ہی بڑا گناہ ہے۔ خود مرزا حیرت نے بھی شہادت کے انکار کے بعد ۱۹۰۵ء میں ایسا ہی لکھا تھا۔ امام حسینؑ کی مصیبت کو یاد کر کے آنسو بہانے اور اُن کے غم میں رونے کو ناجائز بتایا اور ثبوت میں مولانا اسمٰعیل شہید مرحوم یا اور کسی کی عبارت پیش کی تھی۔ بھلا ان روایات صحیحہ واحادیث معتبرہ کے مقابل میں (جو ہم نے اوپر بیان کیں) ہم ایسے لوگوں کے اقوال کب تسلیم کرسکتے ہیں۔ ان حدیثوں اور روایتوں کے موجود رہتے ہم متشددین کے قول کی کچھ پرواہ نہیں کرتے۔ اگر کسی نے ایسا فتوے دیا ہے اور فی الواقع امام حسینؑ کی مصیبت کو یاد کر کے اُس پر رونے اور اُن کے غم میں آنسو بہانے کو منع کیا ہے تو اُس کا فتویٰ اُسی کو مبارک۔ کالائے بد بریش خاوندش۔ ما بجوے نمی خریم۔ جمہور علماء اہلسنت والجماعۃ نے کبھی ایسا فتویٰ نہیں دیا بلکہ وہ ہمیشہ اس مصیبت پر روتے اور رلاتے رہے ہیں خود مرزا حیرت آج سے کئی سال پیشتر بڑے زور شور سے امام حسینؑ کی شہادت کا مضمون لکھ چکے ہیں اور مظلوم سید الشہداء کا بڑا ماتم کیا ہے۔ چنانچہ کرزن گزٹ جلد ۲ نمبر ۹ مورخہ ۱۵ اپریل ۱۹۰۳ء ملاحظہ ہو جسکی عبارت حسب ذیل ہے:۔

"تمام دنیا کی قوم میں صرف مسلمانوں کی قوم میں حضرت حسینؑ کی شہادت ہی ایک ایسا واقعہ ہے کہ صدیوں سے جس کا ماتم ہو رہا ہے اور مسلمانوں کا ہر گروہ کم و بیش اس مظلومانہ شہادت پر ہر سال ماتم کرتا ہے۔ ہر قوم میں نہ صرف بادشاہ یا سردار بلکہ پیغمبر اور رہنما نہایت بے بسی کی حالت میں قتل ہوئے۔ جلاوطن کئے گئے لیکن آج تک انہیں سے کسی کا ماتم کسی نے نہ کیا۔ بہت سے پیغمبروں کے قتل کی خبر قرآن شریف میں دی گئی ہے۔ کلام پاک کے علاوہ عیسائیوں اور یہودیوں کی الہامی کتابیں ان دردانگیز بیانوں سے پُر ہیں۔ تمام قومی مستند تاریخیں ایسے حالات سے بھری ہوئی ہیں مگر وہ اثر اور خونی اثر جو حضرت امام حسین علیہ السلام کی شہادت کا اسلامی دنیا پر ہوا آج تک کسی قوم پر اسکے رہنما کا نہیں پڑا۔ یہ ایک راز ہے جسکی تہ تک پہونچنا محال عقلی ہے۔ یہ ایک ایسا بھید ہے جو اب تک نہیں کھلا۔ اسلامی دنیا سے علیحدہ ہو کر اگر ہم یورپ کے مورخوں کے بیانات دیکھتے ہیں تو ہمیں تعجب ہوتا ہے کہ ہمارے ماتم نے نہ صرف ہمیں ہی افسردہ کیا بلکہ نصرانیوں کی ٹھنڈی فطرت پر بھی ویسا ہی خونی اثر ڈالا۔ مورخ اعظم گبن نے سب سے پہلے حضرت امام حسینؑ کی شہادت کا ماتم کیا ہے۔ چنانچہ وہ لکھتا ہے کہ یہ مظلومانہ شہادت وطن سے دور ایک بے آب و گیاہ صحرا میں ایک سرد دل کو بھی رلا دیتی ہے۔ اس شہادت کے متعلق جو کچھ واقعات بیان ہوتے ہیں وہ ایسے عجیب و غریب ہیں کہ انھیں دیکھکر آدمی یکایک سناٹے میں رہ جاتا ہے۔ صدہا کتابیں شہادت کے بیان سے پُر ہیں۔ شیعی اور سنی علما متفق طور پر اس مظلومانہ شہادت پر آنسو بہاتے ہیں۔ طرفین کے علما کی کتابیں بہت سے خونی بیان سے بھری ہیں۔ غرض دنیا میں ابھی تک اسلام کا کوئی فریق نہیں جس نے اس بے کسانہ شہادت پر ماتم نہ کیا ہو الخ (مرزا حیرت دہلوی کا مضمون یہاں پر ختم کر دیا گیا)

غور کرو! کس زور و شور سے اس مضمون میں امام حسینؑ کے ماتم کو لکھا گیا ہے خصوصاً یہ آخری دو جملے (جو بخط جلی لکھے ہیں) صاف بتا رہے ہیں کہ سید الشہداء کی شہادت پر ماتم نہ کرنا اور اُن پر رونے اور انکی مصیبت اور غم میں آنسو بہانے کو برا کہنا یا ناجائز بتانا اسلام کے جمہور علماء کے متفقہ امر سے اختلاف کرنا اور اسلام کے اندر مسلمانوں کے باہم تفرقہ ڈالنا اور اسلام میں ایک جدید فرقہ پیدا کرنا ہے اور یہ جملہ کہ "شیعی اور سنی علماء متفق طور پر اس مظلومانہ شہادت پر آنسو بہاتے ہیں" صاف بتا رہا ہے کہ اس اتفاق کے خلاف کرنا من شذ شذ فی النار (جو اکیلا ہوگا وہ اکیلا جہنم میں رہیگا) کا مصداق بنتا ہے ... اب میں خاتمہ پر جناب حضرت امام بوصیری رح کے قصیدہ ہمزیہ کے چند اشعار نقل کرتا ہوں جہاں انھوں نے حضرت سید الشہداء امام حسین علیہ السلام اور انکے بڑے بھائی امیر المومنین جناب امام حسن علیہ السلام کا ماتم کیا ہے اور حضرات حسنینؑ کو خود دل کھول کر روئے اور دوسروں کو رلایا ہے امام بوصیریؒ اکابر علماء دین سے گزرے ہیں اُنکے احوال جسکو دیکھنا ہوں وہ تتمہ ابن خلکان وغیرہ ملاحظہ کرے۔ آپ کا قصیدہ ہمزیہ مدحیہ وہ اعلےٰ وابلغ قصیدہ ہے جسکی علماء نے بہتیری شرحیں کی ہیں۔ چنانچہ دو شرحیں جنمیں سے ایک علامہ ابن حجر مکی رح کی ہے میرے ہاں کتبخانہ میں موجود ہیں۔ چنانچہ حضرت امام بوصیریؒ فرماتے ہیں اور یوں حضرات حسنین علیہما السلام (اور خصوصاً سیدنا حسین علیہ السلام کو) روتے اور اُن کا ماتم کرتے ہیں۔

(۱) وبریحانتین طیبهما منک — الذی اودعتهما الزهراء

اور میں (یا رسول اللہ آپکو) واسطہ دیتا ہوں (آپکے) اُن دونوں صاحبزادوں کا جو باغ عالم میں آپکے دو پھول تھے اور جن کی خوشبو آپ سے تھی جو حضرت زہراؑ کو تفویض ہوئے تھے

(۲) کنت تؤ ویهما الیک کما آ — وت من الخط نقطتیها الیاء

آپ اُن دونوں کو اپنے سے لگائے رہتے تھے جیسے حرف یاء کا خط کشیدہ اپنے دونوں

نقطوں کو پناہ میں رکھتا ہے۔

(۳) من شہیدین لیس ینسینی   الطفّ مصابیہما و کلا کربلاء

وہ دونوں ایسے شہید ہیں کہ طف اور کربلا اُن دونوں مصیبت زدوں کو مجھے بھولنے نہیں دیتے۔

(۴) ما رعیٰ فیہما ذمامک مرؤ   سٌ و قد خان عہدک الرؤساء

آپ کے ذمہ داریوں کی رعایت۔ رعایا نے نہ کی اور اطرفہ یہ کہ) رئیسوں نے بھی آپ کے عہد میں خیانت کی۔

(۵) ابدلوا الود والحفیظۃ فی القر   بیٰ و ابدت ضبابہا النافقاء

(لوگوں نے) محبت اور حفظ و حمیت کو جو آپ کے قرابت مندوں کے لیے چاہئے تھی بدل دیا اور سوراخ نے اپنے سوسماروں کو ظاہر کر دیا۔

(۶) وقست منہم قلوب علی من   بکت الارض فقدہم والسماء

اور ان لوگوں کے دل سخت ہو گئے۔ اُن لوگوں کے لیے جن کے کھو جانے پر زمین اور آسمان رویا۔

(۷) فابکہم ما استطعت ان قلیلا   فی عظیم من المصاب بکاء

پس (اے لوگو!) روؤ اُن لوگوں کو جتنا ہوسکے کیونکہ (گریہ و) بکا ایسے عظیم الشان مصیبت زدوں کے لیے تھوڑا ہے۔

(۸) کل یوم و کل ارض لکربی   منہم کربلاء و عاشوراء

ہر روز اور ہر زمین (ہر جگہ) انکی مصیبت کی وجہ سے میرے لئے کربلا و عاشوراء ہے

(۹) آل بیت النبی ان فوادی   لیس یسلیہ عنکم الباساء

اے اہلبیت رسولخدا! میرے دل کو تمہاری مصیبتیں چین نہیں لینے دیتیں

(۱۰) غیر انی فوضت امری الی اللہ   ولتفویضی الامور براء

بجز اسکے کہ میں نے اپنے امر کو خدا کے سپرد کیا اور اسی تفویض میں میری براءت ہے۔

(۱۱) رب ارض بکت بلاء مسیئی خففت بعض وزرها الزوراء[۱]

چند دن کربلا میں برسے تھے جنکی بعض برائیوں کو زوراء نے ہلکا کردیا

(۱۲) والاعادی کانّ کل طریح منهم الزق حل عند الوکاء

اور اُس دن دشمنان مرے پڑے تھے مشک کیطرح کہ جس کا منہ کھلا ہوا ہو۔

(۱۳) آل بیت النبی طبتم فطاب المدح لی فیکم وطاب الرثاء

اے اہلبیت رسولؐ اللہ! تم لوگ پاک ہو۔ بدیں وجہ ہماری مدح سرائی بھی پاکیزہ اور میری مرثیہ خوانی بھی پاکیزہ۔

(۱۴) انا حسّان مدحکم فاذا نحت علیکم فانّنی الخنساء[۲]

میں تمہاری مدح میں مثل حسان کے ہوں اور پھر جب تمہارا ماتم کرتا ہوں تو خنساء ہوں۔

(۱۵) سُدتم الناس بالتقی وسواکم سودته البیضاء والصفراء

بوجہ تقویٰ و پرہیزگاری کے تم لوگ سب کے سید و سردار ہو اور تمہارے سوا اوروں کی سرداری بسبب سونا اور چاندی کے ہے۔ اللھم صل وسلم وبارک علی سیدنا ومولانا محمد وآلہ واھل بیتہ واصحابہ ومتبعیہ اجمعین۔

راقم خاکسار حسن پھلواروی غفر اللہ (رسالہ گریہ و بکا کا بیان ختم ہوگیا)

مولوی صاحب۔ البتہ مولانا ممدوح نے تشفی بخش دلیلیں دی ہیں اور خصوصاً حضرت یعقوب کے حضرت یوسف پر رونے سے تو کسی طرح انکار نہیں ہو سکتا۔ جو فعل نبی تھا۔

حسینی بیگم۔ ہم لوگوں کو حضرت یعقوب کے علاوہ حضرت رسولخدا صلعم کی سیرت بھی تو دیکھنی چاہیئے کہ حضرت اپنی مصیبت پر روتے تھے یا نہیں اگر حضرت نہ روئے ہوں

[۱] زوراء ایک مقام کا نام ہے جہاں سفاح نے بہتیرے دشمنان اہلبیت کو تہ تیغ کیا تھا جس کا ذکر آگے شعر میں ہے [۲] خنساء ایک عورت تھی جو مرثیہ و ماتم وغیرہ میں مشہور تھی ۱۲

تو ہم لوگ بھی نہ روئیں لیکن اگر حضرت نے گریہ و بکا کیا ہو تو ہم لوگوں کو حضرت ہی کی پیروی کرنی چاہیئے۔ بخاری شریف کی اس روایۃ کو غور سے سنو فاخذ رسول اللہؐ ابراھیم فقبلہ وشمہ ثم دخلنا علیہ بعد ذلکؐ وابراھیم یجود بنفسہ فجعلت عینا رسول اللہؐ تذرفان فقال لہ عبدالرحمن بن عوف وانت یارسول اللہ فقال یابن عوف انھا رحمۃ ثم اتبعھا باخری فقال ان العین تدمع والقلب یحزن ولا نقول الا ما یرضی ربنا وانا بفراقکؐ یا ابراھیم لمحزونون۔ یعنی پھر حضرت رسولخدا صلعم نے اپنے صاحبزادے ابراہیم کو لے کر بوسہ دیا اور سونگھا۔ پھر اسکے بعد ہم لوگ آنحضرتؐ کے پاس اس وقت پہنچے جب ابراہیم ختم ہوتے تھے اس وقت حضرت رسولخدا صلعم نے زار و قطار رونا شروع کیا۔ عبدالرحمن بن عوف نے عرض کی کہ یا رسول اللہ آپ بھی روتے ہیں؟ حضرت نے فرمایا اے ابن عوف یہ گریہ تو رحمت ہے۔ یہ فرما کر پھر رونے لگے اور فرمایا آنکھ روتی ہے اور دل غمگین ہے مگر ہم کہتے وہی ہیں جو مرضی خدا کے مطابق ہے اور اے ابراہیم ہم لوگ تمہاری جدائی سے غمگین ہیں (صحیح بخاری پارہ ۵ صفحہ ۶۷۵) یہ تو فرزند پر گریہ کا ثبوت ہوا۔ اب شہیدان راہ خدا پر گریہ کا اہتمام سنو کہ جب غزوہ احد میں جناب حمزہ شہید ہو گئے اور آنحضرت صلعم مدینہ میں واپس آ گئے اس وقت کی حالت لکھی ہے۔ مر رسول اللہ بدار من دور الانصار فسمع البکاء والنوائح علی قتلاھم فذرفت عینا رسول اللہؐ ثم قال لکن حمزۃ لا بواکی لہ یعنی آنحضرت صلعم نے سنا کہ لوگ اپنے مقتولین پر نوحہ و زاری کر رہے ہیں تو فرمایا کہ میرے چچا حمزہ پر کوئی نہیں روتا۔ یہ خبر مدینہ والوں کو ہو گئی تو ان لوگوں نے اپنی عورتوں کو حکم دیا کہ حضرت حمزہ پر جا کر روؤ۔ وہ نوحہ و ماتم کرنے لگیں فلما سمع رسول اللہؐ بکاءھن علی حمزۃ خرج علیھن وھن علی باب مسجدہ یبکین علیہ فقال ارجعن رحمکن اللہ فقد واسیتن بانفسکن یعنی جب حضرتؐ نے سنا کہ انصار کی عورتیں جناب

حمزہ پر رو رہی ہیں تو ان سب کے پاس جو آنحضرتؐ کی مسجد کے پاس ہی نوحہ و ماتم کرتی تھیں تشریف لے گئے اور فرمایا۔ اب اپنے گھروں کو جاؤ خدا تم پر رحم کرے کہ تم نے حق اخوت ادا کر دیا۔ (تاریخ کامل جلد ۲ صہ ۶۴ و تاریخ خمیس جلد ۱ صہ ۴۹۹ وغیرہ) اور بعض کتابوں میں ہے کہ ان سے فرمایا رضی اللہ تعالیٰ عنکن وعن اولادکن و اولادکن یعنی خدا تم سے اور تمہاری اولاد اور تمہاری اولاد کی اولاد سے بھی راضی ہے (مدارج النبوۃ جلد ۲ صہ ۱۶۶) اب تو واضح ہو گیا کہ حمزہ شہید پر رونا اور نوحہ و ماتم کرنا اتنا ضروری ہے کہ آنحضرت صلعم نے اسکے نہ ہونے پر افسوس کیا اور جن لوگوں نے اس ضروری کام کو انجام دیا انھیں دعا دی۔ کیا اب بھی کہو گے کہ شہید پر رونا ممنوع یا مکروہ ہے؟ خود حضرت رسولخدا صلعم بھی جناب حمزہ کو روئے ہیں۔ جناب شیخ عبدالحق صاحب نے لکھا ہے۔ آخر صفیہ بر سر حمزہ آمد و وے و فاطمہ می گریستند و بگریہ ایشان آنحضرتؐ نیز بہ گریہ در آمد یعنی آخر جناب صفیہ جناب حمزہ کے سرہانے پہونچ گئیں اور وہ اور جناب فاطمہ ان پر روتی تھیں ان کے رونے سے حضرت رسولخدا صلعم بھی رونے لگے (مدارج النبوۃ جلد ۲ صہ ۱۵۲) اور جنگ موتہ میں جب اہل اسلام اور کفار میں جنگ شروع ہوئی تو آنحضرت صلعم مسجد مدینہ میں تشریف لائے آپ کے سامنے سے حجاب کے پردے ہٹا دیئے گئے تو حضرت جنگ کی حالت وہیں سے دیکھکر فرماتے جاتے تھے کہ زید بن حارثہ۔ جعفر اور ابن رواحہ نے علم اٹھایا اور شہید ہوئے۔ یہ فرماتے تھے اور روتے جاتے تھے (مدارج النبوۃ جلد ۲ صہ ۳۲۸ وغیرہ) اسکے بعد کا واقعہ بھی سنو جناب جعفر طیار کی بیوی اسماء بنت عمیس بیان کرتی تھیں کہ جب آنحضرت صلعم کو میرے شوہر جعفر کی شہادت معلوم ہوئی تو میرے گھر تشریف لائے۔ بچوں کو گود میں لے کر پیار کرنے لگے اور روتے جاتے تھے۔ میں نے کہا یا حضرت شاید جعفر شہید ہو گئے۔ فرمایا ہاں۔ یہ سنکر میں کھڑی ہو گئی اور نوحہ و فریاد کرنے لگی۔ میرے رونے پیٹنے سے عورتیں جمع ہو گئیں۔ آنحضرتؐ آنکھوں میں آنسو

بھرے ہوئے جناب فاطمہ کے گھر تشریف لیگئے دیکھا کہ وہ یا عماہ یا عماہ کہ کر رو رہی ہیں ۔ اس وقت حضرت نے فرمایا علی مثل جعفر فلیبک البا کیۃ یعنی جعفر ایسے شہید پر لوگوں کو ضرور گریہ و بکا کرنا چاہیئے (مدارج النبوۃ جلد ۲ صفحہ ۳۴۹) اسی طرح جب جناب ابوطالب کا انتقال ہوا ہے تو اگرچہ آپ شہید نہیں ہوئے مگر حضرت رسولخدا صلعم بہت روئے ۔ قال علیؑ لما توفی ابو طالب اخبرت رسول اللہؐ فبکی بکاءً اشدیداً یعنی حضرت علیؑ نے آنحضرت صلعم کو مطلع کیا کہ جناب ابوطالبؑ کا انتقال ہوگیا تو حضرتؐ یہ سُنکر بشدت روئے (تذکرہ خواص الامہ صفحہ ۶ و تاریخ خمیس جلد ۱ صفحہ ۳۳۹) ۔ خود صحیح بخاری میں حضرت رسولخدا صلعم کا جناب جعفر پر رونا مرقوم ہے ۔ عن انس بن مالک ان النبیؐ نعی جعفر او زید اقبل ان یجئی خبرھما وعیناہ تذرفان یعنی انس بیان کرتے تھے کہ رسولخداؐ نے قبل اسکے کہ حضرت جعفر اور زید بن حارثہ کی خبر آئے انکی شہادت کا واقعہ بیان کردیا اور حضرت اس وقت روتے جاتے تھے (صحیح بخاری علامات النبوۃ فی الاسلام جلد ا صفحہ ۵۱۲ و جلد ۲ صفحہ ۶۱۱ باب غزوہ موتہ) ۔ تم کو تعجب ہوگا مگر یہ واقعہ ہے کہ حضرت رسولخدا صلعم شہیدوں پر صرف روتے ہی نہیں تھے بلکہ روتے روتے بیہوش ہوجاتے تھے ۔ جناب شاہ عبدالحق صاحب لکھتے ہیں ۔ ومنقول است از ابن مسعود کہ گفت نہ دیدم ما آں حضرت را صلعم گریہ کنندہ تر از گریہ وے بر حمزہ بن عبدالمطلب ۔ ایستاد بر جنازہ وے وگریہ کرد و برداشت آواز تا بیہوش شد و فرمود یا حمزہ یا عم رسول اللہ یا اسد اللہ و اسد رسولہ یا حمزہ یا فاعل الخیرات یا حمزہ یا کاشف الکربات یا حمزہ یا ذاب عن وجہ رسول اللہ و از ینجا معلوم می شود کہ در ندبہ و بے طاقتی فریاد و آہ و نالہ نیز بوجود آمدہ است یعنی جناب ابن مسعود سے منقول ہے وہ کہتے تھے کہ میں نے حضرت رسولخدا صلعم کو کبھی اتنا روتے نہیں دیکھا جس قدر حضرت رسولخدا صلعم اپنے چچا جناب حمزہ پر روتے تھے حضرت ان کے جنازہ پر کھڑے ہوئے اور رونے لگے اور اس قدر چیخے کہ بیہوش ہوگئے

فرماتے تھے ہائے اے رسولخدا کے چچا۔ ہائے اے خدا کے شیر۔ اے رسول کے شیر۔ ہائے اے حمزہ۔ ہائے اے اچھے کاموں والے۔ ہائے اے حمزہ۔ اے مصیبتوں کے دفع کرنے والے۔ ہائے اے حمزہ اے رسولخدا سے دشمنوں کو ہٹانے والے !!!

اور یہیں سے معلوم ہوتا ہے کہ گریہ و زاری اور نوحہ و ماتم اور بے طاقتی میں فریاد اور آہ و نالہ وجود میں آیا ہے۔ (مدارج النبوۃ جلد ۲ ص ۵۷۶ و سیرۃ حلبیہ ص ۲۸۹) یہ بھی لکھا ہے وچوں دید آنحضرت حمزہ را کشتہ شدہ و مثلہ کردہ شد صیحہ کرد۔ یعنی جب آنحضرت صلعم نے جناب حمزہ کو مقتول اور مثلہ کیا ہوا پایا تو خوب زور سے چیخ مار کر رونے لگے۔ (ص ۵۷۵) جنگ احد میں جب حضرت رسولخدا صلعم زخمی ہو گئے اور جناب سیدہ کو خبر ہو گئی فاتت فاطمہ وجعلت تعانقہ وتبکی یعنی فاطمہ فوراً آنحضرت کے پاس آئیں اور حضرت سے لپٹ کر رونے لگیں (تاریخ کامل جلد ۲ ص ۵۹) صرف جناب سیدہ یا حضرت رسولخدا صلعم ہی مصیبتوں پر نہیں روئے ہیں بلکہ ہمارے دوسرے ارکان اسلام بھی برابر روتے رہے ہیں۔ حضرت عائشہ کا حال سنو قالت فلما قبض وضعت راسہ علی وسادۃ وقمت التدم مع النساء واضرب وجھی مع النساء فرماتی تھیں کہ جب آنحضرت کا انتقال ہو گیا تو میں نے حضرت کا سر تکیہ پر رکھدیا اور عورتوں کے ساتھ کھڑی ہو کر گئی ماتم کرنے اور منہ پیٹنے (تاریخ ابوالفدا جلد ا ص ۱۵۲ و تاریخ کامل جلد ۲ ص ۱۲۳)۔

جب حضرت عمر زخمی ہوئے تو اپنے بیٹے عبداللہ کو حضرت عائشہ کے پاس بھیجا وہ پہونچے تو دیکھا حضرت عائشہ بیٹھی رو رہی تھیں (شرح نہج البلاغہ جلد ۲ ص ۷۹) اپنے بھائی پر بھی بہت روئیں اور جزع و فزع کیا فلما بلغ ذلک عائشہ جزعت علیہ جزعا شدیدا وقنتت فی دبر الصلوۃ وتدعو علی معویہ وعمر یعنی جب حضرت عائشہ کو اپنے بھائی محمد بن ابی بکر کی شہادت کی خبر ملی تو بہت روئیں اور جزع و فزع کیا اور اس دن سے ہر نماز کے بعد معویہ و عمرو پر بد دعا کرنے لگیں (تاریخ کامل جلد ۳ ص ۱۲۳) وخرجت عائشہ باکیۃ تقول قتل عثمان مظلوما فقال لھا عمار انت

تحرضین علیہ والیوم تبکین علیہ یعنی حضرت عثمان کے قتل ہونے پر حضرت عائشہ روتی ہوئی نکل پڑیں کہتی تھیں کہ ہائے عثمان مظلوم قتل کئے گئے جناب عمار نے کہا تم ہی تو اسکے قتل پر لوگوں کو آمادہ کرتی تھیں اور اب بیٹھ کر رونے بیٹھ گئیں (عقد فرید جلد ۲ ص۷) حضرت ابوبکر کا رونا سنو کہ حضرت حمزہ کی شہادت پر انکی بیٹی فاطمہ نے ان سے پوچھا پدر من کجا است کہ اوراد رشکر نمی بینم دل صدیق سوخت وآب در دیدہ گردانید یعنی میرے بابا کہاں ہیں؟ اس سوال پر حضرت ابوبکر کا دل جلنے لگا اور آنکھوں میں آنسو بھر لائے (مدارج النبوۃ جلد ۲ ص۱۶۶) حضرت عمر کا رونا بھی سنو۔ ولما استشہد زید بن الخطاب وکان صحبہ رجل من بنی عدی فرجع الی المدینۃ فلما رای عمر ودمعت عیناہ وقال وخلفت زیدا ثاویا واتیتنی یعنی جب انکے بھائی زید شہید ہوئے تو انکے ساتھ بنی عدی کا ایک شخص تھا۔ وہ مدینہ واپس آیا اسکو دیکھ کر حضرت عمر رونے لگے اور کہا تو نے زید کو قبر میں چھپا دیا اور میرے پاس خبر غم لیکے آیا (عقد فرید جلد ۲ ص۵) لما توفی خالد بن الولید ایام عمر وکان بینہما ہجرۃ فامتنع النساء من البکاء علیہ فلما انتہی ذلک الی عمر قال وما علی نساء بنی المغیرۃ ان یرقن من دمعھن علی ابی سلیمان یعنی جب خالد بن ولید فوت ہوگئے تو عمر کے لحاظ سے عورتیں ان پر گریہ کرنے سے رک گئیں کیونکہ حضرت عمر اور خالد میں عداوت تھی وہ حضرت عمر سے ڈریں مگر حضرت عمر نے سنا تو بگڑ گئے اور فرمایا کہ بنی مغیرہ کی عورتوں کو کیا ہوگیا ہے کہ وہ خالد پر نہیں روتیں (عقد فرید جلد ۲ ص۵) جب لوگوں نے حضرت عثمان کا سر کاٹنا چاہا تو انکی بی بیاں ان پر گر پڑیں اور چیخنے چلانے اور منہ پیٹنے لگیں۔ (شرح ابن ابی الحدید جلد ۲ ص۹۷) حضرت عثمان کا رونا سنو کان عثمان اذا وقف علی قبر بکی حتی یبل لحیتہ جب حضرت عثمان کسی قبر پر ٹھہرتے تو اتنا روتے تھے کہ انکی ڈاڑھی آنسوؤں سے تر بتر ہو جاتی تھی (تیسیر الوصول جلد ۲ ص۳۰۵) یہ روایتہ بھی دیکھو توفی بعض کنائن مروان فشھدھا الناس وشہدھا ابوھریرۃ

ومعها النساء يبكين فانتهرهن مروان فقال ابوهريرة دعهن فانه مرّ على رسول الله صلعم جنازة ومعها ابوبکر فنهرهن عمر فقال له رسول الله دعهن فان النفس مصابة والعين دامعة یعنی مروان کے خاندان کی کوئی عورت مرگئی تو عورتیں روتی تھیں ۔ مروان نے منع کیا۔ اس پر حضرت ابوہریرہ نے کہا کہ انھیں رونے دو حضرت رسولخداؐ کے پاس سے بھی ایک جنازہ گزرا تھا تو حضرت عمر نے رونے والوں کو جھڑکا تھا۔ اس پر آنحضرتؐ نے اُن سے فرمایا کہ ان عورتوں کو رونے دو اس لئے کہ یہ مصیبت زدہ ہیں اور آنکھوں سے آنسو جاری ہیں رک نہیں سکتے (مسند احمد بن حنبل جلد ۲ صفحہ ۱۱۰ و ۲۷۳ و ۴۰۸ وغیرہ)

پینتیسواں باب ۳۵

کیا میت پر نوحہ و ماتم کرنا ممنوع اور حرام ہے

مولوی صاحب۔ یہ سب واقعات تو فطری اثر اور قہری جذبات کے ہیں مگر امام حسین رضہ پر تو لوگ اہتمام کر کے روتے اور نوحہ و زاری کرتے ہیں ۔ اس کو کیسے کوئی پسند کر سکتا ہے۔

حسینی بیگم۔ پہلے یہ دیکھو کہ عام میت پر نوحہ و ماتم کرنا جائز ہے یا ناجائز۔ پھر حضرت امام حسینؑ کا نوحہ و ماتم خود ہی معلوم ہو جائیگا۔

مولوی صاحب۔ خیر یہی سہی۔

حسینی بیگم۔ اب دیکھو کہ لوگوں بلکہ خدا کے مقرب بندوں نے مظلوم مقتولوں اور معزز مردوں پر اہتمام کر کے نوحہ و ماتم کیا ہے یا نہیں ۔ حضرت آدم کے فرزند ہابیل قتل کئے گئے تو ان پر نوحہ کیا اور مرثیہ پڑھا۔ ایک شعر یہ ہے ؎

تغیرت البلاد ومن علیها — فوجه الارض مغبر قبیح

یعنی شہروں کا اور جوان پر آباد ہیں سب کا رنگ بگڑ گیا اور زمین کی صورت غبار آلود بدنما ہوگئی (تاریخ کامل جلد ا صـــ۱) حضرت آدم فراق جنت میں بھی بے قرار ہوکر رویا کرتے تھے۔ حضرت یعقوب بھی فراق حضرت یوسف میں خاص اہتمام کرکے روتے تھے حضرت عائشہ نے آنحضرتؐ کے انتقال پر جو نوحہ وماتم کیا اسکو ابھی بیان کرچکی جناب سیدہ حضرت رسولخدا صلعم کی وفات کے بعد اس قدر روئیں کہ اہل مدینہ گھبرا گئے۔ آپ نے مرثیہ بھی نظم فرمایا اور نوحہ وبین کرکے بھی روتی تھیں اور حضرت عائشہ بھی زاری کرتی تھیں۔ جناب سیدہؑ کے نوحہ کے یہ دو شعر بھی سُن لو۔ اذا اشتد شوقی زرت قبرک باکیا۔ انوح واشکو ما اراک مجاوبا + یا ساکن الغبراء علمنی البکاء وذکرک انسانی جمیع المصائبا یعنی اے بابا جب آپکے دیکھنے کو میرا دل تڑپتا ہے تو روتی ہوئی جاتی ہوں اور آپکی قبر کی زیارت کرلیتی ہوں۔ وہاں نوحہ وزاری کرتی اور شکوہ کرتی ہوں۔ مگر افسوس آپ سے کوئی جواب نہیں ملتا۔ اے خاک میں آرام کرنے والے بتایئے تو میں کس طرح روؤں۔ آپکی یاد نے تو میری تمام مصیبتیں بھلا دیں (مدارج النبوۃ جلد ۲ صـــ۵۲۵) اور آنحضرت صلعم کے انتقال پر حضرت عمر کی یہ حالت ہوئی کہ میریخت اشکہاے او و برمی رفت آہ و نالہ او۔ یعنی انکے آنسو جاری تھے اور آہ ونالہ بلند کرتے تھے (مدارج النبوۃ جلد ۲ صـــ۵۱۳)۔ اور وفات رسولخداؐ کے بعد صحابہ کی یہ حالت ہوئی کہ فضج الناس یبکون یعنی صحابہ کے روتے روتے ہچکیاں بندھ گئیں (صحیح بخاری جلد ا صـــ۵۱۷) واز ہرکدام از اہل بیت کرام وصحابہ عظام مرثیہ در وفات آنحضرتؐ درسلک انتظام می کشیدند یعنی اہلبیت کرام اور صحابہ عظام سے ہرشخص آنحضرتؐ کی وفات پر مرثیہ پڑھتا تھا (مدارج جلد ۲ صـــ۵۲۵) چوں رقیہ وفات یافت زنان می گریستند وآں حضرت ایشاں را منع نمی کرد وفاطمہ زہرا برسر قبر رقیہ بپہلوئے رسول نشستہ بود و می گریست رسول بگوشہ ردا اشک از چشم وے پاک می کرد یعنی جب رقیہ نے انتقال کیا تو عورتیں ان پر روتی تھیں مگر حضرت رسولخداؐ ان سب

کو منع نہیں کرتے تھے بلکہ حضرت فاطمہؑ تو رقیہ کی قبر کے سرہانے بیٹھی تھیں۔ وہیں
حضرت رسولخدا صلعم بیٹھے تھے۔ فاطمہ روتی جاتی تھیں اور حضرت رسولخدا صلعم اپنی
ردا کے کنارے سے آنسو پونچھتے جاتے تھے (مدارج النبوۃ جلد ۲ صفحہ ۵۴۱) جب
حضرت ابوبکر کا انتقال ہوا تو اقامت عائشہ علیہ النوح حضرت عائشہ نے حضرت
ابوبکر پر نوحہ و ماتم شروع کیا (تاریخ کامل جلد ۲ صفحہ ۱۶۱) جب حضرت عمر کا جنازہ اُٹھا
تو حضرت عائشہ کی کیا حالت ہوئی آواز کشید وا محمداہ واابوبکراہ ..... یک بار آواز
اہل مدینہ برخاست زلزلہ در زمین و زمان افتاد یعنی حضرت عائشہ نے نوحہ شروع کیا
کہ ہائے محمد ہائے ابوبکر ... اس پر ایک بارگی اہل مدینہ نے چیخنا چلانا شروع کیا اور
زمین و زمان میں زلزلہ پڑ گیا (روضۃ الاحباب) حضرت عمر کا اہتمام سنو قال عمر
رحم اللہ زید بن الخطاب انی لاحسب لو کنت اقدر علی ان اقول الشعر لبکیتہ
انھوں نے کہا خدا زید (میرے بھائی) پر رحم کرے۔ اگر میں شعر کہہ سکتا تو زید کا
مرثیہ کہہ کر ان پر روتا (طبقات ابن سعد جلد ۳ صفحہ ۲۷۵) عجبا یقول الناس ان
عمر نھی عن النوح لقد بکی علی خالد بن الولید بمکۃ والمدینۃ نساء بنی المغیرۃ
سبعا یشققن الجیوب ویضربن الوجوہ یعنی تعجب ہے کہ لوگ کہتے ہیں حضرت عمر
نے نوحہ و ماتم سے منع کیا ہے۔ حالانکہ خالد بن ولید پر مکہ اور مدینہ میں بنی مغیرہ کی
عورتوں نے سات دن تک ماتم کیا۔ اس غم میں انھوں نے اپنے گریبان بھی پھاڑ
ڈالے اور منہ پر طمانچے بھی مارے (کنز العمال جلد ۸ صفحہ ۱۱۹) لما توفی عبد الرحمن
فلما قدمت عائشہ اتت قبرہ وجعلت تقول ؎ وکنا کندمانی جذیمۃ۔
حقبۃ من الدھر یعنی جب حضرت ابوبکر کے بیٹے عبد الرحمن مر گئے اور حضرت عائشہ
اس شہر میں گئیں تو انکی قبر پر پہونچکر نوحہ پڑھنے لگیں کہ ہم لوگ جزیمہ کے دو ندیموں
کیطرح ایک مدت تک ساتھ ساتھ رہے۔ اب زمانہ نے ان کو مجھ سے چھڑا دیا (جامع ترمذی
صفحہ ۱۲۴) آنحضرت صلعم کی رحلت پر حضرت عمر بدحواس ہو گئے اور اپنا ادلینے باپ کا نام تک

بھول گئے (تحفہ اثنا عشریہ باب جواب مطاعن عمر) جب حضرت رسولخدا صلعم نے حفصہ کو طلاق دے دیا فبلغ ذلک عمر فحثا علی راسہ التراب یعنی یہ خبر حضرت عمر نے سُن لی تو وہ اپنے منہ پر خاک ڈالنے لگے (استیعاب جلد ۲ صـ۷۴۳) جب حضرت ابوبکر کا انتقال ہوا تو مدینہ میں اس قدر گریہ ہوا ایسا کہرام مچا جیسا رسولخدا کی وفات میں ہوا تھا (عقد فرید جلد ۲ صـ۷) ولما نعی نعمان بن مقرن الی عمر بن الخطاب وضع یدہ علی راسہ وصاح یا اسفاہ علی النعمان یعنی جب نعمان بن مقرن کے مرنے کی خبر حضرت عمر نے سُنی تو اپنا سر پکڑ لیا اور چیخکر رونے لگے کہا نعمان (عقد فرید جلد ۲ صـ۵) حضرت عمر کے بیٹے کو زنا اور شراب خواری کی سزا میں کوڑے لگائے گئے۔ وہ مرگیا تو حضرت عمر کی کیا حالت ہوئی ثم جعل راسہ فی حجرہ وجعل یبکی ویقول بابی من قتلہ الحق۔ بابی من مات عند انقضاء الحد۔ بابی من لم یرحمہ ابوہ واقاربہ فنظر الناس الیہ فاذا ھو قد فارق الدنیا فلم یر یوم اعظم منہ وضج الناس بالبکاء والنحیب یعنی حضرت عمر نے اپنے بیٹے کا سر اپنی گود میں رکھکر رونا شروع کیا اور کہتے جاتے تھے میرا باپ فدا ہو اس پر جسے حق نے قتل کیا میرا باپ فدا ہو اس پر جو سزا ختم ہوتے ہی چل بسا۔ میرا باپ فدا ہو اس پر جسکے اوپر نہ اسکے باپ نے رحم کھایا نہ اسکے رشتہ داروں نے لوگوں نے دیکھا تو ابو شحمہ (فرزند حضرت عمر) مرچکا تھا۔ پھر مدینہ میں اس زور کا ماتم کیا گیا کہ اس سے زیادہ عظیم الشان ماتم کبھی نہیں ہوا تھا۔ لوگ ڈاڑھیں مار مار کر اس پر روتے اور نوحہ ماتم کرتے تھے (ازالۃ الخفا جلد ۲ صـ۱۵۱) جب حضرت عمر کے زخمی ہونے کی خبر جناب حفصہ نے سُنی تو عورتوں کو ساتھ لیکر آئیں اور اُن کے پاس بیٹھکر رونے لگیں پھر لوگ کو عیادۃ کو آئے تو حفصہ پردے کے اندر چلی گئیں مگر ان کا رونا اور سسکنا سب لوگ سُن رہے تھے (شرح ابن ابی الحدید جلد ۲ صـ) عقد فرید جلد ۲ میں ایک کتاب فی التعازی والمراثی یعنی مردوں کی تعزیت کرنا اور انپر مرثیہ پڑھنے کی باتیں ہیں۔ اسکو ضرور دیکھو۔

چھتیسواں باب ۳۶

کیا شہادۃ امام حسینؑ پر گریہ وبکا اور نوحہ و ماتم کے عوض فخر و مباہاۃ اور خوشی کرنی چاہیئے

مولوی صاحب۔ مگر حضرت امام حسین رضی اللہ عنہ پر تو گریہ وبکا اور نوحہ و ماتم نہیں بلکہ فخر ومباہاۃ کرنی چاہیئے کہ ان کو خدا نے ایسی عظیم الشان شہادۃ کا درجہ عطا کیا۔

حسینی بیگم۔ تو اسلام کے مقابلہ میں آج سے تم بھی ایک نیا دین۔ جدید مذہب نکال لو۔ دنیا میں جہاں ہزاروں مذہب ہیں تمہارا بھی الگ مذہب ہو جائے۔

مولوی صاحب۔ یہ کیا تم بکنے لگیں۔

حسینی بیگم۔ تم خود کہتے ہو کہ امام حسینؑ کو خدا نے شہادت کا درجہ دیا تو لوگوں کو حضرت کی اس عزت و شرف پر رونا یا نوحہ و ماتم کرنا نہیں بلکہ خوشی کرنی چاہیئے یہ اسلام کے خلاف ہی بات تو ہے جسکی تلقین تم کرتے ہو۔

مولوی صاحب۔ تمہاری بیہودہ باتوں سے مجھے غصہ آرہا ہے۔ یہ اسلام کے خلاف کیسے ہو

حسینی بیگم۔ غصہ تو برا ہے۔ اسلام کے خلاف اس سبب سے ہے کہ خدا نے فرمایا ہے ولقد کان لکم فی رسول اللہ اسوۃ حسنۃ اے مسلمانو! حضرت رسولخداؐ کی ذات میں پیروی کرنے کو تمہارے لئے سب سے اچھا نمونہ موجود ہے (پ ۲۱ ع ۱۹)

مولوی صاحب۔ اس سے کون انکار کرتا ہے۔ فضول باتوں میں وقت ضائع کرتی ہو۔ میں تو حضرت حسینؓ پر فخر ومباہاۃ کی ضرورت کہہ رہا ہوں۔

حسینی بیگم۔ بات تو پوری ہونے دو۔ جب حضرت رسولخداؐ کی پیروی سب مسلمانوں کے لئے بہترین طرز عمل ہے تو شہیدوں پر حضرتؐ نے جو کیا وہ بھی بہترین عمل قرار پائیگا اور چونکہ خدا نے رسولؐ کی پیروی کا حکم دیا ہے اس وجہ سے وہی فعل خدا کا بہترین دین بھی ہے۔

مولوی صاحب - ہاں ہاں اس سے کون انکار کرتا ہے۔ بیشک آنحضرتؐ کا عمل خدا کی مرضی بلکہ حکم کے مطابق ہوتا تھا لہذا اسکو خدا و رسولؐ کا پسندیدہ کام ہی کہا جائیگا۔

حسینی بیگم - اب یہ بتاؤ کہ حضرت رسولخداصلعم کے زمانہ میں کوئی مسلمان یا صحابی شہادت کے درجہ پر پہونچا یا نہیں۔

مولوی صاحب - بہت صحابہ کبار کو یہ شرف ملا۔ ایک دو تھے کہ نام بتاؤں۔

حسینی بیگم - تو کیا انکے شہید ہونے پر حضرت رسولخداصلعم نے خوشی کی؟ مسرت و شادمانی کا اظہار کیا۔ عید منائی۔ فخر و مباہاۃ کی؟ کوئی دلیل ہو تو بتاؤ۔ تم تو حدیث تفسیر کی سب کتابیں چاٹے بیٹھے ہو۔

مولوی صاحب (چپ ہیں کچھ بول نہیں سکے۔ کچھ دیر انتظار کرنے کے بعد)

حسینی بیگم - چپ کیوں ہوگئے۔ پہلے تو خوب گرجتے اور کڑکتے تھے اب وہ غیظ و غضب کہاں گیا۔ کسی ایک ہی شہید کا نام بتادو جو اس عالی درجہ پر پہونچا تو آنحضرتؐ صلعم نے خوشی و شادمانی ظاہر کی ہو۔ اسکے اس درجہ پر فائز ہونے کے بعد فخر و مباہاۃ کی ہو یا اسکے رونے والوں کو رونے کے عوض مسرت کا حکم دیا ہو۔

مولوی صاحب - مجھے تو کسی کتاب میں یہ بات یاد نہیں پڑتی۔

حسینی بیگم - تم پہلے کہتے تھے کہ حضرت حمزہ سیدالشہدا ہیں اور یقیناً حضرت رسولخداصلعم نے اپنی زندگی کے شہیدوں میں حضرت حمزہ کی شہادت کو سب سے زیادہ عظیم الشان سمجھا مگر کیا اس شہادت پر حضرتؐ نے خوشی کی؟ مسرت و ابتہاج فرمایا؟ فخر و مباہاۃ کی کہ واہ وا واہ میرے چچا کو شہادۃ کا کتنا بڑا مرتبہ حاصل ہوگیا۔ کیسی اچھی بات ہوئی کہ وہ قتل کردیئے گئے۔

مولوی صاحب - نہیں ایسا تو حدیث یا تاریخ کی کسی کتاب سے نہیں معلوم ہوتا ہے بلکہ ابھی تم نے کتنی کتابوں سے ثابت کیا کہ آنحضرتؐ ان پر خود روئے اور دوسروں

کو رلایا بلکہ انصار کی عورتوں کے نوحہ وماتم کرنے پر ان سے خوشی ظاہر کی۔ دعا دی اور شکریہ ادا کیا۔ اور یہ نوحہ و بکا ہی حضرت کے زخم دل کا مرہم ہوا۔

حسینی بیگم - پھر جناب جعفرؓ جو حضرتؐ کے چچازاد بھائی تھے جنگ موتہ میں شہید ہوئے تو حضرتؐ نے خوشی کی؟ یا خود بھی روئے اور دوسروں کی بھی تعزیہ کی؟

مولوی صاحب - نہیں خوشی تو نہیں کی بلکہ گریہ و بکا ہی کیا۔

حسینی بیگم - تو کیا یہ دونوں بزرگ شہادت کے درجہ سے محروم رہے جو آنحضرتؐ نے انکی اس فضیلت پر فخر و مباہاۃ نہیں کی؟

مولوی صاحب - نہیں ان حضرات کے درجہ شہادت کی عظمت تو کوئی بیان ہی نہیں کر سکتا۔

حسینی بیگم - توجس طرح حضرت رسولخدا صلعم نے شہیدوں پر گریہ و بکا کیا ہم لوگوں کو بھی یہی کرنا چاہیئے۔ یا اسکے برعکس خوشی و شادمانی و فخر و مباہاۃ؟ اچھا یہ بتاؤ حضرت عمر فاروق رضی اللہ عنہ شہادت کے درجہ پر فائز ہوئے تھے یا نہیں؟

مولوی صاحب - یہ بھی کچھ پوچھنے کی بات ہے؟ حضرت تو ابو لولوہ کی تلوار سے زخمی ہو کر شہید ہو گئے۔ یہ اسلام کا مشہور واقعہ ہے۔

حسینی بیگم - تو انکی شہادت پر انکی بیوی بچوں نے خوشی کی؟ عید منائی؟ جشن کیا؟ فخر و مباہاۃ کی؟

مولوی صاحب - نہیں سب روئے پیٹے۔ بلکہ مسلمانوں نے اپنے ایسے پیارے خلیفہ کی شہادت پر گریہ و بکا کیا۔

حسینی بیگم - تو یہ ان لوگوں نے برا کیا؟ انکو اسکے عوض شادی کے لوازم پورے کرنے تھے؟ ذرا انصاف سے بتاؤ کہ آج ہم سب مسلمان حضرت فاروق کی شہادت پر خوشی ظاہر کریں۔ عید منائیں۔ فخر و مباہاۃ کریں تو دنیا ہم لوگوں کو کیا کہیگی۔ اچھا حضرت عثمان

شہید ہوئے یا نہیں۔

مولوی صاحب ۔ وہ بھی اس شرف سے سرفراز ہوئے ۔ انکی شہادت بھی اسلام کا مشہور واقعہ ہے ہاں یہ وہ بھی بڑی بے دردی سے قتل کئے گئے ۔

حسینی بیگم ۔ تو اس پر ہائے کیوں کرتے ہو ۔ اُچھلو ناچو ۔ تھرکنے لگو ۔ محفل نشاط و سرور قائم کرو کہ حضرت کو خدا نے اتنا بڑا مرتبہ دے دیا ۔

مولوی صاحب ۔ مگر ان پر ہم لوگ اب نوحہ و ماتم بھی تو نہیں کرتے ۔

حسینی بیگم ۔ ہاں یہ میں کب کہتی ہوں ۔ مگر انکی شہادت پر عید کیوں نہیں مناتے ۔ فخر و مباہات کیوں نہیں کرتے ۔ جس طرح حضرت امام حسینؑ کے بارے میں کہتے ہو کہ آپ اس درجہ پر پہونچ کر خوشی میں مسلمانوں کو عید منانی چاہیئے ۔

مولوی صاحب ۔ عید نہ مناؤ مگر نوحہ و ماتم کیوں کیا جائے ۔

حسینی بیگم ۔ گریہ و بکا اور نوحہ و ماتم کی بحث پہلے پوری ہو چکی ۔ اب اسکو کیوں چھیڑتے ہو ۔ جب کسی شخص پر گریہ و بکا اور نوحہ و ماتم برا نہیں ہے تو حضرت پر کیوں برا ہوگا ۔ بلکہ یہ بہت اعلےٰ درجہ کی عبادت ہے ۔

مولوی صاحب ۔ معاذ اللہ ۔ حضرت حسین رضی اللہ عنہ پر رونا اور نوحہ و ماتم کرنا عبادت کیسے ہو جائیگا ۔ جب حضرت عمر و حضرت عثمان کی شہادت پر نوحہ و ماتم کرنا عبادت نہیں تو حضرت حسین رضی اللہ عنہ کی شہادت پر نوحہ و ماتم کیوں عبادت کہا جائیگا ۔

حسینی بیگم ۔ اس لئے کہ امام حسین کے لئے خدا نے اس عمل کو اپنی مخلوقات سے انجام دلایا اور حضرت رسولخدا صلعم نے خود یہ عمل کیا ۔ اور حضرت عمر و حضرت عثمان کے لئے خدا و رسولؐ نے ایسا نہیں کیا ۔

مولوی صاحب ۔ وہ کس طرح ذرہ میں بھی تو سنوں ۔

حسینی بیگم ۔ خدا نے تو اس طرح اپنی مخلوقات سے اس عبادت کو انجام کرایا کہ حضرت مولانا شاہ عبدالعزیز صاحب دہلوی رحمۃ اللہ نے تحریر فرمایا ہے " جب یہ واقعہ شہادت واقع

ہوگیا تب اسکے حال کا اشتہار (خدا کی طرف سے) اس طرح دیا گیا کہ مٹی خون بن گئی آسمان سے خون برسا۔ غیبی ہاتفوں نے حضرتؑ کے مرثیے کہے اور جنات نے حضرت پر نوحہ پڑھا اور گریہ و بکا کیا۔ اور حضرتؑ کے جسم مبارک کی حفاظت کرنے کے لئے شیر اور دوسرے درندے اسکے گرد گھومتے رہے اور حضرتؑ کے قاتلوں کے نتھنوں میں زندہ سانپ گھستے اور نکلتے رہے ... بلکہ خدا نے اس امت میں اس تدبیر کو جو جاری کیا کہ لوگ ہمیشہ اس پر رویا اور نوحہ و ماتم کیا کریں اور قیامت تک اس پر حزن و غم کریں۔ اور ان ہولناک مصیبتوں کو ذکر کیا کریں۔ اسکی غرض بھی یہی ہے کہ اس کا اچھی طرح اشتہار ہوتا ہے" (سر الشہادتین صـ) سلہ اس سے صاف معلوم ہوا کہ خدا ہی نے امام حسینؑ کا نوحہ و ماتم اور گریہ و بکا جاری کیا ورنہ مٹی۔ آسمان۔ شیر سانپ صاحبان عقل نہیں ہیں کہ اپنے ارادہ سے اس عبادت کو انجام دیتے ہیں۔ اسی طرح غیبی ہاتف اور جنات نے بھی نوحہ خدا ہی کے حکم سے پڑھا۔ آخر میں صاف فرما دیا کہ خدا ہی نے یہ تدبیر جاری کی کہ لوگ اس پر قیامت تک رویا اور نوحہ و ماتم کیا کریں۔

مولوی صاحب۔ البتہ مولانا شاہ صاحبؒ کی اس تحقیق کے بعد تو کوئی شخص کچھ نہیں بول سکتا

حسینی بیگم۔ صرف شاہ صاحب ہی کی تحریر نہیں ہے دوسرے ہزاروں کتابوں میں بھی یہ دلیلیں بھری ہیں۔ حضرت غوث اعظم شیخ عبد القادر جیلانی رضی اللہ عنہ نے تحریر فرمایا ہے هبط علی قبر الحسین بن علی یوم اصیب سبعون الف ملک یبکون علیه الی یوم القیامة یعنی حضرت امام حسینؑ کے مشہد پر روز عاشورا ستر ہزار فرشتے نازل ہوئے جو قیامت تک حضرت پر رویا کرینگے (غنیۃ الطالبین صـ۶۲۴) تو یا فرشتے تو صرف وہی کرتے ہیں جس کا حکم خدا سے پاتے ہیں۔ اور جب روز عاشورا سے اس عمل کو کر رہے ہیں تو واضح ہے کہ خدا ہی چاہتا ہے کہ امام حسین پر رویا جائے اگر حضرت کی شہادت پر خوشی اور فخر و مباہات مناسب ہوتی تو خدا فرشتوں کو بھی مامور کرتا کہ معاذ اللہ روضۂ امام

سلہ عربی عبارت اسی کتاب تصویر عزا کے صـ۱۵۱ میں درج ہو چکی ہے ۱۲

حسینؑ پر خوشیاں منائیں جشن کریں۔ فخر و مباہات کے ادھم مچائیں۔ اسی طرح جنات کا گریہ و بکا اور نوحہ و ماتم بھی واضح کرتا ہے کہ یہی خدا کا مطلوب ہے۔ ورنہ وہ سب بھی مسرت و نشاط کے سامان مہیا کرتے۔ اخرج ابونعیم فی الدلائل عن ام سلمۃ قالت سمعت الجن تبکی علی الحسین وتنوح علیہ حضرت ام المومنین ام سلمہ فرماتی تھیں کہ میں نے جنوں کو امام حسینؑ پر روتے اور نوحہ کرتے سنا ہے (تاریخ الخلفاء صـ۱۴۱ وصواعق محرقہ صـ۱۱۷ وغیرہ) اخرج ثعلب فی امالیہ عن ابی جناب الکلبی قال اتیت کربلاء فقلت لرجل من اشراف العرب اخبرنی بما بلغنی انکم تسمعون نوح الجن فقال ما تلقی احدا الا اخبرک انہ سمع ذلک قلت فاخبرنی بما سمعت انت۔ قال سمعتہم یقولون شعرا مسح الرسول جبینہ۔ فلہ بریق فی الخدود + ابواہ من علیا قریش۔ وجدہ خیر الجدود یعنی ثعلبی نے اپنی امالی میں ابوجناب کلبی سے روایت کی ہے کہ وہ بیان کرتے تھے کہ میں ایک مرتبہ کربلا پہونچا اور عرب کے ایک معزز شخص سے کہا کہ میں نے سنا ہے کہ تم لوگ جنات کے نوحے سنتے ہو۔ انھوں نے جواب دیا یہاں جس شخص سے تم ملوگے یہی کہیگا کہ وہ بھی سنتا ہے۔ میں نے کہا اچھا مجھے بھی بتاؤ کہ تم لوگ کیا سنتے ہو۔ انھوں نے کہا میں نے یہ نوحہ پڑھتے سنا ہے حضرت رسولخداصلعم کس پیار سے امام حسینؑ کی پیشانی پر ہاتھ پھیرا کرتے تھے۔ اور کیوں نہ ہو کہ حضرتؑ کے رخساروں میں خدا نے خاص نورانیت پیدا کردی تھی۔ حضرتؑ کے ماں باپ قریش کے شریف ترین خاندان سے تھے اور ان کے نانا سب سے بہتر و افضل تھے (تاریخ الخلفاء صـ۱۴۱ وغیرہ)۔ اور اس سے پہلے میں وہ قدرتی آثار بیان کرچکی ہوں جو حضرتؑ کی شہادت پر خدا کی طرف سے ظاہر کئے گئے[۱] وہ سب صاف کہتے ہیں کہ امام حسینؑ کے غم میں نوحہ و ماتم اور گریہ و بکا کرنے کے لئے وہ حادث کئے گئے۔ اسی وجہ سے بعض کتابوں میں آسمان کا رونا موجود ہے شلاً لما قتل الحسین بکت علیہ السماء یعنی جب امام حسینؑ شہید ہوئے تو حضرت پر

---

[۱] دیکھو صـ۲۸۲

آسمان تک رویا (ینابیع المودۃ صلعم) اور صرف آسمان و زمین ملائکہ اور جنات ہی سے خدا نے یہ عبادت نہیں انجام دلائی بلکہ بڑے بڑے انبیاء کے ذریعہ سے بھی اس عمل خیر کو جاری کیا۔

مولوی صاحب - کیا تمہارا اشارہ حضرت رسولخدا صلعم کے علاوہ بھی کسی نبی کیطرف ہے؟

حسینی بیگم - ہاں حضرتؐ سے پہلے بھی حضرت امام حسینؑ پر گریہ و بکا اور نوحہ و ماتم کیا گیا ہے۔ مثلاً جناب ملا حسین کاشفی علیہ الرحمہ نے لکھا ہے ابراہیم علیہ السلام چوں شمہ ازیں واقعہ (کربلا) بشنید قطرات حسرت از چشم سار چشم بر صفحات رخسار فرو بارید خطاب رسید کہ اے ابراہیم ثواب گریستن تو بر حسین والمے کہ بدل تو رسید برابر آں مثوبت است کہ بدست خود فرزند خود را قربان می کردے یعنی حضرت ابراہیمؑ نے جب کچھ مختصر حال اس واقعہ کربلا کا سنا تو حسرت کے آنسو کے چند قطرے آپ کے رخسار پر جاری ہو گئے۔ اس پر خدا کا حکم نازل ہوا کہ اے ابراہیم تم جو ابراہیم پر روتے ہو اور انکی شہادت سے جو الم تمہارے دل کو پہونچا ہے۔ اس کا ثواب تمہیں اتنا ہی ملیگا جس قدر اس اطاعۃ کا ملتا کہ تم اپنے ہاتھ سے اپنے فرزند اسمٰعیل کو میری خوشی میں ذبح کر دیتے۔ (روضۃ الشہداء صـــ۲۷) - اب حضرت رسولخدا صلعم کے شہادت امام حسین پر رونے کی دلیل سنو۔ اگرچہ اس کا ذکر پہلے بھی ہو چکا ہے۔ جناب ام الفضل بنت حارث کا خواب دیکھنا اور امام حسینؑ کی ولادۃ پر انھیں حضرت صلعم کی گود میں دینا اور حضرتؐ کا رونا۔ ام الفضل کا پوچھنا کہ یا حضرت آپ کیوں رونے لگے۔ فرمایا جبرئیل نے کہا ہے کہ میری امت میرے اس فرزند کو قتل کریگی۔ پہلے بیان کر چکی ہوں (دیکھو مشکوٰۃ شریف جلد ۵ صـــ۱۴۰)[1] یہ روایۃ بھی سُن لو ہو علی رض بجر بلا عند مسیرۃ الی صفین وحاذی نینوی قریۃ علی الفرات فوقف وسال عن اسم ھذہ الارض فقیل کربلا فبکی حتی بل الارض من دموعہ ثم قال دخلت علی رسول اللہؐ وھو یبکی فقلت ما

[1] اس کتاب کے صـــ۱۷۵ پر یہ پوری عبارت درج ہو چکی ہے ۱۲

و تفسیر ترجمان البیان جلد ۷ صفحہ ۳۲۹ وغیرہ

بیکیک - قال کان عندی جبرئیل انفا واخبرنی ان ولدی الحسین یقتل بشاطی الفرات بموضع یقال لہ کربلا ثم قبض جبرئیل قبضۃ من تراب فشمنی ایاہ فلم املک عینی ان فاضتا ورواہ احمد مختصرا عن علی دخلت علی النبیؐ الحدیث وروی الملا ان علیا مر بقبر الحسین فقال ھھنا مناخ رکابھم وھھنا موضع رحالھم وھھنا مھراق دمائھم فتیۃ من آل محمد یقتلون بھذہ العرصۃ تبکی علیھم السماء والارض یعنی طبقات ابن سعد میں امام شعبی سے روایت ہے کہ حضرت علیؓ ایک مرتبہ جب جنگ صفین میں جاتے تھے مقام کربلا میں پہونچے اور نینوی کے مقابل ہوئے جو فرات پر ایک قریہ ہے تو حضرت وہاں ٹھہر گئے اور لوگوں سے پوچھا اس جگہ کا کیا نام ہے۔ لوگوں نے کہا اسکو کربلا کہتے ہیں۔ یہ سننا تھا کہ حضرت نے رونا شروع کیا اس قدر روئے کہ آپ کے آنسوؤں سے وہاں کی زمین تر ہوگئی۔ پھر فرمایا کہ ایک دفعہ میں حضرت رسولخدا صلعم کی خدمت میں حاضر ہوا تھا تو دیکھا کہ حضرتؐ رو رہے ہیں۔ میں نے عرض کی کہ یا حضرتؐ آپ کیوں اس درجہ گریہ و بکا فرماتے ہیں۔ حضرتؐ نے فرمایا کہ ابھی میرے پاس جبرئیلؑ موجود تھے انھوں نے بیان کیا کہ میرا بیٹا حسینؑ فرات کے کنارے ایک مقام پر قتل کیا جائیگا اس جگہ کا نام کربلا ہے۔ پھر جبرئیل نے اس جگہ کی تھوڑی مٹی اپنے ہاتھ میں اوٹھائی اور مجھے سنگھائی۔ اس پر میں دل کو روک نہیں سکا اور میری دونوں آنکھوں سے بے اختیار آنسو جاری ہوگئے۔ اس کو امام احمد نے بھی اپنی مسند میں مختصر طور پر درج کیا ہے۔ اور دوسری روایت بھی حضرت علیؑ سے اس طرح ہے کہ فرماتے تھے میں حضرت رسولخدا صلعم کی خدمت میں حاضر ہوا۔ اور ملا نے روایۃ کی ہے کہ حضرت علیؑ ایک دفعہ اس جگہ سے گزرے جہاں بعد میں حضرت امام حسین علیہ السلام کا روضہ بنا تو حضرت نے پیشینگوئی کے طور پر فرمایا کہ ان لوگوں کے اونٹوں کے بیٹھنے کی جگہ یہ ہوگی۔ اور ان لوگوں کے پالانوں کی جگہ یہ ہوگی۔ اور اس جگہ ان لوگوں کا خون بہایا جائیگا۔ آل محمدؐ کے کچھ بہادر اسی میدان میں قتل کئے جائینگے جن پر آسمان و زمین بھی روئیں گے (صواعق محرقہ صفحہ ۱۱۵)۔ اگر امام حسینؑ

پر رونا اور نوحہ و ماتم کرنا خدا کی خوشنودی کا سبب نہیں ہوتا تو حضرت رسولخدا صلعم کیوں یہ عمل کرتے۔ اور صرف زندگی ہی میں نہیں بلکہ وفات پانے کے بعد بھی آنحضرت صلعم اپنے حسینؑ کی شہادت پر روئے اور نوحہ و ماتم کا پورا سامان کیا ہے۔

مولوی صاحب - وہ کس طرح۔

حسینی بیگم - خود امام ترمذی علیہ الرحمہ نے لکھا ہے ان ام سلمۃ رات النبیؐ باکیا وبہ اسد ولحیتہ التراب فسالتہ فقال قتل الحسین آنفا وکذلک راہ ابن عباس نصف النہار اشعث اغبر بیدہ قارورۃ فیہا دم یعنی حضرت ام سلمہ نے خواب میں حضرت رسولخدا صلعم کو دیکھا کہ رو رہے ہیں اور اپنے سر مبارک اور ریش مقدس پر مٹی ڈالے ہوئے ہیں انھوں نے حضرت سے پوچھا کہ آپکی یہ حالت کیوں ہو رہی ہے تو فرمایا ہائے میرا حسین ابھی قتل کردیا گیا۔ اسی طرح حضرت ابن عباس نے بھی آنحضرتؐ کو دوپہر کے بعد خواب میں دیکھا کہ آنحضرتؐ کے بال پریشان اور خاک آلود ہیں اور حضرتؐ کے دست مبارک میں ایک شیشی ہے جسمیں خون بھرا ہے (صواعق محرقہ صہ ۱۱۵ و تاریخ الخلفا، صہ ۱۴۱ وغیرہ) اسکے بعد حضرت ام سلمہ بھی امام حسینؑ کی شہادت پر رویا کرتی تھیں (ترمذی شریف صہ ۲۳۹) کچھ معمولی طور پر حضرت کا نوحہ و ماتم نہیں کرتیں بلکہ اس زور کا کہ لوگ آپ کے پاس تعزیت کو آتے مثلاً امام طبرانی نے لکھا ہے شہر بن حوشب قال اتیت ام سلمۃ اعزیہا علی الحسین یعنی شہر بن حوشب کہتے تھے کہ میں حضرت ام سلمہ کے پاس امام حسینؑ کی تعزیت کرنے حاضر ہوا (معجم صغیر طبرانی صہ ۱۳۳) اور تم جانتے ہو کہ آنحضرت صلعم نے فرمایا ہے اصحابی کالنجوم فبایہم اقتدیتم اھتدیتم یعنی میرے اصحاب مثل ستاروں کے ہیں جسکی بھی تم لوگ پیروی کروگے ہدایت ہی پر رہو گے۔ (مشکوۃ شریف جلد ۲ صہ ۱۰۱) اسکے مطابق دیکھو کہ صحابہ بھی حضرت امام حسینؑ کی شہادت پر خوشی اور فخر و مباہات کرتے رہے یا روئے ہیں۔ مثلاً کان زید بن ارقم عند ابن زیاد فقال لہ ارفع قضیبک فو اللہ رایت رسول اللہؐ یقبل ما بین ھاتین الشفتین ثم بکی زید یعنی ابن زیاد کے دربار میں حضرت رسولخداؐ کے صحابی زید بن ارقم موجود تھے۔

انھوں نے ابن زیاد سے کہا کہ اپنی چھڑی (امام حسینؑ کے منہ پر سے) ہٹالے کیونکہ خدا کی قسم میں نے حضرت رسولخدا صلعم کو دیکھا تھا کہ ان دونوں لبوں کا بوسہ لیا کرتے تھے۔ یہ کہکر زید بن ارقم رونے لگے (ینابیع المودۃ صفحہ ۳۲۴) تابعین کرام بھی حضرت امام حسینؑ کی شہادت پر خوشی اور فخر و مباہاۃ کرتے تھے یا روتے تھے قال الزہری لما بلغ الحسن البصری خبر قتل الحسین بکی حتی اختلج صدغاہ ثم قال اذل اللہ امۃ قتلت ابن نبیھا امام زہری بیان کرتے تھے کہ جب امام حسن بصری کو حضرت امام حسینؑ کی شہادت کی خبر معلوم ہوئی تو اس قدر روئے کہ انکو اختلاج شقیقہ ہوگیا۔ اسکے بعد وہ کہنے لگے کہ خدا اس امت کو ذلیل کرے جس نے اپنے نبیؐ کے فرزند کو قتل کیا (ینابیع المودۃ جزو ۲ صفحہ ۳۵۶) اسی طرح ہمارے بہت سے بزرگوں کا شہادت امام حسینؑ پر رونا مرقوم ہے (ینابیع المودۃ جلد ۲ صفحہ ۳۳) حضرت امام حسینؑ کی شہادت کی پیشینگوئیوں کو میں اس سے پہلے تفصیل سے بیان کرچکی ہوں ان میں بھی امام حسینؑ کی شہادت پر رونے کا ذکر ہے۔ انکو پھر خیال کرلو اسکے بعد بتاؤ کہ جو لوگ حضرتؑ کی شہادت پر بجائے گریہ و بکا کے خوشی و شادمانی کی رائے دیتے ہیں وہ خدا اور رسولؐ کے خلاف ایک جدید مذہب ایجاد کرتے ہیں یا نہیں۔ بس اس سے زیادہ میں نہیں کہہ سکتی۔ رسالہ "غم حسینؑ" وغیرہ کو دیکھو تو معلوم ہو کہ ان بزرگان دین نے حضرت کا کس کس طرح نوحہ کیا ہے مثلاً حضرت شیخ الاسلام بابا فرید گنج شکر عاشورے کے دن اس واقعہ کا ذکر کرکے ہائے ہائے کا نعرہ کرنے لگتے اور بیہوش ہوجاتے تھے اور یہ بزرگان اس دن سادات کرام سے تعزیت و ماتم پرسی کرتے تھے اور علماء و مشائخین کی خدمت میں بھی تعزیت کے لئے حاضر ہوتے تھے۔ چنانچہ حضرت مخدوم شیخ شرف الدین احمد یحیٰی منیری قدس سرہ کی یہی حالت تھی جیسا کہ آپکے ملفوظ مخ المعانی میں ہے روز عاشورا سعادت زمین بوس حاصل شد۔ خلق شہر بیشتر حاضر بودند وجماعتے از سادات نیز بندگی حضرت مخدوم عظمہ اللہ روئے مبارک بر آں سید آورد فرمود امروز تعزیت خاندان شمارا ست ما ہمہ طفیل شمائیم۔ بعد ازاں فرمود سبحان اللہ تعزیت خاندان شما ہمہ راواجب است۔

آنگاہ گفت کہ ہم چنیں گویند در آں روز کہ امیر المومنین حسین رضی اللہ عنہ شہادت خواہند یافت شب آں بزرگے فاطمہ رضی اللہ عنہا را در خواب دیدکہ با جملہ زنان انبیاء و دامن مبارک خود در کمر بستہ در دشت کربلا در آمدہ است و ہماں جا کہ امیر المومنین حسین رضی اللہ عنہ خواہد افتاد جاروب می دہند و بہ آستین مبارک خود پاک می کنند پرسید کہ اے خاتون روز قیامت ایں چہ مقام است؟ گفت حسین غریب ما سر ایں جا خواہد نہاد۔ آنگاہ گفت کہ نقل است کہ حضرت رسالت صلے اللہ علیہ و آلہ وسلم چوں ایں قصہ از جبرئیل علیہ السلام شنید پرسید کہ چوں میان ما کسے نباشد تعزیت ایشاں کہ دارد گفت یا رسول اللہ امتان تو برائے فرزندان تو تعزیتہا کنند و ماتم دارند کہ صفت آں نہ تواں کرد یعنی عاشورا کے روز زمین بوسی کی سعادت حاصل ہوئی شہر کی اکثر مخلوق حاضر تھی اور سادات کی ایک جماعت بھی موجود تھی حضرت مخدوم اعظم اللہ ان سیدوں کی طرف متوجہ ہوئے۔ اور فرمایا کہ آج آپ لوگوں کی تعزیتہ کرنے کا دن ہے کیونکہ ہم سب آپ لوگوں ہی کی طفیل میں ہیں۔ اسکے بعد فرمایا کہ سبحان اللہ آپ حضرات کے خاندان کی تو تعزیتہ ادا کرنا سب پر واجب ہے۔ اسکے بعد کہا کہ اسی طرح لوگ کہتے ہیں کہ جس دن حضرت امام حسین رضی اللہ عنہ شہید ہونے والے تھے اسکی رات میں ایک بزرگ نے خواب میں حضرت فاطمہ رضی اللہ عنہا کو دیکھا کہ انبیاء کی بی بیوں کے ساتھ اپنے دامن مبارک کو کمر میں باندھکر میدان کربلا میں آئی ہیں اور اس جگہ جہاں حضرت امام حسین رضؓ شہید ہوکر گرنے والے تھے جھاڑو دے رہی ہیں اور اپنی آستین مبارک سے اوس جگہ کو پاک کر رہی ہیں۔ ان بزرگ نے جناب سیدہ سے پوچھا کہ اے خاتون روز قیامت یہ کون جگہ ہے؟ فرمایا میرے غریب حسین شہید ہوکر اسی جگہ اپنا سر رکھیں گے۔ اس وقت فرمایا کہ روایت ہے کہ حضرت رسولخدا صلعم نے جب اس واقعہ کو جناب جبرئیل سے سُنا تو پوچھا کہ جب ہم لوگوں کے درمیان کوئی نہیں رہیگا تو ان لوگوں کی تعزیتہ کون ادا کرے گا؟ جناب جبرئیلؑ نے کہا یا رسول اللہ آپکی امت کے

لوگ آپ کے فرزندوں کی تعزیت ادا کرینگے اور ماتم کرینگے جسکی حد بیان ہی نہیں ہو سکتی ہے اور حضرت سلطان سید اشرف جہانگیر سمنانی چشتی قدس سرہ کی یہ حالت تھی کہ محرم کا چاند دیکھکر وہ بے قرار ہو جاتے تھے اور گریہ وزاری میں مصروف ہو جاتے تھے اور رسم عاشورا برپا کرتے تھے اور فرماتے تمام اکابر و سادات کا یہی طریقہ ہے اور ذکر مقتل پڑھتے تھے اور اس پر رونے کو ثواب فرماتے تھے۔ لطائف اشرفی میں اُن کے احوال میں لکھا ہے کہ رسم عزا برپا می داشت چنانکہ لباس رعونت درین عشرہ نمی پوشیدند و اسباب عیش و شادمانی ترک می کردند (یعنی رسم عزا برپا کرتے تھے چنانچہ عمدہ لباس اس عشرہ میں نہیں پہنتے تھے اور آرام و خوشی کے کل اسباب چھوڑ دیتے تھے) اور حضرت شیخ الاسلام مخدوم علاء الحق پنڈوی قدس سرہ کے احوال میں بھی لکھا ہے کہ دس دن محرم کے وہ برابر گریہ وزاری کرتے اور فرماتے تھے طرفہ دلے باشد کہ بر ماتم خاندان رسول و جگر گوشگان بتول نگرید و عزا او برا ندارد سبحان اللہ چہ نیاز است کسے کو درچنیں ماتم نگرید۔ دل آن کس مگر از سنگ باشد (یعنی وہ کون کمبخت دل ہوگا جو خاندان رسول اور جگر گوشگان بتول کے ماتم میں نہ روئے اور اُن حضرات کی تعزیت نہ ادا کرے سبحان اللہ کیا یاز ہے جو شخص کہ ایسے ماتم میں نہ روئے اُس کا دل بس پتھر ہی کا ہوگا) اور حضرت سید محمد بندہ نواز گیسو دراز آپ بھی اس محرم میں گریہ و بکا میں مصروف رہتے تھے جیسا کہ آپ کے ملفوظات سے ظاہر ہے یہ تو وہ لوگ ہیں جو ساتویں آٹھویں صدی اسلام میں گزرے ہیں۔ اُنکے بعد بھی برابر یہی طور رہا شیخ عبدالحق محدث دہلوی اخبار الاخیار میں فرماتے ہیں کہ امجد شیبانی قدس سرہ اور دیگر بزرگان کا بھی یہی دستور رہا اور عاشورا کے دن وہ لوگ کھانا سادات کے گھر لے جاتے تھے اور گریہ وزاری کرتے تھے۔ اور شیخ فرماتے ہیں کہ ہمارے دیار (اطراف دہلی) میں یہ قدیم دستور ہے کہ عورتیں بروز عاشورا مجتمع ہو کر گھروں میں گریہ وزاری کرتی ہیں۔ اور سید عبدالرزاق بانسوی قدس سرہ پر بھی اس عشرہ محرم کا بڑا ہی اثر ہوتا تھا

(رسالہ غم حسین صنٹ) - یہ بھی سن لو حضرت بابا فرید گنج شکر سے منقول ہے کہ بغداد میں ایک بزرگ تھے - ان کے سامنے امام والامقام کی شہادت کا ذکر ہوا - وہ اس قدر روئے اور سر کو زمین سے دے دے مارا کہ سر پھٹ گیا اور انتقال فرما گئے - اسی رات لوگوں نے خواب میں دیکھا اور حال پوچھا - انھوں نے فرمایا میں نے اہل بیت اطہار کی محبت میں اپنی جان دیدی تھی اسلئے خداوند تعالے نے مجھے بخش دیا۔ (غم حسین ص۶۷) ان کے علاوہ خواجہ منصور بادشاہ اصفہان مجد دین ہمدانی شیخ الفتوح نصر آبادی - خواجہ محمود حدادی حنفی - خواجہ امام شرف الائمہ ابوالنصر السبحانی خواجہ اشعری حنفی نیشاپوری شیخ احمد محمد شیبانی وغیرہم بھی امام حسینؑ پر گریہ و بکا فرماتے تھے۔ (اخبار الاخیار شیخ عبدالحق - کتاب نقض الفضائح ملا عبدالجلیل الرازی) سلطان الہند خواجہ معین الدین چشتی اجمیری تو اس حد تک تمام عزاء حسین پر شغف رکھتے تھے کہ حضرت نے اسکی وصیت کی کہ ایام عشرہ میں برابر میرے حرم میں مجالس حسینؑ برپا کیجائے چنانچہ آج تک اس پر عمل ہوتا ہے - بس ایک بات اور بیان کر کے اس بحث کو ختم کرتی ہوں تم جانتے ہو کہ صحابہ کرام کی کیا عزت تھی - اگر امام حسینؑ کی شہادت پر رونے کے عوض فخر و مباہات کرنا مناسب ہوتا تو وہ حضرات بھی خوشی اور شادمانی کرتے مگر اسکے عوض اس درجہ گریہ و بکا اور نوحہ و ماتم کرتے تھے کہ ان کی آنکھیں جاتی رہتی تھیں -

مولوی صاحب - ارے - یہ تم کیا کہتی ہو - تمہاری بھی باتیں کیا نرالی ہوتی ہیں۔

حسینی بیگم - میری کونسی بات نرالی ہوئی - اس وقت تک جو کچھ میں نے کہا اس کا ثبوت عقل اور قرآن و حدیث و کتب تاریخ سے پیش کر دیا - کسی ایک بات کو بھی بتاؤ تو جسکی دلیل میں نے نہیں دی ہو -

مولوی صاحب - اچھا اس کا پتا بتاؤ کہ کہاں لکھا ہے کہ کسی صحابی نے امام حسینؑ کے گریہ و بکا میں آنکھیں کھو ڈالیں -

حسینی بیگم - اسلام کے نہایت مشہور معتبر اور قدیم مورخ علامہ مسعودی ہی نے لکھا ہے

میں کتاب ہی لاکر عبارت سنا دیتی ہوں (اٹھکر گئیں اور تاریخ کامل جلد ۷ لاکر بولیں) دیکھو حضرت رسولخدا صلعم کے چچا زاد بھائی اور حضرت کے نہایت جلیل القدر اور بڑے ہی مقدس صحابی حضرت ابن عباس کی وفات کے حال میں لکھا ہے مات عبد اللہ بن العباس سنہ ۶۸ وکان قد ذھب بصرہ لبکائہ علی علی والحسن والحسین یعنی حضرت عبداللہ بن العباس سنہ ۶۸ میں وفات پائی انکی آنکھیں حضرت علی و امام حسنؑ و امام حسینؑ پر روتے رہنے کی وجہ سے جاتی رہی تھیں (تاریخ مروج الذہب برحاشیہ تاریخ کامل جلد ۷ صفحہ ۱۸)

مولوی صاحب ۔ یہ تو تم نے بہت ہی عجیب و غریب بات دکھادی حضرت عبداللہ ابن عباس بہت جلیل القدر بزرگ اور مسلمانوں کے مذہبی پیشوا تھے ۔ ہم لوگوں کے مذہبی مسائل بہت زیادہ انھیں کی حدیثوں سے بنے ہیں ۔ جب ایسے بزرگ اس قدر امام حسینؑ پر روئے کہ انکی آنکھیں جاتی رہیں ۔ مگر انھوں نے رونا موقوف نہیں کیا تو بے شک میں غلطی پر تھا کہ اس شہادت پر خوشی اور فخر و مباہات کرنے کو مناسب سمجھا ۔ لہذا ہر مسلمان کو اس شہادت پر رونا اور نوحہ و ماتم ہی کرنا ضروری ہے ۔

حسینی بیگم ۔ اسی وجہ سے شروع سے آج تک لاکھوں علماء و فضلاء نے حضرتؑ کے مرثیے لکھے اور برابر لکھتے جاتے ہیں ۔ بلکہ یورپ کے تعلیم یافتہ گریجوایٹ حضرات بھی حضرتؑ کا مرثیہ لکھنا اپنا فخر سمجھتے ہیں ۔ آج جناب ڈاکٹر سر محمد اقبال بیرسٹر لاہور پر تمام اسلامی ہندوستان فخر کرتا ہے ۔ انھوں نے بھی حضرتؑ کا زبردست مرثیہ لکھا ہے ۔ اسکے بعض اشعار سنو ۔

عشق را آرام جاں حریت است — ناقہ اش را ساربان حریت است
آں شنیدستی کہ ہنگام نبرد — عشق با عقل ہوس پرور چہ کرد
آں امام عاشقاں پور بتول — سرو آزادے ز بستان رسولؑ
اللہ اللہ بائے بسم اللہ پدر — معنے ذبح عظیم آمد پسر
بہر آں شہزادۂ خیر الملل — دوش ختم المرسلین نعم الجمل

سرخ رو عشقِ غیور از خونِ او ۔ شوخیٔ ایں مصرع از مضمونِ او
درمیانِ امت آں کیواں جناب ۔ ہمچو حرفِ قل ہو اللہ در کتاب
موسیٰ و فرعون و شبیر و یزید ۔ ایں دو قوت از حیات آید پدید
زندہ حق از قوتِ شبیری است ۔ باطل آخر داغِ حسرت میری است
چوں خلافت رشتہ از قرآں گسیخت ۔ حریت را زہر اندر کام ریخت
خواست آں سر جلوۂ خیر الامم ۔ چوں سحابِ قبلہ باراں در قدم
بر زمینِ کربلا بارید و رفت ۔ لالہ در ویرانہا کارید و رفت
تا قیامت قطعِ استبداد کرد ۔ موجِ خونِ او چمن ایجاد کرد
بہرِ حق در خاک و خوں غلطیدہ است ۔ پس بنائے لا الہ گردیدہ است
مدعایش سلطنت بودے اگر ۔ خود نکردے با چنیں ساماں سفر
دشمناں چوں ریگِ صحرا لاتعد ۔ دوستانِ او بہ یزداں ہم عدد
سرِ ابراہیم و اسمٰعیل بود ۔ یعنی آں اجمال را تفصیل بود
عزمِ او چوں کوہساراں استوار ۔ پایدار و تند سیر و کامگار
تیغ بہرِ عزتِ دیں است و بس ۔ مقصدِ او حفظِ آئیں است و بس
ماسوا اللہ را مسلماں بندہ نیست ۔ پیشِ فرعونے سرش افگندہ نیست
خونِ او تفسیرِ ایں اسرار کرد ۔ ملتِ خوابیدہ را بیدار کرد
تیغِ لا چوں از میاں بیروں کشید ۔ از رگِ اربابِ باطل خوں کشید
نقشِ الا اللہ بر صحرا نوشت ۔ سطرِ عنوانِ نجاتِ ما نوشت
رمزِ قرآں از حسینؑ آموختیم ۔ ز آتشِ او شعلہ ہا اندوختیم
شوکتِ شام و فرِ بغداد رفت ۔ سطوتِ غرناطہ ہم از یاد رفت
تارِ ما از زخمہ اش لرزاں ہنوز ۔ تازہ از تکبیرِ او ایماں ہنوز
اے صبا اے پیکِ دور افتادگاں ۔ اشکِ ما بر خاکِ پاکِ او برساں

(مثنوی اسرار بیخودی و رموز ص ۱۲۶)

سینتیسواں باب ۳۷

غم امام حسینؑ میں رونے کا ثواب

مولوی صاحب - میرا مطلب یہ ہے کہ شہادت امام حسینؓ کا ذکر کرنا یا اس پر رونا اور نوحہ و ماتم کرنا ایک نیک امر ضرور ہے مگر نہ کار ثواب ہے نہ باعث نجات۔

حسینی بیگم - تمہاری منطق کے قربان جاؤں۔ خود کہتے ہو کہ ایک نیک امر ضرور ہے۔ پھر اسکے کار ثواب اور باعث نجات ہونے سے انکار کرتے ہو۔ کیا اسلام میں کوئی ایسا بھی نیک امر ہے جو باعث ثواب نہ ہو؟ کیا خدا نے حضرت ابراہیمؑ کو حضرت امام حسینؑ پر رونے کا ثواب دیکر اس رونے کو کار ثواب نہیں بنایا؟ کیا خدا نے یہ نہیں فرمایا کہ رسولؐ کی پیروی تمہارے لئے باعث نجات ہے اور کیا رسول اللہؐ امام حسینؑ پر روتے نہیں تھے؟ کیا عمل نیک میں صحابہ کی تقلید کرنے سے ثواب نہیں حاصل ہوگا۔ اچھا اب کتابوں کے حوالے سنو:- امام احمد بن حنبل کتنے بڑے امام تھے جنکی کتاب مسند صحیح احادیث کا اعلےٰ ذخیرہ ہے۔ اسمیں بھی اس کا ثواب موجود ہے چنانچہ علامہ محمد مبین فرنگی محلی نے لکھا ہے و فی مسند احمد بن حنبل من دمعت عیناہ بقتل الحسین دمعۃ او قطرۃ بواہ الجنۃ یعنی امام احمد بن حنبل کی کتاب مسند میں ہے کہ جس شخص کی آنکھوں سے شہادت امام حسینؑ پر آنسو نکلیں یا ایک ہی قطرہ آنسو کا نکلے خدا اس کو بہشت میں جگہ دے دیگا (وسیلۃ النجاۃ ص ۳۰۵) و فی تفسیر الثعلبی باسنادہ قال مطرنا دما ایام قتل الحسین یعنی تفسیر ثعلبی میں انکی اسناد سے مروی ہے کہ روز قتل حسینؑ آسمان سے خون کی بارش ہوئی۔ جب آسمان

خون کے آنسو اس واقعہ پر روئے تو ہم لوگوں کا اپنی آنکھوں کے آنسوؤں سے رونا کیوں کار ثواب نہیں ہوگا۔ اور جناب مولوی مہدی علی صاحب حنفی نے لکھا ہے۔

"جو حسینؑ پر رونے والا ہوگا واجب ہوگی اس پر بہشت اور شاد و خرم ہوگا دونوں جہان میں" (کتاب انیس الذاکرین مطبوعہ مظہر العجائب پریس مدراس ص۱۵) اور ملا حسین کاشفی علیہ الرحمہ نے لکھا ہے "عزیزان تامل فرمایند کہ ثواب گریستن در مصیبت حسینؑ چہ مقدار است از ائمہ اہل بیت نقل کردہ اند کہ ہر قطرہ آب کہ در ماتم حسین از دیدہ کسے فرو بارد آں را در صدف شرف دری می سازند و در قلادۂ عمل آں کس می کشند و قیمت آں در روز بازار قیامت بر خلق ظاہر خواہد شد۔ شیخ سہیل بن عبداللہ تستری رحمہ اللہ فرمود کہ روز عاشورا را می گریستیم و با خود می گفتم اگر آں روز حاضر نبودم کہ در پیش آں شاہ شہید خونم بریزند امروز بارے در حسرت آں قطرہ چند آب از چشم خود بریزم۔ شبانہ حضرت رسالت صلعم در واقعہ دیدم کہ مرا گفت اے سہیل بجلال حضرت ذوالجلال کہ یک قطرہ آب دیدہ تو در مصیبت فرزند دلبند من ضائع نیست و بداں گریہ کہ امروز کردی فردا ترا چنداں ثواب دہند کہ محاسبان تختہ خاک و مستوفیان خانہ افلاک از عہدہ حصر و حساب و ثواب آں بیروں نتوانند آمد۔ در آثار آمدہ است کہ حسینؓ روز قیامت بعرصات در آید بچہرہ خون آلود و گوید رب شفعنی فیمن بکی علے مصیبتی خدایا مرا شفاعت دہ در حق کسے کہ بر مصیبت من گریستہ است۔ الٰہی ہر کہ در دیار شہیدی و غریبی و محرومی و مظلومی و بے کسی و بے برگی و تشنگی و گرسنگی من گریہ کردہ او را بمن بخش شفاعت آں سید بمحل قبول رسیدہ گریہ کنندگان حسینؓ را ایراۃ نجات از زانی داوند۔ یعنی اے عزیزو غور کرو کہ امام حسینؑ پر رونے کا ثواب کس قدر ہے حضرات ائمہ اہلبیت سے مروی ہے کہ امام حسینؑ میں آنکھ سے آنسو کا جو قطرہ ٹپکے اس کو فرشتے شرف کے صدف میں موتی بنا کر رکھتے ہیں اور اس شخص کے اعمال کے ہار میں اسکو پہنا دیتے ہیں اور اس موتی کی قیمت قیامت کے بازار میں لوگوں پر ظاہر ہوگی۔ شیخ سہیل بن عبداللہ تستری رحمہ اللہ نے

فرمایا ہے کہ عاشورا کے روز میں روتا اور اپنی جگہ کہتا تھا کہ اگر میں اس روز حاضر ہوتا تو اس شاہ شہید کے سامنے اپنے خون میں لوٹتا تو آج اس حسرت میں (کہ میں بھی کیوں نہ حضرت کے ساتھ شہید ہوا) اپنی آنکھوں سے آنسو تو بہالوں میں خوب رویا اسی رات کو میں نے خواب میں حضرت رسول خدا صلعم کو دیکھا کہ مجھ سے فرماتے ہیں اے سہیل حضرت رب العزت کے جلال کی قسم تمہاری آنکھوں سے جو آنسو آج میرے فرزند حسین پر بہے ہیں ۔ اس کا ایک قطرہ بھی ضائع نہیں جائیگا اور آج جو تم روئے ہو اسی رونے کی وجہ سے کل (قیامت میں) تم کو اتنا ثواب ملیگا کہ تختہ خاک کے حساب کرنے والے اور خانہ افلاک کے شمار کرنے والے اسکے جاننے سمجھنے اور اسکے ثواب کا اندازہ کرنے سے عاجز رہیں گے ۔ حدیثوں میں وارد ہوا ہے کہ امام حسینؑ بروز قیامت اپنے خون بھرے چہرے سے میدان حشر میں تشریف لائیں گے اور عرض کرینگے کہ اے خدا جو شخص میری مصیبت پر رویا ہے مجھے اسکی شفاعت کی اجازت دے ۔ اے خدا دنیا میں جو شخص میری شہادت غریبی ۔ محرومی ۔ مظلومی ۔ بے کسی ۔ بے بسی ۔ پیاس اور بھوک پر رویا تھا اُس کو آج بخشدے حضرت کی شفاعت فوراً قبول کیجائیگی اور امام حسین کے رونے والوں کو نجات کی سند دیدی جائیگی (روضتہ الشہدا ص ۲۷) بہت سے علماء نے تو اپنی کتابوں میں مستقل باب قرار دیکر ان حدیثوں کو جمع کیا ہے جنمیں امام حسین پر رونے کا ثواب وارد ہے (مثلاً دیکھو ینابیع المودۃ جلد ۲ صفحہ ۳۵۷ وسیلۃ النجاۃ ص ۱۰۳ وغیرہ) اگر آخر میں ایک نئی بات بیان کروں تو تم اپنے آپے میں نہیں رہو گے ۔

مولوی صاحب ۔ وہ کیا؟

حسینی بیگم ۔ یہ کہ جو شخص امام حسینؑ پر روتا اور نوحہ و ماتم کرتا ہے اسکو بہشت میں نبیء اولوالعزم کے درجہ میں جگہ ملیگی ۔

مولوی صاحب ۔ بس تم بالکل پاگل ہوگئیں ۔

حسینی بیگم ۔ پاگل ہوں میرے اور تمہارے دشمن ۔ علامہ ابن حجر عسقلانی کو جانتے ہو

مولوی صاحب - ہاں ہاں وہ تو اہلحدیث کے بہت بڑے پیشوا تھے۔ انکے برابر کوئی محدث نہیں ہوا - انکے برابر مصنف محقق بھی شاید ہی کوئی ہوا ہو - انھوں نے صحیح بخاری کی بڑی شرح فتح الباری لکھی - صحابہ کے حالات میں بڑی بھاری کتاب اصابہ لکھی -

حسینی بیگم - بس بس اسی اصابہ میں دیکھو لکھا ہے قال مامن عبد بکی یوم اصیب ولدی الحسین الا کان یوم القیامۃ مع اولی العزم من الرسل وقال البکاء فی یوم عاشوراء نور تام یوم القیامۃ یعنی جو شخص میرے فرزند حسینؑ پر بروز عاشورا رو ئیگا خدا اسکو بروز قیامۃ انبیاء اولی العزم کے ساتھ بہشت میں رکھیگا - یہ بھی فرمایا کہ عاشوراء کے روز رونا قیامت میں اعلیٰ درجہ کا نور ہوگا (اصابہ جلد ۲ ص ۲۲۶ مطبوعہ مصر) اس سے زیادہ کے لئے کتاب وسیلۃ النجاۃ ص ۳۱ وینابیع المودۃ وغیرہ دیکھو۔

اڑتیسواں باب ۳۸

کیا امام حسینؑ پر تباکی کرنا چاہئے

مولوی صاحب - خیر یہ سب تو ہے مگر رافضی امام حسینؓ پر تباکی کرنے کا ثواب بھی بہت بیان کرتے ہیں - یہ کیسی مہمل بات ہے - ان لوگوں کو کب عقل آئیگی -

حسینی بیگم - یہ تو تمہارے ہاں بھی بہت سی کتابوں میں ہے کہ جسکو رونا نہ آئے وہ تباکی کرے - علامہ سیوطی نے لکھا ہے کہ آنحضرت صلعم نے سورہ زمر کی آخری آیات پڑھنے کے بارے میں فرمایا کہ فمن بکی منکم وجبت لہ الجنۃ یعنی جو روئیگا اس پر جنت واجب ہوگی - صحابہ نے کہا ہم نے کوشش کی مگر رونا نہیں آیا تو فرمایا فمن لم یبک فلیتباک یعنی جو رو نہ سکے وہ تباکی کرے (تفسیر در منثور جلد ۵ ص ۳۳۵) سورہ تکاثر کے بارے میں بھی حضرت نے یہی فرمایا کہ جو اسپر رو نہ سکے وہ تباکی کرے (در منثور جلد ۶ ص ۳۸۷) کنز العمال میں بھی

متعدد حدیثیں اسکی ہیں کہ جو رونہ سکے وہ تباکی کرے (دیکھو منتخب کنز العمال جلد ۱ صـ ۱۷۳ و ۳۸۲ و ۳۸۳ و جلد ۳ صـ ۳۱۵ و جلد ۴ صـ ۹۷ وغیرہ)

مولوی صاحب - گریہ تو قرآن سننے کے بارے میں ہے۔

حسینی بیگم - ہاں مگر یہی تو ہے کہ جسکو رونا نہ آئے وہ تباکی کرے کہ یہی بکا کا قائم مقام ہوگا۔ اور امام حسینؑ پر بکا کرنے کو میں پہلے ضروری ثابت کر چکی ہوں۔ تو اب جن لوگوں کو رونا نہ آئے وہ تباکی کریں۔ کیونکہ خود آنحضرت صلعم نے تباکی کو بکا کا قائم مقام فرمایا ہے

مولوی صاحب - ہاں بات تو انصاف کی ہے۔

حسینی بیگم - اسی وجہ سے حضرت عمر کو بھی رونا نہ آتا تو تباکی کرتے تھے۔ علامہ سیوطی نے لکھا ہے قال عمرؓ فغدوت الی النبیؐ و ابی بکرؓ وھما یبکیان فقلت ماذا یبکیک فان وجدت بکاء بکیت و ان لم اجد بکاء تباکیت یعنی حضرت عمر نے کہا کہ میں صبح کو رسولخداؐ کے پاس پہونچا دیکھا وہ اور ابوبکر روتے ہیں میں نے کہا آپ کیوں روتے ہیں بتایئے کہ اگر مجھے بھی رونا آئیگا تو روؤں گا ورنہ تباکی کروں گا (در منثور جلد ۳ صـ ۱۷۱ و مدارج النبوۃ جلد ۲ صـ ۱۶۳)

اب خاص امام حسینؑ پر تباکی کرنے کا ثواب سنو۔ ملا حسین کاشفی نے تحریر فرمایا ہے وگریہ درین ماتم موجب حصول رضاء ربانی و سبب وصول بریاض جاودانی است۔ چنانچہ در آثار آمدہ کہ من بکی علی الحسین او تباکی وجبت لہ الجنۃ یعنی ہر کہ بر حسین بگرید یا خود را بتکلف بگریہ دارد سزاوار باشد کہ اورا بہ بہشت برند شیخ جار اللہ علامہ می فرماید کہ ہر کہ بر حسین بگرید بہشت مراورا واجب شود و ہر کہ خود را گریاں فرا نماید بحکم من تشبہ بقوم فھو منھم در وعدہ وجبت لہ الجنۃ داخل است یعنی امام حسینؑ کے ماتم میں رونا خوشنودی خدا حاصل ہونے کا ذریعہ اور بہشت جاودانی میں پہونچنے کا سبب ہے۔ حدیث میں ہے کہ جو حسین پر روئے یا تباکی کرے اُس پر بہشت واجب ہے۔ شیخ جار اللہ علامہ نے فرمایا ہے کہ جو حسینؑ پر روئے بہشت اس پر واجب ہوگی اور جو اپنی صورت رونے والوں کی بنائے اس پر بھی بہشت واجب ہوگی کیونکہ حدیث میں ہے من تشبہ بقوم فھو منھم یعنی جو شخص کسی قوم کی صورت

بنائے وہ انھیں لوگوں میں ہوگا (روضۃ الشہداء ص ۲۷) اسی وجہ سے خدا نے دنیا میں بھی لوگوں کو خواب کے ذریعہ سے بتا دیا کہ جو امام حسینؑ پر روئیگا یا رونے والے کی صورت بنائیگا یا حسرت و افسوس کریگا اسکو خدا ضرور بخشدیگا اور اس پر جنت ضرور واجب ہو جائیگی چنانچہ مولانا محمد مبین صاحب فرنگی محلی نے لکھا ہے عمرو بن لیث کہ از سلاطین خراسان بود و پہلوان و توانا و قوی دولت بود یا غیر او را در خواب دیدند و پرسیدند کہ چہ کرد خدائے تعالیٰ با تو در چہ آمر زید ترا گفت روزے بر بلندی کوہ بودم و نظر کردم و مشرف شدم بہ لشکر ہائے خود پس خوش آمد مرا کثرت ایشاں و حسرت خوردم کہ کاش در روز کارزار بحضرت امام حسین علیہ السلام و اہل بیت آنحضرتؐ حاضر می بودم و نصرت می کردم و دفع می گردانیدم یزیدیان را پس بسبب این نیت آمرزید مرا خدائے تعالیٰ ہذا ما فی مدارج النبوۃ (وسیلۃ النجاۃ)

یعنی عمر بن لیث جو سلاطین خراسان سے ایک بہادر پہلوان اور قوی دولت تھا یا کسی اور بادشاہ کو لوگوں نے خواب میں دیکھا اور پوچھا کہ خدا نے آپکے ساتھ کیا برتاؤ کیا اور کس وجہ سے آپکو بخشدیا۔ اس نے کہا میں ایک روز پہاڑ پر چڑھا تھا تو اپنے لشکر کو دیکھا اسکی کثرت پر نظر کی تو دل میں یہ حسرت پیدا ہوئی کہ کاش میں اس لشکر کے ساتھ بروز عاشورا حضرت امام حسینؑ اور حضرتؐ کے اہلبیت کے ساتھ ہوتا اور لڑکر یزیدی لشکر کو شکست دے دیتا۔ بس اسی نیت کی وجہ سے خدا نے مجھے بخشدیا اسی طرح ہے مدارج النبوۃ میں (وسیلۃ النجاۃ ص ۳۰۵) اس سے معلوم ہوا کہ حضرت مولانا شیخ عبدالحق صاحب دہلوی علیہ الرحمہ نے اپنی کتاب مدارج النبوۃ میں اس کو لکھا ہے۔ اور خود حضرت رسولخدا صلعم کو جناب ام سلمہ و جناب ابن عباس نے جو خواب میں دیکھا کہ حضرت اپنی صورت غمگین بنائے اور بالوں کو پریشان اور خاک آلود کئے ہوئے ہیں۔ یہ بھی تباکی ہی تھا کیونکہ تباکی کا معنے رونے والے کی صورت بنانا ہے اور آنحضرت صلعم نے یہ بھی کیا تھا۔ لہذا جس طرح امام حسینؑ پر رونا سنت رسولؐ ہے اسی طرح اس غم میں تباکی کرنا بھی سنت رسول صلعم ہی ہوا۔

انتالیسواں باب ۳۹

کیا کتب شیعہ میں امام حسین پر نوحہ و ماتم کرنیکو منع کیا ہے

کئی روز تک اس مسئلے کے متعلق کوئی بات نہیں ہوئی۔ اسی زمانہ میں حضرات اہل حدیث کا ایک بڑا اجلاس لاہور میں تھا جس میں دور دور سے علماء اہلحدیث خاص اہتمام سے بلائے گئے تھے۔ مولوی عبد الغفار صاحب بھی اسمیں مدعو ہوئے۔ آپ گئے اور تقریباً ایک ہفتہ وہاں رہ گئے۔ جب الہ آباد واپس آئے اور آرام کرنے کو کمرے میں پہونچے تو بیوی سے حالات سفر وغیرہ دیر تک بیان کرنے کے بعد سوتے وقت کہا

مولوی صاحب۔ اس دفعہ لاہور میں ایک رسالہ ملا جس کا نام ہے "ماتم کی شرعی حیثیت" جس میں حضرت رسولخدا حضرت علیؑ امام حسینؑ اور امام جعفر صادقؑ کے ارشادات گرامی اور اہلسنت اور شیعوں کی معتبر کتب سے ثابت کیا گیا ہے کہ نوحہ و ماتم حرام ہی اور تو سنیئے۔ گھوڑے کی نمائش و تعظیم کسی شرعی دلیل سے ثابت نہیں۔"

حسینی بیگم۔ یہ تو تم بڑا اچھا تحفہ لائے۔ کہاں ہے۔

مولوی صاحب۔ بس اب تم کو کیوں نیند آنے لگی۔ کتاب کا نام سنا اور شوق پیدا ہو گیا۔ اب اس وقت سو رہو۔ میرے بکس میں ہے کل نکال کر دیکھ لینا۔

حسینی بیگم۔ اچھا ہے۔ اس وقت سو ہی رہنا چاہئیے۔ یہ کہکر چپ ہوگئیں۔ پندرہ بیس منٹ کے بعد جب یقین ہوگیا کہ مولوی صاحب اطمینان کی نیند سو رہے ہیں تو دبے پاؤں اٹھیں مولوی صاحب کا بکس کھولا۔ وہ رسالہ نکالا اور تخت پر بیٹھکر اسے دیکھنے لگیں۔ ایک گھنٹہ میں اس کو ختم کر دیا پھر آہستہ سے اسکو اسی طرح بکس میں رکھکر بند کر دیا اور آکر سو رہیں۔ دوسرے دن مولوی صاحب اٹھکر اور ضروریات سے فراغت کرکے باہر گئے۔ جب رات کو پھر میاں بیوی جمع ہوئے تو:۔

مولوی صاحب ۔ کہو وہ رسالہ دیکھا تھا۔

حسینی بیگم ۔ ہاں میں تو رات ہی دیکھ گئی ۔

مولوی صاحب ۔ میں تو جانتا ہی تھا۔ کتاب کا نام سنکر پھر تم کہاں سو سکتی ہو رسالہ تو خوب لکھا ہے۔

حسینی بیگم ۔ خوب کی ایک ہی کہی ۔ سوال از آسمان اور جواب از ریسمان ہے۔

مولوی صاحب ۔ یہ کیونکر؟

حسینی بیگم (اٹھکر گئیں اور رسالہ لاکر بولیں) دیکھو اس میں پہلے حضرت حمزہ کی شہادت لکھی اور انکی بہن کا صبر دکھایا ہے۔ تو میں پہلے بیان کر چکی کہ رونا خلاف صبر نہیں ہے ۔ حضرت رسولخدا صلعم اپنے فرزند ابراہیم کی موت پر روئے ۔ پھر ظاہر کیا کہ یہ فعل خلاف صبر نہیں ہے ۔ پھر لکھا ہے کہ آنحضرتؐ نے جناب حمزہ پر نوحہ کرنے سے منع کیا"۔ اسکو بھی میں پہلے معتبر کتابوں سے ثابت کر چکی کہ خود حضرت ہی نے جناب حمزہؓ پر نوحہ کا اہتمام کیا ہے ۔ شیعی کتابوں میں بھی یہی لکھا ہے ۔ بحار الانوار انکی بڑی مشہور اور معتبر کتاب ہے اسکی جلد ۶ میں اس کو تفصیل سے بیان کیا ہے ۔ پھر اس رسالہ میں لکھا ہے کہ "حضرت رسولخدا صلعم نے اپنی اولاد کی وفات پر کیا اسوہ قائم کیا"۔ اس کو بھی میں پہلے تفصیل سے بیان کر چکی کہ آنحضرتؐ خوب روئے اور یہ منافی صبر نہیں ہے ۔ شیعی کتابوں بحار الانوار جلد ۶ وغیرہ میں بھی یہی ہے ۔ پھر صہ ۱۳ میں لکھا ہے "جزع فزع کے خلاف حکم علی المرتضیٰؓ"۔ یہ بھی صحیح ہے کہ جو شخص بغیر کسی کے قتل کئے یا زہر دیئے ہوئے اپنے مرض یا اتفاقی حادثہ سے مر جائے اس پر جزع فزع نہیں کرنا چاہیئے مگر امام حسینؑ ایسے نہیں ہیں بلکہ ان پر جس قدر جزع و فزع کیا جائے باعث خوشی خدا و رسولؐ ہے ۔ کیونکہ خود خدا نے اس غم میں جزع و فزع ظاہر کیا کہ آفتاب کو گہن لگ گیا ۔ آسمان سے خون برسا ۔ آسمان رویا ۔ پتھروں کے نیچے سے خون تازہ جوش مارتا ہوا نکلا ۔ حضرتؑ کی قبر پر ستر ہزار فرشتے مقرر کئے گئے کہ قیامت تک دن رات روتے رہیں ۔ جن سب کی

دلیلیں پہلے گزر گئیں۔ پس جب امام حسینؑ عام میت نہیں ہیں تو جزع و فزع کا عام حکم بھی آپ سے متعلق نہیں ہوگا۔ بلکہ حضرتؑ پر جزع و فزع کرنا سنت رسولؐ کی پیروی ہے کیونکہ حضرتؐ نے تو اس قدر جزع و فزع کیا کہ خواب میں لوگوں نے آپ کو بال بکھرائے منہ پر مٹی ڈالے دیکھا۔ اس سے زیادہ جزع و فزع کیا ہوگا۔ پھر اس رسالہ کے صفحہ ۱۵ پر لکھا ہے کہ "ماتم کے خلاف امام حسینؓ کا واضح حکم" اور اسکی دلیل یہ دی ہے کہ کتاب انارۃ البصائر اور جلاء العیون میں لکھا ہے کہ "جناب امام حسینؑ نے وقت رخصت حضرت زینبؑ اور اہلبیتؑ کو صبر کی تاکید کی"۔ تو یہ بھی درست ہے مگر اس سے امام حسینؑ پر رونے یا نوحہ و ماتم کی ممانعت کیسے نکلی؟ یہ تو ثابت ہو چکا کہ رونا خلاف صبر نہیں ہے اور امام حسینؑ نے اپنے اوپر رونے یا نوحہ و ماتم کرنے سے منع نہیں کیا دینا بھر کے ہمارے علماء جمع ہو جائیں جب بھی اپنی یا شیعوں کی کتابوں سے اس کو ثابت نہیں کر سکتے کہ امام حسینؑ نے یا کسی امامؑ نے امام حسینؑ پر رونے یا نوحہ و ماتم کرنے سے منع کیا ہو۔ اور کوئی کیونکر منع کرتا جب خود حضرت رسولخدا صلعم اور جناب امیر المومنینؑ اور جناب سیدہ اس غم میں برابر روتی رہی ہیں۔ پھر اس رسالہ کے صفحہ ۱۷ میں اسکو ثابت کیا ہے کہ "حضرت رسولخدا صلعم کی رحلت امت کے لئے سب مصیبتوں سے بڑی مصیبت تھی کسی امام و شہید کی مصیبت موت اسکے سامنے ہیچ ہے"۔ مگر یہ بالکل غلط ہے اگر ایسا ہوتا تو آنحضرتؐ کے انتقال پر بھی آفتاب کو گہن لگتا۔ آسمان اس پر روتا۔ اس کا افق سرخ ہو جاتا۔ آسمان سے خون کی بارش ہوتی۔ حضرتؐ پر رونے کے لئے فرشتے مقرر کئے جاتے۔ مگر یہ سب کچھ نہیں ہوا اور حضرت امام حسینؑ کی شہادت پر سب ہوا۔ اس وجہ سے ماننا پڑیگا کہ حضرت امام حسینؑ کی شہادت ہی امت کے لئے بھی سب سے بڑی مصیبت ہے اور جب حضرت رسولخدا صلعم ہی کے لئے یہ سب سے بڑی مصیبت تھی تو امت کے لئے کیوں نہیں ہوگی۔ اس رسالہ کے صفحہ ۱۷ وغیرہ میں اس پر بھی زور دیا ہے کہ "جب حضرت رسولخداؐ کی وفات۔ یا حضرت علی و حضرت حسنؑ کی شہادت کی تاریخ روز ماتم نہیں قرار پائی تو روز عاشورا کیوں ہوا۔ اس کا

جواب بھی واضح ہے کہ ان لوگوں کی وفاۃ یا شہادت پر نہ خدا نے آسمان زمین سے نوحہ و
ماتم کرایا نہ رسولخدا صلعم نے ماتم کیا مگر حضرت امام حسینؑ کی شہادت پر یہ سب ہوا اس وجہ سے
اس روز ایسا ہی کرنے سے خدا اور رسولؐ خوش ہو سکتے ہیں۔ اس رسالہ کے صـ۲۰ پر یہ بات
ایجاد کی ہے کہ "زوجہ یزید نے امام حسینؑ پر ماتم کیا شیعہ اسکی تقلید کرتے ہیں" حالانکہ
خود حضرت امام حسینؑ کی بہن زینبؑ و ام کلثوم اور امام زین العابدین علیہ السلام نے شام
میں سات روز تک اس زور شور کا ماتم کیا ہے کہ شہر دمشق گویا ہلنے لگا (دیکھئے
شیعوں کی کتاب بحار الانوار جلد ۱۰ صـ۱۱۶ وغیرہ) پھر زوجہ یزید نے بھی ان لوگوں
کی تقلید کی تو آج ہم لوگوں کا ماتم زوجہ یزید کی تقلید کیونکر کہا جائیگا؟ حضرت
زینب و امام زین العابدینؑ کی تقلید ہند زوجہ یزید نے بھی کی اور آج تمام مسلمان
بھی کرتے ہیں۔ ہند زوجہ یزید تو نماز بھی پڑھتی تھی۔ پھر آج جو تم نماز پڑھتے ہو تو
کوئی عقل والا یہ کہہ سکتا ہے کہ تم زوجہ یزید کی تقلید کرتے ہو؟ پھر صـ۲۱ پر لکھا ہے
"ماتم و نوحہ کی ممانعت پر متفقہ احادیث" یہ حدیثیں بھی اپنے اعزہ و احباب سے
ان پر نوحہ و ماتم کرنے کے بارے میں ہیں کہ جو لوگ اپنی طبعی موت سے مرتے ہیں ان پر
ماتم و نوحہ نہیں کرنا چاہیئے مگر حضرت امام حسینؑ تو تین روز کے بھوکے پیاسے دشمنوں
کے ظلم و بے رحمی سے شہید کئے گئے اور چونکہ خاصکر آپ پر خدا نے آسمان و زمین اور
مخلوقات سے نوحہ و ماتم کرایا اور حضرت رسولخدا صلعم نے گریہ و بکا کیا اور بال پریشان
کئے اور منہ پر مٹی ڈالی اس وجہ سے اب ہر مسلمان کا بھی حضرت پر نوحہ و ماتم کرنا
ضروری ہے۔ پھر صـ۲۳ میں اس پر زور دیا ہے کہ "شیعی تفسیر سے نوحہ و ماتم کی ممانعت"
تو یہ بھی امت کے مُردوں کے لئے ہے۔ مگر امام حسینؑ کا ماتم خاص اور سب سے علیحدہ
ہے۔ کیونکہ حضرتؑ کے نوحہ و غم کا انتظام تو خدا و رسولؐ و صحابہ و تابعین و علماء کرام برابر
کرتے رہے کہ آسمان روتا۔ آسمان سے خون برستا۔ رسولخدا صلعم بال پریشان کئے
اور منہ پر مٹی ڈالے دکھائی دیتے۔ صحابہ روتے روتے اندھے ہو جاتے مگر امام حسینؑ کے

نوحہ وغم کو نہیں چھوڑتے۔ اسی وجہ سے شیعی کتب میں بھی امام حسینؑ پر نوحہ ماتم کی بڑی تاکید کی اور اس کا بے حد وحساب ثواب لکھا ہے۔ یہ تک ہے کہ جو شخص حضرت پر نوحہ ماتم کرے گا وہ بہشت میں رسولِ خدا صلعم کے ساتھ ہوگا (دیکھو بحار الانوار جلد ۱۰ صفحہ ۱۳۲ وغیرہ)

پھر اس رسالہ کے صفحہ ۲۴ پر لکھا ہے "حوادث تازہ پر رونا فطرتی ہے اور حوادث قدیمہ پر بناوٹی" مگر یہ بھی صحیح نہیں کیونکہ غنیۃ الطالبین صفحہ ۶۰۴ سے معلوم ہو چکا کہ خدا نے قبر امام حسینؑ پر ستر ہزار فرشتے مقرر کیے جو حضرتؑ پر قیامت تک روتے رہیں گے۔ پس وہ فرشتے آج بھی وہاں روتے ہیں جس سے ثابت ہوا کہ حوادث قدیمہ پر رونا بناوٹی نہیں ہوگا۔ جناب مولانا شاہ عبدالعزیز صاحب دہلوی کے ہاں مجالس امام حسینؑ منعقد ہونا اور حضرت شاہ صاحب کا بھی رونا پہلے بیان کر چکی ہوں۔ کیا اب بھی کوئی کہہ سکتا ہے کہ حوادث قدیمہ پر رونا بناوٹی ہے۔ شاہ صاحب سے کم از کم ایک ہزار برس پہلے واقعہ کربلا ہوا اس پر بھی حضرت شاہ صاحب روتے تھے۔ پھر صفحہ ۲۵ پر لکھا ہے کہ "مصنوعی ماتم کو حزن یعقوب سے کیا نسبت" یہ بھی بے تکی بات ہے۔ کون کہتا ہے کہ امام حسینؑ پر ماتم مصنوعی ہے۔ یہ تو ایسا فطرتی ہے کہ آج ہندو۔ آریہ عیسائی بھی واقعات کربلا سنتے ہیں تو تڑپ جاتے اور انکے جگر بھی پگھل جاتے ہیں۔ حضرتؑ کے ماتم کو مصنوعی کہنا حد درجہ کا ظلم نہیں تو کیا ہے۔ پھر صفحہ ۲۶ پر لکھا ہے کہ "حضرت یعقوبؑ غم جناب یوسف میں روئے نہیں بلکہ صبر کیا"۔ سبحان اللہ تمام کتابوں کو پس پشت ڈال دیا۔ تفسیر درمنثور۔ تفسیر معالم التنزیل۔ تفسیر روح المعانی۔ تفسیر فتح البیان۔ تاریخ کامل وغیرہ کو دیکھو کہ حضرت یعقوب کس قدر اپنے فرزند پر روتے رہے۔ پھر صفحہ ۲۷ میں لکھا ہے "سیاہ ماتمی لباس کے خلاف شیعی علماء کے فتوے" مگر یہ فتوے بھی ان صورتوں کے ہیں جب انسان اپنے شوق سے سیاہ لباس پہنے۔ اور محرم کے زمانہ میں تو سیاہ لباس ایسے شوق سے نہیں بلکہ عزاداری اور غم امام حسینؑ میں تباکی (رونے والوں کی صورت بنانے) کے لیے پہنتے ہیں۔ پس اس کا حکم اس پر کیونکر ہوگا۔ پھر صفحہ ۲۸ میں

لکھا ہے۔ اگر بازاروں میں ماتم کرنا کا ثواب ہوتا تو اس میں شیعی علماء شریک ہوتے
نہ کہ زنان بازاری۔ یہ کھلی ہوئی بات ہے کہ علماء [illegible] دن میں ماتم میں
شریک ہوتے ہیں یا ان جلوسوں میں [illegible] ماتم [illegible] عورتیں جاتی ہیں
انکو چونکہ پردہ کرنے کا حق نہیں ہے اس وجہ سے بازار سے علیحدہ ہو جاتے ہیں اور اس
ماتم میں شریک ہوتے ہیں جس میں نامحرم نہیں ہیں۔ اسی طرح پورا رسالہ
محض تعصب ور خلاف حق میں لکھا گیا اور ناقابل توجہ ہے۔

چالیسواں باب ۴۰

کیا بازاروں میں نوحہ مرثیہ پڑھنا اور ماتم کرنا مناسب نہیں ہے

مولوی صاحب۔ اگر بازاروں میں نوحہ و مرثیہ نہیں پڑھا جاتے
تم ہی بتاؤ کہ حضرت سید الشہداء کے گھر کی عورتوں کا ذکر [illegible] مجمع عام
ہونے سے کیسی شہرت ہوتی ہے کہ تم [illegible] مرتے ہیں۔ پردہ نشین عورتوں
کے حالات سڑکوں پر پڑھنا ظلم نہیں تو کیا ہے؟

حسینی بیگم۔ اگر عقل و انصاف سے کام لو تو [illegible] سمجھ نہیں پاؤ گے

مولوی صاحب۔ وہ کس طرح [illegible] سمجھ میں آتی ہو۔

حسینی بیگم۔ ہر صاحب عقل اس بات کو جانتا اور سمجھتا ہے بلکہ یہ مسئلہ بدیہی
طور پر تسلیم شدہ ہے کہ مظلوم سے محبت ہمدردی مواسات اور ظالم سے نفرت عداوت
یا کم از کم اس پر نفرین و ملامت اور اسکے فعل سے بیزاری اور علیحدگی اختیار کرنا
ہر شخص ضروری بلکہ انسانیت کا مقتضا جانتا ہے۔ دنیا کا کوئی [illegible] صاحب عقل یا کسی
مذہب کا پیرو اس سے انکار نہیں کر سکتا۔ اور یہ بھی واضح ہے کہ مظلوم سے ہمدردی
اور محبت اور ظالم سے علیحدگی اور نفرت اس وقت تک نہیں ہو سکتی جب تک یہ نہ معلوم

ہو جائے کہ وہ شخص کون ہے جس پر ظلم کیا گیا اور وہ فعل کیا ہے جو ظلم ہے اور وہ شخص کون ہے جس نے یہ ظلم کیا یا اس ظلم کا بانی ہوا۔ اسی سبب سے ابتدا سے علماء و عقلاء زمانہ نے فن تاریخ ایجاد کیا تاکہ ہر شخص کے حالات اسکے ذریعہ سے معلوم ہو سکیں اور اچھے برے کی تمیز ہو سکے جس سے لوگ ظالموں کی عادات سے الگ رہیں اور مظلومین کے صبر و تحمل کی خوبیاں اپنے میں پیدا کریں۔ پس اگر مظلوموں اور ظالموں اور انکے ظلموں کا تذکرہ کتابوں میں نہ کیا جائے تو فن تاریخ ناقص اور بے نتیجہ ہو جائے۔

مولوی صاحب۔ یہ تم علم تاریخ کی بحث کیا چھیڑ بیٹھیں۔ کون نہیں جانتا کہ علم تاریخ ضروری علم ہے۔

حسینی بیگم۔ تم ہی کہتے ہو کہ آنحضرت صلعم نے گھر کی عورتوں کا ذکر برسر مجمع عام کرنا مناسب نہیں سمجھا۔ پھر تاریخوں میں غیروں کی مظلومیت کے تذکرے کیوں کئے گئے انکی عورتوں کے حالات کیوں لکھے گئے جن کے سبب سے تیرہ سو برس کے بعد بھی اب تک تمام دنیا کے لوگوں کو ان باتوں کا علم ہوجاتا ہے کہ فلاں پیغمبر کی بیوی نے یہ کیا۔ فلاں نبی کی بہن بیٹی پر یہ گذرا۔ کیا بازاروں سے زیادہ کتابوں اور اوراق سے ان واقعات کا اشتہار نہیں ہوتا

مولوی صاحب۔ خیر علم تاریخ تو خدا یا رسولؐ کا لکھا ہوا نہیں ہے۔

حسینی بیگم۔ کیا خوب تو جو علم خدا و رسول کا لکھا ہوا نہیں ہو اس کو چھوڑ دو۔ اچھا قرآن شریف ہی دیکھو۔ اللہ پاک نے بھی اکثر انبیاء کرام کی بیویوں۔ بہنوں اور بیٹیوں کا تذکرہ کیا ہے۔ جیسے حضرت آدمؑ کے قصہ میں انکی بیوی حضرت حواء کا ذکر کیا اور ان کا حال صاف صاف لکھدیا جسکو آج ہر مسلمان بڑا ہو یا بچہ پڑھتا ہے۔ ارشاد فرمایا ہے یا آدم اسکن انت وزوجک الجنۃ... فوسوس لھما الشیطان لیبدی لھما ما وری عنھما من سوآتھما... فدلٰھما فلما ذاقا الشجرۃ بدت لھما سوآتھما وطفقا یخصفان علیھما من ورق الجنۃ... قالا ربنا ظلمنا انفسنا یعنی اے آدم تم اور تمہاری بیوی بہشت میں رہو... پھر شیطان نے دونوں کو بہکایا تاکہ انکی شرم گاہیں کھولدے

غرض شیطان نے انکو دھوکے سے مائل کرلیا تو جوں ہی انھوں نے درخت چکھا دونوں کی شرمگاہیں ظاہر ہوگئیں اور لگے بہشت کے پتوں کو اپنے اوپر ڈھکنے ....ان دونوں نے کہا اے پروردگار ہم نے اپنے تئیں آپ تباہ کیا (پ ۸ ع ۹)

مولوی صاحب ۔ تو سڑکوں پر مرثیہ نوحہ پڑھنے اور خاندان رسولؐ کی عورتوں کے ظلموں کے بیان کرنے سے اس کو کیا مناسبت ہوئی۔

حسینی بیگم ۔ کیا خوب جس طرح مرثیہ نوحہ پڑھنے میں یہ ذکر کیا جاتا ہے کہ دشمنوں نے اہلبیت رسولؐ پر یہ ظلم کیا اسی طرح اس آیت میں خدا نے یہ ذکر کیا ہے کہ شیطان نے حضرت آدم اور حوا پر ایسا ظلم کیا کہ انکی شرمگاہیں نظر آنے لگیں تمہارے خیال کے مطابق اس سے زیادہ شرمناک بات اور کیا ہوتی۔ پھر فرمایا ہے یا بنی آدم لا یفتننکم الشیطان کما اخرج ابویکم من الجنۃ ینزع عنہما لباسہما لیریہما سوآتہما یعنی اے بنی آدم شیطان تم کو بھی بہکانے جس طرح اس نے تمہارے باپ آدم اور ماں حوا کو بہشت سے نکال دیا کہ انکا ان کا لباس ترا دیا تاکہ انکی شرمگاہیں ظاہر ہوجائیں۔ (پ ۸ رکوع ۱) حضرت آدم و حوا کا قصہ قرآن مجید میں کئی جگہ ہے میں کس کس کو پڑھوں اسی طرح حضرت لوط کی اور ان کی بیٹیوں کا ذکر بھی خدا نے بالکل بے شرمی اور بے تکلفی سے کیا ہے حضرت لوط نے اپنی قوم سے فرمایا یا قوم ھؤلاء بناتی ھن اطھر لکم اے میری قوم یہ میری بیٹیاں حاضر ہیں یہ سب تم لوگوں کے لئے زیادہ پاکیزہ ہیں۔ ولا یلتفت منکم احد الا امراتک انہ مصیبہا ما اصابہم یعنی تم میں سے کوئی مڑ کر بھی نہ دیکھے مگر تمہاری بیوی کہ جو عذاب ان لوگوں پر ہونے والا ہے اس پر بھی ہوگا۔ (پ ۱۲ ع ۷) قال ھؤلاء بناتی ان کنتم فاعلین یعنی حضرت لوط نے فرمایا اگر تم کو ایسا ہی کرنا ہے تو یہ میری بیٹیاں حاضر ہیں ان سے جو کرنا ہو کرلو ... یہ بھی فرمایا واتقوا اللہ ولا تخزون یعنی خدا سے ڈرو اور مجھے رسوا نہ کرو (پ ۱۴ ع ۵) اسی طرح حضرت شعیب پیغمبر اور انکی بیٹیوں کے حالات پڑھو کہ جب حضرت موسیٰ ان کے گاؤں میں پہونچے وجد

من دونهم امرأتين تذودان یعنی وہاں حضرت موسیٰ نے اور لوگوں سے الگ دو
عورتوں کو دیکھا کہ اپنی بکریوں کو روکے کھڑی ہیں۔۔۔ فجاءته احدیٰهما تمشی علی استحیاء
یعنی اتنے میں حضرت موسیٰ کے پاس ان عورتوں سے ایک شرماتی ہوئی پہونچیں۔ بتاؤ یہ
پیغمبرزادیوں کے اور یہ مردوں کے مجمع میں جانے کا ذکر کرکے کیا خدا نے انکی توہین کی؟ اچھا
اب حضرت عیسیٰ اور ان کی مادر گرامی حضرت مریم کے حالات دیکھو جب حضرت مریم
کے پاس فرشتہ آیا تو انھوں نے کیسے شرم کی بات کہی لم یمسسنی بشر و لم اک بغیا
یعنی نہ تو کسی مرد نے مجھے لپٹایا اور نہ میں بدکار ہوں۔۔ فاتت به قومها تحمله قالوا یا
مریم لقد جئت شیئا فریا یا اخت هارون ما کان ابوک امرء سوء وما کانت
امک بغیا جب حضرت مریم اپنا وہ لڑکا جو بے باپ کے پیدا ہوا تھا اپنی قوم کے پاس
لائیں تو لوگوں نے کہا اے مریم یہ تو نے بہت ہی شرمناک حرکت کی ہے۔ اے
ہارون کی بہن نہ تو تیرا باپ ہی برا آدمی تھا اور نہ تیری ماں ہی بدکار تھی (پ ۱۶ ع ۵)
انصاف کرو کہ حضرت مریم کا واقعہ کس درجہ تھا۔ یعنی بغیر باپ کے آپ کے بطن سے
حضرت عیسیٰ پیدا ہوئے۔ جن کو یہود تو حرامزادہ کہتے ہیں۔۔ بیان ہی نہیں ہوسکتا
جو لوگ عیسائی یا مسلمان نہیں ہیں وہ بھی بے فکر یہی خیال ان کے متعلق کرتے ہیں۔ خدا
نے اپنی قدرت سے حضرت عیسیٰ کو پیدا کیا تھا یہ بات چھپی تھی اسکے ڈھنڈورا
پیٹنے کی کیا ضرورت تھی کہ قرآن مجید میں بھی شد و مد سے اس واقعہ کا ذکر کردیا جسکا نتیجہ
ہے کہ آج جو لوگ اس واقعہ کو نہیں بھی جان سکتے تھے قرآن مجید سے جان جاتے ہیں
اور ہر بار اسکی تلاوت کرکے اسکی یاد تازہ کرتے ہیں۔ پس اگر عورتوں کا ذکر باعث شرم اور
سبب انکی توہین کا ہوتا تو خود خدائے پاک اس سے باز رہتا۔ اسی طرح حضرت رسولخدا
صلعم کی بیوی جناب زینب کا ذکر خدا نے اس طرح کیا ہے واذ تقول للذی انعم اللہ
علیه وانعمت علیه امسک علیک زوجک واتق الله وتخفی فی نفسک ما الله مبدیه
یعنی اے پیغمبر اس بات کو بھی یاد کرو جب تم اس شخص (زید) کو سمجھاتے تھے جس پر اللہ

۔۔ اور تم نے ... بیٹے ... اور اللہ سے ڈرو اور تم اس بات
کو ... فلما قضی زید منہا وطرا
زوجناکہا یعنی جب زید اپنی بیوی سے بے تعلقی کر چکا (یعنی طلاق دے دی) اور عدۃ
کی مدت پوری ہو گئی ... تو ہم نے اسکی شادی کر دی (پ ۲۲ رکوع ۲) پھر
عام عورتوں ... کر دیا گیا کہ یا نساء النبی من یات منکن بفاحشۃ مبینۃ
یضاعف لہا العذاب ضعفین یعنی اے رسول کی بیویو تم میں سے جو بیوی کھلی ہوئی
بدکاری کرے گی اسکو دہرا عذاب کیا جائیگا ان اتقیتن فلا تخضعن بالقول فیطمع
الذی فی قلبہ مرض یعنی اگر تم کو پرہیزگاری منظور ہے تو دبا چبا کر کسی سے باتیں نہ کرو کہ
ایسا کرو گی تو جسکے دل میں ... اسکے دل میں تمہارا لالچ پیدا ہو گا (پ ۲۲ رکوع ۱)
اور حضرت ... کے بارے میں بھی فرمایا اور کیسے شرمناک واقعہ کا تذکرہ بھی کر دیا
ارشاد ہوتا ہے واذ اسر النبی الی بعض ازواجہ حدیثا فلما نبات بہ واظہرہ
اللہ علیہ عرف بعضہ واعرض عن بعض یعنی جب میرے رسول نے اپنی بعض بیویو
سے ایک راز کی بات کہی اور اس بیوی نے اس راز کو دوسری سے کہدیا اور خدا نے
اپنے رسول کو مطلع کر دیا کہ تمہاری بیوی نے تمہارا بھید کھول دیا تو رسول نے کچھ جتایا اور
کچھ ٹال دیا ... ان تتوبا الی اللہ فقد صغت قلوبکما وان تظاہرا علیہ فان اللہ
ھو مولاہ وجبریل وصالح المومنین والملئکۃ بعد ذلک ظہیر یعنی اے عائشہ و
حفصہ اگر تم دونوں توبہ کر لو تو خیر ... کیونکہ تم دونوں کے دل گمراہ ہو چکے لیکن اگر پیغمبر کے خلاف
میں سازشیں ... کرتی رہو گی تو پیغمبر کا ... نہیں کیونکہ انکا مددگار اللہ اور جبریل اور صالح المومنین
اور فرشتے ہیں (پ ۲۸ ع ۹) غرض خود قرآن مجید میں بڑے بڑے نبی اور رسول حضرت
آدم ۔ حضرت ایوب ۔ حضرت ابراہیم ۔ حضرت سلیمان ۔ حضرت لوط ۔ حضرت یوسف ۔ حضرت
عیسٰی ۔ حضرت رسول خدا صلعم کی بیبیوں ۔ بہنوں اور بیٹیوں کے تذکرے بھرے ہوئے
ہیں ۔ پس اگر عورتوں کا ذکر باعث شرم اور سبب توہین ہوتا تو خدا قرآن شریف میں ان

باتوں کو ذکر کیا اشارہ بھی نہیں فرماتا۔

اکتالیسواں باب ۴۱

تعزیہ بنانا جائز ہے یا نہیں من جدد قبرا او مثل مثالا کا مطلب

مولوی صاحب۔ مگر رافضی صرف اپنے گھروں میں نوحہ و مرثیہ نہیں پڑھتے بلکہ ایک بت بنا کر اسکو تمام گھماتے اور انکے ساتھ ان ذلتوں کو چیخ چیخ کر پڑھتے اور لوگوں کو سناتے ہیں اس کو تو ہر شخص بت پرستی اور شرک ہی کہیگا۔

حسینی بیگم۔ رافضی بت کیسا اور کب بناتے ہیں۔

مولوی صاحب۔ کیا تم نہیں جانتیں یہ جو محرم میں کاغذ اور بانس کی تیلیوں سے بناتے ہیں کیا ہے

حسینی بیگم۔ وہ تو تعزیہ ہوتا ہے حضرت امام حسین کے روضہ مبارک کی شبیہ۔

مولوی صاحب۔ یہی تو بت ہے۔ قبر کی شبیہ بنانا اور رکھنا بت پرستی نہیں تو اور کیا ہے۔ اور لطف یہ کہ خود انکی کتابوں میں اس کو منع کیا ہے۔ انکی بڑی معتبر کتاب من لا یحضرہ الفقیہ میں خود سیدنا حضرت علی کرم اللہ وجہہ نے فرمایا ہے کہ من جدد قبرا او مثل مثالا فقد خرج عن الاسلام

حسینی بیگم۔ تو اس سے تعزیہ بت کیسے ہو جائیگا۔ دیکھو ہمارے اور تمہارے پیشوائے اعظم مولانا وحید الزماں خاں صاحب حیدرآبادی نے تحریر فرمایا ہے "من جدد قبرا او مثل مثالا فقد خرج من الاسلام جس نے قبر کو نیا کیا اسکی مرمت کی اس پر گلاوہ یا چونا کاری کی یا قبر کو کھود کر اسمیں سے لاش نکالی یا صورت جاندار کی بنائی یا بدعت نکالی وہ اسلام سے باہر ہو گیا" (انوار اللغۃ پارہ ۵ ص ۸) اس حدیث کا مطلب واضح ہے کہ (۱) جو شخص تجدید قبر کرے یعنی قبر کھود کر اسمیں کسی اور کو دفن کرے (۲) جو شخص کوئی صورت بنائے وہ اسلام سے خارج ہو گیا۔ اور اس پر سب عالموں کا اتفاق

ہے کہ قبر کی تجدید کرنی یعنی ایک پرانی قبر میں دوسرے مردہ کو دفن کرکے اس کو نئی قبر بنانا حرام ہے نہ یہ کہ کسی قبر پر مٹی ڈالنا یا اسکی مرمت کرنا حرام ہو۔ چنانچہ مولانا نے بھی یہی لکھا کہ "قبر کو کھود کر اس میں سے لاش نکالے" بس یہی تجدید قبر کا معنے ہے۔ اگر اور کوئی مطلب ہوتا تو من جدد قبرا نہیں فرماتے بلکہ من اصلح قبرا (جو شخص کسی قبر کو درست کرے یا مرمت کرے) فرماتے۔ رہا دوسرا جملہ تو وہ بھی ٹھیک ہے کہ کسی جاندار کی تصویر بنانا منع کیا گیا ہے۔ لیکن بے جان چیزوں کی تصویر بنانا تو ممنوع نہیں ہوا اگر بے جان چیزوں کی تصویر منع ہوتی تو ایک مسجد کی نقل دوسری مسجد بنائی جاتی ہے وہ بھی منع ہوتی۔ ایک قرآن کی مثال دوسرا قرآن لکھا اور چھاپا جاتا ہے وہ بھی منع ہوتا تم نے ایک اچھی انگوٹھی کسی کے ہاتھ میں دیکھی ویسی ہی خود بھی بنوائی جو اسکی مثال کہی جائیگی۔ تو یہ کیا حرام ہو جائیگی؟ ایک عمدہ مکان نظر آیا۔ اسکی نقل میں تم نے بھی ایک مکان بنوایا۔ تو کیا اُس مکان کے ایسا دوسرا مکان بنوانے سے کوئی اسلام سے خارج ہو جائیگا پس تعزیہ بھی کسی جاندار چیز کی مثال نہیں ہے بلکہ بے جان چیز روضہ حضرت امام حسینؑ کی مثال ہے۔ اس کا بنانا اسی طرح جائز ہے جس طرح ایک مسجد کی مثال دوسری مسجد بنوانی یا ایک قرآن کے مثل دوسرا قرآن لکھنا یا چھاپنا۔ مولانا ممدوح نے اس کو بھی صاف صاف لکھدیا ہے فرماتے ہیں "من مثل مثالا خرج من الاسلام جو شخص جاندار کی صورت بنائے وہ اسلام سے نکل گیا مجسم صورت جاندار کی بنانا تو باتفاق حرام ہے اُس کو توڑ ڈالنا شیوہ اسلام ہے لیکن نقشی تصویر میں فوٹو گراف کی تصویر میں اختلاف ہے غیر جاندار کی تو بالاتفاق درست ہے۔ اور جاندار کی بعضوں نے جائز رکھی ہے" دیکھو (انوار اللغتہ پ ۲۴ ص ۱۶) اس عبارت میں غور کرنے کے بعد بتاؤ کہ قبر امام حسینؑ تو غیر جاندار ہی چیز ہے۔ پھر اسکی تصویر یا مثال بھی (جو تعزیہ ہوتا ہے) بالاتفاق درست ہوئی اب صحیح بخاری شریف کی اس عبارت کو بھی دیکھو قال النووی قال اصحابنا وغیرهم من العلماء تصویر صورۃ الحیوان حرام شدید التحریم لان فیہ مضاھاۃ لخلق اللہ

... واما تصویر صورۃ الشجر ورحال الابل وغیر ذلک مما لیس فیہ صورۃ حیوان فلیس بحرام ھکذا حکم نفس التصویر یعنی علامہ نووی بیان کرتے تھے کہ ہمارے اصحاب اور نیز دیگر علماء کا قول ہے کہ حیوان ذی روح کی تصویر بنانا حرام ہے کیونکہ اسمیں خلق خدا سے مشابہت ہوتی ہے لیکن درخت، پالان شتر یا غیر ذی روح چیز کی تصویر بنانا حرام نہیں ہے یہی حکم بنی ہوئی تصویر کا ہے یعنی تصویر ذی روح خواہ کسی چیز پر بنی ہوئی ہو اس کا رکھنا حرام اور ناجائز ہے لیکن غیر ذی روح کی تصویر کا بنانا جس طرح جائز ہے اس کا رکھنا بھی جائز ہے (حاشیہ بخاری شریف جلد ۲ پارہ ۲۴ صفحہ ۸۸۰ مطبوعہ نولکشور کانپور) اب تو صاف ہو گیا کہ تعزیہ کا بنانا اور رکھنا جائز ہے کیونکہ یہ ایک غیر ذی روح چیز (روضہ امام حسینؑ) کی تصویر ہے۔ اگرچہ بعض روایات صحیحہ سے ثابت ہوتا ہے کہ ذی روح کی تصویر بنانا اور رکھنا بھی جائز ہے چنانچہ ترمذی شریف میں ہے عن عائشہ ان جبریل جاء بصورتھا فی خرقۃ حریر خضراء الی النبی فقال ھذہ زوجتک فی الدنیا والاخرۃ یعنی حضرت عائشہ فرماتی تھیں کہ جناب جبرئیل میری تصویر ایک ریشمی کپڑے کے ٹکڑے میں حضرت رسولؐ کے پاس لائے اور کہا دنیا و آخرۃ میں یہ آپکی بیوی ہیں (جامع ترمذی جلد ۲ صفحہ ۲۲۵) اس سے معلوم ہوا کہ خود خدا نے حضرت عائشہ کی تصویر بنوائی۔ اور سنو عن عائشہ قالت کنت العب بالبنات عند رسول اللہ وکان لی صواحب یلعبن معی وکان رسول اللہ اذا دخل ینقمعن منہ فیسربھن الی فیلعبن معی یعنی حضرت عائشہ فرماتی تھیں کہ میں حضرت رسولخدا صلعم کے پاس ہی گڑیاں کھیلا کرتی تھی اور میری ہمجولیاں بھی میرے ساتھ گڑیاں کھیلتیں اور حضرت رسولخدا صلعم جب میرے پاس آتے تو میری ہم جولیاں سرک جایا کرتی تھیں مگر حضرت رسولخدا صلعم اُن سب کو میرے پاس بھیجدیتے تھے تو وہ میرے پاس آکر کھیلنے لگتی تھیں (صحیح بخاری جلد ۲ پارہ ۲۵ صفحہ ۹۰۵) یہ حدیث صحیح مسلم جلد ۲ صفحہ ۲۸۵ وغیرہ میں بھی ہے عن عائشہ قالت کنت العب بالبنات وانا عند رسول اللہ فکان یسرب الی صواحباتی یلعبن یعنی حضرت عائشہ بیان

فرماتی تھیں کہ حضرت رسول خدا صلعم کے پاس میں گڑیاں کھیلا کرتی تھی اور حضرت میری ہمجولیوں کو بھی میرے پاس بلا بھیجتے تھے جو آکر میرے پاس کھیلنے لگتی تھیں (سنن ابن ماجہ جلد ا صفحہ ۱۴۳) عن عائشۃ قالت کنت العب بالبنات فربما دخل علی رسول اللہ وعندی الجواری فاذا دخل خرجن واذا خرج دخلن یعنی حضرت عائشہ کہتی تھیں کہ میں برابر گڑیاں کھیلا کرتی تھی اسی حالت میں اکثر حضرت رسول خدا صلعم میرے پاس پہونچ جاتے تھے اور وہ ہمجولیاں بیٹھی رہتی تھیں لیکن جب حضرت میرے پاس آجاتے تو وہ سب ہٹ جاتیں اور جب حضرت چلے جاتے تو پھر چلی آتی تھیں (سنن ابوداؤد جلد ۴ صفحہ ۳۱۹) یہ روایت بھی سن رکھو عن عائشۃ قالت قدم رسول اللہ من غزوہ تبوک او خیبر وفی سھو تھا ستر فھبت الریح فکشفت ناحیۃ الستر عن بنات لعائشہ لعب فقال ما ھذا یا عائشۃ قالت بناتی ورای بینھن فرسا لہ جناحان من رقاع فقال ما ھذا الذی اری وسطھن قالت فرس ۔ قال وما ھذا الذی علیہ ۔ قلت جناحان ۔ قال فرس لہ جناحان ۔ قالت اما سمعت ان لسلیمان خیلا لہا اجنحۃ قالت فضحک رسول اللہ حتی رائت نواجذہ یعنی حضرت عائشہ بیان فرماتی تھیں کہ حضرت رسول خدا صلعم غزوہ تبوک یا غزوہ خیبر سے واپس تشریف لائے تو میرے گھر پردہ پڑا ہوا تھا ۔ اتنے میں ہوا چلی جسنے اس پردے کو ہٹا دیا جو میری گڑیوں پر پڑا ہوا تھا ۔ آنحضرت نے فوراً پوچھا عائشہ یہ کیا ہے ۔ میں نے جواب دیا میرے کھیلنے کی گڑیاں ہیں ۔ ان گڑیوں کے درمیان ایک گھوڑا بھی تھا جسکے دونوں طرف پر لگائے ہوئے تھے ۔ حضرت نے اسکی طرف اشارہ کرکے پوچھا اور یہ کیا چیز ہے ؟ میں نے کہا گھوڑا ۔ حضرت نے پوچھا اور یہ (دونوں طرف) کیا ہے ۔ میں نے کہا گھوڑے کے پر ہیں ۔ آنحضرت نے پوچھا کیا گھوڑے کے بھی دونوں طرف پر ہوتے ہیں ؟ میں نے کہا کیا آپ نے نہیں سنا کہ حضرت سلیمان پیغمبر کے گھوڑا تھا جسکے پر بھی تھے ۔ یہ سنکر حضرت اس قدر

ہنسے کہ آپ کے دانت دکھائی دینے لگے (سنن ابوداؤد جلد ۴ صفحہ ۲۹۴) ان صحیح حدیثوں سے ثابت ہوا کہ ذی روح کی سایہ دار تصویر بنانا اور رکھنا بھی جائز اور حلال بلکہ ایسا ہے جو خود حضرت رسولخدا صلعم کے گھر میں ہوتا اور حضرتؐ اوسکو پسند فرماتے۔ اگر یہ ذرہ برابر بھی برا یا مکروہ ہوتا تو آنحضرت صلعم ضرور اس سے نفرت ظاہر فرماتے۔ ان گڑیوں میں آگ لگا دیتے۔ یا کم از کم ان سب کو پھینک دیتے اور حضرت عائشہ کو منع فرماتے کہ خبردار آئندہ اس قسم کی چیزیں نہ بنانا نہ رکھنا۔ اسکے عوض حضرت ان گڑیوں اور انکے کھیل کو اس درجہ پسند فرماتے اور اس قدر خوش ہوتے تھے کہ حضرت عائشہ کی ہمجولیوں کو بھی بلا کر بھیجتے تھے کہ جاؤ کھیلو۔ پس جب ذی روح کی سایہ دار تصویر بنانا اور رکھنا جائز اور سنت رسولؐ ہے تو تعزیہ بنانا۔ رکھنا۔ سڑکوں پر گھمانا بدرجہ اولیٰ جائز اور حلال ہے جس پر کوئی اعتراض ہو ہی نہیں سکتا۔

بیالیسواں باب ۴۲

تعزیہ کی ضرورت کیا ہے۔ اسکی ایجاد کب ہوئی۔ اسکی تاریخ

مولوی صاحب۔ مگر اسکی ضرورت ہی کیا ہے۔ کیا صرف حضرت حسینؓ کے مصائب سُننے سے رونا نہیں آتا جو خواہ مخواہ حضرتؑ کے روضہ کی نقل بنا کر اور اوسے دیکھکر رونے کی کوشش کیجاتی ہے۔

حسینی بیگم۔ جو ضرورت حضرت رسولخداؐ کے لئے تھی کہ خدا نے حضرت کو صرف امام حسینؑ کے مصائب سے خبر نہیں دی بلکہ حضرتؐ کے پاس گویا تعزیہ بھی بنوا کر بھیجا تاکہ حضرت کو اسے دیکھکر زیادہ رونا آئے۔ بہت بیتاب ہوں۔ شدت سے روئیں۔

مولوی صاحب۔ معاذ اللہ یہ کیا کفر بکنے لگیں۔ خدا نے کب اور کیوں حضرتؐ کے پاس تعزیہ بنوا کر بھیجا۔

حسینی بیگم - میں پہلے کئی دفعہ یہ روایۃ بیان کر چکی ہوں کہ ام الفضل بیان کرتی تھیں کہ میں نے حضرت رسولخدا صلعم سے عرض کی کہ میں نے خواب دیکھا ہے کہ آپ کے جسم کا ٹکڑا میری گود میں رکھدیا گیا حضرتؐ نے فرمایا فاطمہؑ کا بیٹا تمہاری گود میں رہیگا واقعاً ایسا ہی ہوا۔ پھر ایک روز میں نے امام حسینؑ کو حضرتؐ کی گود میں دیا تو حضرت رونے لگے۔ میں نے وجہ پوچھی تو فرمایا میری امتہ اسے قتل کریگی اور جبرئیلؑ نے انکے قتل گاہ کی سرخ مٹی بھی دی ہے (مشکوٰۃ شریف جلد ۸ صفحہ ۱۴۰)۔ اسی جملہ پر غور کرو کہ خدا نے جناب جبرئیلؑ کے ذریعہ سے آنحضرتؐ کے پاس امام حسینؑ کے قتل گاہ کی سرخ مٹی بھیجی۔ یہ معلوم ہے کہ کربلا کی مٹی پہلے سے سرخ نہیں تھی بلکہ جو رنگت وہاں کی مٹی کا تھا ویسی ہی تھی۔ مگر خدا نے اس مٹی کو وہاں سے نکلوا کر سرخ کرایا تب حضرت کے پاس بھیجا یعنی امام حسینؑ کے قتل گاہ کی مٹی حضرتؑ کی شہادۃ اور آپ کا خون بہنے کے بعد جیسی سرخ ہونے والی تھی ویسی ہی سرخ خدا نے اس مٹی کو بنوایا غرض اس مٹی کی شبیہ طیار کرائی اور حضرت رسولخدا صلعم کے پاس بھیجی تاکہ حضرت اس کو دیکھکر سمجھیں کہ امام حسینؑ کے قتل ہونے سے وہاں کی مٹی ایسی ہی سرخ ہوجائیگی اور اس وجہ سے آپ اس زمین کا تصور کریں اور ان مصائب کا تذکرہ کرکے خوب روئیں اور اپنی آنکھوں سے آنسو کے دریا بہائیں۔ اگر خدا امام حسینؑ کے قتل گاہ کی زمین کی شبیہ نہیں بنواتا تو وہ مٹی اپنے معمولی رنگ پر رہتی سرخ نہیں ہوجاتی مگر خدا نے شہادۃ کے وقت کی مٹی کی شبیہ بناکر اس مٹی کو سرخ کر دیا تب بھیجا۔ پس جب خدا نے امام حسینؑ کے قتل گاہ کی شبیہ بناکر وہ سرخ مٹی بھیجی تو معلوم ہوا کہ حضرت کے قتل گاہ یا روضہ کی شبیہ بنانا خدا کی عملی تعلیم ہے۔ اب وہ شبیہ خواہ مٹی کی صورت میں بنائی جائے خواہ تعزیہ کی صورت میں خواہ دلدل۔ علم۔ تابوت کی صورت میں۔ سب خدا ہی کی تعلیم کی پیروی کہی جائیگی۔ البتہ بعد کو ان باتوں میں ترقی ہوتی گئی اور بہت کچھ اضافہ بھی ہوا مگر یہ اضافہ ویسا ہی ہے جیسا حضرت رسولخدا صلعم کی مسجد مدینہ کے

اضافے ہوئے۔ جناب مولانا عبدالسلام صاحب ندوی نے مسجد مدینہ کے حالات میں لکھا ہے "مسجد نبوی طیار ہوئی تو اسلام کی سادگی کا بہترین نمونہ تھی۔ لکڑیوں کے ستون تھے۔ کھجور کی شاخوں کی چھت اور پتھر کی چوکھٹ تھی۔ حضرت عمر نے مسجد نبوی میں صرف اضافہ کیا تھا مگر اسکی اصلی ہیئت قائم رکھی تھی لیکن حضرت عثمان نے مسجد کا پورا نقشہ ہی بدلنا چاہا ... نہایت شان و شوکت کے ساتھ مسجد نبوی کو تعمیر کرایا... ولید نے ان سب کا کفارہ کر دیا اردگرد کے مکانات کے ساتھ ازواج مطہرات کے حجرے بھی تھے جو رسول اللہ کے زہد و تقشف کی یادگار تھے بہ جبر مسجد میں شامل کر لئے... آس پاس کے مکانات کو ڈھاکر زمین ہموار کیگئی اور ۸۸ھ یا ۹۱ھ ہجری میں نہایت وسیع پیمانہ پر تعمیر کا کام شروع ہوا ... ولید نے جب گھوم پھر کے اچھی طرح مسجد کی سیر کر لی تو حضرت ابان بن عثمان کیطرف مخاطب ہو کر فخریہ لہجہ میں کہا کہ ہماری عمارت کہاں اور تمہاری عمارت کہاں۔ ابان نے جواب دیا کہ ہم نے مسجد بنوائی تھی اور تم نے گرجا بنوایا ہے" (رسالہ معارف اعظم گڈھ جلد ۱ نمبر ۳ صفحہ ۲۳) غرض جس طرح اس کثرت سے اضافہ ہونے کے بعد بھی مدینہ کی مسجد کو سب لوگ مسجد رسولؐ ہی کہتے ہیں بالکل اسی طرح کچھ اضافہ ہونے کے بعد بھی موجودہ تعزیہ وہی ہے جسکو خدا نے ۴ھ ہجری میں ایجاد کیا اور جناب رسولخداصلعم کے پاس بھیجا اور حضرت نے اس تعزیہ کو جناب ام سلمہ کے پاس بغرض حفاظت رکھوایا۔ اگر یہ کسی آدمی کا فعل ہوتا تو یہ لوگ حضرت رسولخداصلعم حضرت فاطمہؑ۔ حضرت علی۔ حضرت حسنؑ کی قبروں کی شبیہ کیوں نہیں بناتے۔ کسی نے حضرت سیدہ یا حضرت علیؑ یا حضرت حسنؑ کا تعزیہ بنا ہے؟ پھر صرف امام حسینؑ کا تعزیہ کیوں رائج ہو گیا۔ انصاف سے غور کرنے کے بعد اس نتیجہ پر انسان آسانی سے پہونچ سکتا ہے کہ چونکہ امام حسینؑ کا تعزیہ (یعنی حضرتؑ کے روضہ کی شبیہ) خدا نے بنایا اور رسولؐ کے پاس بھیجا اس وجہ سے آج تک مسلمان بھی صرف امام حسینؑ ہی کا تعزیہ یعنی حضرت کے روضہ کی شبیہ بناتے ہیں اور چونکہ خدا نے حضرتؑ کے سوا اور کسی پیغمبر

یا امام کے روضہ کی شبیہ نہیں بنائی اس وجہ سے مسلمان بھی کسی اور بزرگ کے روضہ کی شبیہ یعنی تعزیہ نہیں بناتے - اگر یہ فعل مسلمانوں کا ہوتا تو یہ لوگ پہلے حضرت رسولخدا یا حضرت علیؑ یا حضرت سیدہؑ یا حضرت امام حسنؑ کے روضہ کا تعزیہ بناتے اسکے بعد امام حسینؑ کے روضہ کا تعزیہ تجویز کرتے مگر ایسا نہیں ہے لہذا ماننا پڑیگا کہ صرف امام حسینؑ کے روضہ کا تعزیہ اس وجہ سے بنتا ہے کہ خدا نے اسی کو بنوایا تھا -

تینتالیسواں باب ۴۳

قرآن مجید سے تعزیہ کا ثبوت

مولوی صاحب - تم نے یہ بھی سنا کہ ایک دفعہ آگرہ میں ایک بڑا سائن بورڈ لگایا گیا جس پر لکھا تھا "پچاس روپیہ انعام پہلے اس مسلمان کو دیا جائیگا جو قرآن کی کسی آیت سے تعزیہ بنانا ثابت کر دے"۔

حسینی بیگم - پھر کسی نے ثابت کیا یا نہیں -

مولوی صاحب - تم بھی کیا باتیں کرتی ہو - کون ثابت کر سکتا ہے - کیا کھیل ہے -

حسینی بیگم - آسان تو ضرور ہے - مگر ان اشتہار دینے والے کی عقل کے قربان ہوں کہ کیا سوجھی اتھی - قرآن مجید تو حضرت رسولخدا صلعم کی زندگی ہی میں سنہ ۱۱ ہجری تک نازل ہوتا رہا - اسکے بعد کوئی آیت نہیں آئی - اور امام حسین علیہ السلام سنہ ۶۱ ہجری میں شہید کئے گئے جسکے بہت دنوں کے بعد حضرتؑ کا روضہ بنا اسی روضہ کی نقل اور شبیہ تعزیہ ہوتا ہے - پھر قرآن مجید سے تعزیہ کا ثبوت طلب کرنا ایسا ہی تو ہے جیسے کوئی کہے کہ قرآن مجید سے ثابت کرو کہ حضرت رسولخدا صلعم کے روضہ کی زیارت جائز ہے -

مولوی صاحب - مگر تم نے اس کو آسان کیونکر کہہ دیا -

حسینی بیگم - بہت سی آیتوں سے اس کا جواز ثابت ہوتا ہے - مثلاً یہ آیہ

يَعْمَلُوْنَ لَهٗ مَا يَشَآءُ مِنْ مَّحَارِيْبَ وَتَمَاثِيْلَ وَجِفَانٍ كَالْجَوَابِ وَقُدُوْرٍ رّٰاسِيٰتٍ ان آیات کا ترجمہ مولانا نذیر احمد صاحب دہلوی نے اس طرح کیا ہے سلیمانؑ کو جو کچھ (بنوانا) منظور ہوتا (یہ جنات) ان کے لئے بناتے (جیسے مسجد بیت المقدس کی بڑی) اونچی شاندار عمارتیں اور (ڈھلی ہوئی) مورتیں اور ایسے بڑے لگن جیسے حوض اور بڑی بھاری دیگیں جو ایک ہی جگہ جمی رہیں (حمائل پ ۲۲ ع ۸ صفحہ ۶۵۶) اس آیت سے صاف معلوم ہوا کہ (۱) خدا نے جنات کو حضرت سلیمان کا تابع کر دیا تھا (۲) جنات جو کچھ حضرت سلیمان کے لئے کرتے پروردگار کے حکم ہی سے ہوتا (۳) وہ جنات حضرت سلیمان کے لئے مورتیں بھی بناتے تھے۔ نتیجہ یہ نکلا کہ خدا کے حکم سے جنات حضرت سلیمان کے لئے مورتیں بناتے تھے۔ یہ مورتیں تماثیل کا ترجمہ ہے۔ اس کے متعلق مفسرین کی تحقیق بھی سنو۔ علامہ بیضاوی نے لکھا ہے وتماثیل وصور او تماثیل للملائکۃ والانبیاء علی ما اعتادوا من العبادات لیراھا الناس فیعبدوا نحو عبادتھم یعنی تماثیل کا معنے تصویریں اور شبیہیں ہیں جو انکی عادت کے مطابق فرشتوں اور انبیاءؑ کی تصویریں تھیں تاکہ ان کو دیکھکر دوسرے لوگ بھی اونھیں کی طرح عبادت کریں (تفسیر بیضاوی جلد ۲ صفحہ ۱۷۳) اور علامہ بغوی کی عبارت کا ترجمہ یہ ہے کہ وہ جنات فرشتوں اور نبیوں اور نیکو کاروں کی تصویریں مسجد میں بناتے تھے تاکہ لوگ انکو دیکھیں اور اس سے زیادہ عبادت کرنے لگیں (معالم التنزیل صفحہ ۳۷۰)۔ یہی مضمون تفسیر کشاف جلد ۲ صفحہ ۴۴۵ تفسیر درمنثور جلد ۵ صفحہ ۲۲۸ وغیرہ میں بھی ہے۔ ان عبارتوں سے واضح ہوا کہ خدا کے حکم سے وہ جنات حضرت سلیمان کے لئے مختلف چیزوں کی تصویریں اور شبیہیں بنایا کرتے اور انکی غرض صرف یہ تھی کہ ان شبیہوں کو دیکھکر لوگ زیادہ عبادت کریں۔ اب تم ہی فیصلہ کرو کہ تعزیہ بھی روضہ امام حسینؑ کی شبیہ ہے اور اسی لئے بنایا جاتا ہے کہ اس کو دیکھکر لوگ زیادہ گریہ وبکا کریں جس کا عبادت ہونا میں پہلے بیان کر چکی ہوں۔ اس سے واضح تر دلیل تعزیہ بنانے کے جائز ہونے کی اور کیا چاہئے کہ یہ وہ عمل ہے جسکے کرنے کا حکم خدا نے

جنات کو دیا تھا اور یہ عمل حضرت سلیمان پیغمبر کے لئے کیا جاتا تھا جب حضرت سلیمان کے لئے اس کا بنانا جائز تھا تو ہم لوگوں کے لئے بھی جائز ہے۔ کیونکہ خدا نے فرمادیا ہے اولئک الذین ھدی اللہ فبھدٰھم اقتدہ یعنی یہ اگلے پیغمبر وہ تھے جنکی خدا نے ہدایت کی پس تم بھی انکی ہدایت کی پیروی کرو (پ سورہ انعام آیۃ (۹) پس اس زمانہ کے مسلمان بھی انھیں حضرت سلیمان کی پیروی میں گریہ وبکا کی عبادت زیادہ انجام دینے کے لئے شبیہ (تعزیہ) بناتے اور اس کو دیکھکر اس طرح روتے ہیں جس طرح حضرت رسولخدا صلعم روتے تھے تو حضرت سلیمان ہی کی پیروی ہوئی بلکہ خدا کی پیروی ہوئی کیونکہ خدا ہی نے تو جنات کو حکم دیا تھا کہ سلیمان کے لئے شبیہیں بناؤ۔

چوّالیسواں باب ۴۴

کیا تعزیہ کی تعظیم کرنی چاہئے کیا تعزیہ شعائر اللہ میں داخل ہے

مولوی صاحب۔ خیر اگر تعزیہ بنانے اور رکھنے کو جائز بھی کہیں تو اس کی اس قدر عزت اور تعظیم کس عقل سے کیجاتی ہے۔

حسینی بیگم۔ تم جانتے ہو کہ دنیا میں زیادہ تر کسی نسبت سے کسی چیز کی عزت یا تعظیم کیجاتی ہے۔ ذاتی عظمت اور احترام شاید ہی ہوتا ہو۔ اور ایک ہی چیز نسبت کے بدل جانے سے کبھی قابل عزت اور کبھی قابل ذلت ہوجاتی ہے۔ ہر لڑکا ایک ہی قسم کے ہاتھ پاؤں کا پیدا ہوتا ہے مگر بادشاہ کا ہونے سے سب اسکی عزت کرتے ہیں اور گنوار کا ہونے سے کوئی بھی اس کو نہیں پوچھتا۔ اسی اینٹ اور پتھر سے پل بھی بنائے جاتے ہیں جسپر سے لوگ جوتا پہنے چلتے ہیں اور اسی سے مندر بنتا ہے تو اسکی دوسری ہی حالت ہوتی ہے۔ اسی سے بیت الخلا بنایا جاتا ہے جہاں خوشی سے کوئی بیٹھ بھی نہیں سکتا اور اسی سے مسجد بھی بنائی جاتی ہے جسمیں

لوگ سجدہ کرتے ہیں۔ وہی کاغذ اخباروں میں لگایا جاتا ہے تو لوگ پڑھنے کے بعد اس سے اپنے جوتے صاف کرتے ہیں اور اسی کاغذ پر حدیث یا قرآن شریف لکھا جاتا ہے تو اسکو سر آنکھوں سے لگایا جاتا ہے۔ تعزیہ بھی اگرچہ کاغذ ہی کا بنتا ہے مگر چونکہ یہ اس محسن اسلام کیطرف منسوب ہے جس نے اس دین خدا کی حمایت میں اپنی جان دیدی اور اپنا گھر بھر نثار کردیا اس وجہ سے اسکی عزت اور تعظیم بھی ضروری ہے۔ کیونکہ ایسے فدائے دین وملت کی نشانیاں شعائر اللہ کہی جائینگی جس طرح کوہ صفا و مروہ خدا کی نشانیاں اور ہدی و قلائد اور کعبہ شریف کے حاجی مستحق تعظیم ہیں کہ کوہ صفا و مروہ کی تعظیم کیوں کیجاتی ہے؟ صرف اسی وجہ سے تو کہ وہ اس بات کی یاد دہانی کرتے ہیں کہ جناب ہاجرہ اپنے فرزند اسمٰعیل کی پیاس کی وجہ سے کوہ صفا و مروہ کے درمیان کئی مرتبہ آئیں اور گئیں جسکی یادگار خدا نے یہ قرار دی کہ صفا و مروہ کے درمیان سعی کرنے کو ارکان حج میں داخل کردیا۔ یہ کیوں؟ غالباً اس وجہ سے کہ حضرت ابراہیم نے خدا کی محبت میں اپنی محبت کی کوئی پروا نہیں کی اور خدا کے حکم سے اپنی بیوی ہاجرہ اور فرزند اسمٰعیل کو ایسی زمین میں چھوڑ دیا جہاں نہ کھانا مل سکتا تھا نہ پانی بس اتنی بات کا جب خدا نے یہ احترام کیا کہ اپنی عبادت حج میں اسکی یادگار کو مستقل جزو قرار دیدیا تو حضرت امام حسینؑ نے خدا کے حکم کی تعمیل اور اسکے دین کی حفاظت میں اپنی اور اپنے خاندان بھر کی جان قربان کردی۔ پھر انکی یادگار کیوں شعائر اللہ میں داخل نہیں کیجائیگی؟ ماننا پڑیگا کہ تعزیہ اور اسکے سب لوازم شعائر اللہ ہیں اور ان سب کی تعظیم ضروری اور انکی توہین حرام ہے۔ جس کو خدا نے بھی فرمادیا ہے کہ یا ایھا الذین آمنوا لا تحلوا شعائر اللہ ولا الشھر الحرام ولا الھدی ولا القلائد ولا آمین البیت الحرام یعنی اے ایمان والو خدا کی نشانیوں کی توہین و تذلیل نہ کرو اور نہ حرام مہینہ کی اور نہ قربانی کی اور نہ پٹے وار قربانی کی (پارہ ۶ رکوع ۵)۔ یہ بھی فرمایا ہے ومن یعظم حرمات اللہ فھو خیر لہ عند ربہ یعنی جو شخص خدا کی قابل احترام چیزوں کی عزت

وعظمت کریگا تو وہ اسکے لئے خدا کے ہاں بہت خوب ہوگا (پارہ ۱۷ ع ۱۱) یہ بھی فرمایا ہے ومن یعظم شعائر اللہ فانہا من تقوی القلوب یعنی جو شخص خدا کی نشانیوں کی تعظیم کرے گا تو یہ دلوں کی پرہیزگاری کی بات ہوگی (پ ۱۷ ع ۱۱) دیکھو ان آیات سے پہلی میں حکم ہے کہ خدا کی نشانیوں کی بے حرمتی نہ کرو اور دوسری آیۃ کہتی ہے کہ شعائر خدا کی تعظیم سے ہم لوگوں کا بھلا ہوگا اور تیسری آیۃ بتاتی ہے کہ شعائر خدا کی تعظیم ہم لوگوں کے دلوں کی پاکیزگی کو واضح کرتی ہے۔ اس سے بت پرستی کا اعتراض بھی دفع ہو گیا۔ اس لئے کہ غیر خدا کو خدا یا اس کا شریک سمجھکر اسکی عزت وعظمت کرنا بت پرستی اور شرک ہے مگر تعزیہ کو کوئی شخص خدا سمجھتا ہے نہ اس کا شریک بلکہ اسلام کے فدائی اور دین وایمان کے حامی وحافظ اور خدا کے ذبح عظیم کی یادگار خیال کرکے خدا ہی کے حکم سے اسکی تعظیم کرتے ہیں جو بعینہٖ خدا پرستی کی دلیل ہے۔

مولوی صاحب - مگر شعائر کا تقرر تو خدا ورسولؐ کا کام ہے والبدن جعلناھا لکم من شعائر اللہ یعنی ہم نے تمہارے لئے قربانی کے اونٹوں کو بھی خدا کی نشانیاں قرار دی ہیں (پ ۱۷ ع ۱۲) سے ظاہر ہے کہ کسی چیز کو شعائر اللہ قرار دینا ہمارا وشما کا کام نہیں ہے کہ جس چیز کو چاہا قرار دے لیا۔ تمام شعائر سے مقصود طاعت الٰہی اور پیروی سنت رسول صلعم ہے۔ تو کیا تعزیہ داری کو خدا ورسولؐ نے شعائر اللہ قرار دیا؟

حسینی بیگم - بے شک تعزیہ شعائر اللہ سے ہے۔ شعائر جمع ہے شعیرہ کی "ازہری نے کہا شعائر اللہ وہ مقامات جنکی طرف اللہ تعالیٰ نے لوگوں کو بلایا وہاں عبادت کرنے کا حکم دیا" (انوار اللغۃ پارہ ۱۳ صلہ) اور والبدن جعلناھا لکم من شعائر اللہ۔ سے معلوم ہوا کہ خدا نے اونٹوں کو بھی ان چیزوں میں قرار دیا ہے جو خدا کے ساتھ نامزد کیجاتی ہیں۔ پس اسی طرح تعزیہ بھی جو خدا کی عبادت کے لئے نامزد کیا گیا ہے شعائر اللہ ہی میں داخل ہے۔ کیونکہ اوسی خدا نے امام حسینؑ کے قتل گاہ کی مٹی کو سرخ کرا کے اور اسکی شبیہ بنا کر نہایت عزت واحترام سے حضرت

جبرئیل کے ذریعہ حضرت رسولخدا کے پاس بھیجا اور حضرت نے اسکو دیکھکر گریہ کیا اور نہایت اکرام و تعظیم سے اسکو ایک شیشی میں رکھکر حضرت ام سلمہ کو دیا کہ اسکو حفاظت سے رکھو پس جس طرح والبدن سے کوئی خاص اونٹ نہیں بلکہ اونٹ کی عام نوع مراد ہے کہ جس اونٹ کو قربانی کے لئے اختیار کرینگے وہی شعائر اسد میں ہوجائیگا۔ اسی طرح جو چیز قتلگاہ یا روضہ امام حسین کی شبیہ بنائی جائے وہ شعائر اللہ میں داخل ہوجائیگی۔

مولوی صاحب ۔ مگر مسلمانوں کی تو یہ حالت ہے کہ امام صاحب کی بزرگی سے یہ فائدہ حاصل کرنیکی کوشش کرتے ہیں کہ مثل مشرکوں کے امام صاحب سے حاجتیں مانگتے ہیں اور مزار کی نقل بناکر اسکے گرد طواف کرکے شیرینی وغیرہ چڑھاتے ہیں۔ اسمیں اپنی حاجتوں کی عرضیاں اور چٹھیاں لٹکاتے انکے نام کی سبیل اور تعزیہ کے چڑھاوے کو تبرک سمجھتے ہیں یہ عقیدہ رکھتے ہیں کہ اس تعزیہ میں امام حسین کی روح آجاتی ہے اور وہ تعزیہ داروں اور منتوں کے ماننے والوں سے خوش ہوتے اور انکی حاجت روائی کرتے ہیں ۔ یہ سب تو شرک کی باتیں ہیں۔

حسینی بیگم ۔ جاہلوں کی بات کا خیال نہیں کرنا چاہیئے۔ البتہ سمجھدار مسلمانوں کے افعال کو دیکھنے کی ضرورت ہے کہ کیا کرتے ہیں۔ علاوہ بریں اس کی تشریح کرو کہ تم کس دلیل سے ان باتوں کو شرک کہتے ہو۔ تم لوگ خود اپنا اصول مذہب یہ بیان کرتے ہوے

اصل دیں آمد کلام اللہ معظم داشتن   پس حدیث مصطفےٰ برجان مسلم داشتن

تو بتاؤ کہ قرآن مجید یا حدیث شریف میں کہاں اور کیونکر ان باتوں کو شرک لکھا ہے۔ خود حضرت رسولخدا صلعم کو خدا کا حکم ہوا کہ حضرت علی سے حاجت روائی کرو جناب مولانا عبدالحق صاحب محدث دہلوی نے لکھا ہے قصہ ناد علیاً مظہر العجائب ہم دریں معاملہ و معارکہ واقع شدہ است یعنی خدا نے جو حضرت رسولخدا صلعم کو حکم دیا کہ اپنی مدد کے لئے علی کو پکارو وہ بھی اسی غزوہ احد میں ہوا (مدارج النبوۃ جلد ۲ صفحہ ۱۵۳) پھر اس وقت کے مسلمان اگر حضرت امام حسین سے حاجۃ روائی کرتے ہیں تو کیا اعتراض ہوسکتا ہے؟ اگر کہو کہ حضرت علی تو زندہ تھے اور حضرت امام حسین شہید ہوچکے تو خدا نے امام حسین

کو بھی زندہ فرمادیا ہے فرمادیا ہے ولا تحسبن الذین قتلوا فی سبیل اللہ امواتا بل احیاء عند ربھم یرزقون یعنی جو لوگ اللہ کی راہ میں قتل ہوتے ہیں انکو مردہ نہ سمجھو وہ زندہ ہیں اور اپنے پروردگار کے پاس روزی پاتے رہتے ہیں (پ ۴ ع ۸) پس جب امام حسینؑ بھی شہید راہ خدا ہونے کی وجہ سے زندہ ہیں تو حضرتؑ سے حاجت روائی بھی حضرت رسولخدا صلعم کی پیروی ہے۔ اور تعزیہ کے گرد طواف کرنا اور اس پر شیرینی چڑھانا دلیا ہی ہے جیسا خانہ کعبہ کی شبیہ مسجدوں کے گرد طواف کرنا اور شیرینی چڑھانا۔ اگر مسجد کے گرد کوئی شخص طواف کرے یا اسمیں شیرینی چڑھائے تو کیا اسکو شرک کہدوگے؟ اسکی کوئی دلیل اور سبب بھی ہے یا صرف تمہارا کہدینا؟ اور یہ کہنا کہ "یہ عقیدہ کرکے کہ اس تعزیہ میں امام حسینؑ کی روح آجاتی ہے الخ" بالکل ایجاد بندہ ہے کبھی کوئی سمجھدار مسلمان یہ عقیدہ نہیں کرتا کہ تعزیہ میں امام حسینؑ کی روح آجاتی ہے۔ کسی نے تم سے مذاق کیا ہوگا اور تم نے اپنی خوش فہمی سے اسکو مان لیا۔ افسوس جو تعزیہ خدا کی عملی تعلیم کی پیروی میں بنایا جاتا ہے اس پر تو طرح طرح کے اعتراض کئے جاتے ہیں مگر ہم لوگ اپنی باتوں کا کوئی خیال نہیں کرتے۔ حضرت عائشہ کی محمل کئی سو سال سے برابر نہایت تزک و احتشام کے ساتھ مصر سے مکہ معظمہ میں آتی ہے اور اسی طرح اس کا جلوس گھمایا جاتا ہے جس طرح تعزیہ کا مگر اب تک کسی انصاف پسند بزرگ نے یہ نہیں فرمایا کہ یہ بدعت ہے یا بت پرستی ہے یا اسکی شبیہ سے اسلامی توہین ہوتی ہے۔ بتاؤ کہ یہ محمل کس لکڑی اور لوہے سے بنی ہوتی ہے جو لائق تعظیم ہے اور تعزیہ میں کیسے اجزاء ہیں جو قابل احترام نہیں ہوسکتے۔ آخر میں حسب ذیل اشتہار دیکھو جو ہمارے بڑے علماء کا تعزیہ کی تعظیم کے بارے میں ہے۔

(نقل اشتہار)

"حضرت زبدۃ السالکین قدوۃ الواصلین سید شاہ عبد الرزاق بانسوی قدس اللہ سرہ العزیز۔ شیخ طریقت و مرشد حقیقت حضرت استاذ الہند ملا نظام الدین فرنگی محلی قدس سرہ و حضرت ملا کمال الدین فتحپوری قدس سرہ و حضرت شاہ محمد اسمعیل بلگرامی قدس سرہ و جمیع علمائے فرنگی محل وغیرہ کا تعزیہ کے ساتھ عمل جس کا احترام

تمام عقیدتمندان حضرت سید صاحب قدس سرہ الاصفٰے کو لازم ہے۔

(۱) زیارت ضریح مبارک (جسکو تعزیہ کہتے ہیں) کے لئے حضرت کا تشریف لے جانا۔

(۲) حضرت سید الشہداء امام علیہ السلام کا ہمیشہ عشرۂ محرم میں سر روز جانے کو لازم کرلینا۔

(۳) تعزیہ کے لیے ... کاغذ اور لکڑی نہ سمجھنا چاہیے بلکہ ارواح مقدس متوجہ ہوتی ہیں۔

(۴) تعزیہ کی پیشوائی کرنا اور اپنے مکان پر لانا اور جب تک تعزیہ رہے دست بستہ کھڑے رہنا یہاں تک کہ ضعف پیری کے وقت بھی تکیہ دیوار سے یا لکڑی دیکے کھڑا رہنا۔

(۵) تعزیہ کے دفن میں شریک ہونا۔ یہی طریقہ حضرت کے فرزند حضرت شاہ غلام دوست محمد صاحب اور اونکے فرزند حضرت غلام علی صاحب قدس سرہم کا تھا اور اب تک جاری ہے۔

اسماء گرامی اُن علماے فرنگی محل کے جن سے تعظیم تعزیہ کی منقول ہے

ملک العلماء حضرت مولانا بحر العلوم قدس سرہ۔ شیخ المشائخ حضرت مولانا انوار الحق قدس سرہ۔ استاذ الاساتذہ مولانا نور الحق قدس سرہ۔ حضرت مولانا عبد الاعلی فرزند حضرت مولانا بحر العلوم قدس سرہ۔ حضرت مولانا عبد الواجد فرزند حضرت مولانا عبد الاعلے قدس سرہ۔

نوٹ: ۔ جن حضرات کو ان واقعات کی تصدیق منظور ہو وہ ملفوظ رزاقی اور رسالۃ الغرار فی جواز التعزیہ مصنفہ مولانا عبد الواجد نبیرہ حضرت مولانا بحر العلوم قدس سرہ دیکھیں یا اس پتہ پر تشریف لاکر تصدیق کرسکتے ہیں: مولوی شیخ محمد الطاف الرحمن قدوائی ساکن بڑا گاؤں بارہ بنکی مقیم حال فرنگی محل۔ لکھنؤ۔

التماس: ۔ جو مسلمان اس نیک کام میں شرکت کرکے ثواب حاصل کرنا چاہے وہ اسکی نقلیں چھپوا کر اپنے اپنے حلقہ میں شایع کرے۔

ھدایت: ۔ اہل سنت کو چاہئے کہ لامذہبوں، دہریوں اور غیر مقلدوں اور دیوبندیوں اور ندویوں کے فتوؤں سے بچیں اور علماء سلف کی پیروی کریں۔

افترے اور غلط بیانی

فرنگی محل کے علماء میں سے مولینا عبد القادر صاحب و مولینا حجت اللہ محمد شفیع صاحب افترئی ہے کہ ان حضرات نے تعزیہ داری کو حرام اور شدید ترین گناہ ہونیکا فتوئی دیا ہے یا تعزیہ داری کو رسول خدا صلے اللہ علیہ وسلم کی سخت بیزاری کا باعث کہا ہے یا تعزیہ داری کو اسلام اور امام حسینؑ کے ساتھ دشمنی کا نام بتایا ہے یا ... کی روشنی باجا اور جلوس کو یزید کے ساتھیوں کا کام کہا ہے ان حضرات نے خود ایک گروہ کے سامنے اقرار کیا ہے کہ ہم نے ان الفاظ کے ساتھ کوئی فتوئی نہیں دیا ہے

المشتھر: ۔ حاجی چودہری شبراتی نواب گنج محلہ بڑا چوک تے مسلمانان تعزیہ دار کی طرف سے شایع کیا۔" (مطبوعہ اصح المطابع تھوی ٹولہ لکھنؤ)

مولوی صاحب ۔ فرنگی محل لکھنؤ میں تو ہم اہلسنت کے بڑے بڑے علماء رہتے ہیں۔ وہ مخزن علماء اہلسنت ہے۔ البتہ اُن حضرات کا فتوئی بہت قابل قدر ہے۔

پینتالیسواں باب ۴۵

نئے سال کے خیال سے محرم میں خوشی کرنی چاہیئے اور روز عاشوراء کو اچھے کپڑے پہننے اور عمدہ کھانے پکوانے چاہیئں کیا عاشوراء کا روزہ مستحب ہے

مولوی صاحب۔ مگر یہ بات تو ضرور خیال کرنے کی ہے کہ فارسی مثل ہے سالیکہ نکوست از بہارش پیداست مسلمانوں کا سال چونکہ محرم سے شروع ہوتا ہے اور زود اقف مسلمان واقعہ شہادت کی وجہ سے اسکے شروع سے رونا شروع کر دیتے ہیں۔ اس لئے مصرع مذکور کے ماتحت سارا سال ہی روتے رہتے ہیں۔ کبھی کوئی مصیبت ہے تو کبھی کوئی آفت۔ پس اب مسلمانوں کے سامنے دو راستے ہیں (۱) یا تو محرم میں رونا چھوڑ دیں۔ (۲) یا اپنے سنہ کی ابتداء بدل دیں مگر دوسری صورت تو انکے اختیار کی بات نہیں کیونکہ وہ ایک تاریخی واقعہ ہے نیز کل مسلمانان دنیا کا بالاتفاق کام ہے۔ اسلئے یہ تو ہو ہی نہیں سکتا ہاں پہلی صورت ممکن ہے کہ محرم میں رونا دھونا چھوڑ دیں۔

حسینی بیگم۔ مذکورہ بالا مصرع کس موقع پر کہا گیا اسکی تصریح تو اس وقت پیش نظر نہیں ہے۔ مگر ایک بچہ بھی کہ دیگا کہ یہ مصرع تمہارے دعوی سے بالکل بے ربط ہے۔ فصل بہار سے مختلف غلوں کی پیداوار اور بہت سے پھلوں میوؤں۔ درختوں اور زراعتوں کے نشو و نما کا تعلق ہے جن کو انسانی زندگی سے خاص لگاؤ ہے اس وجہ سے شاعر کہتا ہے کہ جس سال کی بہار اچھی ہے وہ سال نیک ہے کہ کثرت سے غلے پیدا ہوں گے میوؤں کی زیادتی ہوگی۔ زراعت سرسبز و شاداب رہیگی جس سے ملک میں ہر چیز سستی ہوگی اور لوگ خوشحالی اور اطمینان کے ساتھ بسر کرینگے۔ اسی طرح اور بہت سے شاعرانہ اور فطری معانی اس مصرع کے ہیں۔ نہ یہ کہ جس سال کے شروع میں کوئی رویا وہ سال بھر تک مصائب

آفات میں رہیگا اسکی کوئی بھی عقلی وجہ اور دلالت ثلث سے کوئی دلالت ہے؟ اور شرع یعنی قرآن وحدیث میں بھی کہیں یہ مضمون نہیں ہے کہ جو شخص شروع سال میں چند دنوں روئے وہ سال بھر تک مصائب وآفات میں مبتلا ہوتا جائیگا۔ بلکہ غور کرو تو عقل اور شرع دونوں کا فیصلہ اسکے خلاف ہے یعنی جو شخص شروع میں روئیگا وہ بعد کو آرام سے رہیگا۔ زیادہ ترقی کرے گا اور اچھی خوشی دیکھے گا۔ دنیا میں ہر کمزور وناتوان بچہ کا پیدا ہوتے ہی رونا اور اسکے بعد قوۃ۔ توانائی جسم۔ ادراک عقل غرض ہر چیز میں ترقی کرتے جانا اس امر کی واضح دلیل ہے بلکہ جو بچہ دنیا میں آتے ہی روتا نہیں وہ مردہ سمجھا جاتا ہے اور لوگ اسے بجائے گھر میں رکھنے کے قبر میں پھینک دیتے ہیں اور جو بچہ پیدا ہوتے روتا ہے اوسکی عافیۃ وراحۃ کا سامان مہیا کیا جاتا اس کے رونے سے گھر میں خوشی کے شادیانے بجائے جاتے ہیں۔ اعزہ واقربہ والدین کو اسکی مبارکباد دیتے اور اس مولود سے بڑی بڑی امیدیں وابستہ کیجاتی ہیں۔ دنیا میں جس قدر علما وحکما ومحدثین وائمہ وانبیا پیدا ہوئے سب پہلے روئے تب اُن درجوں پر فائز ہوئے جس قدر فلاسفر۔ سائنسداں ہوئے سب نے پیدائش کے وقت اچھی طرح گریہ وبکا کیا تب اس شرف تک پہونچے اور جس قدر سلاطین وامراء اور ذی اقتدار لوگ ہوئے سب دنیا میں آنکھ کھولتے ہی پہلے رو لئے ہیں پھر اپنی عظمت وعروج کے مدارج طے کرنے لگے۔ جس سے واضح تر عقلی دلیل رونے کے بعد ہنسنے اور رنج واندوہ کرنے کے بعد عافیۃ وتنعم حاصل ہونیکی اور کیا ہیے اور خدا ہی سے نہ پوچھو کہ رونے کے بعد آرام ہے یا رونا ہے وہ تو صاف فرماتا ہے فَاِنَّ مَعَ الْعُسْرِ یُسْرًا اِنَّ مَعَ الْعُسْرِ یُسْرًا یعنی یقیناً ہر سختی کے بعد نرمی اور ہر رنج کے بعد خوشی ہے (پ ۳۰ ع ۱۹)۔ کیا اسکے بعد بھی کوئی کہہ سکتا ہے کہ شروع سال میں رونے سے سال بھر تک رونا ہی پڑیگا۔ اچھا امام حسینؑ پر رونے والوں اور حضرتؑ کی عزاداری کرنے والوں ہی کو دیکھو کہ خلفائے بنی امیہ وبنی عباس وغیرہ انکو کس قدر مٹاتے رہے مگر اس عزاداری کی وجہ سے وہ اس وقت تک حیرت انگیز ترقی کرتے جاتے ہیں کہ پہلے اگر انکی تعداد دوسرے مسلمانوں کے مقابلہ میں لاکھ میں ایک تھی تو اب ۵۰ فیصدی ضرور ہوگئے ہیں

پس اگر رونے سے انسان ایسی حیرت انگیز ترقی کرے تو اس سے زیادہ ضروری بلکہ واجب کام اور کیا ہوگا۔ اسی وجہ سے حدیث میں ہے جس کو مولانا وحید الزماں خانصاحب نے بھی لکھا ہے عن جوعلی ارض کربلاء وامزج الدمع بالدماء زمین کربلا پر اپنی سواری ٹھہرا اور آنسوؤں کے ساتھ خون ملا یعنی جناب شہید کربلا صلوات اللہ وسلامہ علیہ کے مصائب یاد کر کے اتنا رو کہ آنکھوں سے خون بہ نکلے۔ (انوار اللغتہ پارہ ۱۸ ص ۶۴)

مولوی صاحب - تم رافضیوں کی کس کس بات کو ثابت کروگی۔ اسی کو دیکھو کہ ہمارے ہاں عاشورا کے دن سرمہ لگانے غسل کرنے۔ مہندی لگانے۔ عمدہ کھانے پکانے۔ نئے کپڑے پہننے خوشی کرنے کی بڑی تاکید وارد ہوئی ہے۔ فرمایا رسول اللہ نے کہ جو شخص اپنے اہل و عیال پر فراخی کرے یعنی کھانے میں زیادتی کرے دن عاشوراء کے اللہ تعالیٰ سارے سال میں اسکے اوپر اوسکی روزی فراخ کریگا۔ مگر رافضی ان سب باتوں کے خلاف کرتے اور دن بھر روتے بیٹھتے ہیں اور فاقہ میں دن کاٹتے ہیں پھر اُنکی یہ عقلمندی بھی دیکھو کہ دن بھر تو کچھ کھاتے پیتے نہیں مگر غروب آفتاب سے پہلے روزہ توڑ دیتے ہیں۔ کہتے ہیں کہ عاشوراء کو روزہ نہیں رکھنا چاہیئے بلکہ صرف فاقہ کرنا چاہیئے۔ حالانکہ اس روز روزے کا بڑا ثواب ہے۔

حسینی بیگم - مجھے تو اس میں بھی شیعہ ہی حق پر معلوم ہوتے ہیں معاذ اللہ جس روز حضرت رسولخدا صلعم خواب میں مصیبت زدہ بال بکھرائے۔ چہرے پر خاک ڈالے انہوں اس روز کو کون بدبخت مسلمان خوشی کا دن قرار دیگا اور سرمہ مہندی لگائیگا۔ اچھے کھانے کھائے اور عمدہ لباس پہنے گا۔ اسی وجہ سے ہمارے تمہارے علماء نے ان تمام باتوں کو بھی باطل ثابت کر دیا ہے۔ ہم لوگوں کے بڑے محقق علامہ ابن حجر مکی نے تحریر فرمایا ہے انکار ابن تیمیہ ان التوسعہ لم یرد فیہا شیٔ عنہ یعنی ان حدیثوں سے علامہ ابن تیمیہ نے انکار کیا اور کہا ہے کہ عاشوراء کے روز اپنے اہل و عیال پر فراخی کرنے کی حدیث غلط ہے کیونکہ اس بارے میں آنحضرت صلعم سے کوئی حدیث وارد نہیں ہوئی ہے (صواعق محرقہ ص ۱۱۱) خود علامہ ابن حجر نے اس حدیث

کے ثابت کرنے کی بڑی کوشش کی مگر انھیں بھی کہہ دینا پڑا وقد سئل بعض ائمة الحدیث والفقه عن الکحل والغسل والحناء وطبخ الحبوب ولبس الجدید واظہار السرور یوم عاشوراء فقال لم یرد فیه حدیث صحیح یعنی عاشوراء کے دن سرمہ لگانے غسل کرنے مہندی لگانے عمدہ کھانے پکانے نئے کپڑے پہننے اور خوشی ظاہر کرنے کے بارے میں کوئی صحیح حدیث وارد نہیں ہوئی ہے کذلک ومن وسع علی عیاله فیه وسع الله علیه سائر سنة یعنی اسی طرح یہ حدیث بھی غلط ہے کہ جو شخص اپنے عیال پر عاشوراء کے دن فراخی کریگا اللہ تعالےٰ سارے سال میں اسکے اوپر روزی فراخ کرے گا فکل ذلک موضوع الاحادیث التوسعة علی العیال لکن فی سنده من تکلم فیه یعنی یہ کل حدیثیں موضوع ہیں سوا اس حدیث کے جس میں عیال پر فراخی کرنے کا ذکر ہے مگر اسکی سند میں بھی وہ شخص ہے جس پر اعتراض کیا گیا ہے (صواعق محرقہ صـ ۱۱۰)۔ بتاؤ اب کس حدیث سے تم اس روز عیال پر فراخی کرنے کا ثواب ثابت کرسکتے ہو؟ رہا روز عاشوراء کا روزہ تو افسوس کسی صحیح حدیث سے اسکی تصدیق نہیں ہوتی ہے کہ اس دن روزہ رکھنے سے ثواب ہوگا۔ ہم مسلمانوں کے رکن اعظم جناب عمدة المحققین مولانا شیخ عبد الحق صاحب محدث دہلوی نے تحریر فرمایا ہے عن عائشة قالت کان یوم عاشوراء تصومه قریش فی الجاهلیة وکان رسول الله یصومه فی الجاهلیة فلما قدم المدینة صامه وامر بصیامه فلما فرض رمضان ترک عاشوراء یعنی حضرت عائشہ بیان کرتی تھیں کہ جاہلیة کے زمانہ میں قریش بھی عاشوراء کو روزہ رکھتے اور حضرت رسولخدا بھی۔ پھر حضرت مدینہ میں آئے تو عاشوراء کا روزہ خود بھی رکھا اور مسلمانوں سے بھی کہا مگر جب ماہ رمضان کا روزہ واجب ہوا تو حضرت نے عاشوراء کا روزہ ترک کر دیا۔ (کتاب ماثبت من السنة مطبوعہ لاہور صـ ۳) یہی حدیث بعینہ صحیح بخاری پارہ ۸ باب صیام یوم عاشوراء مطبوعہ دہلی صـ ۳۱۳ وغیرہ میں بھی موجود ہے۔ اگر عاشوراء کا روزہ

رکھنا باعث ثواب ہوتا تو حضرت رسولخدا صلعم اس کو ترک کیوں فرمادیتے۔ اور اگر
یہ روزہ سنت ہوتا تو حضرت عمر فاروق رضی اللہ عنہ کے صاحبزادے حضرت عبداللہ
بن عمر ایسے جلیل القدر صحابی کیوں اس کو برا سمجھتے۔ علامہ ابن حجر عسقلانی نے تحریر فرمایا
ہے وکان ابن عمر یکرہ قصدہ بالصوم یعنی حضرت ابن عمر عاشوراء کے دن روزہ
رکھنے کا قصد تک کرنا مکروہ جانتے تھے (فتح الباری شرح صحیح بخاری پ ۸ ص ۱۳۱)

حسینی بیگم کا دنیا سے انتقال

افسوس ابھی مولوی صاحب اور حسینی بیگم کی باتیں اسی حد تک پہونچنے پائی تھیں
کہ سخت حادثہ ہوگیا۔ حسینی بیگم کے ہاں ولادت ہونے والی تھی۔ جب زمانہ وضع
قریب پہونچا تو حسینی بیگم ایسی سخت بیمار ہوئیں کہ گھر بھر بدحواس ہوگیا۔ لیڈی ڈاکٹر
سول سرجن سب کا علاج کیا گیا۔ مولوی صاحب نے ہزاروں روپئے اسمیں پھونک دیئے
مگر تقدیر بگڑ چکی تھی۔ افسوس بچہ پیدا ہونے کے کچھ دیر کے بعد بیچاری نے دنیا
سے انتقال کیا جس سے مولوی صاحب کی آنکھوں میں دنیا اندھیری ہوگئی لیکن
اختیار کیا تھا جس امام باڑہ کو بیگم نے بنوایا تھا اسی میں دفن کردی گئیں اور اس
طرح ان بحثوں کا خاتمہ بھی ہمیشہ کے لئے ہوگیا۔ انا للہ وانا الیہ راجعون

کتاب تصویر عزا پر بعض معزز ناظرین کی رائیں

کتاب تصویر عزا کی مدح و ثنا میں اس کثرت سے خطوط آئے جن سب کا نقل کرنا دشوار ہے۔ چند حضرات کی رائیں نقل کیجاتی ہیں (۱) جناب مرزا کرار حسین صاحب نے دفتر پولیس میرٹھ سے لکھا "تصویر عزا کی تمہید ماشاء اللہ نہایت عمدہ پیرایہ سے شروع ہوئی ہے جسکے پڑھنے سے آیندہ پڑھنے کا شوق پیدا ہوا۔ کئی ایک اور حضرات نے بھی پسند فرمایا۔" (۲) جناب سید مشتاق حسین صاحب نے نگینہ ضلع بجنور سے لکھا "تصویر عزا کا مضمون ملاحظہ کیا واقعی یہ کتاب بہت ہی لاجواب ہوگی۔ جناب نے بہت اچھے پیرایہ سے شروع کی ہے۔ پروردگار آپکی ہمت میں ترقی عطا فرمائے۔" پھر لکھا "کتاب تصویر عزا در حقیقت لاجواب ہے میرے نزدیک یہی ایک کتاب تشیع کے واسطے کافی ہے۔ کوئی بات اسمیں چھوٹی نہیں۔ خدا آپکو اس کا اجر دے۔" (۳) جناب حاجی محمد تقی صاحب ہڈ کلکٹ کلکٹر نے تہٹی ضلع چوبیس پرگنہ سے لکھا۔ "کتاب تصویر عزا ملی۔ آپکی زحمت کا شکریہ ادا کرتا ہوں نہایت اچھی کتاب ہوگی قرینہ سے معلوم ہوتا ہے۔" پھر لکھا "کتاب تصویر عزا نہایت خوبی کے ساتھ لکھی جارہی ہے۔ خداوند کریم آپکے مقاصد دلی کو پورا کرے۔" پھر لکھا۔ "اللہ تعالیٰ آپکو پریشانیوں سے مطمئن کردے کہ اپنے کاموں میں حصہ لینے کا اور زیادہ موقع ملے۔ ہماری قوم آپ دونوں باپ بیٹے کے احسان کو بھول نہیں سکتی۔ پرچہ اصلاح نے تاریک دلوں کو روشن کردیا اور کررہا ہے۔ مگر رسالہ الشمس کی کتاب تصویر عزا نے تو گویا مردہ دل کو زندہ کردیا۔ یہ کتاب تو ایسی ہے کہ ہر گھر میں شیعوں کے بطور تبرک رکھی جائے ایسی کتاب کی سخت ضرورت ہے جس سے مخالف کو دنداں شکن جواب دینے میں آسانی ہو۔" (۴) جناب محمد حسین خانصاحب اسسٹنٹ سب انسپکٹر پولیس نے سوہاوا ضلع جہلم سے لکھا "الشمس لاجواب ثابت ہوا"۔ (۵) جناب مولوی سید محمد مجتبیٰ صاحب نے دارالشفا حیدرآباد دکن سے لکھا "آپ نے کتاب تصویر عزا کا جو سلسلہ قائم کیا ہے وہ بہت ہی پسندیدہ ہے۔ طرز تحریر بہت دلچسپ اور کارآمد و مفید ہے۔ اموزفزا

میں عنایت فرمائی آنحضرت آپکی خدمت میں روانہ کیا جاتا ہے۔ براہ کرم الشمس کے پانچ
پرچے ماہانہ میرے نام پر ارسال فرمایا کیجئے"۔ (۶) جناب شیخ محمد الدین صاحب نے گول
بازار لائلپور پنجاب سے لکھا " رسالہ الشمس تصویر عزا بطور نمونہ ملا جسکے دیکھنے سے
میں فرط مسرت سے پھولے نہ سمایا نہایت ہی لاجواب پایا۔ آپکی اس خدمت دینی کا اجر
سرکار حسینی سے ملیگا اور ضرور ملیگا۔ آپنے بڑی بھاری خدمت دینی اپنے ذمہ لی ہے
خدا اس خدمت کو انجام کرے آمین"۔ (۷) جناب سید ذاکر حسین صاحب سب انسپکٹر
انچارج مرادآباد نے لکھا " یہ مضمون (تصویر عزا) اس قدر بہتر لکھا گیا ہے کہ بے
اختیار تعریف منہ سے نکل جاتی ہے۔ خداوند عالم آپکو جزائے خیر دے"۔ (۸) جناب مولوی
شیخ کوثر حسین صاحب مدرس ریاست رامپور سے لکھا " مدظلکم العالی پروردگار عالم
اس مردہ قوم کے سروں پر جناب کا سایہ تا صد وسی سال دائم قائم رکھے۔ ایں دعا از من و
از جملہ جہاں آمین باد۔ حقیقتہً تصویر عزا ایک بے مثل خزانہ ہے جسکی تعریف و توصیف نہیں
ہوسکتی۔ قائل ہیں عنادل بھی کہ یہ رنگ نیا ہے"۔ (۹) جناب سید شبیر حسن صاحب نے بری
نے محلہ کوریٹان کانپور سے لکھا " تصویر عزا حقیقتہً وہ نعمت ہے کہ محض فضل خدا سے
آپ کے ہاتھوں قوم کو حاصل ہوگئی ہے سب سے زیادہ ضرورت اور تعریف جوفی زمانا ہے
وہ بوجہ کثرت طباعت کتب دلچسپی کا وجود ہے وہ بحمداللہ بدرجہ اتم بلکہ ضرورت سے زائد
اسمیں موجود ہے اور بہت ضروری چیزوں کو اپنے دامن میں لئے ہے۔ دلائل نقلی اور عقلی معقولات
سے وابستہ۔ اللہ تعالے آپکو جزائے خیر دے"۔ (۱۰) جناب سید ابرار حسین صاحب سب انسپکٹر
پنشنر سید پور ضلع الہ آباد نے لکھا " خداوند عالم آپ کو اور آپ کے جملہ اعزہ کو ہمیشہ بتصدق
محمدؐ و آل محمدؐ تندرست و صحیح و سالم رکھے اور طویل العمر کرے۔ واقعاً آپ نے مذہب کی خدمت
کا زبردست کام سرانجام دیا مگر واہ رے ہماری قوم کہ تعداد مردم شماری تو روزانہ بڑھتی
ہوئی نظر آتی ہے مگر بے توجہی اور غفلت اور بے اعتنائی کے اسلی معنے کے جامہ کو انھیں نے
زینت بدن کر کے دکھلا دیا ورنہ رسالہ ... اس قابل تھے کہ ہزاروں کی تعداد میں

غیر لوگوں کو مفت تقسیم کئے جاتے مگر یہی خدا کا شکر ہے کہ اصل پرچہ کی بقا قائم ہے" (۱۱) جناب میر الطاف حسین صاحب ٹرسٹی وقف امام باڑہ ہوگلی نے ٹالیگنج کلکتہ سے لکھا "تصویر عزا، واقعی ایک نایاب کتاب ہوگی اور مخالفوں کے لئے شمشیر برہنہ کا کام دیگی۔ خداوند عالم آپ صاحبوں کو ساتھ صحت و عافیت کے رکھے جس سے شیعہ مذہب کو ترقی ہوتی رہے اور صلاح کے دنداں شکن جوابوں سے دشمن ہمیشہ سرنگوں رہا کرے" (۱۲) جناب سیاہ پوش صاحب نے درگاہی والا ضلع گوجرانوالہ پنجاب سے لکھا "بندہ کی اور والدہ مظفر حسین شاہ کیطرف سے ہر دو کتب مجالس خاتون اور تصویر عزا کے عید نادر ہونے کی بابت ہر دو رسائجات میں ضرور تحریر کردیں ایسی نایاب کتاب سے کسی مومن اور مومنہ کا گھر خالی نہیں ہونا چاہئے۔ تصویر عزا ایک مکمل مناظرہ کی کتاب طیار ہوئی ہے جسکے ہوتے دوسری کتابوں کی چنداں ضرورت نہ رہیگی" (۱۳) جناب حکیم مرزا عابد حسین صاحب گورنمنٹ پنشنر نے بنارس سے لکھا "رسالہ الشمس ربیع الثانی و جمادی الاولی پہونچا۔ مجھکو اس قدر مرغوب و پسند ہے کہ میں نے اس کو کئی بار پڑھا خصوصاً مضمون حسین منی و انا من الحسین اس خوبی و بسط کے ساتھ تحریر فرمایا ہے کہ زبان میں قوت نہیں اور تحریر میں ایسا لفظ نہیں ملتا کہ تعریف کرسکوں۔ دل ہی خوب مزا اٹھاتا ہے اور ہر جملہ پر یہ دعا ہے کہ خداوند کریم آپ کو صحیح و تندرست و باعافیت رکھے بحق محمدؐ و آلہ الامجاد (۱۴) جناب ممدوح نے دوسرے خط میں لکھا "الشمس ماہ صفر و ربیع الاول کا موصول ہوا آپکی اس عنایت کا بہت شکر گزار ہوا اور اسکو پڑھکر اس قدر محظوظ ہوا کہ بیان نہیں کرسکتا خصوصاً آیہ تطہیر کو اس لطف سے مدلل بیان کیا ہے اور ازواج کو اس آیۃ سے علیحدہ ہونا ایسا ثابت کیا ہے کہ جائے دم زدن نہیں رہی۔ خداوند کریم آپکو صحیح و تندرست رکھے اور جناب قبلہ و کعبہ کو صحۃ و قوۃ عطا فرما کر آپ کو مطمئن فرمادے بحق محمدؐ و آلہ الامجاد۔ (۱۵) جناب سید نذر حسین شاہ صاحب ساکن زیارت ضلع اٹک نے لکھا "مجالس خاتون جلد دوم کے مضمون اور الشمس جلد ۱۶ نے وہ دینی و علمی کام شروع کیا کہ انکی تعریف میں ہم ایسے حقیر و ناچیز کی زبان و تحریر میں طاقت نہیں اور نہ ہی ایسے الفاظ ہیں کہ انکی ... حقیقت کو پہونچیں

جزاک اللہ فی الدارین خیرا"۔ (۱۶) جناب سید محمد جعفر صاحب سب انسپکٹر پنشنر نے جلالی ضلع
علیگڈھ سے لکھا "مکرمی تسلیم۔ مجھے آپکی کتاب تصویر عزا رکا الشمس کے پرچوں میں غیر مسلسل
باوقات مختلفہ دیکھنے کا اتفاق ہوا۔ میں دیگر اشخاص کی دیکھا دیکھی آپکی تعریف نہیں کر رہا ہوں
بلکہ بلا تصنع حق اللہ کہتا ہوں کہ جس عنوان سے یہ کتاب لکھی گئی ہے ہر طریقہ پر اس قدر
دلچسپ ہے کہ بار بار پڑھتا ہوں اور دلچسپی حاصل ہوتی ہے۔ آل محمدؐ کے اعزاز اور فضائل
ومناقب حضرات اہلسنت کی کتب ہائے معتبرہ سے انتخاب کرکے بذریعہ تکلم وکلام اسطرح
بے تعصبی سے دکھلائے ہیں کہ اسلام میں یقیناً عام طور پر دلچسپ ہیں۔ آپ نے اپنے اور ہمارے
پیشواؤں کے اوصاف میں وہ حق وکالت ادا کیا ہے کہ جس کا اجر بے حساب دین ودنیا
میں انھیں حضرات سے ملیگا اور وہی آپ کے کفیل مہمات ہو سکتے ہیں۔ آپنے مشین پریس
ولایت سے منگا لیا ہے۔ یہ اونھیں خدا کے پیارے بندوں کا طفیل سمجھا جاتا ہے جسکی مدح
سرائی میں آپ قدیم سے منہمک ہیں اور وہی حضرات آیندہ بھی آپکی بہبودی دارین کے
مددگار ہیں" (۱۷) جناب میر علی اکبر صاحب نے کوٹاپڈ ضلع ویزاگاپٹام صوبہ مدراس سے
لکھا "بخدا تصویر عزا ایسی کتاب دیکھی نہ سنی۔ اس کا عوض دربار حسینی سے آپکو ضرور ملیگا"
(۱۸) جناب سید محمد خلیل صاحب اثر ہوی نے یادگیری ریاست دکن سے لکھا "تصویر عزا از
جو الشمس میں شایع ہو رہی ہے اسکے باقیماندہ اجزا کا اشتیاق باقی ہے۔ یہ کتاب جناب والا نے
نہایت عمدہ موضوع پر بہترین پیرایہ میں تالیف فرمائی ہے امید ہے کہ مکمل شائع ہو کر عالم
فائدہ رساں ہوگی" (۱۹) جناب مولانا حکیم سید محمد صادق صاحب لکھنوی مہوی فاضل و
صدر الافاضل نے ریاست حیدرآباد دکن سے لکھا "الشمس پہونچا اسکی تعریف نہیں ہو سکتی
نہایت ضرورت کی چیز ہے اور بے حد مفید۔ اس مفید چیز کو آپنے ایسے دلچسپ پیرایہ میں
لکھا ہے کہ ہر شخص مدح کرنے پر مجبور ہے۔ صرف میرا ہی یہ خیال نہیں ہے بلکہ جن جن لوگوں نے
اسکو دیکھا بے حد پسند کیا۔ خداوند کریم آپکو اپنے ارادوں میں کامیاب فرمائے بحق آئمہ
طاہرین اور آپکی ہر قسم کی مشکلات کو آسان فرمادے۔ غرض بہترین کام اور بہترین عنوان ہے"۔

(۲۰) جناب پرنس سید محمد عباس صاحب صفوی نے شمس آباد ضلع فرخ آباد سے لکھا "ناصر
شریعت حقہ مدظلہ العالی تسلیم و تحیات۔ عتبات عالیات کی زیارت سے مشرف ہو کر اواخر
ستمبر میں وطن مالوف واپس آیا اور پارسل و اخبارات کے انبار میں سے اصلاح اور
الشمس کا مطالعہ شروع کر دیا۔ تصویر عزا کی تعریف حیطۂ امکان سے خارج ہے۔ ایک ایک
بات کیلئے سو سو ثبوت اور ثبوت بھی ایسے کہ ہلائے نہ ہلیں۔ اللہ کرے زور قلم اور زیادہ
ان سب امور سے بہتر یہ امر ہے کہ زمانہ موجودہ کی روش کا خیال کر کے بطرز ناول لکھا ہی
اور تہذیب و متانت کو ہاتھ سے جانے نہیں دیا ہے۔ کیا آپ اس قسم کے ناولوں کے سلسلے
کو برابر جاری رکھیں گے؟" (۲۱) جناب کریم بخش صاحب حیدری مضطر نے چھینا ضلع
میانوالی سے لکھا "قبلہ محترم حضرت مولانا السید علی حیدر صاحب دام مفاخرہ۔ السلام علیکم
مزاج گرامی۔ آج الشمس کا پیکٹ موصول ہوا کھول کر دیکھا تو صفحہ اولیں پر تصویر عزا لکھا ہوا
پایا۔ فرط مسرت سے باچھیں کھل گئیں مطالعہ سے اطمینان قلب میسر ہوا۔ یقین ہے کہ اس کا
مستقبل نہایت شاندار اور امید افزا ہوگا۔ ابھی ابتدائی اوراق کا مطالعہ کیا ہے مگر میں
باوثوق کہہ سکتا ہوں کہ یہ کتاب مخالفین عزاداری کے جملہ اعتراضات کا دنداں شکن اور
تشفی بخش جواب ہوگی۔ امید کہ اسکے بعد کسی کو بھی جرأت نہ پڑیگی کہ عزاداری سید الشہداء حضرت
امام حسینؑ کے خلاف کوئی کلمہ زبان سے نکالے جس اچھوتے انداز میں آپ نے کتاب لکھنی
شروع کی ہے یہ آپ ہی کا حصہ ہے۔ اگر سچ پوچھئے تو کتاب کی دلچسپی کا راز اسی میں مضمر ہے
میں آپکو اس مبارک کام کے لئے ہدیہ تبریک عرض کرتا ہوں کہ آپ نے ایک بڑی بھاری دینی
خدمت اپنے ذمہ لی ہے۔" (۲۲) جناب سید عابد علی صاحب رئیس نے بان دریبہ الہ آباد
سے لکھا "سلام علیک۔ آپ کا محبت نامہ پڑھا۔ دل خوش بھی ہوا اور رنجیدہ بھی۔ مسرت تو
آپکی محبت و صحت و یاد آوری کی۔ اور وہ رنج جناب عالیجناب حکیم صاحب قبلہ مدظلہ العالی کی ناسازی
مزاج و پریشانی کا۔ واللہ میں برابر بعد نمازوں کے دعا صحت و درازی عمر جناب ممدوح کے لئے
کیا کرتا ہوں۔ اس لئے کہ یہ وہ ذات ہے جس نے ہندوستان میں دین کا ڈنکا بجا دیا۔ اور ہزاروں

گمراہوں کو راہ مستقیم دکھلا دی بلکہ تمام شیعوں کا ایمان و اسلام مضبوط کر دیا جس طرح
پڑھے لکھوں کے لئے جناب علامہ مولوی سید حامد حسین صاحب قبلہ مرحوم و مغفور کی عبقات
الانوار ہے اسی طرح ہم سے جاہلوں کیلئے جناب موصوف کی اصلاح جسکی اب آپکے ہاتھوں
اشاعت ہو رہی ہے۔ خدا اس نور کو قائم رکھے اور آپ کے اور ہم لوگوں کے سروں پر تا دیر
ممدوح قبلہ کا سایہ رکھے آمین" (۲۳) جناب مولوی محمد علی الحاج سالمین صاحب (مصنف
علیؑ دی خلیفہ حسینؑ دی گریٹیسٹ مارٹر۔ دی ہولی پروفٹ محمدؐ وغیرہ انگریزی کتب اسلام)
نے بمبئی سے لکھا "خداوند اور آپکے قلم کو زور اور قوۃ عطا فرمائے آمین۔ آپ نے کتاب تصویر عزاء
اور مجالس خاتون لکھکر فدایان اہلبیت پر احسان عظیم کیا اور اس پیرایہ میں کہ کسی کی دل شکنی
بھی نہ ہو۔ اسمیں ذرہ برابر بھی غلو نہیں ہے کہ آپ کے کارہائے نمایاں شیعی تاریخ میں جواہر
بنکر چمکینگے انشاءاللہ۔ آپ کی ذات اس وقت مغتنمات سے ہے اور میری دعا ہے کہ خداوند
آپ کو اہلبیتؑ کی خدمت کے لئے تادیر سلامت رکھے بحق محمدؐ و آلہ الطاہرین تصویر
عزا اگر شایع ہو تو دس کتابیں میرے نام پر وی پی ارسال فرما کر مشکور ہوں" (۲۴) جناب
آغا سید مرتضیٰ شاہ صاحب رضوی ڈپٹی سپرنٹنڈنٹ پولیس میانوالی پنجاب نے لکھا "محسن
قوم جناب مولانا صاحب۔ بعد از سلام مسنون الاسلام آنکہ میں خریدار اصلاح عرصہ بعید سے
اور نیز خریدار الشمس ہوں۔ جو کچھ دینی خدمات آپکے خاندان ذی شان نے اور خود آپ نے
انجام دی ہیں اور دے رہے ہیں تمام زمانہ پر روشن ہے اور انکا ذکر حیطہ تحریر سے باہر ہے
اس کا اجر بے حساب ہے جو ایزد متعال لایزال بوسیلۂ جناب چہاردہ معصومین صلوات اللہ
علیہم اجمعین جنکی عصمت و عظمت و صداقت کو آپ نے روز روشن کیطرح واضح و ہویدا
کیا دے سکتا ہے۔ ہر قسم کے بے شمار مضامین نہایت مدلل طریقہ سے مکمل طور پر مومنین
تک پہونچے اور اسکی گونج جملہ مسلمین میں پہونچی اور راہ ہدایت انکو نصیب ہوئی۔ علماء
و ذاکرین کے لئے وہ خزینۂ بے بہا مہیا کر دیا کہ منا بر پر بیان ہوتے ہیں اور ختم ہونے میں
نہیں آتے۔ بحث و مباحثہ کے دوران میں اصلاح و الشمس کے مضامین کے حوالجات کام دے

رہے ہیں ۔ اور اب آخری دو کتابیں تو ایسی مفید و لاجواب ہیں کہ ایک معمولی خواندہ
شخص بھی اور صنف نازک بھی نہایت جرأت و دلیری سے انکو آگے رکھکر مخالف سے
بذریعہ مباحثہ برسرپیکار ہو سکتے ہیں اور ایام محرم اور مجالس عزا کے موقع پر جہاں کہیں
بھی حضر و سفر میں ہوں مضامین اعلےٰ بیان کر سکتے ہیں وہ مجالس خاتون اور تصویر
عزا ہیں ۔ جس گھر میں یہ دو کتابیں ہوں وہاں مطلق اور کسی کتاب کی ضرورت نہیں رہتی
تمام حوالجات ہر دو کتب میں واضح طور پر کتب مخالف و موافق سے موجود ہیں اور ہر ایک بیدھڑک
مناظرہ کر سکتا ہے ۔ کسی کی محتاجی نہیں رہتی ۔ سبحان اللہ اُن کے مفید ہونے کی انتہا ء
بیان ہی نہیں ہو سکتی ۔ یہ ہر دو کتابیں تو نہایت اعلےٰ کاغذ پر نہایت خوبصورت چھپنی لازم
تھیں کہ جس طرح ان کے مضامین ہیں اُسی سیرت کے مطابق صورت بھی نہایت ہی دیدہ زیب
ہوتی مگر یہ امر آپ پر نہیں قوم پر ہے ۔ مضامین کا ضبط تحریر میں لانا آپکا کام تھا اور
چندہ بڑھا کر انکی ظاہری خوشنمائی کو بڑھانا قوم کا کام تھا ..." (۲۵) اخبار خورشید مظفر نگر
مورخہ ۲۲ر فروری ۱۹۳۳ء نے لکھا "جناب مولانا سید علی حیدر صاحب قبلہ صاحب اصلاح
کھجوا کی دینی خدمات تقریباً تینتس سال کے عرصہ سے قوم کو ممنون احسان بنائے ہوئے ہیں
آپکی ایک جدید تالیف تصویر عزا ہر پہلو سے نہایت ہی معرکۃ الآراء ہے ۔ دلچسپ ایسی
کہ شروع کرنے کے بعد بغیر ختم کئے چھوڑنے کو جی نہ چاہے ۔ طرز بیان اس قدر مرنجاں مرنج کہ
شیعہ سنی حنفی وہابی ہر فرقہ کا شخص نہایت اطمینان و سکون کے ساتھ پڑھ سکتا ہے نام گو
تصویر عزا ہے مگر اس کا موضوع اس قدر وسیع ہے کہ واقعہ عزا کے ہیرو امام حسین علیہ السلام
کی ذات سے جس قدر واقعات اور مسائل نسبت رکھتے ہیں سب پر بحث کی گئی ہے ۔
ائمہ معصومین علیہم السلام کو علیہ السلام کہنا ۔ آپ پر درود بھیجنا ۔ انکا اہلبیت میں شامل
ہونا ۔ اہلبیت کے صحیح مصداق کون ہیں ۔ مجالس ذکر حسین کا جواز ۔ آپکا فرزندان رسول ہونا ۔ اور اسی قسم کے
سیکڑوں مباحث ایک سے ایک زیادہ دلچسپ اس میں بیان کئے گئے ہیں اور مستند کتب اہل سنت کے حوالوں نے
اس کتاب کی وقعت کو بڑھا دیا ۔ عبارت نہایت سلیس ہے اور ۵۰۰ صفحات کی کتاب ہوتے ہوئے صرف دو
روپیہ قیمت بہت ارزاں ہے ۔ ناظرین کو چاہیئے کہ ہاتھوں ہاتھ لیں"۔

مجالسِ خاتون

ہندوستان کے مومنین میں زنانی مجالس بفضلہ تعالیٰ بہت کثرت سے ہونے لگیں مگر انہیں پڑھنے کے لیے حدیث کی کوئی مخصوص کتاب نہیں ملتی تھی جس سے مومنات کا طبقہ بہت افسوس کرتا تھا۔ الحمد للہ اس ضرورت کو محسوس کرکے جناب مولانا السید علی حیدر صاحب قبلہ مدیر رسالہ اصلاح کھجوا دام برکاتہم نے یہ کتاب مجالس خاتون ایسی خوبیوں والی لکھی ہے جس کی تمام مومنین و مومنات میں دھوم ہو رہی ہے۔ نہایت درجہ پسند کی گئی اور کمال درجہ قدر کی نگاہ سے دیکھی جاتی ہے پہلی جلد میں اصول دین کی [illegible] اور ان میں مذہبی ضروری تعلیم کا بے مثل خزانہ جمع کرنے کے ساتھ فضائل و مصائب کا کافی ذخیرہ مہیا فرما دیا ہے۔ اور ہر مجلس کے آخر میں بین کے اشعار تو ایسے [illegible] چن چن کر لکھے ہیں کہ ان کے پڑھنے پر سامعین کی عجیب حالت ہوتی ہے جلد اول میں مصائب وہ [illegible] ۱۰ محرم تک پڑھے جاتے ہیں اور ہر روز کے لیے تین مجلسیں لکھی گئی ہیں۔ مجالس خاتون کی دوسری جلد میں فروع دین کی کل ضروری باتیں لکھی گئیں اور اربعین کے مصائب بہت تفصیل سے بیان کیے گئے ہیں۔ اس جلد کی ہر مجلس کے آخر میں بھی نہایت موثر بلکہ دل کو تڑپا دینے والے نوحہ اور بین کے اشعار لکھے گئے ہیں۔

مومنات اور ان کی لڑکیوں کی مذہبی تعلیم کے لیے یہ بہترین نصاب اور ان کو تحفہ دینے کے لیے یہ اعلیٰ ترین نعمت ہے۔ اگر آپ نے نہیں دیکھی تو جلد منگائیے۔ قیمت جلد اول عا، جلد دوم عا، المشتہر منیجر اصلاح کھجوا (صوبہ بہار)

جواب شرر — مسٹر عبدالحلیم صاحب شرر ایڈیٹر رسالہ گداز لکھنؤ نے حضرت سید الشہداء کی صاحبزادی جناب سکینہ کا بہت اسلام سوز ناول لکھ کر خاندان رسول کی شدید توہین کی تھی جس سے تمام مسلمانان ہند کے دل تڑپتے تھے۔ اس ناول کا نہایت محققانہ جواب لکھ کر اس کتاب جواب شرر میں پوری حقیقت واضح کر دی گئی ہے۔ نہایت دلچسپ اور قابل قدر ہے۔ جلد منگائیے۔ قیمت صرف عا روپیہ۔ منیجر اصلاح کھجوا (صوبہ بہار)

(سید محمد جعفر نے اصلاح اسٹیم پریس کھجوا میں چھاپ کر شائع کیا)